

جلد شانزدهم

حسُن الہدایہ

ترجمہ و شرح اردو

ہدایہ

از باب عتق احد العبدین
تا
باب قطع الطریق

تصنیف

شیخ الاسلام مولانا ابوالحسن علی ابن ابی بکر قرطبی قرطبی

ترجمہ و تفسیر

مفتی عبدالحکیم قاسمی استنبوی
مفتی رفیع الدین اعظمی

تہنیل عنوانات و تخریج

مولانا صہیب اشفاق صاحب



مکتبہ رحمانیہ

اقرا سنٹر عرف سٹریٹ، اردو بازار، لاہور
فون: 042-37224228-37221395

جلد ۱۶
حسنُ الہدایہ

ترجمہ و شرح اردو

ہدایہ

جلد ۱۶

اسن الہدایہ

ترجمہ و شرح اردو

ہدایہ

از باب القسامہ تا کتاب الطہق

تصنیف

شیخ الاسلام برہان الدین ابو الحسن علی ابن ابی بکر قرطبی مرغینانی

المتوفی ۵۹۳ھ بمطابق ۱۱۹۷ء

بترجمہ و تفسیر

مفتی عبدالحلیم قاسمی بستوی
مبین مفتی دار العلوم دیوبند

نشر

مکتبہ احسانیت

اقرا سنٹر عرفی سٹریٹ، آندہ بازار لاہور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

جملہ حقوق ملکیت بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب: اُن الہدایہ (جلد شانزدہم)

مصنف: شیخ الاسلام علامہ ابو الحسن علی ابن بابی بکر رحمہ اللہ

ناشر: مکتبہ رحمانیہ

مطبع: لعل سٹار پرنٹرز لاہور

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

فہرست مضامین

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۳۵	اہل ٹھکے اور خریداروں پر قسامت کے وجوب کا اختلاف	۱۳	باب القسامۃ
۳۶	اہل ٹھکے اور خریداروں پر قسامت کے وجوب کا اختلاف	۱۴	”قسامۃ“ کے وقوع کی صورت
۳۷	قسامت کی ایک مخصوص صورت	۱۵	”قرینہ“ کی وضاحت
	ایک سے زائد مالکوں میں مشترک گھر میں پائے جانے	۱۶	امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل
۳۸	والے مقتول کی قسامت	۱۸	اہل قسامت کی تعیین کا مسئلہ
۳۹	دارمبیہ میں قبضے کا قسامت پر اثر	۲۰	قسامت کے بعد دیت کا وجوب
۴۰	امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل	۲۱	قسامت سے انکار کرنے والے کا حکم
۴۱	امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل	۲۲	اہل قسامت کے چناؤ میں مدعی کے دعویٰ کا اثر
۴۲	کسی کشتی میں مقتول ملنے کی صورت کا حکم	۲۳	بعض معین کے مدعا علیہ ہونے کی صورت میں قسامت کا حکم
۴۳	کسی محلے کی مسجد میں ملنے والے مقتول کی قسامت	۲۴	بعض معین کے مدعا علیہ ہونے کی صورت میں قسامت کا حکم
//	بازار میں پائے جانے والے مقتول کی قسامت		اہل محلہ کے علاوہ کسی اور پر دعویٰ کرنے کی صورت میں
۴۴	جنگل کا مقتول	۲۵	قسامت
۴۵	قید خانہ کا مقتول	۲۶	اہل محلہ کی تعداد پچاس سے کم ہونے کی صورت
۴۶	دریا کا مقتول	۲۷	قسامت کے لیے نا اہل لوگ
۴۷	دریا کے کنارے کا مقتول	//	قسامت کس میت پر ہوگی
	کسی معین آدمی پر دعویٰ کرنے سے قسامت ساقط نہ	۲۸	بدن کا کچھ حصہ ملنے کی صورت
//	ہونے کا حکم	۲۹	مذکورہ بالا مسئلہ کا اصول
	کسی معین آدمی پر دعویٰ کرنے سے قسامت ساقط نہ	۳۰	جنین یا مردہ بچہ ملنے کی صورت
۴۸	ہونے کا حکم	۳۱	کسی سواری پر مقتول ملنے کی مختلف صورتیں
۴۹	کسی محلے میں ہونے والے معرکے کا مقتول	۳۲	دو بستیوں کے درمیان پائے جانے والے مقتول کا حکم
۵۰	بیابان میں ٹھہرے ہوئے لشکر میں پایا جانے والا مقتول	۳۳	کسی کے گھر میں پائے جانے والے مقتول کی قسامت
//	دشمن کے ساتھ ہونے والے معرکے کا مقتول	۳۴	مالکان اور آبادکاروں میں سے قسامت کس پر واجب ہوگی

۴۲	دیت کی وصولی کی مدت	۵۱	مستخلف کے کسی اور پر قتل کے الزام لگانے کی صورت
۴۳	دیت کی وصولی کی مدت	۵۲	اہل محلہ کے کسے اور پر الزام قتل کی شنوائی
۴۴	دیت کی وصولی میں قاتل کی شمولیت	۵۳	اہل محلہ کے کسے اور پر الزام قتل کی شنوائی
۴۵	دیت کی وصولی میں بچوں اور عورتوں کا مسئلہ		کسی جگہ پر زخمی ہونے والا بعد میں مر جائے تو قسامت
//	دیت کی وصولی میں بچوں اور عورتوں کا مسئلہ	۵۴	کس پر ہوگی
۴۶	مختلف شہروں کے لوگوں سے دیت کی وصولی		کسی جگہ پر زخمی ہونے والا بعد میں مر جائے تو قسامت
۴۷	مختلف شہروں کے لوگوں سے دیت کی وصولی	۵۵	کس پر ہوگی
//	مختلف شہروں کے لوگوں سے دیت کی وصولی	۵۶	اپنے ہی گھر میں پایا جانے والا مقتول
۴۸	مختلف شہروں کے لوگوں سے دیت کی وصولی	۵۷	اپنے ہی گھر میں پایا جانے والا مقتول
۴۹	مختلف شہروں کے لوگوں سے دیت کی وصولی	۵۸	کسی عورت کی جاگیر سے ملنے والا مقتول
//	مسافر کی دیت	۵۹	کسی آدمی کی جاگیر سے ملنے والا مقتول
۸۰	ذمیوں کی دیت کا معاملہ		
۸۱	ذمیوں کی دیت کا معاملہ	۶۰	کِتَابُ الْمَعَاظِلِ
۸۲	کفار اور مسلمانوں کا آپس میں ایک دوسرے کی دیت دینا		یہ کتاب اہل معاذل کے بیان میں ہے
	دیت کے فیصلے سے پہلے دیوان ایک سے دوسرے شہر	//	معاقل کی لغوی تحقیق
//	میں منتقل ہو جانے کی صورت	۶۱	دیت کا وجوب کس پر ہوگا اور کب
۸۳	مذکورہ بالا مسئلہ میں جمہور کی دلیل	۶۳	عاقلہ کی تعریف
۸۴	قضائے قاضی کے بعد عاقلہ کی تعداد گھٹ جانے کی صورت	۶۴	عاقلہ کی تعریف
۸۵	قضائے قاضی کے بعد عاقلہ کی تعداد گھٹ جانے کی صورت	۶۵	تین سال کی مدت کی حیثیت
	قضائے قاضی کے بعد عاقلہ کے اہل عطاء بن جانے کی	۶۶	تین تنخواہوں کے جلدی وصول ہونے کی صورت
۸۶	صورت	۶۷	قاتل کے ذمے واجب ہونے والی دیت کی مدت ادائیگی
۸۷	آزاد کردہ غلام کا عاقلہ	//	قاتلین کی کثرت کی صورت میں دیت کی مدت
//	مولی موالیات کا عاقلہ	۶۸	غیر اہل دیوان کا عاقلہ
۸۸	عاقلہ کے ادا کرنے کا نصاب	۶۹	دیت میں وصول کی جانے والی سالانہ مقدار
۸۹	کم دیت کو کہاں سے وصول کیا جائے گا	۷۰	قاتل کے غیر قریبی تعلق داروں سے دیت کی وصولی
	قتل کی ان صورتوں کا بیان جن میں عاقلہ سے دیت نہیں	۷۱	قاتل کے غیر قریبی تعلق داروں سے دیت کی وصولی

۱۱۱	کافروں اور مسلمانوں کا باہمی وصیت کرنا	۹۰	لی جاسکتی
۱۱۲	وصیت کو کب قبول کیا جائے گا	۹۱	اقرار قتل کی ایک مخصوص صورت
۱۱۳	وصیت کی مستحب مقدار		قضائے قاضی کے انعقاد پر اختلاف ہو جانے کی صورت
۱۱۴	وصیت کرنا کب مستحب ہے	//	میں قول معتبر کس کا ہوگا
۱۱۵	وصیت کے لیے قبول کرنے کی شرط	۹۲	مقتول غلام کی قیمت عاقلہ پر ہوگی یا قاتل پر
۱۱۶	مسئلہ بالا میں ایک استثناء	۹۳	غلام کے کسی عضو کو تلف کرنے کا جرمانہ کون ادا کرے گا
۱۱۷	مقروض کی وصیت	۹۴	عاقلہ نہ رکھنے والے قاتل کی دیت
۱۱۸	بچے کی وصیت	۹۵	ابن الملاحہ کا عاقلہ
۱۱۹	بچے کی وصیت	۹۶	مذکورہ بالا مسئلہ کی ایک نظیر
۱۲۰	مکاتب کی وصیت	//	کسی بچے سے قتل کرانے والے کی دیت
۱۲۱	حمل اور جنین کے لیے وصیت کرنا	۹۷	مذکورہ بالا مسائل میں اصل ضابطہ
۱۲۳	حمل کے علاوہ سے جاریہ کی وصیت کرنا		
//	موصی کا حق رجوع	۹۹	
۱۲۴	رجوع کا طریقہ		
//	رجوع کا طریقہ	۱۰۰	
۱۲۵	رجوع کا طریقہ	۱۰۱	
۱۲۶	رجوع کا طریقہ	۱۰۲	
۱۲۷	خود اپنی وصیت کا انکار کرنا	۱۰۳	
۱۲۸	اپنی وصیت کو "حرام" اور "سود" کہنے کا حکم	۱۰۴	
۱۲۹	رجوع کی ایک مخصوص صورت	۱۰۵	
۱۳۰	باب الوصیۃ بثلاث المال		
//	دو آدمیوں کے لیے ثلث مال کی وصیت کرنا	۱۰۶	
۱۳۱	دو آدمیوں کے وصیت کرنے کے مختلف طریقے	۱۰۷	
۱۳۲	دو آدمیوں کے وصیت کرنے کے مختلف طریقے	۱۰۸	
۱۳۳	صاحبین کی دلیل	۱۰۹	
۱۳۵	امام صاحب کی دلیل	۱۱۱	
			کِتَابُ الْوَصَايَا
			یہ کتاب وصیتوں کے بیان میں ہے
			باب
			وصیت کی شرعی حیثیت اور مستدل
			ماقبل میں اٹھائے گئے ایک شبہ کا جواب
			وصیت کی حد
			مذکورہ بالا مسئلہ میں ایک استثناء
			ثلث مال سے زائد کی وصیت میں ورثاء کی اجازت کا وقت
			وارث کے حق میں وصیت کی صورت میں باقی ورثہ کی
			اجازت کا مسئلہ
			قاتل کے لیے وصیت کا عدم جواز
			مذکورہ بالا مسئلہ میں استثناء
			وارث کے حق میں وصیت کرنا
			مذکورہ بالا مسئلہ میں ورثاء کی اجازت کی صورت

۱۵۲	مخصوص صورت	۱۳۶	کسی کے لیے اپنے بیٹے کے حصے کی وصیت کرنا
۱۵۳	میت کا اقرار مجہول	۱۳۷	ایک "سہم" کی وصیت
۱۵۵	اقرار مجہول اور وصیت	۱۳۸	مال کے ایک جز کی وصیت
//	حصے علیحدہ کرنے کا فائدہ	۱۳۹	ایک ہی آدمی کے لیے دو وصیتیں کرنے کا ایک طریقہ
۱۵۶	اقرار مجہول کا اثر		ثمن کی وصیت کرنے والے کے دو ثمن مال ضائع ہو جانے کی صورت
۱۵۷	وارث اور غیر وارث دونوں کے لیے وصیت کرنا	۱۴۰	ثمن کی وصیت کرنے والے کے دو ثمن مال ضائع ہو جانے کی صورت
۱۵۸	مذکورہ بالا صورت میں کسی دین یا کسی چیز کا اقرار کرنا	۱۴۱	ثمن کی وصیت کرنے والے کے دو ثمن مال ضائع ہو جانے کی صورت
۱۵۹	تین کپڑوں کی وصیت	//	معین عدد کی وصیت
۱۶۰	تین کپڑوں کی وصیت	۱۴۲	دو آدمیوں کے لیے ثمن مال کی وصیت کرنے کی ایک صورت
۱۶۱	مشترک جائیداد کے ایک معین حصے کی وصیت کرنا		دو آدمیوں کے لیے ثمن مال کی وصیت کرنے کی ایک صورت
۱۶۲	ائمہ کے دلائل	۱۴۳	وصیت کے وقت فقیر کی وصیت
۱۶۳	ائمہ کے دلائل	۱۴۴	ثمن کی وصیت کرنے والے کا مال ضائع ہو جانے کی صورت
۱۶۴	ائمہ کے دلائل	۱۴۵	ثمن کی وصیت کرنے والے کا مال ضائع ہو جانے کی صورت
//	مذکورہ بالا صورت میں اقرار کا حکم	//	وصیت کے وقت فقیر کی وصیت
۱۶۵	کسی دوسرے کے مال سے وصیت کرنا	۱۴۶	ثمن کی وصیت کرنے والے کا مال ضائع ہو جانے کی صورت
	میراث کی تقسیم کے بعد کسی وارث کے وصیت کا اقرار کرنے کی صورت	۱۴۷	"ایک بکری" کی وصیت کرنا
۱۶۹	میراث کی تقسیم کے بعد کسی وارث کے وصیت کا اقرار کرنے کی صورت	۱۴۸	"ایک بکری" کی وصیت کرنا
۱۷۰	موصی بہ باندی کے بچہ جننے کی صورت	۱۴۹	امہات اولاد اور فقراء مساکین کے لیے وصیت کا ایک مخصوص طریقہ
//	موصی بہ باندی کے بچہ جننے کی صورت	۱۵۰	ائمہ کے دلائل
۱۷۱	ائمہ کے دلائل	۱۵۱	ایک سے زیادہ لوگوں کے لیے وصیت کرنے کی ایک مخصوص صورت
۱۷۲	فصل فی اعتبار حالۃ الوصیۃ	//	ایک سے زیادہ لوگوں کے لیے وصیت کرنے کی ایک مخصوص صورت
۱۷۳	حالت مرض میں کسی عورت کے لیے اقرار وصیت اور بہہ کرنے کے بعد اس سے نکاح کرنے کی صورت		ایک سے زیادہ لوگوں کے لیے وصیت کرنے کی ایک مخصوص صورت
۱۷۵	کافر بیٹے کے لیے وصیت کی اور وہ موت سے پہلے		

۲۰۱	حج کے راستے میں مرنے والے کی وصیت باج	۱۷۶	مسلمان ہو گیا
۲۰۲	باب الوصیۃ للأقارب وغیرہم	۱۷۷	غلام بیٹے کے لیے وصیت کرنا
۲۰۳	”پڑوسیوں“ کے لیے وصیت	۱۷۸	معتبر الوصیۃ مریض کا بیان
۲۰۴	”جوار“ کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے	//	غیر معتبر الوصیۃ مریض
۲۰۵	”سسرالی رشتہ داروں“ کے لیے وصیت میں کون کون داخل ہوگا	۱۷۹	باب العتق فی مرض الموت
۲۰۶	”سسرالی رشتہ داروں“ کے لیے وصیت میں کون کون داخل ہوگا	//	مرض الموت میں غلام آزاد کرنا
//	مذکورہ بالا صورت میں بیوی کی حیثیت کا مسئلہ پر اثر	۱۸۱	مرض الموت کے تصرفات
۲۰۷	”دامادوں“ کے لیے وصیت میں کون کون شریک ہوگا	۱۸۲	محابات اور حلق جمع ہو جانے کی صورت
۲۰۸	”اقارب“ کے لیے وصیت میں شامل ہونے والے	۱۸۳	مذکورہ بالا مسئلہ کی دلیل
۲۰۹	امام صاحب رحمہ اللہ کے قول کی تعلیل	۱۸۴	ائمہ کے دلائل
۲۱۰	ائمہ میں اختلاف کا ثمرہ	۱۸۵	امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب
۲۱۱	ائمہ میں اختلاف کا ثمرہ	۱۸۶	معین مالیت کی وصیت کرنا کہ اس سے غلام آزاد کیا جائے، یا یہ کہ اس سے حج کیا جائے
۲۱۲	”اہل فلاں“ کے لیے وصیت	۱۸۷	امام صاحب کی دلیل
۲۱۳	”آل فلاں“ کے لیے وصیت کرنا	۱۸۸	مرض الموت میں اعتاق کی ایک صورت
۲۱۴	اہل نسب اور اہل جنت کے لیے وصیت	۱۸۹	موصی بالعتق غلام کا کسی جرم میں مأخوذ ہو جانا
//	کسی قبیلے کے اندھوں یتیموں یا ابا بچوں کے لیے وصیت	۱۹۱	اعتاق کی ایک صورت
۲۱۵	کسی قبیلے کے نوجوانوں کے لیے وصیت کرنا	۱۹۳	اعتاق کی ایک صورت
۲۱۶	”بنو فلاں“ کے لیے وصیت میں کون داخل ہوگا	۱۹۴	قرض اور امانت رکھوانے کے دعووں کی صورت میں ترجیح
۲۱۷	”ولد فلاں“ یا ”ورثہ فلاں“ کے لیے وصیت کے شرکاء	۱۹۵	فصل
۲۱۸	”موالی“ کے لیے وصیت	//	حقوق اللہ کی وصیت میں ترتیب
۲۱۹	”موالی“ کے لیے وصیت	۱۹۶	ہم مرتبہ وصایا کی صورت میں ترتیب تقدیم و تاخیر
۲۲۱	”موالی“ کے لیے وصیت	۱۹۷	مذکورہ بالا مسائل کے دلائل
//	”موالی“ کے لیے وصیت	۱۹۸	حقوق اللہ اور حقوق العباد کے جمع کر دینے کی صورت
۲۲۲	”موالی“ کے لیے وصیت	۱۹۹	حج کی وصیت کو پورا کرنے کا طریقہ
		۲۰۰	حج کی وصیت کو پورا کرنے کا طریقہ

۲۳۶	امام صاحب پر وارد ہونے والے اعتراض کا جواب	۲۳۳	باب الوصیۃ بالسکنی والخدمۃ والثمرۃ
۲۳۷	ذمی کی وصیت کی اقسام	//	منافع کی وصیت کرنا
۲۳۸	دوسری قسم	۲۳۴	منافع کی وصیت کرنا
//	تیسری قسم	۲۳۵	خدمت کی وصیت اور غلام خادم کی ترکے میں حیثیت
۲۳۹	چوتھی قسم	۲۳۶	بطور مہایات تقسیم کا جواز
۲۵۰	اہل بدعت کی وصیتیں	۲۳۷	رہائش کی وصیت والا مکان کس کی ملک ہوگا
۲۵۱	حربی متا من کی وصیت	۲۳۸	کسی ذریعہ آمدن کی کمائی کی وصیت
۲۵۲	حربی متا من سے معاملت		خدمت اور رہائش کا موصلیٰ لہ ان چیزوں کو کرائے پر نہیں
۲۵۳	ذمی کی ناجائز وصیت	۲۳۹	دے سکتا
۲۵۴	باب الوصی وما یملکہ	۲۳۰	ہماری دلیل
//	وصایت کا قبول اور رد	۲۳۱	ہماری دلیل
۲۵۵	وصایت کا رد	۲۳۲	خدمت کی وصیت والے غلام کو اس کے شہر سے نکالنا
۲۵۶	وصی کا تصرف بیع	۲۳۳	اپنے غلام یا اپنے گھر کی آمدن کی وصیت کرنا
۲۵۸	وصایت کے رد کرنے کی ایک صورت	۲۳۴	موصلیٰ بالغۃ گھر کی ترکے میں حیثیت
۲۵۹	نا اہل کو وصی مقرر کرنا	//	خدمت اور رقبہ کی متصل وصیت کرنا
۲۶۰	نا اہل کو وصی مقرر کرنا	۲۳۵	مذکورہ بالا مسئلہ کی توجیہ
۲۶۱	اپنے ہی غلام کو وصی بنانا		مذکورہ بالا مسئلہ میں دونوں وصیتوں کے مابین فصل کرنے
۲۶۳	مذکورہ بالا مسئلہ میں امام صاحب کا مذہب	۲۳۷	کا حکم
//	عاجز کو وصی بنانا	۲۳۸	گنیمت اور انگوٹھی کی دو آدمیوں کے لیے وصیت
۲۶۴	وصی کا عجز کی شکایت کرنا	۲۴۰	اپنے باغ کے پھلوں کی وصیت
۲۶۵	ورثاء کے وصی پر اعتراض کرنے کی صورت	۲۴۱	توجیہ مسئلہ مذکورہ بالا
۲۶۶	بیک وقت دو آدمیوں کو وصی بنانا	۲۴۲	بکریوں کی اون دودھ یا بچوں کی وصیت کرنا
۲۶۸	طرفین کی دلیل	۲۴۳	باب وصیۃ الذمی
۲۶۹	مسئلہ کی تخریج	//	کافر کی بنائی ہوئی عبادت گاہ
۲۷۰	وصی کے تصرفات کا دائرہ کار	۲۴۴	کافر کی اپنے گھر کو عبادت گاہ بنادینے کی وصیت کرنا
۲۷۱	وصی کے تصرفات کا دائرہ کار	۲۴۵	کافر کی اپنے گھر کو عبادت گاہ بنادینے کی وصیت کرنا

۲۹۳	فصل فی الشہادۃ	۲۷۲	دو وصی مقرر کرنے کی صورت میں ایک وصی کا میدان اختیار
۲۹۴	دو وصیوں کا کسی تیسرے آدمی کے لیے وصایت کی گواہی دینا	۲۷۳	دو آدمیوں کو علیحدہ علیحدہ وصی بنانا
۲۹۵	بیٹوں کا کسی شخص کے لیے وصایت کا دعویٰ کرنا	۲۷۴	دو مقرر کردہ وصیوں میں سے ایک کے مرجانے کی صورت
۲۹۶	دو وصیوں کا میت کے کسی بالغ وارث کے حق میں گواہی دینا	۲۷۵	وصی بوقت موت کسی اور کو وصی مقرر کر سکتا ہے
۲۹۷	چار آدمیوں کا ایک دوسرے کے لیے میت کے ذمے	۲۷۶	مسئلے کی توجیہ
۲۹۸	قرض یا وصیت کی گواہی دینا	۲۷۷	وصی ورثاء اور وصی لہ میں سے کس کی نیابت کر سکتا ہے
۲۹۹	مذکورہ بالا مسائل کے دلائل	۲۷۸	وصی لہ کی حیثیت
۳۰۰	مذکورہ بالا مسائل کے دلائل	۲۷۹	وصی لہ کی حیثیت
۳۰۱	مذکورہ بالا مسائل کے دلائل	۲۸۰	وصیت کے لیے علیحدہ کیے گئے مال کے ہلاک ہونے کا حکم
۳۰۲	فریقین کے دلائل	۲۸۱	قاضی کی طرف سے وصیت کے لیے علیحدہ کیے ہوئے
۳۰۳	مال کے ہلاک ہونے کی صورت	۲۸۲	وصی کا قرضخواہوں کی غیر موجودگی میں بیع کرنا
۳۰۴	وصی کا قرضخواہوں کی غیر موجودگی میں بیع کرنا	۲۸۳	وصی کا قرضخواہوں کی غیر موجودگی میں بیع کرنا
۳۰۵	وصی کے نابالغ کے قبضہ کیے ہوئے مال کے ہلاک ہو	۲۸۴	وصی کے نابالغ کے قبضہ کیے ہوئے مال کے ہلاک ہو
۳۰۶	جانے کی صورت	۲۸۵	وصی کا یتیم کے قرض پر حوالہ قبول کرنا
۳۰۷	وصی کا یتیم کے قرض پر حوالہ قبول کرنا	۲۸۶	وصی کے تصرفات کے انعقاد کی شرط
۳۰۸	وصیت نامہ اور بیع نامہ کے علیحدہ دستاویزات میں درج	۲۸۷	کرنے کا حکم
۳۰۹	بالغ اور غائب وارث کے مال میں وصی کے تصرف کا حق	۲۸۸	وصی کا اصل کار منصبی
۳۱۰	بھائی کے وصی کے اختیارات	۲۸۹	وصی اور دادا میں سے بچوں کے مال کا زیادہ حقدار کون
۳۱۱	وصی اور دادا میں سے بچوں کے مال کا زیادہ حقدار کون	۲۹۰	ہوگا؟...

۳۲۰	گوئنگے کے اشاروں کا حکم جبکہ وہ لکھنا جانتا ہو	۳۱۰	تغییل و تدفین کے احکام
۳۲۱	کتابت کی اقسام	۳۱۱	جنازہ پڑھنے کا طریقہ
//	گوئنگے کا اشارہ کہاں کہاں قبول ہوگا	//	اجتماعی قبر میں خشتی کی تدفین
۳۲۳	حدود اور قصاص میں فرق	۳۱۳	خشتی مشکل کی میراث
//	غائب کے تحریری اقرار کی حیثیت	۳۱۴	امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل
۳۲۴	اشارہ اور کتابت کا ایک ہی حکم ہونے کا مسئلہ	//	امام صاحب رحمہ اللہ کے قول کی توجیہ اور دلیل
۳۲۵	عارضی طور پر نہ بول سکنے والے کا اشارہ	۳۱۵	امام صاحب رحمہ اللہ کے قول کی توجیہ اور دلیل
	بہت سی مذبحہ بکریوں میں سے کھانا جبکہ چند ایک مردار	۳۱۷	مسائل شتی
۳۲۶	بھی شامل ہوں	//	گوئنگے کی وصیت
۳۲۷	امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب	۳۱۸	ہمارے ائمہ کی دلیل

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بَابُ الْقَسَامَةِ

یہ باب قسم لینے کے بیان میں ہے

اس سے پہلے قتل، جنایت اور دیت وغیرہ کے مسائل پر مشتمل ابواب بیان کئے گئے ہیں اور چونکہ کبھی مقتول کے قاتل کا صحیح اور قطعی علم نہیں ہو پاتا اور وجوب دیت میں پریشانی ہوتی ہے جس کا ازالہ قسامت کے ذریعے ہوتا ہے، اس لیے صاحب کتاب نے کتاب الدیات کو ختم کرتے کرتے باب القسامۃ کو بھی بیان کر دیا ہے، تاکہ کتاب الدیات ہر اعتبار سے کامل اور مکمل ہو جائے اور قاری ہدایہ کی تشنگی اور تنگ دامن کا شکار نہ ہو۔

قسامۃ کے لغوی معنی: قسم کھانا۔

قسامۃ کے شرعی معنی اور اصطلاحی معنی: ایمان تقسم بھا اهل محلة او دار وجد فیہا قتیل بہ جراحة أو اثر ضرب ولا یعلم من قتله یعنی اگر کسی محلے یا دار میں کوئی ایسا قاتل پایا جائے جس پر زخم یا ضرب کا نشان ہو اور اس کے قاتل کا علم نہ ہو تو جس محلے یا دار میں قاتل پایا جائے اس کے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائے، اور وہ لوگ ان الفاظ میں قسم کھائیں ”باللہ ما قتلناہ ولا نعلم له قاتلا“ بخدا نہ ہم نے اس مقتول کو قتل کیا ہے اور نہ ہی ہم اس کے قاتل سے واقف ہیں۔

قسامۃ کا سبب: وجود القتیل یعنی مقتول کا پایا جانا ہے۔

قسامۃ کا رکن: پچاس لوگوں سے انفرادی طور پر قسم لینا ہے۔

قسامۃ کی شرط: قسم کھانے والے افراد کا عاقل، بالغ اور آزاد ہونا ہے۔

قَالَ وَ إِذَا وَجَدَ الْقَتِيلُ فِي مَحَلَّةٍ وَلَا يُعْلَمُ مَنْ قَتَلَهُ أُسْتُحْلِفَ خَمْسُونَ رَجُلًا مِنْهُمْ يَتَخَيَّرُهُمُ الْوَلِيُّ، بِاللَّهِ مَا قَتَلْنَاهُ وَمَا عَلِمْنَا لَهُ قَاتِلًا، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ إِذَا كَانَ هُنَاكَ لَوْثٌ أُسْتُحْلِفَ الْأَوْلِيَاءُ خَمْسِينَ يَمِينًا وَيُقْضَى لَهُمْ بِالْيَدِيَةِ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ عَمْدًا كَانَتْ الدَّعْوَى أَوْ خَطَأً، وَقَالَ مَالِكٌ يُقْضَى بِالْقَوْدِ إِذَا كَانَتْ الدَّعْوَى فِي الْقَتْلِ الْعَمْدِ وَهُوَ أَحَدُ قَوْلِي الشَّافِعِيِّ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی محلے میں کوئی مقتول پایا جائے اور اس کے قاتل علم نہ ہو تو محلے کے ایسے پچاس لوگوں سے قسم لی جائے جنہیں مقتول کا ولی منتخب کرے۔ (اور وہ لوگ اس طرح قسم کھائیں کہ) بخدا نہ تو ہم نے اسے قتل کیا ہے اور نہ ہی اس کے قاتل سے واقف ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر وہاں کوئی قرینہ موجود ہو تو اولیائے مقتول سے پچاس قسم لی جائیں گی اور (قسم کے بعد) ان کے لیے مدعی علیہ پر دیت کا فیصلہ کر دیا جائے گا خواہ قتل عمد کا دعویٰ ہو یا قتل خطا کا۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر قتل عمد کا دعویٰ ہو تو قصاص کا فیصلہ کر دیا جائے اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے۔

اللغات:

﴿قتیل﴾ مقتول۔ ﴿استحلف﴾ قسم لی جائے گی۔ ﴿لوٹ﴾ آلودگی، ملوث ہونا، نشان، قرینہ، علامت۔
﴿قود﴾ قصاص۔

”قسامۃ“ کے وقوع کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی محلے یا گلی اور کوپے میں کوئی ایسا مقتول پایا جائے جس کے قاتل کا علم نہ ہو اور اس کے مقتول پر قتل کے آثار موجود ہوں یعنی اس کے جسم پر زخم یا مار کے نشانات ہوں اور مقتول کا ولی اہل محلہ میں سے کچھ لوگوں پر قتل کا دعویٰ کرے تو ہمارے یہاں ولی مقتول کو یہ حق ہوگا کہ وہ اہل محلہ سے پچاس لوگوں کو منتخب کر کے ان سے قسم لے اور وہ لوگ ان الفاظ میں قسم کھائیں۔ **بِاللّٰهِ مَا قَتَلْنَاہُ وَلَا عَلَمْنَاہُ قَاتِلًا** یعنی نہ تو ہم نے اس مقتول کو قتل کیا ہے اور نہ ہی ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں۔ اہل محلہ کے قسم کھانے کے بعد ان کے ذمے سے قصاص ساقط ہو جائے گا اور ان کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی خواہ قتل عمد کا دعویٰ ہو یا قتل خطا کا بہر دو صورت ہمارے یہاں حکم یہی ہے۔

اس سلسلے میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ اگر اس مقتول پر قتل کا کوئی قرینہ موجود ہو تو پھر اہل محلہ سے پہلے اولیائے مقتول سے پچاس قسم لی جائیں گی چنانچہ وہ لوگ یوں قسم کھائیں گے کہ بخدا اہل محلہ ہی نے اسے قتل کیا ہے۔ یعنی امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں اہل محلہ کی قسم اولیائے مقتول کی قسم سے مؤخر ہوگی، اور اگر اولیائے مقتول قسم کھا لیتے ہیں تو پھر اہل محلہ پر ان کے لیے دیت واجب ہوگی خواہ قتل عمد کا معاملہ ہو یا خطا کا۔

وقال مالک رحمہ اللہ الخ: فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے یہاں اگر دعویٰ قتل عمد میں ہو تو مقتول کے اولیاء اور اہل محلہ میں سے جس پر دعویٰ ثابت ہوگا اس سے قصاص لیا جائے گا۔
امام شافعی رحمہ اللہ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔

وَاللَّوْثُ عِنْدَهُمَا أَنْ يَكُونَ هُنَاكَ عَلَامَةُ الْقَتْلِ عَلَى وَاحِدٍ بَعِيْنِهِ أَوْ ظَاهِرٌ يَشْهَدُ لِلْمُدَّعِي مِنْ عَدَاوَةِ ظَاهِرَةٍ أَوْ شَهَادَةِ عَدْلٍ أَوْ جَمَاعَةٍ غَيْرِ عَدُوٍّ أَنْ أَهْلَ الْمَحَلَّةِ قَتَلُوهُ، وَإِنْ لَمْ يَكُنِ الظَّاهِرُ شَاهِدًا لَهُ فَمَذْهَبُهُ مِثْلُ مَذْهَبِنَا غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَكْرَرُ الْيَمِينَ بَلْ يَرُدُّهَا عَلَى الْوَلِيِّ فَإِنْ حَلَفُوا لَا دِيَةَ عَلَيْهِمْ.

ترجمہ: اور امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں لوٹ یہ ہے کہ وہاں کسی معین شخص پر قتل کی علامت موجود ہو یا ظاہر حال مدعی کے حق میں شاہد ہو یعنی (قاتل و مقتول میں) ظاہری عداوت ہو یا ایک عادل مرد کی شہادت ہو یا ایک غیر عادل جماعت کی اس بات پر شہادت ہو کہ اہل محلہ ہی نے اسے قتل کیا ہے، اور اگر ظاہر حال مدعی کے لیے شاہد نہ ہو تو امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہمارے مذہب کے مطابق ہے۔ علاوہ ازیں کہ وہ یحییٰ کو مکڑ نہیں کرتے بلکہ اسے ولی پر لوٹاتے ہیں، چنانچہ اگر اہل محلہ نے قسم کھالی تو ان پر دیت نہیں ہے۔

اللغات:

عداوة دشمنی۔

”قرینہ“ کی وضاحت:

ما قبل میں جو لفظ ”لوٹ“ آیا ہے یہاں سے اسی کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں لوٹ کی تشریح تو واضح یہ ہے کہ اہل محلہ میں سے کسی معین شخص پر قتل کی علامت موجود ہو یا اس کی تلوار خون آلود ہو یا اس کے بندوق کی گولی مقتول کے بدن سے نکلی ہو۔ یا مقتول اور قاتل کے درمیان کسی وجہ سے عداوت اور دشمنی چل رہی ہو اور اس حوالے سے ظاہر حال مدعی کے لیے شاہد ہو کہ مقتول کا دشمن ہی اس کا قاتل ہے۔ یا کسی عادل شخص نے اہل محلہ کے خلاف قتل کی گواہی دی ہو یا ایک غیر عادل جماعت نے اس امر پر شہادت دی ہو کہ اہل محلہ ہی اس مقتول کے قاتل ہیں تو یہ صورتیں لوٹ میں داخل ہیں اور ان تمام صورتوں میں اولیائے مقتول ہی سے پہلے قسم لی جائے گی۔

وإن لم یکن النخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مقتول کے قتل پر لوٹ اور قرینہ موجود نہ ہو اور ظاہر حال مدعی کے حق میں شاہد بھی نہ ہو تو اس صورت میں حضرات امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں بھی پہلے اہل محلہ سے قسم لی جائے گی جیسا کہ ہمارے یہاں بھی یہی حکم ہے، لیکن ہمارے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں فرق یہ ہے کہ اگر اہل محلہ کی تعداد پچاس نہ ہو تو ہمارے یہاں ان سے مکرر قسم لی جائے گی، لیکن شوافع کے یہاں اہل محلہ سے دوبارہ قسم نہیں لی جائے گی، بلکہ پچاس کی تعداد کو اولیائے مقتول سے پورا کیا جائے گا چنانچہ اگر اہل محلہ ۳۵/ ہوں تو ۱۵/ اولیائے مقتول کو ملا کر پچاس کی تعداد پوری کی جائے گی اور اس کے بعد ہمارے یہاں اہل محلہ پر دیت واجب ہوگی جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں دیت ساقط ہو جائے گی۔

لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي الْبِدَايَةِ بِيَمِينِ الْوَلِيِّ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ① لِلْأَوْلِيَاءِ فَيُقْسِمُ مِنْكُمْ خَمْسُونَ أَنَّهُمْ قَتَلُوهُ، وَلَئِنْ الْيَمِينَ تَجِبُ عَلَى مَنْ يَشْهَدُ لَهُ الظَّاهِرُ وَلِهَذَا تَجِبُ عَلَى صَاحِبِ الْيَدِ فَإِذَا كَانَ الظَّاهِرُ شَاهِدًا لِلْوَلِيِّ يَبْدَأُ بِيَمِينِهِ، وَرَدَّ الْيَمِينَ عَلَى الْمُدَّعِي أَصْلٌ لَهُ كَمَا فِي النُّكُولِ غَيْرَ أَنَّ هَذِهِ دَلَالَةٌ فِيهَا نَوْعُ شَبْهَةٍ، وَالْقَصَاصُ لَا يَجَامِعُهَا وَالْمَالُ يَجِبُ مَعَهَا فَلِهَذَا وَجَبَتِ الدِّيَّةُ، وَلَنَا قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ② الْيَمِينَةُ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِينُ عَلَى مَنْ أَنْكَرَ، وَفِي رِوَايَةٍ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ، وَرَوَى سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ③ بَدَأَ بِالْيَهُودِ

بِالْقَسَامَةِ وَجَعَلَ الدِّيَّةَ عَلَيْهِمْ لَوْجُودِ الْقَتِيلِ بَيْنَ أَظْهَرِهِمْ، وَلِأَنَّ الْيَمِينَ حُجَّةٌ لِلدَّفْعِ دُونَ الْإِسْتِحْقَاقِ وَحَاجَةُ الْوَلِيِّ إِلَى الْإِسْتِحْقَاقِ وَلِهَذَا لَا يَسْتَحِقُّ بِيَمِينِهِ الْمَالَ الْمُتَبَدَّلَ فَأَوْلَى أَنْ لَا يَسْتَحِقَّ بِهِ النَّفْسُ الْمُحْتَرَمَةُ.

ترجمہ: ولی یمین سے آغاز کے متعلق امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل اولیائے مقتول سے آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے ”تم میں سے پچاس لوگ اس بات پر قسم کھائیں کہ اہل محلہ نے اسے قتل کیا ہے“ اور اس لیے کہ قسم اس پر واجب ہوتی ہے جس کے حق میں ظاہر حال شاہد ہوتا ہے، اسی وجہ سے قابض پر قسم واجب ہوتی ہے، پھر جب ظاہر حال ولی کے لیے شاہد ہو تو اس کی قسم سے ابتداء کی جائے گی اور مدعی پر قسم لوٹانا امام شافعی رحمہ اللہ کی اصل ہے جیسا کہ انکار کی صورت میں ہے تاہم یہ ایسی دلالت ہے جس میں ایک گونہ شبہہ ہے اور شبہہ کے ساتھ قصاص جمع نہیں ہوتا جب کہ مال شبہہ کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے۔ اسی لیے دیت واجب ہوگی۔

ہماری دلیل آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے ”مدعی پر بینہ ہے اور منکر پر قسم واجب ہے“۔ اور ایک روایت میں مدعی علیہ پر ہے۔ اور حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ محی اکرم ﷺ نے یہود سے قسامت کی ابتداء کی ہے اور ان کے مابین مقتول پائے جانے کی وجہ سے ان پر دیت لازم فرمائی ہے۔ اور اس لیے کہ یمین دفع کے لیے حجت ہے نہ کہ استحقاق کے لیے اور ولی کو استحقاق کی ضرورت ہے اسی لیے مدعی اپنی یمین سے مال مبتذل کا مستحق نہیں ہوتا، لہذا یمین سے وہ نفس محترم کا بدرجہ اولیٰ مستحق نہیں ہوگا۔

اللغات:

﴿بداية﴾ شروع کرنا، ابتداء۔ ﴿نكول﴾ قسم اٹھانے سے انکار کرنا۔ ﴿بينه﴾ گواہی۔ ﴿يمين﴾ قسم۔ ﴿أظهر﴾ واحد ظہر؛ کمر، پیٹ۔ ﴿بين أظهر﴾ درمیان، بیچ۔ ﴿مبتذل﴾ خرچ کیا ہوا۔

تخریج:

- ۱ أخرجه الأئمة الستة في كتبهم والبيهقي في السنن الكبرى في كتاب القسامة باب اصل القسامة. حديث رقم: ۱۶۴۳۶.
- ۲ أخرجه الترمذی فی کتاب الأحکام باب ما جاء فی ان البينة علی المدعی واليمين علی المدعی علیہ. حديث رقم: ۱۳۴۱.
- ۳ أخرجه ابن أبي شيبة في مصنفه باب ما جاء في القسامة، حديث رقم: ۲۷۸۰۶ في معناه.

امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مقتول کے قتل پر کوئی مریدہ موجود ہو تو امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں اولیائے مقتول سے قسم کی ابتداء کی جائے گی۔ اس سلسلے میں ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو صحاح ستہ میں موجود ہے اور اس کا کچھ حصہ یہاں درج ہے۔ اصل مضمون یہ

ہے کہ خیر کے گڑھوں میں سے ایک گڑھ ہے میں کسی مسلمان کو مقتول پڑا دیکھ کر لوگوں نے آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دی اس پر آپ ﷺ نے اولیائے مقتول سے فرمایا کہ بھائی تم پچاس قسمیں کھا لو اور اپنے مقتول بھائی کے خون کے مستحق ہو جاؤ، اس پر اولیائے مقتول نے عرض کیا اے اللہ کے رسول جس چیز کا ہمیں قطعی علم نہیں ہے اس کے متعلق ہم کیسے قسم کھالیں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اہل قلب یہودی ہیں اور وہ پچاس قسم کھا کر بری الذمہ ہونے کا دعویٰ کر دیں گے، اولیائے مقتول نے کہا کہ وہ کافر ہیں اور ہم ان کی قسم سے مطمئن نہیں ہیں اس پر آپ ﷺ نے اولیائے مقتول کو صدقہ کے اونٹوں میں سے سوا نٹ بطور فدیہ عنایت فرمایا۔ اس واقعے سے امام شافعی رحمہ اللہ کا استدلال یاس معنی ہے کہ آپ ﷺ نے یہاں اولیائے مقتول کی قسم کو مقدم کیا ہے لہذا ہمارے یہاں بھی اولیائے مقتول کی قسم اہل محلہ کی قسم سے مقدم ہوگی۔

ولأن الیمین الخ: امام شافعی رحمہ اللہ کی دوسری اور عقلی دلیل یہ ہے کہ جس کے حق میں ظاہر حال شاہد ہوتا ہے اسی پر یمین واجب ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ قابض کے حق میں ظاہر حال شاہد ہوتا ہے لہذا قابض پر قسم بھی واجب ہوتی ہے اور قسامت میں ظاہر حال مدعی کے حق میں شاہد ہوتا ہے اور مدعی مقتول کے اولیاء ہیں، لہذا انھی پر قسم واجب ہوگی اور انھی کی قسم سے آغاز کیا جائے گا۔
وردۃ الیمین الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر اہل محلہ قسم سے انکار کر دیں تو امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں مدعی سے قسم لے کر وجوب دیت کا فیصلہ کر دیا جائے گا اسی طرح اگر اہل محلہ کی تعداد پچاس سے کم ہو تو اس صورت میں بھی امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں اولیائے مقتول سے قسم لے کر پچاس کی تعداد پوری کی جائے گی اور اہل محلہ سے مکڑ قسم نہیں لی جائے گی۔

غیر أن هذه دلالة الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ یمین سے قتل پر جودالات اور علامت قائم ہوئی ہے وہ اس درجے کی نہیں ہے کہ اس سے قصاص ثابت ہو سکے، اسی لیے امام شافعی رحمہ اللہ نے قتل عمد کی صورت میں بھی دیت ہی واجب کی ہے، قصاص نہیں واجب کیا ہے، کیونکہ یمین سے ثابت ہونے والے حکم میں کچھ نہ کچھ شبہ رہتا ہے اور شبہ سے قصاص ساقط ہو جاتا ہے۔

ولنا قوله عليه السلام الخ: ہمارے یہاں چوں کہ اہل محلہ اور مدعی علیہم سے قسم کی ابتداء کی جائے گی، اس لیے ہماری دلیل یہ روایتیں ہیں: ﴿البينة على المدعي واليمين على من أنكر﴾ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کی روایت أن النبی ﷺ بدأ باليهود بالقسامة الخ۔ ان میں سے پہلی روایت میں واليمين على من أنكر کے فرمان سے قولی طور پر اور دوسری روایت میں بدأ باليهود بالقسامة الخ۔ کے ذریعے فعلی طور پر آپ ﷺ نے مدعی علیہ ہی سے قسم کا آغاز فرمایا ہے جو اس امر کی بین دلیل ہے کہ قسم کی ابتداء مدعی علیہ سے ہوگی۔

ولأن الیمین الخ: یہ ہماری عقلی دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یمین حجت دافعہ ہے نہ کہ حجت مثبتہ اور صورت مسئلہ میں ولی حجت مثبتہ کا مدعی ہے کیوں وہ استحقاق حق یعنی قصاص یا دیت کا طالب ہے جب کہ مدعی علیہ اپنے اوپر سے دفع حق یعنی قصاص یا دیت کے عدم وجوب کا مدعی ہے لہذا اس حوالے سے بھی یمین مدعی علیہ ہی پر اصلاً لازم ہوگی اور اسی سے قسم لینا مفید بھی ہوگا۔ اور مدعی کی قسم سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ جب مدعی اپنے یمین سے صرف کئے جانے والے مال کا مستحق نہیں ہوتا تو پھر نفس محترم یعنی قصاص کا تو وہ بدرجہ اولیٰ مستحق نہیں ہوگا، کیونکہ نفس کا مقام و مرتبہ قصاص سے بہت بلند تر ہے۔

وَقَوْلُهُ يَتَخَيَّرُهُمُ الْوَلِيُّ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّ خِيَارَ تَعْيِينِ الْخَمْسِينَ إِلَى الْوَلِيِّ، لِأَنَّ الْيَمِينَ حَقُّهُ، وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ يَخْتَارُ مَنْ يَتَّهَمُهُ بِالْقَتْلِ أَوْ صَالِحِي أَهْلِ الْمَحَلَّةِ لِمَا أَنَّ تَحَرُّزَهُمْ عَنِ الْيَمِينِ الْكَاذِبَةِ أَبْلَغُ التَّحَرُّزِ فَيُظْهِرُ الْقَاتِلُ، وَفَائِدَةُ الْيَمِينِ النَّكُولُ، فَإِنْ كَانُوا لَا يَبَاشِرُونَ وَيَعْلَمُونَ يُفِيدُ يَمِينَ الصَّالِحِ عَلَى الْعِلْمِ بِأَبْلَغِ مِمَّا يُفِيدُ يَمِينَ الطَّالِحِ، وَلَوْ اخْتَارُوا أَعْمَى أَوْ مَحْدُودًا فِي قَذْفِ جَارٍ، لِأَنَّهُ يَمِينٌ وَلَيْسَ بِشَهَادَةٍ.

ترجمہ: اور امام قدوری رحمہ اللہ کے قول "یتخیرہم الولی" سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ پچاس افراد کی تعیین کا اختیار ولی کو ہے، کیونکہ یمین اسی کا حق ہے اور ظاہر یہ ہے کہ ولی اسی کو منتخب کرے گا، جسے قتل کے ساتھ متہم پائے گا یا محلہ کے نیک لوگوں کو منتخب کرے گا، اس لیے کہ وہ لوگ کما حقہ جھوٹی قسم سے بچنے والے ہوں گے، لہذا قاتل ظاہر ہو جائے گا۔ اور قسم کا فائدہ انکار ہے۔ پھر اگر اہل محلہ قاتل نہ ہوں اور وہ قاتل کو جانتے ہوں تو اس علم پر نیک آدمی کی قسم بدکار کی قسم سے زیادہ مفید ہوگی۔ اور اگر اولیاء نے اندھے یا محدود فی القذف کو منتخب کیا تو بھی جائز ہے، اس لیے کہ یہ یمین ہے اور شہادت نہیں ہے۔

اللغات:

﴿یتخیر﴾ جن لے۔ ﴿یمین﴾ قسم۔ ﴿تحرز﴾ بچنا، احتیاط کرنا۔ ﴿نکول﴾ قسم اٹھانے سے انکار کرنا۔ ﴿طالح﴾ بدکار۔ ﴿اعمی﴾ نابینا۔ ﴿قذف﴾ زنا کی تہمت لگانا۔ ﴿شہادۃ﴾ گواہی۔

اہل قسامت کی تعیین کا مسئلہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اہل محلہ میں سے جن پچاس لوگوں کو قسم کے لیے منتخب کیا جائے گا ان کی تعیین اور ان کے انتخاب کا حق اولیاء مقتول کو ہوگا، کیونکہ یمین انہی کا حق ہے، اس لیے کہ اس سے ان کا حق قصاص یا دیت وابستہ ہے، لہذا اس سلسلے میں جملہ امور کی تعیین کا حق بھی انہی ہوگا۔ اس لیے کہ اولیاء اپنے حق کی حفاظت اور اس کی وصولیابی کے لیے ایسے ہی افراد کو منتخب کریں گے جو قتل کے ساتھ متہم ہوں گے جیسے فاسق اور غنڈہ قسم کے لوگ، کیونکہ اکثر و بیشتر یہی لوگ قتل کی واردات انجام دیتے ہیں۔ لہذا ان کو منتخب کر کے قسم لینے میں بہ آسانی قاتل کا پتہ لگ جائے گا، یا پھر اولیاء مقتول محلہ کے نیک اور دیندار لوگوں کو قسم کے لیے منتخب کریں، اس لیے کہ یہ لوگ جھوٹی قسم کھانے سے سختی کے ساتھ گریز کریں گے اور مبنی بر حقیقت صورت حال بتا کر قاتل کی تعیین و تشخیص میں ہر ممکن تعاون کریں گے اور اس طرح جلد از جلد قاتل اور مجرم کی شناخت ہو جائے گی۔ اور قسم لینے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اہل محلہ قسم کھالیں یا قسم سے انکار کر دیں بہر دو صورت معاملہ جلدی سے منٹ جائے گا اور مسئلہ حل ہو جائے گا۔

فان کانوا الخ: فرماتے ہیں کہ اگر اہل محلہ نے قتل نہ کیا ہو لیکن وہ قاتل کو جانتے ہوں تو اس صورت میں بھی محلہ کے نیک لوگوں سے قسم لینا زیادہ مفید ہوگا، اس لیے کہ نیک لوگوں کی قسم بہر حال بدکاروں کی قسم سے زیادہ پاک صاف ہوگی اور اس سے قاتل کی معلومات حاصل کرنے پر تقویت ملے گی۔

ولو اختاروا الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر اولیاء مقتول نے کسی اندھے یا محدود فی القذف کو قسم کے لیے منتخب کیا تو

بھی درست اور جائز ہے، کیونکہ یہ قسم ہے شہادت نہیں ہے اور اٹنی اور محدود فی القذف شہادت کے اہل تو نہیں ہیں، لیکن قسم اور ادائے قسم کے اہل ہیں۔

قَالَ فَإِذَا حَلَفُوا قُضِيَ عَلَى أَهْلِ الْمَحَلَّةِ بِالذِّبَةِ وَلَا يُسْتَحْلَفُ الْوَلِيُّ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا تَجِبُ الذِّبَةُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ ① فِي حَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَهْلِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ تَبَرُّنْكُمْ الْيَهُودُ بِأَيْمَانِهَا، وَلَآنَ الْيَمِينَ عَاهَدْتُ فِي الشَّرْعِ مُبَرِّئًا لِمُدْعَى عَلَيْهِ لَا مُلْزِمًا كَمَا فِي سَائِرِ الدَّعَاوِي، وَلَنَا أَنَّ النَّبِيَّ ② عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ جَمَعَ بَيْنَ الذِّبَةِ وَالْقَسَامَةِ فِي حَدِيثِ سَهْلِ وَفِي حَدِيثِ زِيَادِ بْنِ أَبِي مَرْيَمَ وَكَذَا جَمَعَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بَيْنَهُمَا عَلَى وَادِعَةٍ، وَقَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ تَبَرُّنْكُمْ الْيَهُودُ مُحْمُولٌ عَلَى الْإِبْرَاءِ عَنِ الْقِصَاصِ وَالْحَبْسِ وَكَذَا الْيَمِينَ مُبَرِّئَةٌ عَمَّا وَجَبَ لَهُ الْيَمِينَ، وَالْقَسَامَةُ مَا شَرَعَتْ لِتَجِبَ الذِّبَةُ إِذَا نَكَلُوا، بَلْ شَرَعَتْ لِتُظْهَرَ الْقِصَاصُ بِتَحْرِزِهِمْ عَنِ الْيَمِينَ الْكَاذِبَةِ فَيَقْرُوا بِالْقَتْلِ فَإِذَا حَلَفُوا حَصَلَتِ الْبَرَاءَةُ عَنِ الْقِصَاصِ، ثُمَّ الذِّبَةُ تَجِبُ بِالْقَتْلِ الْمَوْجُودِ مِنْهُمْ ظَاهِرًا لَوْجُودِ الْقَتِيلِ بَيْنَ أَظْهَرِهِمْ لَا يَنْكُورُهُمْ أَوْ وَجَبَتْ بِتَقْصِيرِهِمْ فِي الْمَحَافَظَةِ كَمَا فِي الْقَتْلِ الْخَطَا.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جب اہل محلہ نے قسم کھالی تو ان پر دیت کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور ولی سے قسم نہیں لی جائے گی۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دیت نہیں واجب ہوگی، اس لیے کہ حضرت عبد اللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے ”یہود اپنی قسموں کے ذریعے تم سے بری ہو جائیں گے، اور اس لیے کہ شریعت میں قسم مدعی علیہ کو بری کرنے والی بن کر مشروع ہے، اس پر کوئی چیز لازم کرنے والی بن کر مشروع نہیں ہوئی ہے جیسا کہ تمام دعاوی میں یہی حال ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت سہل رضی اللہ عنہ اور حضرت زیاد بن ابی مریم رضی اللہ عنہ کی حدیثوں میں قبیلہ وادعہ پر دیت اور قسامت کے مابین جمع فرمادیا ہے اور آپ ﷺ کا یہ فرمان تَبَرُّنْكُمْ الْيَهُودُ قِصَاصٌ اور قید سے بری کرنے پر محمول ہے۔

نیز یمین تو ما وجب لہ الیمین کو بری کر دیتی ہے جب کہ قسامت اس لیے مشروع نہیں ہوئی ہے کہ اہل محلہ کے انکار کے بعد دیت واجب ہو بلکہ وہ اس وجہ سے مشروع ہوئی ہے تاکہ اہل محلہ کے جھوٹی قسم سے احتراز کے سبب قِصَاص ظاہر ہو جائے اور وہ قتل کا اقرار کر لیں پھر جب انہوں نے قسم کھالی تو قِصَاص سے براءت ظاہر ہوگئی۔

پھر دیت اس قتل کی وجہ سے واجب ہوتی ہے جو ظاہر ان کی طرف سے پایا گیا ہے مقتول کے ان کے مابین پائے جانے کی وجہ سے، نہ کہ ان کے انکار کی وجہ سے، یا ان کی طرف سے حفاظت میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے دیت واجب ہوئی ہے جیسے قتل خطا میں (ہوتا ہے)۔

اللَّغَاتُ:

﴿حَلَفُوا﴾ قسم کھالیں۔ ﴿لَا يُسْتَحْلَفُ﴾ قسم نہیں لی جائے گی۔ ﴿عَاهَدْتُ﴾ معروف ہے۔ ﴿حَبَسَ﴾ قید۔

نکلو! قسم اٹھانے سے انکار کر دیا۔

تخریج:

① اخرجه البخاری فی کتاب الادب باب اکرام الکبیر، حدیث رقم: ۶۱۴۲.

و مسلم فی کتاب القسامۃ، حدیث رقم: ۴،۲۰۱.

② اخرجه البيهقي فی السنن الكبرى کتاب القسامۃ باب اصل القسامۃ، حدیث رقم: ۱۶۴۵۱ بمعناه.

قسامت کے بعد دیت کا وجوب:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جس محلے میں مقتول پایا گیا ہے اگر اس محلے کے پچاس آدمیوں نے قسم کھالی اور یہ کہہ دیا کہ باللہ ماقتلناه ولا نعلم له قاتلا تو اب ہمارے یہاں ان کے ذمے سے قصاص ساقط ہو جائے گا اور ان پر دیت واجب ہوگی اور اولیاء سے قسم نہیں لی جائے گی جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اہل محلہ کے قسم کھانے کے بعد ان سے قصاص بھی ساقط ہو جائے گا اور دیت بھی ساقط ہو جائے گی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کی حدیث کا وہ حصہ ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ ارشاد فرمایا ہے تبرئکم الیہود بایمانہا کہ اگر تم یہود سے قسم لو گے تو وہ لوگ قسم کھا کر تم سے بری ہو جائیں گے، اور ظاہر ہے کہ براءت اسی صورت میں حاصل اور متحقق ہوگی جب وہ قصاص اور دیت دونوں سے بری ہو جائیں، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ ہمارے (شوافع) یہاں نہ تو قصاص واجب ہوگا اور نہ ہی دیت واجب ہوگی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری اور عقلی دلیل یہ ہے کہ شریعت میں جن مواقع پر مدعی علیہ سے قسم لی گئی ہے وہاں قسم کے بعد مدعی علیہ کو بری کر دیا جاتا ہے اور قسم کے بعد مدعی علیہ پر کوئی چیز لازم نہیں کی جاتی، لہذا قسامت میں بھی مدعی علیہ کو قسم کے بعد مدعی کے دعوے اور مطالبے سے بری کر دیا جائے گا اور اس پر دیت وغیرہ نہیں واجب ہوگی۔

ولنا الخ: ہمارے نزدیک اہل محلہ کی قسم کے بعد ان سے قصاص تو ساقط ہو جائے گا، لیکن دیت ان پر واجب رہے گی، اس سلسلے میں ہماری نقلی دلیلیں یہ احادیث ہیں:

❖ حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ ارشاد فرمایا ہے اتحلفون خمسين يمينا وتستحقون دم صاحبكم اور پھر اسی حدیث کے اخیر میں ہے فوداه رسول اللہ صلی اللہ بمائۃ من ابل الصدقة کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کے بعد اولیائے مقتول کو صدقہ کے سوا نیت فرمائے۔

❖ دوسری دلیل حدیث حضرت زیاد بن ابومریم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ روایت ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت اور قسامت کو جمع فرمایا ہے۔

❖ تیسری دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ ہے جو قبیلہ ہمدان کی ایک شاخ وادعہ میں پیش آیا تھا اور اس میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیت اور قسامت کو جمع فرمایا تھا۔ ان تینوں دلیلوں سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ قسامت اور دیت کا اجتماع ممکن ہے اور عہد نبوت میں ایسا ہوا ہے، لہذا قسم کے بعد بھی اہل محلہ پر دیت واجب ہوگی۔

وقوله (عَلَيْهِ السَّلَام) الخ: امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن سہلؓ کی حدیث تبرئکم الیہود سے براءت عن الدیۃ بھی مراد لیا ہے اس کا جواب دیتے ہوئے صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اس سے براءت عن الدیۃ مراد لینا صحیح نہیں ہے، بلکہ یہ حدیث قصاص اور جس سے بری ہونے پر محمول ہے اور دیت سے بری کرنے کے حوالے سے حدیث ساکت ہے، لہذا قسم کے بعد بھی اہل محلہ دیت سے بری نہیں ہوں گے۔

وکذا الیمین مبرئة الخ: یہ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل عقلی کا جواب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یمین کا مدعی علیہ کو بری کرنے کے لیے مشروع ہونا ہمیں بھی تسلیم ہے، لیکن یمین مدعی علیہ کو صرف اسی چیز سے بری کرے گی جسے وہ شامل ہوگی اور جس مقصد سے مدعی علیہ سے حلف لیا جائے گا۔ اور یمین جس مقصد اور جس چیز کو شامل نہیں ہوگی اس سے مدعی علیہ کو بری نہیں کرے گی اور صورت مسئلہ میں یمین کا مقصد یہ تھا کہ اہل محلہ جھوٹی قسم سے گریز کر کے قتل کا اقرار کر لیں اور قصاص ثابت ہو جائے، لیکن جب انھوں نے قسم کھالی تو ان کے ذمے سے قصاص ساقط ہو گیا، لیکن چونکہ مقتول ان کے محلے میں پایا گیا ہے، اس لیے ظاہر اس کا قتل انھی کی طرف منسوب ہوگا اور اگرچہ وہ قصاص سے بچ جائیں گے مگر دیت سے نہیں بچ سکیں گے اور ان پر دیت لاحالہ واجب ہوگی۔

اہل محلہ پر دیت واجب ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ جب ایک پردیسی اور مسافر ان کے محلے میں گیا تھا تو اس کی حفاظت کرنا اہل محلہ کا اخلاقی فریضہ تھا لیکن اس کے قتل نے محلے والوں کی پول کھول دی اور یہ واضح کر دیا کہ ان لوگوں نے اس کی حفاظت میں کوئی دل چسپی نہیں لی ہے، لہذا جس طرح قتل خطا میں حفاظت میں کوتاہی کی وجہ سے دیت واجب ہوتی ہے اسی طرح یہاں بھی حفاظت میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے اہل محلہ پر دیت واجب ہوگی۔

وَمَنْ أَبِي مِنْهُمْ الْيَمِينَ حَبْسَ حَتَّى يَخْلِفَ، لِأَنَّ الْيَمِينَ فِيهِ مُسْتَحَقَّةٌ لِدَايَتِهَا تَعْظِيمًا لِأَمْرِ الدِّمِ، وَلِهَذَا يُجْمَعُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الدِّيَةِ، بِخِلَافِ التُّكُولِ فِي الْأَمْوَالِ، لِأَنَّ الْيَمِينَ بَدَلٌ عَنْ أَصْلِ حَقِّهِ وَلِهَذَا يَسْقُطُ بِبَدْلِ الْمُدَّعَى وَفِيمَا نَحْنُ فِيهِ لَا يَسْقُطُ بِبَدْلِ الدِّيَةِ.

ترجمہ: اور اہل محلہ میں سے جو قسم سے انکار کرے گا اسے قید کر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ قسم کھالے، اس لیے کہ امر دم کی تعظیم کی وجہ سے اس میں بذات خود یمین واجب ہے، اسی وجہ سے قسم اور دیت کے مابین جمع کیا جائے گا۔ برخلاف اموال میں انکار کرنے کے، کیونکہ (ان میں) یمین اس کے اصل حق کا بدلہ ہے، اسی لیے مال مدعی صرف کرنے سے یمین ساقط ہو جاتی ہے اور جس مسئلے میں ہماری گفتگو ہے اس میں صرف دیت سے یمین ساقط نہیں ہوتی۔

اللغات:

﴿ابی﴾ انکار کیا۔ ﴿حبس﴾ قید کیا جائے گا۔ ﴿دم﴾ خون، مراد قتل۔ ﴿بذل﴾ خرچ کرنا۔

قسامت سے انکار کرنے والے کا حکم:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر محلہ میں سے کوئی ایک یا چھ گ قسم سے انکار کر دیں تو منکرین کو قید کر دیا جائے گا اور قسم کھانے تک وہ

جیل کی ہوا کھاتے رہیں گے، کیونکہ باب قسامت میں یمین اصل اور مقصود ہے اور حفاظت دم اور تعظیم دم کے پیش نظر بذات خود واجب ہے، اسی لیے تو قسم اور دیت دونوں کو جمع کر دیا گیا ہے، لہذا قسم سے انکار کرنے والوں کو آزاد نہیں چھوڑا جائے گا، بلکہ انہیں قید و بند کی سزا دی جائے گی۔ اس کے برخلاف اگر مال پر قسم کھانے کا معاملہ ہو اور مدعی علیہ قسم سے انکار کر دے تو اسے قید نہیں کیا جائے اور اس پر مال مدعی کو واجب کر دیا جائے گا، کیوں کہ اموال میں یمین مدعی کے حق یعنی مال کا بدل ہوتی ہے، اصل نہیں ہوتی لہذا جب مدعی کو اس کا مدعی یعنی مال دے دیا جائے گا تو یمین ساقط ہو جائے گی، لیکن صورت مسئلہ میں یمین چونکہ اصل ہے، بدل نہیں ہے، اس لیے اولیائے مقتول کو مال یعنی دیت دینے کے باوجود اہل محلہ سے یمین ساقط نہیں ہوگی۔

هَذَا الَّذِي ذَكَرْنَا إِذَا ادَّعَى الْوَلِيُّ عَلَى جَمِيعِ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ، وَكَذَا إِذَا ادَّعَى عَلَى الْبَعْضِ لَا بِأَعْيَانِهِمْ، وَالذَّعْوَى فِي الْعَمْدِ أَوْ الْخَطَاءِ لَا تَهْمُ لَا يَتَمَيَّزُونَ عَنِ الْبَاقِي، وَلَوْ ادَّعَى عَلَى الْبَعْضِ بِأَعْيَانِهِمْ أَنَّهُ قَتَلَ وَلِيَّهِ عَمْدًا أَوْ خَطَأً فَكَذَلِكَ الْجَوَابُ يَدُلُّ عَلَيْهِ إِطْلَاقُ الْجَوَابِ فِي الْكِتَابِ وَهَكَذَا الْجَوَابُ فِي الْمَبْسُوطِ.

ترجمہ: یہ تفصیل جو ہم نے بیان کی ہے اس صورت میں ہے جب ولی نے تمام محلے والوں پر دعویٰ کیا ہو۔ ایسے ہی جب ان میں سے بعض غیر معین پر دعویٰ کیا ہو خواہ عمد کا دعویٰ ہو یا خطا کا، کیونکہ بعض غیر معین دوسروں سے ممتاز نہیں ہو سکیں گے، اور اگر ولی نے بعض معین پر یہ دعویٰ کیا ہو کہ اس نے اس کے ولی کو عمد یا خطا قتل کیا ہے تو بھی یہی حکم ہے اور قدوری کا اطلاق اس پر دلالت کر رہا ہے اور مبسوط میں بھی یہی حکم ہے۔

اللغات:

﴿ادَّعَى﴾ دعویٰ کیا۔ ﴿لا يَتَمَيَّزُونَ﴾ نہیں جدا ہوتے۔

اہل قسامت کے چناؤ میں مدعی کے دعویٰ کا اثر:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ولی مقتول نے تمام محلے والوں پر قتل کا دعویٰ کیا ہو یا بعض غیر معین اہل محلہ پر دعویٰ کیا ہو یا بعض معین پر قتل کا دعویٰ کیا ہو بہر صورت تینوں حالتوں میں حکم وہی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے یعنی مدعی علیہم پر قسامت اور دیت دونوں واجب ہیں خواہ قتل عمد کا دعویٰ ہو یا قتل خطا کا۔ چنانچہ تمام اہل محلہ پر دعویٰ کرنے کا مسئلہ تو ظاہر و باہر ہے، اسی طرح بعض غیر معین پر جب دعویٰ ہوگا تو وہ لوگ دوسرے لوگوں سے ممتاز اور الگ نہ ہو سکیں گے، اس لیے ہر ایک پر دیت اور قسامت واجب ہوگی۔

ولو ادَّعَى الْخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ولی نے اہل محلہ میں سے کسی معین شخص پر یہ دعویٰ کیا کہ اس نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے تو اس صورت میں بھی اہل محلہ پر قسامت اور دیت واجب ہوگی اور خاص کر مدعی علیہ ہی پر یہ چیزیں واجب نہیں ہوں گی، کیونکہ امام قدوری رحمہ اللہ نے شروع باب میں وإذا وجد القاتل في محلة لا يعلم من قتله استحلخ خمسون رجلا منهم مطلق بیان کیا ہے اور اس میں تمام یا بعض غیر معین یا بعض معین پر دعویٰ کی کوئی قید اور تفصیل نہیں ہے، اس لیے یہ بات واضح ہوگئی کہ بہرہ صورت اہل محلہ پر قسامت اور دیت دونوں واجب ہیں اور امام محمد رحمہ اللہ نے بھی مبسوط میں یہی حکم بیان فرمایا ہے۔ البتہ امام

ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت اس کے علاوہ منقول ہے جو یہ ہے۔

وَعَنْ أَبِي يُونُسَ رَوَى فِي غَيْرِ رَوَايَةِ الْأُصُولِ أَنَّ فِي الْقِيَاسِ تَسْقُطُ الْقَسَامَةُ وَالِدِيَّةُ عَنِ الْبَاقِيْنَ مِنْ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ وَيُقَالُ لِلرَّوْلِ أَلَكْ بَيْنَهُ؟ فَإِنْ قَالَ لَا، يُسْتَحْلَفُ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ عَلَى قَتْلِهِ يَمِينًا وَاحِدَةً، وَوَجْهُهُ أَنَّ الْقِيَاسَ يَبَاهُ لِاحْتِمَالِ وَجُودِ الْقَتْلِ مِنْ غَيْرِهِمْ، وَإِنَّمَا عُرِفَ بِالنَّصِ فِيمَا إِذَا كَانَ فِي مَكَانٍ يُنْسَبُ إِلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِمْ، وَالْمُدَّعَى يَدَّعِي الْقَتْلَ عَلَيْهِمْ، وَفِيمَا رَوَاهُ بَقِيَ عَلَى أَصْلِ الْقِيَاسِ وَصَارَ كَمَا إِذَا ادَّعَى عَلَى وَاحِدٍ مِنْ غَيْرِهِمْ.

ترجمہ: حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے روایت الاصول کے علاوہ میں منقول ہے کہ قیاس باقی اہل محلہ سے قسامت اور دیت ساقط ہو جائے گی اور ولی سے کہا جائے گا کیا تیرے پاس بینہ ہے؟ اگر وہ یہ کہتا ہے کہ نہیں ہے تو مدعی علیہ سے اس کے قتل پر ایک قسم لی جائے گی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ قیاس اختلاف کا منکر ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ قتل دوسرے کی طرف سے پایا گیا ہو اور اختلاف کو نص سے جانا گیا ہو اس صورت میں جب مقتول ایسی جگہ ہو جو مدعی علیہم کی طرف منسوب ہو اور مدعی ان پر قتل کا دعویٰ کر رہا ہو۔ اور اس کے علاوہ میں نص اصل قیاس پر باقی رہے گی اور یہ ایسا ہو گیا جیسے مدعی نے اہل محلہ کے علاوہ کسی پر دعویٰ کیا ہو۔

اللغات:

﴿تسقط﴾ ساقط ہو جائے گی۔ ﴿بینة﴾ گواہی، شواہد۔ ﴿یستحلف﴾ قسم لی جائے گی۔ ﴿یاباہ﴾ اس کے مخالف ہے۔

بعض معین کے مدعا علیہ ہونے کی صورت میں قسامت کا حکم:

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غیر ظاہر الروایہ میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ مروی ہے کہ اگر مدعی اور ولی مقتول نے بعض معین پر قتل کا دعویٰ کیا ہو تو اس صورت میں قیاساً تمام اہل محلہ پر قسامت اور دیت کا وجہ نہیں ہوگا، بلکہ مدعی علیہ کے علاوہ باقی اہل محلہ سے دیت ساقط ہو جائے گی۔ اور ولی سے کہا جائے گا کہ اگر تمہارے پاس بعض معین مدعی علیہ کے خلاف بینہ ہو تو پیش کر دو اور اگر بینہ نہ ہو تو بتاؤ چنانچہ اگر ولی بینہ نہ ہونے کی بات کہے تو مدعی علیہ سے اس قتل کے متعلق قسم لی جائے گی۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی دلیل یہ ہے کہ جب مدعی نے بعض معین پر قتل کا دعویٰ کیا ہے تو تمام اہل محلہ سے قسم اور دیت لینا خلاف قیاس ہے، اس لیے کہ ہو سکتا ہے اسی معین شخص نے اسے قتل کیا ہو یا کسی اور نے قتل کر کے اسے پھینک دیا ہو، لہذا سب کو مجرم گردان کر سب پر قسامت اور دیت واجب کرنا خلاف قیاس ہے اور جو نص موجب دیت و قسامت ہے وہ اس صورت پر محمول ہے جب مقتول مدعی علیہم کے محلے میں پایا جائے اور مدعی ان پر قتل کا دعویٰ بھی کر رہا ہو اور صورت مسئلہ میں چوں کہ مدعی کا دعویٰ بر سبیل عموم سب پر نہیں ہے، بلکہ بعض معین پر ہے اس لیے یہ صورت مورد نص سے خارج ہوگی اور یہاں حکم اصل قیاس پر باقی رہے گا، یعنی قیاس کے مطابق صورت مسئلہ میں تمام اہل محلہ پر قسامت اور دیت واجب نہیں ہوگی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے اگر مدعی نے اہل محلہ کے علاوہ کسی دوسرے شخص پر قتل کا دعویٰ کیا ہو تو اس صورت میں بھی اہل محلہ پر قسامت اور دیت نہیں واجب ہوتی، اسی طرح

صورت مسئلہ میں بھی اہل محلہ پر قسامت اور دیت نہیں واجب ہوگی۔

وَفِي الْاِسْتِحْسَانِ تَجِبُ الْقِسَامَةُ وَالْدِّيَةُ عَلَى اَهْلِ الْمَحَلَّةِ، لِأَنَّهُ لَا فُضْلَ فِي إِطْلَاقِ النَّصُوصِ بَيْنَ دَعْوَى وَدَعْوَى فَنُوجِبُهُ بِالنَّصِّ، لَا بِالْقِيَاسِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا ادَّعَى عَلَى وَاحِدٍ مِنْ غَيْرِهِمْ، لِأَنَّهُ لَيْسَ فِيهِ نَصٌّ فَلَوْ أَوْجَبْنَاهُمَا لِأَوْجَبْنَاهُمَا بِالْقِيَاسِ وَهُوَ مُمْتَنَعٌ.

ترجمہ: اور از روئے استحسان اہل محلہ پر قسامت اور دیت واجب ہوگی، کیونکہ نصوص کے اطلاق میں ایک دعویٰ اور دوسرے دعویٰ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، لہذا ہم اسے نص سے واجب کریں گے، نہ کہ قیاس سے۔ برخلاف اس صورت کے جب ولی نے ان کے علاوہ میں سے کسی ایک پر دعویٰ کیا ہو، اس لیے کہ اس سلسلے میں کوئی نص نہیں ہے، سو اگر ہم قسامت و دیت کو واجب کریں تو بذریعہ قیاس انھیں واجب کریں گے حالانکہ یہ ممنوع ہے۔

لِللغاث:

﴿فصل﴾ فرق، علیحدگی۔ ﴿نوجبہ﴾ ہم اس کو واجب کرتے ہیں۔

بعض معین کے مدعا علیہ ہونے کی صورت میں قسامت کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ استخواناتیوں صورتوں میں اہل محلہ پر قسامت اور دیت دونوں چیزیں واجب ہوں گی، کیوں کہ جن نصوص میں قسامت و دیت کو جمع کیا گیا ہے وہ سب مطلق ہیں اور ان میں یہ قید اور تفصیل نہیں ہے کہ اگر تمام اہل محلہ پر دعویٰ ہو تو یہ حکم ہے اور بعض اہل محلہ پر دعویٰ ہو تو یہ حکم ہے بلکہ علی الاطلاق ایک ہی حکم ہے یعنی دیت اور قسامت کا وجوب، لہذا جب نصوص میں علی الاطلاق قسامت و دیت کو واجب کیا گیا ہے تو ہم نے بھی ہر ایک صورت میں دونوں کو واجب کر دیا ہے۔

اس کے برخلاف اگر ولی مقتول نے اہل محلہ کے علاوہ کسی دوسرے پر قتل کا دعویٰ کیا ہو تو اس صورت میں اہل محلہ پر قسامت و دیت کے عدم وجوب کے ہم بھی قائل ہیں، کیونکہ اس صورت میں اہل محلہ پر وجوب قسامت و دیت کے متعلق کوئی نص نہیں ہے، اب ظاہر ہے کہ اگر اس صورت میں بھی اہل محلہ پر قسامت و دیت واجب کی جائے گی تو اس کا ایجاب قیاس سے ہوگا اور قیاس کے ذریعے ان چیزوں کا ایجاب ممنوع ہے، لہذا اس صورت کو لے کر ہم استحسان اختیار کرنے والوں پر اعتراض کرنا درست نہیں ہے۔

ثُمَّ حُكْمٌ ذَلِكَ أَنَّ يُثْبِتَ مَا ادَّعَاهُ إِذَا كَانَ لَهُ بَيِّنَةٌ، وَإِنْ لَمْ تَكُنْ اسْتَحْلَفَهُ يَمِينًا وَاحِدَةً، لِأَنَّهُ لَيْسَ بِقِسَامَةٍ لِانْعِدَامِ النَّصِّ وَامْتِنَاعِ الْقِيَاسِ، ثُمَّ إِنْ حَلَفَ بَرِيءٌ، وَإِنْ نَكَلَ وَالِدُ الدَّعْوَى فِي الْمَالِ ثَبَتُ بِهِ وَإِنْ كَانَ فِي الْقِصَاصِ فَهُوَ عَلَى اخْتِلَافٍ مَضَى فِي كِتَابِ الدَّعْوَى.

ترجمہ: پھر اس کا حکم یہ ہے کہ مدعی نے جس چیز کا دعویٰ کیا ہے وہ دعویٰ ثابت ہو جائے گا بشرطیکہ اس کے پاس بینہ ہو۔ اور اگر بینہ نہ ہو تو مدعی علیہ سے ایک قسم لی جائے، کیونکہ نص معدوم ہونے اور قیاس ممتنع ہونے کی وجہ سے یہ قسامت نہیں ہے۔ پھر اگر مدعی علیہ

نے قسم کھائی تو وہ بری ہو جائے گا اور اگر اس نے انکار کر دیا اور مال کا دعویٰ ہو تو انکار کی وجہ سے دعویٰ ثابت ہو جائے گا۔ اور اگر قصاص کا دعویٰ ہو تو وہ اسی اختلاف پر ہے جو کتاب الدعویٰ میں گزر چکا ہے۔

اللَّغَاتُ:

﴿استحلفہ﴾ اس سے قسم لی جائے گی۔ ﴿نکل﴾ قسم سے انکار کیا۔ ﴿مضی﴾ گزر گیا۔

اہلِ محلّہ کے علاوہ کسی اور پر دعویٰ کرنے کی صورت میں قسامت:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مقتول نے اہل محلّہ کے علاوہ کسی دوسرے شخص پر قتل کا دعویٰ کیا ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں (۱) مدعی کے پاس بینہ ہوگا (۲) یا بینہ نہیں ہوگا۔ اگر پہلی صورت ہو یعنی مدعی کے پاس بینہ ہو تو اس بینہ سے اس کا دعویٰ ثابت ہو جائے گا۔ اور اگر بینہ نہ ہو تو مدعی مدعی علیہ سے ایک قسم لے گا اور ایک ہی قسم پر اکتفاء کیا جائے گا، کیونکہ یہ قسامت نہیں ہے، اس لیے کہ قسامت کے لیے نص کی ضرورت ہے اور نص یہاں معدوم ہے اور قیاس سے قسامت کا ثبوت ممتنع اور محال ہے۔

ثم إن حلف النخ: فرماتے ہیں کہ اگر مدعی علیہ نے قسم کھائی تو وہ قصاص اور دیت دونوں سے بری ہو جائے گا اور اس پر کسی بھی طرح کا کوئی ضمان نہیں عائد ہوگا۔ اور اگر وہ قسم سے انکار کر دیتا ہے تو اس کی دو شکلیں ہیں (۱) اگر مال کا دعویٰ ہو اور مدعی علیہ قسم سے انکار کر دے تو اس کے انکار کی وجہ سے مال ثابت ہو جائے گا (۲) اور اگر قصاص کا دعویٰ ہو تو اس میں حضرت امام اعظم رحمہ اللہ اور حضرات صاحبین رحمہم اللہ کا اختلاف ہے چنانچہ امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں قصاص ثابت ہو جائے گا اور حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے یہاں قصاص تو ثابت نہیں ہوگا، البتہ دیت واجب ہوگی جیسا کہ کتاب الدعویٰ میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

قَالَ وَإِنْ لَمْ تَكْمِلْ أَهْلُ الْمَحَلَّةِ كُرِّرَتِ الْإِيْمَانُ عَلَيْهِمْ حَتَّى تَيَمَّمَ خَمْسِينَ لِمَا رُوِيَ أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَمَّا قَضَى فِي الْقَسَامَةِ وَافِيَ إِلَيْهِ تِسْعَةٌ وَأَرْبَعُونَ رَجُلًا فَكُرِّرَ الْيَمِينُ عَلَى رَجُلٍ مِنْهُمْ حَتَّى تَمَّتْ خَمْسِينَ ثُمَّ قَضَى بِالْدِّيَةِ، وَعَنْ شُرَيْحٍ وَالتَّخَعِي رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مِثْلُ ذَلِكَ، وَلِأَنَّ الْخَمْسِينَ وَاجِبٌ بِالسَّنَةِ فَيَجِبُ إِتْمَامُهَا مَا أُمْكَنَ، وَلَا يَطْلُبُ فِيهِ الْوُقُوفُ عَلَى الْفَائِدَةِ لِثُبُوتِهَا بِالسَّنَةِ ثُمَّ فِيهِ اسْتِعْظَامُ أَمْرِ الدِّمِّ، فَإِنْ كَانَ الْعَدَدُ كَامِلًا فَأَرَادَ الْوَلِيُّ أَنْ يَكُرِّرَ عَلَى أَحَدِهِمْ فَلَيْسَ لَهُ ذَلِكَ، لِأَنَّ الْمَصِيرَ إِلَى التَّكْرَارِ ضَرُورَةٌ الْإِكْمَالِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر اہل محلّہ پورے (پچاس) نہ ہوں تو ان پر ایمان کو مکرر کیا جائے گا یہاں تک کہ پچاس پورے ہو جائیں اس دلیل کی وجہ سے جو مروی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قسامت کا فیصلہ کیا تو ان کے پاس اُنچاس ۴۹ آدمی آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک شخص پر یمن مکرر کر دی یہاں تک کہ پچاس پورے ہو گئے، پھر آپؓ نے دیت کا فیصلہ فرمایا۔ اور حضرت شریحؓ اور حضرت نخعیؓ سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ اور اس کے لیے پچاس کی تعداد حدیث سے ثابت ہے، لہذا حتی الامکان اسے پورا کرنا واجب ہے۔ اور اس میں فائدہ پر مطلع ہونے کو نہیں طلب کیا جائے گا، کیونکہ پچاس حدیث سے ثابت ہے۔ پھر اس میں امرِ دم کی تعظیم بھی ہے، سو اگر عدد کامل ہو اور ولی ان میں سے کسی پر یمن مکرر کرنا چاہے تو ولی کو یہ حق نہیں ہے، کیونکہ تکرار کی طرف لوٹنا

اکمال کی ضرورت کی وجہ سے ہے۔

اللغات:

﴿کُذِّرَتْ﴾ لوثائی جائے گی، دہرائی جائے گی۔ ﴿وَافَى﴾ پورے ہوئے۔ ﴿استعظام﴾ بڑا سمجھنا۔

اہل محلہ کی تعداد پچاس سے کم ہونے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر اہل محلہ کی تعداد پچاس سے کم ہو تو پچاس کی تعداد پوری کرنے کے لیے اہل محلہ سے دوبارہ قسم لی جائے گی، اس سلسلے کی پہلی دلیل سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا وہ طرز عمل ہے جب انہوں نے قسامت کے ایک معاملے میں ایک آدمی کے کم ہونے پر اہل محلہ میں سے ایک شخص سے دوبارہ قسم لی تھی، اسی طرح قاضی شریح رضی اللہ عنہ اور حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے بھی قسم کے تکرار کے واقعات منقول ہیں۔ چنانچہ قاضی شریح کے متعلق منقول ہے: جاء ت قسامة فلم يوفوا خمسين فرد عليهم القسامة حتى اوفوا کہ ان کے پاس قسامت کا معاملہ آیا اور اہل قسامت کی تعداد پوری پچاس نہیں تھی، اس پر قاضی شریح نے انہی لوگوں پر قسامت لونا کر یہ تعداد مکمل کرائی۔ اور حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے۔ قال اذا لم تبلغ القسامة کروا حتى يحلفوا خمسين يمينا یعنی اگر قسامت کی تعداد پوری نہ ہو تو پچاس کی تعداد پوری کرنے کے لیے وہ لوگ دوبارہ قسم کھائیں گے۔ (بنایہ: ۱۲/۳۲۱)

اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ پچاس کی تعداد سنت سے ثابت ہے لہذا حتی الامکان اس کی تکمیل ضروری ہے تاکہ سنت پر عمل ہو سکے اور سنت پر عمل کرنے ہی کی وجہ سے اس طرف بھی کوئی توجہ نہیں دی جائے گی کہ تکرار یمین سے تحصیل حاصل لازم آتی ہے اور اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ اس کا سب سے اہم فائدہ سنت کی اتباع ہے اور امر دم کی تعظیم ہے اور ان چیزوں سے بڑھ کر کوئی دوسرا فائدہ اور نہیں ہو سکتا۔

فان كان العدد كاملا الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر اہل محلہ پچاس کی تعداد میں ہوں اور مقتول کا ولی ان میں سے کسی پر قسم مکرر کرنا چاہے تو اسے یہ حق اور اختیار نہیں ہوگا، اس لیے کہ تکرار قسم بر بنائے ضرورت ثابت ہے اور جو چیز بر بنائے ضرورت ثابت ہوتی ہے اس کے متعلق ضابطہ یہ ہے کہ وہ بقدر ضرورت تک محدود رہتی ہے اور جب پچاس کی تعداد مکمل ہے تو بلا وجہ یمین کو مکرر نہیں کیا جائے گا۔

قَالَ وَلَا قَسَامَةٌ عَلَى صَبِيٍّ وَلَا مَجْنُونٍ لِأَنَّهُمَا لَيْسَا مِنْ أَهْلِ الْقَوْلِ الصَّحِيحِ وَالْيَمِينُ قَوْلٌ صَحِيحٌ، قَالَ وَلَا امْرَأَةً وَلَا عَبْدًا لِأَنَّهُمَا لَيْسَا مِنْ أَهْلِ النُّصْرَةِ، وَالْيَمِينُ عَلَى أَهْلِهَا.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ بچہ اور مجنون پر قسامت نہیں ہے، کیونکہ وہ دونوں قول صحیح کے اہل نہیں ہیں جب کہ یمین قول صحیح ہے۔ فرماتے ہیں کہ عورت اور غلام پر بھی قسامت نہیں ہے، کیونکہ یہ دونوں اہل نصرت میں سے نہیں ہیں جب کہ یمین اہل نصرت پر ہے۔

اللغات:

﴿صَبِيٍّ﴾ بچہ۔ ﴿امْرَأَةً﴾ عورت۔ ﴿عَبْدًا﴾ غلام۔

قسامت کے لیے نا اہل لوگ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ بچہ، مجنون، عورت اور غلام پر قسم اور قسامت نہیں ہے یعنی ان لوگوں کی قسامت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ قسم قول صحیح ہوتی ہے اور بچے اور پاگل صحیح بات کا تکلم ہی نہیں کر سکتے نیز عورت اور غلام کسی کی نصرت نہیں کر سکتے جب کہ یمین اہل نصرت سے متعلق ہے اس لیے عورت اور غلام کی یمین کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

قَالَ وَإِنْ وَجِدَ مَيِّتًا لَا أَثَرَ بِهِ فَلَا قَسَامَةَ وَلَا دِيَةَ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِقَتِيلٍ، إِذَا الْقَتِيلُ فِي الْعُرْفِ مَنْ فَاتَتْ حَيَاتُهُ بِسَبَبٍ يُبَاشِرُهُ حَيٌّ وَهَذَا مَيِّتٌ حَتَفَ أَنْفَهُ، وَالْعَرَامَةُ تَتَّبِعُ فَعْلَ الْعَبْدِ وَالْقَسَامَةُ تَتَّبِعُ احْتِمَالَ الْقَتْلِ ثُمَّ يَجِبُ عَلَيْهِمُ الْقَسَمُ فَلَا بَدَلَ مِنْ أَنْ يَكُونَ بِهِ أَثَرٌ يُسْتَدَلُّ بِهِ عَلَى كَوْنِهِ قَتِيلًا، وَذَلِكَ بِأَنْ يَكُونَ بِهِ جَرَا حَةً أَوْ أَثَرُ ضَرْبٍ أَوْ خَنْقٍ، وَكَذَا إِذَا كَانَ خَرَجَ الدَّمُ مِنْ عَيْنِهِ أَوْ أُذُنِهِ، لِأَنَّهُ لَا يَخْرُجُ مِنْهُمَا إِلَّا بِفِعْلِ مِنْ جِهَةِ الْحَيِّ عَادَةً، بِخِلَافِ مَا إِذَا خَرَجَ مِنْ فِيهِ أَوْ دُبُرِهِ أَوْ ذَكَرِهِ، لِأَنَّ الدَّمَ يَخْرُجُ مِنْ هَذِهِ الْمَخَارِجِ عَادَةً بِغَيْرِ فِعْلِ وَاحِدٍ، وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي الشَّهِيدِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مردہ شخص پایا جائے اور اس پر (قتل کا) اثر نہ ہو تو نہ تو قسامت ہے اور نہ ہی دیت، کیونکہ وہ مقتول نہیں ہے، اس لیے کہ عرف عام میں مقتول وہ شخص ہے جس کی زندگی ایسے سبب سے فوت ہوئی ہو جسے کسی زندہ شخص نے انجام دیا ہو اور یہ شخص اپنی موت مرا ہے اور تاوان فعل عبد کے تابع ہے اور قسامت احتمال قتل کے تابع ہوتی ہے پھر ان پر قسم واجب ہوتی ہے، لہذا کسی ایسے اثر کا وجود ضروری ہے جس کی وجہ سے میت کے مقتول ہونے پر استدلال کیا جاسکے اور وہ اثر یہ ہے کہ میت پر زخم ہو یا چوٹ کا اثر ہو یا گلا گھونٹنے کا اثر ہو اور ایسے ہی جب اس کی آنکھ یا اس کے کان سے خون نکلا ہو، کیونکہ عام طور پر زندہ شخص کی جانب سے فعل کے بغیر ان سے خون نہیں نکلتا۔

برخلاف اس صورت کے جب میت کے منہ یا اس کی دبر یا اس کے ذکر سے خون نکلا ہو، کیونکہ ان مخارج سے بدون فعل عامہ خون نکل جاتا ہے اور باب الشہید میں ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔

اللغات:

﴿قتیل﴾ مقتول - ﴿حتف انفہ﴾ اپنی طبعی موت - ﴿عرامۃ﴾ جرمانہ، تاوان - ﴿جرا حۃ﴾ زخم - ﴿حنق﴾ گلا گھونٹنا - ﴿عین﴾ آنکھ - ﴿أذن﴾ کان - ﴿فیه﴾ اس کا منہ - ﴿دبر﴾ مقعد۔

قسامت کس میت پر ہوگی:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح اور آسان ہے جس کی مختصری تشریح یہ ہے کہ اگر کسی محلے میں کوئی ایسا مرا ہوا شخص پایا جائے جس کے بدن پر قتل، ضرب اور حنق کا اثر نہ ہو تو اہل محلہ پر نہ تو دیت واجب ہوگی اور نہ ہی قسامت، کیونکہ قسامت اور دیت کا تعلق مقتول

سے ہے اور یہ شخص مقتول نہیں ہے، اس لیے کہ مقتول وہ میت ہے جو زندہ شخص کی طرف سے سبب موت مہیا کرنے کی وجہ سے مرا ہو اور صورت مسئلہ میں یہ شخص اپنی موت مرا ہے اور اپنی موت مرنے والا نہ تو کسی پر تاوان کا مستحق ہوتا ہے اور نہ ہی قسامت کا، کیوں کہ تاوان بندے کے فعل کی وجہ سے واجب ہوتا ہے۔ اور یہاں فعل عبد معدوم ہے، اسی طرح قسامت احتمال قتل کی وجہ سے واجب ہوتی ہے اور احتمال قتل کے لیے میت پر علامات قتل (یعنی زخم یا مار کے اثر یا گلا گھونٹنے) میں سے کسی علامت کا ہونا ضروری ہے یا میت کے آنکھ یا ناک میں سے خون نکلتا ضروری ہے، کیونکہ یہ چیزیں فعل عبد کے بغیر معرض وجود میں نہیں آتیں، اس لیے اگر ان علامتوں میں سے کوئی علامت ہوگی تو قسامت ودیت واجب ہوگی ورنہ نہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر میت کے منہ یا اس کی دبر اور ذکر سے خون نکلا ہو تو بھی اہل محلہ پر قسامت نہیں ہے، کیونکہ ان مقامات سے حرکت اور فعل کے بغیر بھی خون خارج ہوتا رہتا ہے، لہذا ان جگہوں سے نکلنے والا خون قتل کی علامت نہیں ہوگا اور اس سے میت کو مقتول نہیں قرار دیا جائے گا اور جب میت مقتول نہیں ہوگا تو اہل محلہ پر نہ قسامت واجب ہوگی اور نہ ہی دیت۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ باب الشہید میں ہم اس پر سیر حاصل گفتگو کر چکے ہیں۔

وَلَوْ وُجِدَ بَدَنُ الْقَتِيلِ أَوْ أَكْثَرُ مِنْ نِصْفِ الْبَدَنِ أَوْ النِّصْفُ وَمَعَهُ الرَّأْسُ فِي مَحَلَّةٍ فَعَلَى أَهْلِهَا الْقِسَامَةُ وَالْذِّيَّةُ، وَإِنْ وُجِدَ نِصْفُهُ مَشْقُوقًا بِالطُّوْلِ أَوْ وُجِدَ أَقْلُ مِنَ النِّصْفِ وَمَعَهُ الرَّأْسُ أَوْ وُجِدَ يَدُهُ أَوْ رِجْلُهُ أَوْ رَأْسُهُ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِمْ، لِأَنَّ هَذَا حُكْمُ عَرَفْنَاهُ بِالنِّصِّ وَقَدْ وَرَدَ بِهِ فِي الْبَدَنِ إِلَّا أَنَّ لِلْأَكْثَرِ حُكْمَ الْكُلِّ تَعْظِيمًا لِلْأَدَمِيِّ.

ترجمہ: اگر مقتول کا بدن یا نصف بدن سے اکثر یا نصف حصہ سر کے ساتھ کسی محلے میں پایا جائے تو اہل محلہ پر قسامت اور دیت واجب ہے۔ اور اگر بدن کا نصف حصہ جو لمبائی میں پھاڑا ہوا ہو پایا جائے یا نصف سے کم مع سر کے پایا جائے یا ہاتھ یا پیر یا سر پایا جائے تو اہل محلہ پر کچھ نہیں واجب ہے، اس لیے کہ یہ ایسا حکم ہے جسے ہم نے نص سے پہچانا ہے اور نص بدن کے متعلق وارد ہوئی ہے تاہم آدمیت کی تعظیم کے پیش نظر اکثر کو کل کا حکم حاصل ہے۔

اللغات:

﴿قتیل﴾ مقتول۔ ﴿رأس﴾ سر۔ ﴿مشقوق﴾ چیرا ہوا، پھاڑا ہوا۔ ﴿طول﴾ لمبائی۔

بدن کا کچھ حصہ ملنے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی محلے میں مقتول کا پورا بدن ملے یا بدن کے نصف حصے سے زائد حصہ ملے یا سر کے ساتھ بدن کا نصف حصہ ملے تو ان تمام صورتوں میں اہل محلہ پر قسامت اور دیت واجب ہے، اس کے برخلاف اگر لمبائی میں کٹا ہوا بدن کا نصف حصہ پایا جائے یا نصف سے کم مع سر کے پایا جائے یا مقتول کا ہاتھ یا پیر یا اس کا سر پایا جائے تو ان صورتوں میں اہل محلہ پر قسامت اور دیت نہیں ہے، کیونکہ قسامت ودیت کا ثبوت ووجوب خلاف قیاس نص سے ثابت ہے اور خلاف قیاس ثابت ہونے والی چیز مورد نص سے متجاوز نہیں ہوتی اور مورد نص چوں کہ پورا بدن ہے، اس لیے نصف اور بعض اور جزو والی صورتوں میں اہل محلہ پر قسامت ودیت نہیں

واجب ہوگی، البتہ اکثر بدن کی صورت میں اہل محلہ پر قسامت واجب ہوگی، کیونکہ تعظیم آدمیت کے پیش نظر لاکھوں حکم الکحل کے تحت اکثر بدن کو کھل کا درجہ دے دیا گیا ہے اور جس طرح مقتول کا پورا بدن کسی ٹکڑے میں پائے جانے سے اہل محلہ پر قسامت ودیت واجب ہوتی ہے، اسی طرح اکثر بدن کے پائے جانے سے بھی اہل محلہ پر قسامت ودیت واجب ہوگی۔

بِخِلَافِ الْأَقْلِ، لِأَنَّهُ لَيْسَ بِيَدَنِ وَلَا مُلْحَقٍ بِهِ فَلَا تَجْرِي فِيهِ الْقَسَامَةُ وَلَا نَأْتِي لَوْ إِعْتَبَرْنَاهُ تَتَكَرَّرُ الْقَسَامَتَانِ وَالِدَيَّتَانِ بِمُقَابَلَةِ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَلَا تَتَوَالِيَانِ، وَالْأَصْلُ فِيهِ أَنَّ الْمَوْجُودَ الْأَوَّلَ إِنْ كَانَ بِحَالٍ لَوْ وَجَدَ الْبَاقِي تَجْرِي فِيهِ الْقَسَامَةُ لَا تَجِبُ فِيهِ، وَإِنْ كَانَ بِحَالٍ لَوْ وَجَدَ الْبَاقِي لَا تَجْرِي فِيهِ الْقَسَامَةُ تَجِبُ، وَالْمَعْنَى مَا أَشْرْنَا إِلَيْهِ، وَصَلَاةُ الْجَنَازَةِ فِي هَذَا تَنْسَحِبُ عَلَى هَذَا الْأَصْلِ، لِأَنَّهَا لَا تَتَكَرَّرُ.

ترجمہ: برخلاف اقل کے، اس لیے کہ اقل نہ تو بدن ہے اور نہ ہی بدن کے ساتھ ملحق ہے لہذا اس میں قسامت جاری نہیں ہوگی، اور اس لیے کہ اگر ہم اقل کا اعتبار کریں گے تو ایک نفس کے مقابلے میں دو قسامت اور دو دیتیں واجب ہوں گی، حالانکہ یہ دونوں پے درپے نہیں ہوتیں۔ اس سلسلے میں ضابطہ یہ ہے کہ موجود اول اگر اس حال میں ہو کہ اگر باقی پایا جائے تو اس میں قسامت جاری نہ ہو تو اس میں قسامت واجب نہیں ہوگی۔ اور اگر اس حال میں ہو کہ اگر باقی پایا جائے تو اس میں قسامت جاری ہو تو موجود اول میں قسامت واجب ہوگی۔ اور معنی وہ ہے جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں اور اس میں نماز جنازہ اسی اصل پر متفرع ہے، کیونکہ نماز جنازہ مکرر نہیں ہوتی۔

اللغات:

﴿لا تتوالیان﴾ یہ دونوں پے درپے نہیں ہوتیں۔ ﴿تَنْسَحِبُ﴾ جاری ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا مسئلہ کا اصول:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی محلے میں مقتول کے بدن کا اقل حصہ پایا گیا ہے تو اہل محلہ پر قسامت اور دیت واجب نہیں ہوگی، کیونکہ اقل حصہ نہ تو بدن ہے اور نہ ہی بدن کے ساتھ ملحق ہے اور قسامت بدن میں جاری ہوتی ہے، لہذا جو بدن نہیں ہے اس میں قسامت بھی جاری نہیں ہوگی۔ اس اقل میں قسامت واجب اور جاری نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر ہم اقل میں قسامت ودیت کو واجب کریں اور پھر بدن کا اکثر حصہ ملنے پر اس میں بھی قسامت ودیت کو واجب کریں تو نفس واحدہ کے مقابلے میں دو قسامتیں اور دو دیتیں واجب ہوں گی۔ حالانکہ لگا تار دو قسامتوں اور دو دیتوں کا وجوب خلاف نص ہے، اس لیے اقل میں ان کا نفاذ نہیں ہوگا۔

والأصل الخ: یہاں سے صاحب کتاب ایک قاعدہ کلیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مقتول کے بدن کا جو حصہ ملا ہے اگر وہ اس پوزیشن میں ہو کہ باقی حصہ ملنے کے بعد اس باقی میں قسامت جاری ہو سکتی ہو تو اول ملے ہوئے حصے میں قسامت جاری نہیں ہوگی۔ اور اگر اول حصہ اس حال میں ہو کہ باقی ملنے کے بعد اس میں قسامت جاری نہ ہو سکتی ہو تو اول حصے میں قسامت جاری ہوگی۔

اس ضابطے کا حاصل یہ ہے کہ قسامت بہر صورت ایک ہی حصے میں جاری ہوگی اور اس میں ہرگز تکرار نہیں ہوگا۔ والمعنی ما اشرنا الیہ الخ سے صاحب کتاب نے اسی عدم تکرار کی جانب اشارہ کیا ہے۔

وصلاة الجنابة الخ: فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ بھی اسی اصل پر متفرع ہے چنانچہ میت کے بدن کا جو حصہ ملا ہے اس پر نظر رہے اور جو حصہ بعد میں ملے اس پر بھی نگاہ رہے اگر بعد والا حصہ قابل نماز ہو تو اول حصہ پر نماز نہیں ہوگی اور اگر بعد والے حصے پر نماز ممکن نہ ہو تو اول ملے ہوئے حصے پر نماز ہوگی۔

وَلَوْ وُجِدَ فِيهِمْ حَيِّنٌ أَوْ سَقَطَ لَيْسَ بِهِ أَثَرُ الضَّرْبِ فَلَا شَيْءَ عَلَى أَهْلِ الْمَحَلَّةِ، لِأَنَّهُ لَا يَفُوقُ الْكَبِيرَ حَالًا، وَإِنْ كَانَ بِهِ أَثَرُ الضَّرْبِ وَهُوَ تَامَ الْخَلْقِ وَجَبَتِ الْقَسَامَةُ وَالِدِّيَّةُ عَلَيْهِمْ، لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّ تَامَ الْخَلْقِ يَنْفَصِلُ حَيًّا، وَإِنْ كَانَ نَاقِصَ الْخَلْقِ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِمْ، لِأَنَّهُ يَنْفَصِلُ مَيِّتًا لَا حَيًّا.

ترجمہ: اور اگر اہل محلہ میں کوئی جنین یا کوئی ناتمام بچہ گرا ہوا بچہ پایا جائے اور اس پر مار کا نشان نہ ہو تو اہل محلہ پر کچھ نہیں واجب ہے، اس لیے کہ جنین بڑے بچے کی حالت سے فائق نہیں ہوگا۔ اور اگر بچے پر مار کا نشان ہو اور وہ تَام الخلق ہو تو اہل محلہ پر قسامت و دیت واجب ہوگی، کیوں کہ ظاہر یہی ہے کہ تَام الخلق زندہ جدا ہو جاتا ہے، اور اگر بچہ ناقص الخلق ہو تو اہل محلہ پر کچھ نہیں واجب ہے، اس لیے کہ ناقص الخلق مردہ جدا ہوتا ہے، نہ کہ زندہ۔

اللغات:

﴿جنین﴾ غیر واضح الخلق حمل۔ ﴿سقط﴾ حمل ساقط کر کے گرانے والا بچہ۔ ﴿لا یفوق﴾ نہیں بڑھتا۔ ﴿تَام الخلق﴾ مکمل جسم والا۔ ﴿ینفصل﴾ جدا ہوتا ہے۔

جنین یا مردہ بچہ ملنے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی محلے میں کوئی جنین مردہ ملا یا کوئی ناتمام بچہ گرا ہوا مردہ ملا لیکن اس پر زخم اور مار کا نشان وغیرہ نہیں تھا تو اہل محلہ پر قسامت وغیرہ نہیں واجب ہوگی، اس لیے کہ جنین اور سقط کی حالت بڑے بچے یا بڑے آدمی کی حالت سے اچھی نہیں ہوتی اور بڑے کی بہ نسبت ان کے اپنی موت سے مرنے کا احتمال زیادہ ہوتا ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ اگر بڑا بچہ یا بڑا آدمی مردہ پایا جائے اور اس پر زخم یا ضرب کا نشان نہ ہو تو اہل محلہ پر کچھ نہیں واجب ہوتا، لہذا جنین اور سقط کی صورت میں بدرجہ اولیٰ ان پر کچھ واجب نہیں ہوگا۔

ہاں اگر جنین پر ضرب کا نشان ہو اور وہ تَام الخلق ہو تو اس صورت میں اہل محلہ پر قسامت و دیت واجب ہوگی، کیونکہ اب ظاہر یہی ہے کہ وہ تَام الخلق بچہ اپنی ماں سے زندہ الگ ہوا ہوگا اور کسی کے ضرب اور وار سے اس کی موت ہوئی ہوگی اور چوں کہ اس پر زخم کا نشان لگا ہوا ہے اس لیے اہل محلہ پر اس کی دیت واجب ہوگی۔

اور اگر وہ جنین ناقص الخلق ہو تو اہل محلہ پر کچھ نہیں واجب ہوگا اگرچہ اس پر زخم کا نشان موجود ہو، کیونکہ ناقص الخلق

ہونے کی وجہ سے غالب گمان یہی ہے کہ وہ بچہ ماں کے پیٹ سے مردہ پیدا ہوا ہے اور اہل محلہ میں سے کسی نے اسے نہیں مارا ہے۔

قَالَ وَ اِذَا وَجَدَ الْقَتِيلُ عَلَى دَابَّةٍ يَسُوقُهَا رَجُلٌ فَلَدَيَّةٌ عَلَى عَاقِلَيْهِ دُونَ اَهْلِ الْمَحَلَّةِ، لِأَنَّهُ فِي يَدِهِ فَصَارَ كَمَا اِذَا كَانَ فِي دَارِهِ، وَكَذَا اِذَا كَانَ قَائِدَهَا أَوْ رَاكِبَهَا فَإِنْ اجْتَمَعُوا فَعَلَيْهِمْ، لِأَنَّ الْقَتِيلَ فِي أَيْدِيهِمْ فَصَارَ كَمَا اِذَا وَجَدَ فِي دَارِهِمْ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر مقتول کسی ایسی سواری پر پایا جائے جسے کوئی شخص ہانک رہا ہو تو دیت سائق کے عاقلہ پر ہوگی نہ کہ اہل محلہ پر، کیونکہ مقتول اس کے قبضے میں ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ مقتول اس کے گھر میں ہو اور ایسے ہی جب چوپائے کا قائد یا اس کا راکب ہو پھر اگر یہ لوگ جمع ہو جائیں تو ان سب پر دیت واجب ہوگی، کیونکہ مقتول ان کے قبضے میں ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسے مقتول ان کے گھر میں پایا جائے۔

اللغات:

﴿دابة﴾ سواری۔ ﴿يسوق﴾ ہانکتا ہو، پیچھے سے سواری کے جانور کو چلاتا ہو۔ ﴿عاقلة﴾ قریبی رشتہ دار، تعلق دار۔ ﴿قائد﴾ کھینچنے والا، جانور کو آگے سے چلانے والا۔

کسی سواری پر مقتول ملنے کی مختلف صورتیں:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص چوپایہ لئے جارہا تھا اور اس پر کوئی مقتول ملا تو مقتول کی دیت سائق کے عاقلہ پر ہوگی اور اہل محلہ پر نہیں ہوگی، کیونکہ یہ مقتول سائق کے قبضے میں ہے، لہذا اس کی دیت سائق کے عاقلہ اداء کریں گے، اور اہل محلہ نہیں دیں گے جیسے اگر سائق کے گھر میں کوئی مقتول ملے تو اس صورت میں بھی سائق کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی اور اہل محلہ پر نہیں واجب ہوگی۔

و كَذَا اِذَا كَانَ الْخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر سواری کے قائد، سائق اور راکب تینوں لوگ ہوں اور وہ سب سواری پر جمع ہوں پھر سواری پر کوئی مقتول ملے تو ان تینوں پر اس کی دیت واجب ہوگی، کیونکہ مقتول ان کے قبضے میں ہے، لہذا جس طرح ان کے مکانوں میں مقتول ملنے سے ان پر مقتول کی دیت واجب ہے اسی طرح ان کے قبضے میں مقتول ملنے سے بھی ان پر مقتول کی دیت واجب ہوگی۔

قَالَ وَ اِنْ مَرَّتْ دَابَّةٌ بَيْنَ قَرَيْتَيْنِ وَعَلَيْهَا قَتِيلٌ فَهُوَ عَلَى اقْرَبِيهِمَا لِمَا رَوَى أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اَتَتْهُ بِقَتِيلٍ وَجَدَ بَيْنَ قَرَيْتَيْنِ فَأَمَرَ أَنْ يُدْرَعَ، وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ لَمَّا كُتِبَ إِلَيْهِ فِي الْقَتِيلِ الَّذِي وَجَدَ بَيْنَ وَادَعَةٍ وَأَرْحَبَ كَتَبَ بِأَنَّ يَفِيَسَ بَيْنَ قَرَيْتَيْنِ فَوَجَدَ الْقَتِيلَ إِلَى وَادَعَةٍ أَقْرَبَ فَقَضَى عَلَيْهِمْ بِالْقَسَامَةِ، فَبَلَ هَذَا مَحْمُولٌ عَلَى مَا إِذَا كَانَ بِحَيْثُ يَبْلُغُ أَهْلُهُ الصَّوْتُ، لِأَنَّهُ إِذَا كَانَ بِهَذِهِ الصِّفَةِ يَلْحَقُهُ الْغَوْتُ فَمَحَمَّتُهُمُ النَّصْرُ وَقَدْ قَصَرُوا.

ترجمہ: امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر دو گاؤں کے درمیان کوئی چوپایہ گزرے اور اس پر کوئی مقتول ہو تو اس کی دیت ان میں قریب ترین گاؤں والوں پر ہوگی اس حدیث کی وجہ سے جو مروی ہے کہ آپ ﷺ کے پاس ایک مقتول لایا گیا جو دو گاؤں کے مابین ملا تھا تو آپ ﷺ نے پیمائش کرنے کا حکم دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب ان کے پاس اس مقتول کے متعلق لکھا گیا جو ۱۰ اودعہ اور ارحب کے درمیان ملا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ دونوں گاؤں کے درمیان پیمائش کر لی جائے چنانچہ مقتول وادعہ کے زیادہ قریب پایا گیا، لہذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل وادعہ پر قسامت کا فیصلہ فرمایا۔ کہا گیا کہ یہ اس صورت پر محمول ہے جب مقتول ایسی جگہ ہو کہ اہل اقرب کو آواز پہنچ سکتی ہو، کیونکہ جب وہ اس صفت پر ہوگا تو اسے مدلل سکے گی، لہذا اہل اقرب لیے مدد کرنا ممکن تھا لیکن انھوں نے اس میں کوتاہی کی ہے۔

اللغات:

﴿مرت﴾ گذری۔ ﴿دابة﴾ جانور، سواری۔ ﴿یذرع﴾ پیمائش کی جائے گی۔ ﴿یقیس﴾ اندازہ کیا جائے، جانا جائے۔ ﴿غوث﴾ فریادرس، مدد کی پکار کو پہنچنے والا۔ ﴿قصر واک﴾ انھوں نے کوتاہی کی۔

تخریج:

① اخرجہ البیہقی فی السنن الکبریٰ کتاب القسامۃ باب ما روی فی القتل یوجد بین قریبتین۔ حدیث رقم: ۱۶۵۳۔

دو بستیوں کے درمیان پائے جانے والے مقتول کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر دو گاؤں کے بیچ سے کوئی سواری جارہی ہو اور اس کا سائق یا راكب نہ ہو پھر اس پر کوئی مقتول ملے تو مقتول کی دیت کے متعلق ضابطہ یہ ہے کہ جس گاؤں اور محلے سے اس کا گذر ہوگا اس کے قریب ترین باشندوں پر اس کی دیت واجب ہوگی۔ چنانچہ اگر سواری کسی گاؤں سے ایک کیلومیٹر دور ہو اور دوسرے گاؤں سے آدھا کیلومیٹر دور ہو تو آدھا کیلومیٹر کے فاصلے پر جو گاؤں واقع ہے اس کے باشندوں پر مقتول کی دیت واجب ہوگی، اس سلسلے کی پہلی دلیل وہ حدیث ہے جو کتاب میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ کے پاس ایک ایسا مقتول لایا گیا جو دو گاؤں کے درمیان ملا تھا اس پر آپ ﷺ نے دونوں گاؤں کے فاصلے کی پیمائش کرائی اور جو اقرب تھا اس کے باشندوں پر دیت واجب فرمائی۔

اس کی دوسری دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ مکتوب گرامی ہے جو انھوں نے وادعہ اور ارحب کے مابین پائے جانے والے مقتول کے متعلق تحریر فرمایا تھا اور یہ لکھا تھا جو گاؤں مقتول کے زیادہ قریب ہو اس کے اہل پر دیت واجب کی جائے، چنانچہ پیمائش کے بعد معلوم ہوا کہ قریب وادعہ مقتول سے زیادہ قریب ہے لہذا اس کے باشندوں پر دیت واجب قرار دی گئی تھی۔ ان دونوں دلیلوں سے یہ بات عیاں ہوگئی ہے کہ مقتول جس کے گاؤں سے زیادہ قریب ہوگا اس کے باشندوں پر دیت واجب کی جائے گی۔

فیل هذا الخ: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اہل قریہ پر دیت واجب کرنے کے لیے ضروری یہ ہے کہ وہ گاؤں مقتول کو لے کر گزرنے والی سواری سے اتنے قریب ہو کہ وہاں سے مقتول کی آواز گاؤں والوں تک پہنچ سکتی ہو، اس

لیے کہ اسی صورت میں اہل قریہ کے لیے مقتول کی اعانت ممکن ہو سکے گی اور ان پر عدم اعانت و نصرت کا الزام عائد ہوگا جس کی بنا پر انہیں دیت اداء کرنی ہوگی۔ لیکن اگر اقرب گاؤں تک آواز نہ پہنچ سکتی ہو تو پھر اہل قریہ پر دیت نہیں واجب ہوگی، لیکن یہ بعض حضرات کی رائے ہے، اسی لیے صاحب کتاب نے اسے صیغہ تمریض یعنی قیل سے بیان کیا ہے اور ظاہر الروایہ قول اول ہے۔

قَالَ وَ إِنْ وَجَدَ الْقَتِيلُ فِي دَارِ إِنْسَانٍ فَلِقْسَامَةٌ عَلَيْهِ، لِأَنَّ الدَّارَ فِي يَدِهِ وَالِدِّيَّةُ عَلَى عَاقِلَتِهِ، لِأَنَّ نَصْرَتَهُ مِنْهُمْ وَقُوَّتَهُ بِهِمْ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی انسان کے گھر میں مقتول پایا جائے تو اسی پر قسامت واجب ہوگی، اس لیے کہ گھر اسی کے قبضے میں ہے اور دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی، اس لیے کہ عاقلہ ہی اس کی نصرت کرتے ہیں اور انھی سے اسے قوت حاصل ہوتی ہے۔ کسی کے گھر میں پائے جانے والے مقتول کی قسامت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے گھر میں کوئی مقتول ملے تو صاحب دار پر اس کی دیت واجب ہوگی اور اس کے عاقلہ اس کو اداء کریں گے، صاحب دار پر اس لیے دیت واجب ہوگی کہ گھر اس کے قبضے اور اس کی ملکیت میں ہے لہذا مقتول کا قتل بھی اس کی ملکیت میں واقع ہوگا اور وہی اس کا ضامن ہوگا، لیکن اس ضامن کی ادائیگی صاحب دار کے عاقلہ پر ہوگی، اس لیے کہ عاقلہ ہی اس کے معاون و مددگار ہوتے ہیں اور انھی کے دست و بازو پر اسے فخر ہوتا ہے۔ اور انھی کے دم پر وہ شخص اپنے آپ کو مضبوط اور طاقت ور سمجھتا ہے۔

قَالَ وَلَا تَدْخُلُ السُّكَّانُ فِي الْقِسَامَةِ مَعَ الْمَلَائِكِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمُ اللَّهُ، وَقَالَ أَبُو يُونُسَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ هُوَ عَلَيْهِمْ جَمِيعًا، لِأَنَّ وَلَايَةَ التَّدْبِيرِ كَمَا تَكُونُ بِالْمَلِكِ تَكُونُ بِالسُّكَّانِ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ① جَعَلَ الْقِسَامَةَ وَالِدِّيَّةَ عَلَى الْيَهُودِ وَإِنَّهُ كَانُوا سُكَّانًا بِخَيْبَرَ، وَلَهُمَا أَنَّ الْمَلِكَ هُوَ الْمُخْتَصُّ بِنُصْرَةِ الْبُقْعَةِ دُونَ السُّكَّانِ، لِأَنَّ سُكْنَى الْمَلَائِكِ أَلَزَمَ وَقَرَارَهُمْ أَدْوَمُ فَكَانَتْ وَلَايَةُ التَّدْبِيرِ إِلَيْهِمْ فَيَتَحَقَّقُ التَّقْصِيرُ مِنْهُمْ، وَأَمَّا أَهْلُ خَيْبَرَ فَالنَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَقْرَهُمْ عَلَى أُمَلَّاكِهِمْ وَكَانَ يَأْخُذُ مِنْهُمْ عَلَى وَجْهِ الْخَرَاجِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں مالکان کے ساتھ سُکَّانِ قسامت میں داخل نہیں ہوں گے، یہی امام محمد رحمہ اللہ کا بھی قول ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مالکان و سُکَّان سب پر قسامت ہوگی، کیونکہ ولایت تدبیر جس طرح ملک سے ہوتی ہے اسی طرح سُکَّان سے بھی ہوتی ہے۔ کیا دیکھتے نہیں کہ آپ ﷺ نے یہود پر قسامت و دیت لازم فرمایا تھا حالانکہ وہ لوگ خیبر کے باشندے تھے۔

حضرات طرفین علیہ السلام کی دلیل یہ ہے کہ بقعہ کی نصرت کے ساتھ مالک ہی مختص ہے نہ کہ باشندے، اس لیے کہ مالکان کا سُکَّان زیادہ پائیدار اور ان کا قرار زیادہ دائمی ہے، لہذا مالکان ہی کو ولایت تدبیر حاصل ہوگی اور انھی کی جانب سے کوتاہی متحقق ہوگی۔

رہے اہل خیر تو آپ ﷺ نے انھیں ان کی املاک پر برقرار رکھا تھا اور ان سے بطور خراج آپ لیا کرتے تھے۔

اللغات:

﴿سَکَانَ﴾ واحد ساکن؛ رہائش، باشندے۔ ﴿مَلَاکَ﴾ واحد مالک؛ مالکان۔ ﴿سَکَنَ﴾ رہائش۔ ﴿بَقْعَةً﴾ زمین کا ٹکڑا۔ ﴿اَدْوَمَ﴾ زیادہ رہنے والا۔ ﴿تَقْصِیرَ﴾ کوتاہی۔ ﴿اَقْرَہُمْ﴾ اُن کو وہاں ٹھہرایا۔

تخریج:

① اخرجہ البیہقی فی السنن الکبری کتاب القسامة باب اصل القسامة . حدیث رقم: ۱۶۴۵۰ .

مالکان اور آبادکاروں میں سے قسامت کس پر واجب ہوگی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی گاؤں اور محلے میں زمینوں و مکانوں کے مالک بھی رہتے ہوں اور کچھ کرایہ دار بھی مقیم ہوں پھر اس گاؤں یا محلے میں کوئی مقتول پایا جائے تو حضرات طرفین رضی اللہ عنہما کے یہاں صرف مالکان پر قسامت و دیت واجب ہوگی اور باشندوں اور کرایہ داروں پر دیت نہیں واجب ہوگی جب کہ امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کے یہاں مالکان اور سکان دونوں پر قسامت و دیت کا وجوب ہوگا، کیونکہ قسامت کا تعلق تدبیر کی ولایت سے ہے اور ولایت تدبیر ملکیت سے بھی حاصل ہوتی ہے اور سکنتی سے بھی، لہذا جس طرح مالکان پر قسامت و دیت واجب ہوگی، اسی طرح سکان پر بھی یہ چیزیں واجب ہوں گی، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے خیر کے یہود پر قسامت و دیت کو واجب فرمایا تھا حالانکہ وہ لوگ مکانات خیر کے مالک نہیں تھے، بلکہ باشندے تھے اگر سکان پر قسامت و دیت واجب نہ ہوتی تو یہود خیر پر آپ ﷺ کو واجب نہ فرماتے۔ معلوم ہوا کہ سکان پر بھی یہ چیزیں واجب ہیں۔

ولہما الخ: حضرات طرفین رضی اللہ عنہما کی دلیل یہ ہے کہ بقعۃ ارض کی حمایت و نصرت کرنا مالکان کے ساتھ خاص ہے اور باشندوں کا اس سے کچھ نہیں لینا دینا ہے، کیونکہ سکان اور کرایہ داروں کے سکنتی اور رہائش میں پختگی اور پائیداری نہیں ہوتی اور موسمی پرندوں کی طرح وہ لوگ بھی دراور گھبردلتے رہتے ہیں، ان کے برخلاف جو مالکان ہوتے ہیں ان کی رہائش میں دوام اور ابدیت ہوتی ہے اور ان میں بہت کم تبدیلی ہوتی ہے، لہذا حقیقی تدبیر اور نصرت و حفاظت انھی مالکان سے متعلق ہوگی اور مقتول کی حفاظت میں کمی کوتاہی کا تحقق بھی انھی کی طرف سے ہوگا اس لیے دیت و قسامت میں یہی ماخوذ بھی ہوں گے اور سکان سے کوئی مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔

وأما اهل خيبر الخ: امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ نے اہل خیر کے واقعے سے اپنے قول پر استدلال کیا تھا یہاں سے صاحب کتاب اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اہل خیر کو سکان قرار دینا درست نہیں ہے، کیونکہ وہ لوگ سکان نہیں تھے، بلکہ مالکان تھے اور آپ ﷺ نے انھیں ان کی املاک پر برقرار رکھا تھا اور بطور خراج ان سے وصول فرمایا کرتے تھے، لہذا اہل خیر کے واقعے سے استدلال کر کے سکان پر بھی قسامت و دیت کو واجب قرار دینا درست نہیں ہے۔

قَالَ وَهُوَ عَلَى أَهْلِ الْخُطَةِ دُونَ الْمُشْتَرِينَ، وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ، وَقَالَ أَبُو يَوْسُفَ

رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ الْكُلُّ مُشْتَرِكُونَ، لِأَنَّ الصَّمَانَ إِنَّمَا يَجِبُ بِتَرْكِ الْحِفْظِ مِمَّنْ لَهُ وَلَايَةُ الْحِفْظِ، وَبِهَذَا الطَّرِيقِ يُجْعَلُ جَانِبًا مُقْصَرًا، وَالْوَلَايَةُ بِاعْتِبَارِ الْمِلْكِ وَقَدْ اسْتَوَوْا فِيهِ، وَلَهُمَا أَنَّ صَاحِبَ الْخُطَةِ هُوَ الْمُخْتَصُّ بِنُصْرَةِ الْبَقْعَةِ هُوَ الْمُتَعَارَفُ، وَلِأَنَّهُ أَصِيلٌ وَالْمُشْتَرِي دَخِيلٌ، وَلِوَلَايَةِ التَّدْبِيرِ إِلَى الْأَصِيلِ، وَقِيلَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ بَنَى ذَلِكَ عَلَى مَا شَاهَدَ بِالْكُوفَةِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ دیت وقسامت اہل خطہ پر واجب ہے نہ کہ خریداروں پر اور یہ حضرات طرفین عیسیٰ کا قول ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سب لوگ اس میں مشترک ہیں، کیوں کہ جسے ولایت حفظ حاصل ہو اس کی طرف سے ترک حفاظت کی وجہ سے ضمان واجب ہوتا ہے اور اسی طریقے سے وہ شخص (من له ولاية الحفظ) مجرم اور مقصر قرار یا جائے گا اور ولایت حفظ ملکیت کے اعتبار سے ہے اور ملکیت میں سب لوگ برابر ہیں۔

حضرات طرفین عیسیٰ کی دلیل یہ ہے کہ صاحب خطہ ہی نصرت بقعہ کے سلسلے میں مختص ہے یہی متعارف ہے اور اس لیے کہ صاحب خطہ اصیل ہے اور مشتری دخیل ہے اور ولایت تدبیر اصیل کو حاصل ہوتی ہے، ایک قول یہ ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کوفہ میں جو دیکھا اسی پر مسئلے کی بنیاد رکھ دی ہے۔

اللغات:

﴿أَهْلُ الْخُطَةِ﴾ الْاِثْنَيْنِ - ﴿جَانِبِي﴾ مجرم، گناہ گار - ﴿مُقْصَرٌ﴾ کوتاہی کرنے والا - ﴿اسْتَوَوْا﴾ سب برابر ہیں۔ ﴿بَنَى﴾ بنیاد رکھی ہے۔

اہل خطہ اور خریداروں پر قسامت کے وجوب کا اختلاف:

حل عبارت سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھئے کہ اہل خطہ وہ لوگ کہلاتے ہیں جنہیں کوئی علاقہ فتح کرتے وقت امام المسلمین زمین اور جائیداد الاٹ کر دے اور اس سے پہلے وہ علاقہ کسی کو نہ دیا گیا ہو۔ اور مشترکین وہ لوگ ہیں جو کسی زمین اور مکان کو خرید کر اس کے مالک ہوئے ہوں اور امام المسلمین کی طرف سے انہیں ابتداء میں وہ جگہ نہ دی گئی ہو۔ (بنیایہ: ۱۲/۲۲۹)

مسئلہ یہ ہے کہ حضرات طرفین عیسیٰ کے یہاں قسامت ودیت صرف اہل خطہ پر واجب ہے، مشترکین پر نہیں جب کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں اہل خطہ اور مشترکین سب پر دیت وقسامت واجب ہے، اس لیے کہ دیت وقسامت کا وجوب من له ولاية الحفظ کی جانب سے ترک حفاظت کی وجہ سے ہوتا ہے اور ولایت حفظ اہل خطہ اور مشترکین کو یکساں طور پر حاصل ہے، لہذا حفاظت کا ترک دونوں کی طرف سے ہوگا اور دونوں طرف سے کوتاہی متحقق ہوگی، اس لیے دونوں فریق پر ضمان واجب ہوگا۔

حضرات طرفین عیسیٰ کی دلیل یہ ہے کہ اہل خطہ ہی علاقے کے محافظ اور معاذن ہوتے ہیں نیز اہل خطہ اصیل ہوتے ہیں اور مشترکین دخیل ہوتے ہیں اور ولایت تدبیر اصیل کو حاصل ہوتی ہے، نہ کہ دخیل کو، لہذا ترک حفاظت کی کوتاہی اہل خطہ ہی کی طرف سے متحقق ہوگی اور انہی پر قسامت ودیت واجب ہوگی۔

وقیل ابو حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ الخ: فرماتے ہیں کہ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کوفہ میں یہ مشاہدہ فرمایا تھا کہ اہل کوفہ اصحاب خطہ بنی کولایت تدبیر کا مالک و متولی سمجھتے تھے اور مشترین کو اس سے بری سمجھتے تھے اس لیے آپ نے اپنے مشاہدہ کے مطابق مسئلے کو وضع فرمایا اور مشترین کو قسامت و دیت سے بری کر دیا۔

قَالَ وَ اِنْ بَقِيَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ فَكَذَلِكَ يَعْنِي مِنْ اَهْلِ الْخُطَةِ لِمَا نَسْنَا، وَ اِنْ لَمْ يَبْقَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ بَانَ بَاغُوا كُلَّهُمْ فَهُوَ عَلَى الْمُشْتَرِكِينَ، لِاَنَّ الْوِلَايَةَ اِنْتَقَلَتْ إِلَيْهِمْ أَوْ خَلَصَتْ لَهُمْ لِرِوَالٍ مَنْ يَتَقَدَّمُهُمْ أَوْ يَزَاحِمُهُمْ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر اہل خطہ میں سے ایک ہی باقی ہو تو بھی یہی حکم ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اگر ان میں سے کوئی باقی نہ ہو بایں طور کہ ان سب نے فروخت کر دیا تو قسامت و دیت مشترین پر ہوگی، اس لیے کہ ولایت ان کی طرف منتقل ہو چکی ہے یا ان کے لیے خالص ہو گئی ہے ان کے متقدمین اور مزاحمین کے ختم ہونے کی وجہ سے۔

اللغات:

﴿خلصت﴾ خالص ہو گئی ہے۔

اہل خطہ اور خریداروں پر قسامت کے وجوب کا اختلاف:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی گاؤں یا محلے میں اہل خطہ میں سے صرف ایک ہی شخص بقید حیات ہو اور باقی لوگ نہ ہو پھر وہاں کوئی مقتول ملے تو بھی حضرات طرفین کے یہاں اسی پر دیت و قسامت واجب ہوگی۔ ہاں اگر اہل خطہ میں سے کوئی بھی باقی نہ ہوں بایں طور کہ سب لوگوں نے اپنی اپنی جائیداد فروخت کر دی ہو تو اس صورت میں خریداروں پر دیت و قسامت واجب ہوگی، اس لیے کہ اہل خطہ یہاں سے چلے گئے ہیں اور ان کے جانے سے مشترین کے حق میں مزاحمت بھی معدوم ہو چکی ہے اور تقدیمت بھی ختم ہو چکی ہے اور اہل خطہ کو جو ولایت تدبیر حاصل تھی وہ اب مشترین کی جانب سرایت کر گئی ہے، اس لیے وہی مشترین اب دیت و قسامت کے ذمے دار ہوں گے۔

وَ اِذَا وَجِدَ قَتِيلٌ فِي دَارٍ فَالْقَسَامَةُ عَلَى رَبِّ الدَّارِ وَعَلَى قَوْمِهِ وَتَدْخُلُ الْعَاقِلَةُ فِي الْقَسَامَةِ اِنْ كَانُوا حُضُورًا، وَ اِنْ كَانُوا غَيِّبًا فَالْقَسَامَةُ عَلَى رَبِّ الدَّارِ يُكْرَرُ عَلَيْهِ الْاِيْمَانُ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رحمۃ اللہ علیہ وَمُحَمَّدٍ رحمۃ اللہ علیہ، وَقَالَ أَبُو يُوْسُفَ رحمۃ اللہ علیہ لَا قَسَامَةَ عَلَى الْعَاقِلَةِ، لِاَنَّ رَبَّ الدَّارِ اَخَصَّ بِهِ مِنْ غَيْرِهِ فَلَا يُشَارِكُهُ غَيْرُهُ فِيهَا كَاَهْلِ الْمَحَلَّةِ لَا يُشَارِكُهُمْ فِيهَا عَوَاقِلُهُمْ، وَلَهُمَا اَنَّ الْحُضُورَ لَزِمَتْهُمْ نَصْرَةُ الْبُقْعَةِ كَمَا تَلْزَمُ صَاحِبَ الدَّارِ فَيُشَارِكُوْنَهُ فِي الْقَسَامَةِ.

ترجمہ: اگر کسی گھر میں کوئی مقتول پایا جائے تو قسامت گھر والے پر ہوگی اور اس کی قوم پر ہوگی اور عاقلہ اگر موجود ہوں تو قسامت

میں داخل ہوں گے۔ اور اگر موجود نہ ہوں تو رب الدار پر قسامت ہوگی اور اس پر ایمان کو مکرر کیا جائے گا۔ یہ حکم حضرات طرفین رضی اللہ عنہ کے یہاں ہے۔ امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عاقلہ پر قسامت نہیں ہے، کیونکہ مالک دار اپنے غیر سے اس مکان کے ساتھ مخصوص ہے لہذا قسامت میں اس کا غیر اس کے ساتھ شریک نہیں ہوگا جیسے اہل محلہ کی قسامت میں ان کے عاقلہ شریک نہیں ہوتے۔ حضرات طرفین رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ حاضرین پر بقعہ کی نصرت لازم ہے جیسا کہ صاحب دار پر لازم ہے لہذا موجود عواقل صاحب دار کے ساتھ قسامت میں شریک ہوں گے۔

اللغات:

﴿حضور﴾ واحد حاضر؛ موجود۔ ﴿غیب﴾ واحد غائب؛ غیر موجود۔ ﴿یکثر﴾ دہرائی جائے گی۔ ﴿ایمان﴾ واحد یمن؛ قسمیں۔

قسامت کی ایک مخصوص صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی گھر میں کوئی مقتول ملے اور مقتول کا ولی صاحب دار پر قتل کا دعویٰ کرے تو صاحب دار پر بالاتفاق قسامت واجب ہے، لیکن اس کی قوم اور اس کے عاقلہ پر قسامت کے وجوب میں حضرات فقہائے احناف کے الگ الگ نظریے ہیں۔ حضرات طرفین رضی اللہ عنہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر صاحب دار کی قوم اور اس کے عاقلہ اس گاؤں یا شہر میں موجود ہوں تو صاحب دار کے ساتھ ساتھ ان پر بھی قسامت واجب ہے، لیکن اگر وہ لوگ موجود نہ ہوں تو پھر صرف صاحب دار پر قسامت ہے اور صاحب دار پر ایمان مکرر کر کے اسی سے پچاس قسم لی جائیں گی۔

ان کے برخلاف حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قسامت صرف مالک دار پر واجب ہے، عاقلہ پر نہیں ہے، کیوں کہ گھر کی ملکیت میں صاحب دار منفرد ہے اور اس کی قوم یا معاون برادری کا فرد اس میں شریک نہیں ہے، لہذا گھر کی حفاظت کا بھی مالک مکان تنہا ذمہ دار ہوگا اور اس میں کوتاہی برتنے پر اسی کا مواخذہ ہوگا۔ جیسے اہل محلہ پر جو قسامت واجب ہوتی ہے اس میں ان کے عواقل شریک نہیں ہوتے، اسی طرح صاحب دار پر واجب ہونے والی قسامت میں بھی اس کی قوم اور معاون برادری شریک نہیں ہوگی۔

ولهما أن الحضور الخ: حضرات طرفین رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ عواقل میں سے جو لوگ شہر میں موجود ہیں ان پر پورے بقعہ کی حفاظت و نصرت لازم ہے، اور بقعہ میں صاحب دار کا دار بھی شامل ہے، لہذا دار میں مقتول ملنے سے ان کی طرف سے بھی کوتاہی متحقق ہوتی ہے، اس لیے وہ لوگ بھی صاحب دار کے ساتھ قسامت میں شریک ہوں گے۔

قَالَ فَإِنْ وَجَدَ الْقَتِيلُ فِي دَارٍ مُّشْتَرَكَةٍ نِّصْفَهَا لِرَجُلٍ وَعَشْرُهَا لِرَجُلٍ وَلَا خَرَ مَا بَقِيَ فَهُوَ عَلَى رُؤْسِ الرِّجَالِ، لِأَنَّ صَاحِبَ الْقَتِيلِ يَزَاحِمُ صَاحِبَ الْكَثِيرِ فِي التَّدْبِيرِ فَكَانُوا سَوَاءً فِي الْحِفْظِ وَالتَّقْصِيرِ فَيَكُونُ عَلَى عَدَدِ الرُّؤْسِ بِمَنْزِلَةِ الشُّفْعَةِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر مقتول ایسے مشترک گھر میں پایا جائے جس کا نصف ایک شخص کا ہو، اس کا عشر دوسرے کا ہو اور باقی کسی تیسرے کا ہو تو ضمان آدمیوں کے رؤس کے مطابق ہوگا، کیونکہ صاحب قلیل تدبیر میں صاحب کثیر کا مزاحم ہے، لہذا حفاظت و تقصیر میں یہ سب برابر ہوں گے، تو شفعہ کی طرح ضمان بھی عدد رؤس پر ہوگا۔

اللَّغَاتُ:

﴿قتیل﴾ مقتول۔ ﴿عشر﴾ دسواں حصہ۔ ﴿رؤس﴾ افراد کی تعداد۔ ﴿تقصیر﴾ کوتاہی۔

ایک سے زائد مالکوں میں مشترک گھر میں پائے جانے والے مقتول کی قسامت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مقتول کسی ایسے دار میں ملا جو چند لوگوں کے مابین مشترک ہے اور ان شرکاء کی ملکیت الگ الگ ہے یعنی کوئی نصف دار کا مالک ہے کوئی ثلث کا اور کوئی ربع کا تو دیت ان تینوں کے عدد رؤس کے مطابق واجب ہوگی یعنی ان سب پر مشترک طور پر دیت واجب ہوگی اور دیت کا وجوب ان کی املاک کے اعتبار سے نہیں ہوگا کہ نصف دار کا مالک دیت کی رقم کا نصف دے اور ثلث والا ثلث دے، ربع والا ربع دے، بلکہ جس طرح اشتراک کی وجہ سے ہر ہر شریک کو عدد رؤس کے مطابق حق شفعہ ملتا ہے اسی طرح عدد رؤس کے اعتبار سے یہاں ہر ہر شریک پر دیت واجب ہوگی، اور املاک کا تفاوت وجوب دیت میں مؤثر نہیں ہوگا۔

قَالَ وَمَنْ اشْتَرَى دَارًا وَلَمْ يَقْضِهَا حَتَّى وَجَدَ فِيهَا قَتِيلًا فَهُوَ عَلَى عَاقِلَةِ الْبَائِعِ، وَإِنْ كَانَ فِي الْبَيْعِ خِيَارٌ لِأَحَدِهِمَا فَهُوَ عَلَى عَاقِلَةِ الَّذِي فِي يَدِهِ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ، وَقَالَا إِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ خِيَارٌ فَهُوَ عَلَى عَاقِلَةِ الْمُشْتَرِي وَإِنْ كَانَ فِيهِ خِيَارٌ فَهُوَ عَلَى عَاقِلَةِ الَّذِي تَصِيرُ لَهُ، لِأَنَّهُ إِنَّمَا أُنْزِلَ قَاتِلًا بِاعْتِبَارِ التَّقْصِيرِ فِي الْحِفْظِ وَلَا يَجِبُ إِلَّا عَلَى مَنْ لَهُ وَلَايَةُ الْحِفْظِ، وَالْوَلَايَةُ تُسْتَفَادُ بِالْمِلْكِ وَلِهَذَا كَانَتِ الدِّيَةُ عَلَى عَاقِلَةِ صَاحِبِ الدَّارِ دُونَ الْمُودَعِ، وَالْمِلْكُ لِلْمُشْتَرِي قَبْلَ الْقُبْضِ فِي الْبَيْعِ الْبَاتِ، وَفِي الْمَشْرُوطِ فِيهِ الْخِيَارُ يُعْتَبَرُ قَرَارُ الْمِلْكِ كَمَا فِي صَدَقَةِ الْفَطْرِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے گھر خریدا اور اس پر قبضہ نہیں کیا یہاں تک کہ اس میں کوئی مقتول ملا تو دیت بائع کے عاقلہ پر ہوگی۔ اور اگر بیع عاقدین میں سے کسی کا خیار ہو تو دیت قابض کے عاقلہ پر ہوگی۔ اور یہ حکم حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں ہے۔ حضرات صاحبین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اگر بیع میں خیار نہ ہو تو دیت مشتری کے عاقلہ پر ہوگی۔ اور اگر بیع میں خیار ہو تو دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی جس کے لیے یہ گھر ہوگا، کیونکہ حفاظت میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے اسے مالک کے درجے میں اتار لیا جائے گا اور ضمان تو اسی پر واجب ہوتا ہے جسے ولایت حفظ حاصل ہے، اور ولایت حفظ ملکیت سے مستفاد ہوتی ہے اسی لیے دیت صاحب دار کے عاقلہ پر واجب ہوتی ہے نہ کہ مودع کے۔ اور بیع قطعی میں قبضہ سے پہلے ہی مشتری کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اور بیع مشروط فیہ الخیار میں قرار ملک کا اعتبار کیا جائے گا جیسے صدقہ فطر میں (قرار ملکیت معتبر ہے)۔

اللَّعَاتُ:

﴿عاقلة﴾ قریبی تعلق دار۔ ﴿نصیر﴾ ہو جائے گا۔ ﴿تقصیر﴾ کوتاہی۔ ﴿نستفاد﴾ حاصل کی جاتی ہے۔ ﴿مودع﴾ امانت دار۔ ﴿بات﴾ پختہ، قطعی، فوری۔

دارمبیعہ میں قبضے کا قسامت پر اثر:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی مکان خریدا اور اس پر قبضہ نہیں کیا پھر اس میں کوئی مقتول ملا تو امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں اس مقتول کی دیت بائع کے عاقلہ پر ہوگی، کیونکہ ان کے یہاں ضمان کا دار و مدار قبضہ پر ہے اور یہاں مشتری نے ابھی اس مکان پر قبضہ نہیں کیا ہے، اس لیے جو قابض ہے یعنی بائع اس کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی۔ اور حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے یہاں صورتِ مسئلہ میں مشتری کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی، کیونکہ ان حضرات کے یہاں وجوب دیت کا مدار ملکیت پر ہے اور ثراء سے مشتری کو ملکیت حاصل ہو چکی ہے۔

اور اگر بیع میں عائدین کے لیے کسی کو اختیار حاصل ہو تو امام صاحب رحمہم اللہ کے یہاں اس شخص کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی جو فی الوقت مکان پر قابض ہوگا، جب کہ حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے یہاں دیت کا معاملہ موقوف رہے گا اور آئندہ مکان جس کی ملکیت میں ہوگا اس کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی۔

حضرات صاحبین رحمہم اللہ کی دلیل یہ ہے کہ وجوب ضمان کا تعلق حفاظت میں کوتاہی سے ہے کیونکہ حفاظت میں کوتاہی کرنے سے ہی من لہ الولاية کو قاتل شمار کیا جائے گا۔ اور ولایتِ حفاظت کا حصول ملکیت سے متعلق ہے، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ بیع بدون الشرط کی صورت میں چوں کہ ثراء سے مشتری دار کا مالک ہو جاتا ہے، اس لیے اسی کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی اور بیع بشرط اختیار والی صورت میں چوں کہ ملکیت کا معاملہ گول مول رہتا ہے اور وہ حتمی طور پر کسی کو نہیں حاصل ہوتی، لہذا ہم نے اس میں قرار ملک کا اعتبار کر کے دیت کے معاملے کو موقوف رکھا ہے اور یہ فیصلہ دیا ہے کہ آئندہ جو مالک ہوگا اس کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی مکان ودیعت پر ہو اور اس میں اس طرح کا واقعہ پیش آجائے تو ضمان مالک مکان پر ہوگا مودع پر نہیں ہوگا، اس کی مثال ایسی ہے جیسے صدقہ فطر میں ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص نے عید کے دن خیار شرط کے ساتھ اپنا غلام فروخت کیا تو ابھی کسی پر اس غلام کا صدقہ فطر واجب نہیں ہوگا، بلکہ خیار کے بعد غلام جس کی ملکیت میں جائے گا، اسی پر اس کا صدقہ فطر واجب ہوگا، اسی طرح یہاں بھی اگر بیع بشرط اختیار ہو تو خیار کے بعد گھر جس کی ملکیت میں جائے گا اسی کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی۔

وَلَهُ أَنْ الْقُدْرَةَ عَلَى الْحِفْظِ بِالْيَدِ لَا بِالْمِلْكِ أَلَا يَرَى أَنَّهُ يَقْتَدِرُ عَلَى الْحِفْظِ بِالْيَدِ بِدُونِ الْمِلْكِ وَلَا يَقْتَدِرُ بِالْمِلْكِ بِدُونِ الْيَدِ، وَفِي الْبَاتِ الْيَدُ لِلْبَائِعِ قَبْلَ الْقَبْضِ وَكَذَا فِيمَا فِيهِ الْخِيَارُ لِأَحَدِهِمَا قَبْلَ الْقَبْضِ، لِأَنَّهُ دُونَ الْبَاتِ، وَلَوْ كَانَ الْمَبِيعُ فِي يَدِ الْمُشْتَرِي وَالْخِيَارُ لَهُ فَهُوَ أَحْصَى النَّاسَ بِهِ تَصَرُّفًا، وَلَوْ كَانَ الْخِيَارُ لِلْبَائِعِ فَهُوَ فِي يَدِهِ مَضْمُونٌ عَلَيْهِ بِالْقِيَمَةِ كَالْمَغْضُوبِ فَتُعْتَبَرُ يَدُهُ، إِذْ بَهَا يَقْدِرُ عَلَى الْحِفْظِ.

ترجمہ: حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ قدرت علی الحفظ قبضہ سے حاصل ہوگی نہ کہ ملکیت سے۔ کیا دیکھتا نہیں کہ انسان بدون ملک قبضہ سے حفاظت پر قادر ہوتا ہے اور قبضہ کے بغیر ملکیت سے قادر نہیں ہوتا۔ اور بیع قطعی میں قبضہ مشتری سے پہلے بائع کا قبضہ ہوتا ہے اور ایسے ہی جس مسئلے میں ہم ہیں اس میں قبضہ سے پہلے ایک کو اختیار حاصل ہے، اس لیے کہ یہ بیع بیع قطعی سے کم تر ہے۔ اور اگر بیع مشتری کے قبضے میں ہو اور اختیار بھی اسی کو حاصل ہو تو وہ تصرف کے حوالے سے لوگوں میں سب سے زیادہ خاص ہوگا۔ اور اگر اختیار بائع کے لیے ہو تو بیع اس کے قبضہ میں مضمون علیہ بالقیمت ہوگی جیسے مغضوب، لہذا مشتری کا قبضہ معتبر ہوگا، اس لیے کہ قبضہ ہی کی وجہ سے مشتری حفاظت پر قادر ہوگا۔

اللغات:

باید کہ ہاتھ، مراد: قبضہ۔ بات کہ پختہ، قطعی، فوری۔ اخص زیادہ خصوصیت رکھنے والا۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل:

یہ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر انسان کسی چیز پر قابض ہو اور وہ اس کا مالک نہ ہو تو بھی اس کے لیے حفاظت کرنا ممکن ہوگا اور قبضہ کی وجہ سے انسان حفاظت پر قادر ہوگا، لیکن اگر قبضہ نہ ہو اور ملکیت ہو تو انسان حفاظت پر قادر نہیں ہوگا اور صورت مسئلہ میں جب بیع قطعی اور یقینی میں مشتری کے قبضے سے پہلے بائع بیع پر قابض ہے تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں تو دیت بائع کے عاقلہ ہی پر ہوگی، اور جس صورت میں بیع تام اور مکمل نہیں ہے اور اس میں عاقدین میں سے کسی ایک کو اختیار شرط حاصل ہو تو اس میں بدرجہ اولیٰ بیع پر بائع کا قبضہ ہوگا اور بائع ہی مضمون ہوگا، کیونکہ بیع بشرط اختیار بیع قطعی سے کم تر ہے۔

ولو كان المبيع في يد المشتري الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر بیع مشتری کے قبضہ میں ہو اور اختیار بھی اسی کو حاصل ہو تو مشتری اس بیع میں تصرف کا سب سے زیادہ حق دار ہوگا، کیونکہ قبضہ اور ملکیت دونوں چیزیں اس کے حق میں جمع ہیں، لہذا بیع کے حوالے سے عائد ہونے والے جملہ امور کا جواب دہ وہی ہوگا اور اس سلسلے میں وہی ضامن بھی ہوگا۔

ولو كان الخيار للبائع الخ: فرماتے ہیں کہ اگر بیع مشتری کے قبضے میں ہو اور اختیار بائع کو حاصل ہو تو حضرت الامام کے یہاں چوں کہ ضمان کا مدار قبضہ پر ہے اس لیے بیع مشتری کے پاس مضمون بالقیمت ہوگی جیسے شی مغضوب غاصب کے قبضے میں مضمون بالقیمت ہوتی ہے، بہر حال قبضہ کی وجہ سے مشتری کو حفاظت پر قادر شمار کیا جائے گا اور مشتری ہی اس کے نفع اور نقصان کا ذمہ دار ہوگا، خلاصہ کلام حضرت امام عالی مقام کے یہاں وجوب ضمان کا دار و مدار قبضہ پر ہے اور حضرات صاحبین رحمہم کے یہاں ملک پر ہے۔

قَالَ وَمَنْ كَانَ فِي يَدِهِ دَارٌ فَوُجِدَ فِيهَا قَتِيلٌ لَمْ تَعْقِلْهُ الْعَاقِلَةُ حَتَّى تَشْهَدَ الشَّهَوْدُ أَنَّهَا لِلَّذِي فِي يَدِهِ، لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنَ الْمِلْكِ لِصَاحِبِ الْيَدِ حَتَّى تَعْقِلَ الْعَوَاقِلُ عَنْهُ، وَالْيَدُ وَإِنْ كَانَتْ دَلِيلًا عَلَى الْمِلْكِ وَالْكَيْفَ مُحْتَمَلَةٌ فَلَا تَكْفِي لِإِبْجَابِ الدِّيَةِ عَلَى الْعَاقِلَةِ كَمَا لَا تَكْفِي لِإِسْتِحْقَاقِ الشُّفْعَةِ بِهِ فِي الدَّارِ الْمَشْفُوعَةِ، فَلَا بُدَّ مِنْ إِقَامَةِ الْبَيِّنَةِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے قبضے میں کوئی گھر ہو اور اس میں کوئی مقتول ملے تو عاقلہ اس کی دیت نہیں دیں گے، یہاں تک کہ گواہ اس بات کی شہادت دیں کہ یہ مکان اسی شخص کا ہے جس کے قبضے میں ہے، اس لیے کہ قابض کے لیے ملکیت ضروری ہے تاکہ عواقل اس کی طرف سے دیت اداء کر سکیں۔ اور ہر چند کہ قبضہ ملکیت کی دلیل ہے لیکن وہ محتمل ہے لہذا عاقلہ پر دیت واجب کرنے کے لیے قبضہ کافی نہیں ہوگا جیسے دار مشفوعہ میں استحقاق شفعہ کے لیے قبضہ کافی نہیں ہے، لہذا بینہ پیش کرنا ضروری ہے۔

اللغات:

﴿ید﴾ قبضہ۔ ﴿لم تعقل﴾ اس کی دیت نہیں دیں گے۔ ﴿شہود﴾ واحد شاهد؛ گواہ۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مکان کسی شخص کے قبضے میں ہو اور اس میں کوئی مقتول ملے تو جب تک گواہ لوگ اس بات کی گواہی نہیں دیں گے کہ جو شخص اس مکان پر قابض ہے وہی اس کا مالک بھی ہے اس وقت تک قابض کے عاقلہ پر اس مکان میں ملے ہوئے مقتول کی دیت نہیں واجب ہوگی، کیونکہ قابض کے عواقل کے لیے اس کی طرف سے دیت دینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ قابض اس مکان کا مالک ہو اور ملکیت کا علم بینہ اور شہادت سے ہوگا، اس لیے بدون بینہ عواقل قابض کی طرف سے دیت نہیں اداء کریں گے۔

اور رہا قابض کا قبضہ تو اگرچہ وہ ملکیت کی دلیل ہے، لیکن یہ دلیل خالص نہیں ہے، بلکہ اس میں یہ احتمال ہے کہ قابض عاریتاً اس کا مالک ہو اور جب قبضہ قابض ملکیت کے حوالے سے محتمل ہے تو وہ عاقلہ پر دیت واجب کرنے کے لیے کافی نہیں ہوگا۔ جیسے محض قبضہ سے کوئی شخص دار مشفوعہ میں شفعہ کا مستحق نہیں ہوتا یعنی نعمان اگر کسی مکان پر قابض ہو اور اس کے برابر میں کوئی دوسرا مکان فروخت ہوا اور نعمان نے اس پر شفعہ کا دعویٰ کیا لیکن مشتری نے انکار کر دیا اور کہنے لگا کہ نعمان اس گھر کا مالک نہیں ہے جس پر وہ قابض ہے تو جب تک نعمان اپنی ملکیت پر بینہ نہیں پیش کر دیتا اس وقت تک وہ محض قبضہ سے شفعہ کا مستحق نہیں ہوگا۔ اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی محض قبضہ سے قابض کے عواقل اس کے مقبوضہ گھر میں ملے ہوئے مقتول کی دیت نہیں اداء کریں گے، اور عاقلہ کے دیت اداء کرنے کے لیے ملکیت دار پر بینہ پیش کرنا ضروری ہوگا۔

قَالَ وَإِنْ وَجَدَ قَتِيلٌ فِي سَفِينَةٍ فَأَلْقَسَامَةً عَلَى مَنْ فِيهَا مِنَ الرُّكَّابِ وَالْمَلَّاحِينَ، لِأَنَّهَا فِي أَيْدِيهِمْ وَاللَّفْظُ يَشْمَلُ أَرْبَابَهَا حَتَّى تَجِبَ عَلَى الْأَرْبَابِ الَّذِينَ فِيهَا وَعَلَى السُّكَّانِ وَكَذَا عَلَى مَنْ يَمُدُّهَا، وَالْمَالِكُ فِي ذَلِكَ وَغَيْرُ الْمَالِكِ سَوَاءٌ، وَكَذَا الْعَجَلَةُ، وَهَذَا عَلَى مَا رَوَى عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ تَظَاهَرُ، وَالْفَرْقُ لَهُمَا أَنَّ السَّفِينَةَ تَنْقُلُ وَتُحَوَّلُ فَيُعْتَبَرُ فِيهَا الْيَدُ دُونَ الْمِلْكِ كَمَا فِي الدَّابَّةِ، بِخِلَافِ الْمَحَلَّةِ وَالذَّارِ لِأَنَّهَا لَا تَنْقُلُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر مقتول کسی کشتی میں پایا جائے تو ان لوگوں پر قسامت واجب ہے جو کشتی میں موجود ہیں، یعنی سوار اور ملاح، کیونکہ کشتی انھی کے قبضے میں ہے۔ اور لفظ (مَنْ فِيهَا) مالکان کشتی کو شامل ہے، یہاں تک کہ قسامت ان مالکان پر بھی واجب

ہے جو کشتی میں ہیں، سکان پر واجب ہے نیز کشتی کھینچنے والوں پر بھی واجب ہے اور مالک وغیرہ مالک سب اس میں برابر ہیں اور نیل گاڑی کا بھی یہی حکم ہے۔ اور یہ (یعنی مالک اور غیر مالک کا قسامت میں برابر ہونا) حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق تو ظاہر ہے۔ اور حضرات طرفین رحمہم اللہ کے لیے وجہ فرق یہ ہے کہ کشتی منتقل ہوتی ہے اور محمول ہوتی ہے، لہذا اس میں قبضہ کا اعتبار ہوگا نہ کہ ملکیت کا جیسے دابہ میں ہوتا ہے۔ برخلاف محلہ اور دار کے، اس لیے کہ یہ منتقل نہیں ہوتے۔

اللغات:

﴿سفینۃ﴾ کشتی۔ ﴿رکاب﴾ واحد رکاب؛ سوار ہونے والا۔ ﴿ملاح﴾ کشتی بان۔ ﴿سکّان﴾ واحد ساکن؛ رہائشی، باشندے۔ ﴿عجلۃ﴾ چھکرا، نیل گاڑی۔ ﴿دابۃ﴾ جانور، سواری۔

کسی کشتی میں مقتول ملنے کی صورت کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کشتی میں کوئی مقتول پایا جائے تو کشتی میں جتنے لوگ ہیں ان سب پر قسامت ودیت واجب ہوگی خواہ وہ راکبین ہوں یا ملائین و مالکان ہوں، قسامت ودیت کا وجوب یکساں طور پر سب پر ہوگا اور اس وجوب میں مالک و مسافر برابر کے شریک ہوں گے، صاحب ہدایہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مالکان اور راکبین دونوں پر وجوب قسامت ودیت کا حکم امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کے مطابق تو سمجھ میں آ رہا ہے، کیونکہ ماقبل میں انھوں نے سکان پر دیت و قسامت واجب کی ہے، لیکن حضرات طرفین صرف مالکان پر قسامت ودیت واجب قرار دیتے ہیں، اس لیے ان حضرات کے قول پر یہ وجوب بعید از فہم ہے؟

صاحب کتاب والفرق لهما الخ سے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرات طرفین رحمہم اللہ کے یہاں سکان پر عدم وجوب دیت و قسامت کا جو ضابطہ ہے وہ دار اور غیر منقولہ اشیاء میں جاری ہے اور کشتی چوں کہ اشیائے منقولہ اور محمولہ میں سے ہے، اس لیے اس میں یہ ضابطہ جاری نہیں ہوگا، اور صرف ظاہری قبضہ وجوب دیت کے لیے کافی ہوگا، اور ظاہری قبضہ میں مالکان و سکان اور راکبین سب برابر ہیں، لہذا ان سب پر قسامت ودیت کا وجوب ہوگا۔ اس کے برخلاف محلہ اور دار وغیرہ چوں کہ اشیائے غیر منقولہ ہیں، لہذا ان میں حضرات طرفین رحمہم اللہ کا فارمولہ جاری رہے گا اور ان چیزوں میں مقتول ملنے سے صرف مالکان ہی پر قسامت ودیت واجب ہوگی۔

و کذا العجلۃ الخ: فرماتے ہیں کہ جو حکم کشتی کا ہے وہی نیل گاڑی اور پرائیویٹ گاڑی کا بھی ہے۔

قَالَ وَإِنْ وَجَدَ فِي مَسْجِدٍ مَحَلَّةٍ فَالْقَسَامَةُ عَلَى أَهْلِهَا، لِأَنَّ التَّدْبِيرَ فِيهِ إِلَيْهِمْ وَإِنْ وَجَدَ فِي الْمَسْجِدِ الْجَامِعِ أَوْ الشَّارِعِ الْأَعْظَمِ فَلَا قَسَامَةَ فِيهِ، وَالذِّيَّةُ عَلَى بَيْتِ الْمَالِ، لِأَنَّهُ لِلْعَامَةِ لَا يَخْتَصُّ بِهِ وَاحِدٌ مِنْهُمْ، وَكَذَا الْجُسُورُ لِلْعَامَةِ وَمَالُ بَيْتِ الْمَالِ مَالُ عَامَةِ الْمُسْلِمِينَ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر محلہ کی مسجد میں مقتول پایا جائے تو اہل محلہ پر قسامت واجب ہوگی، کیونکہ مسجد کا نظم و انتظام اہل محلہ کی طرف سپرد ہے۔ اور اگر جامع مسجد یا عام راستے میں مقتول پایا جائے تو اس میں قسامت نہیں ہے اور بیت المال پر دیت واجب ہوگی،

کیونکہ یہ غلام لوگوں کے لیے ہیں۔ اور کوئی شخص ان میں سے مختص نہیں ہے، ایسے ہی پل بھی عوام کے لیے ہے اور بیت المال کا مال عامۃ المسلمین کے لیے ہے۔

اللغات:

﴿جسور﴾ واحد جسر؛ پل۔

کسی محلے کی مسجد میں ملنے والے مقتول کی قسامت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر محلے کی مسجد میں کوئی مقتول پایا جائے تو اس کی دیت اہل محلہ پر واجب ہوگی، کیونکہ محلے کی مسجد کا نظم و انتظام اہل محلہ کے سپرد ہے، لہذا مسجد محلہ کے مقتول کی دیت بھی اہل محلہ پر واجب ہوگی۔

وإن وجد الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر جامع مسجد میں یا شاہ راہ عام پر کوئی مقتول پایا جائے یا پل پر کوئی مقتول ملے تو اس مقتول کے بارے میں قسامت نہیں ہے، البتہ بیت المال پر اس کی دیت واجب ہوگی، کیونکہ جامع مسجد، یا عام راستہ یا پل کسی مخصوص آدمی کی ملکیت میں نہیں ہوتے، بلکہ ہر خاص و عام کو ان چیزوں سے استفادہ کرنے کا حق ہوتا ہے، اور چوں کہ بیت المال بھی عامۃ المسلمین کا ہوتا ہے اس لیے بیت المال ہی سے اس مقتول کی دیت اداء کی جائے گی۔ اس سلسلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وہ فرمان بھی مستدل ہے جو انہوں نے عرفہ میں ملے ہوئے ایک مقتول شخص کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا یا امیر المؤمنین لا یبطل دم امرء مسلم إن علمت قاتله وإلا فاعط دیتہ من بیت المال یعنی اے امیر المؤمنین کسی مرد مسلم کا خون رایگاں نہیں ہے، اگر آپ اس کے قاتل کو جانتے ہیں تو ٹھیک ہے، ورنہ بیت المال سے اس کی دیت ادا کئے جانے کا حکم صادر فرمائے۔ (بنایہ: ۱۲/۴۳۷)

وَلَوْ وَجَدَ فِي السُّوقِ إِنْ كَانَ مَمْلُوكًا فَعِنْدَ أَبِي يُوْسُفَ رَحِمَهُ عَلَيْهِ تَجِبُ عَلَى السُّكَّانِ وَعِنْدَهُمَا عَلَى الْمَالِكِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَمْلُوكًا كَالشُّوَارِعِ الْعَامَةِ الَّتِي بُنِيَتْ فِيهَا فَعَلَى بَيْتِ الْمَالِ، لِأَنَّهُ لِحِمَاةِ الْمُسْلِمِينَ.

ترجمہ: اور اگر بازار میں مقتول پایا جائے اور وہ بازار (کسی کی) مملوک ہو تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں سکان پر دیت واجب ہے اور حضرات طرفین رحمہ اللہ کے یہاں مالک پر۔ اور اگر بازار مملوک نہ ہو جیسے وہ عام راستے میں جن میں بازار بنائے جاتے ہیں تو بیت المال پر دیت واجب ہوگی، اس لیے کہ یہ بازار جماعت المسلمین کا ہے۔

اللغات:

﴿سوق﴾ بازار۔ ﴿سکّان﴾ واحد ساکن؛ رہائشی۔ نرے۔ ﴿شوارع﴾ واحد شارع؛ سڑکیں۔ ﴿بیت﴾ تعمیر کیا

گیا ہو۔

بازار میں پائے جانے والے مقتول کی قسامت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی بازار میں کوئی مقتول ملے تو یہ دیکھا جائے گا کہ وہ بازار کسی کی مملوک ہے یا نہیں۔ اگر پہلی صورت ہو یعنی وہ بازار کسی کی مملوک ہو تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں بازار کے باشندوں پر دیت واجب ہوگی۔ خواہ وہ اس کے مالک ہوں یا نہ

ہوں اور حضرات طرفین رضی اللہ عنہما کے یہاں مالکان پر دیت واجب ہوگی۔ اور اگر دوسری صورت ہو یعنی وہ بازار کسی کی مملوک نہ ہو جیسے عام راستوں کے کنارے کنارے بنائے جانے والے بازار تو اس صورت میں مقتول کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی، اس لیے کہ یہ بازار بھی عام مسلمانوں کا ہے اور بیت المال بھی عام مسلمانوں کا ہے، لہذا عوام پر واجب ہونے والی دیت اسی بیت المال سے ادا کی جائے گی۔

قَالَ وَ إِنْ وُجِدَ فِي بَرِيَّةٍ لَيْسَ بِقُرْبَاهَا عِمَارَةٌ فَهُوَ هَدْرٌ، وَ تَفْسِيرُ الْقُرْبِ مَا ذَكَرْنَا مِنْ اِسْتِمَاعِ الصَّوْتِ، لِأَنَّهُ إِذَا كَانَ بِهَذِهِ الْحَالَةِ لَا يَلْحَقُهُ الْغَوْتُ مِنْ غَيْرِهِ فَلَا يُوصَفُ أَحَدٌ بِالتَّقْصِيرِ، وَ هَذَا إِذَا لَمْ تَكُنْ مَمْلُوكَةً لِأَحَدٍ، أَمَّا إِذَا كَانَتْ فَالِدِّيَّةُ وَالْقَسَامَةُ عَلَى عَاقِلَتِهِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی جنگل میں مقتول ملے اور اس جنگل کے قریب کوئی آبادی نہ ہو تو وہ معاف ہے اور قرب کی تفسیر وہی ہے جسے ہم بیان کر چکے ہیں، یعنی آواز کو سنا، اس لیے کہ جب مقتول اس حالت پر ہوگا تو اسے دوسرے کی مدد لائق نہیں ہو سکے گی اور کوئی شخص تفسیر سے متصف نہیں ہوگا۔ اور یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ جنگل کسی کا مملوک نہ ہو، لیکن اگر وہ جنگل کسی کا مملوک ہو تو مالک جنگل کے عاقلہ پر دیت و قسامت واجب ہوگی۔

اللغات:

﴿بریة﴾ جنگل۔ ﴿عمارة﴾ آبادی۔ ﴿هدر﴾ بے بدلہ، ضائع۔ ﴿قرب﴾ نزدیکی۔ ﴿استماع﴾ سنا۔ ﴿صوت﴾ آواز۔ ﴿غوت﴾ فریاد رس، مددگار۔

جنگل کا مقتول:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی جنگل میں کوئی مقتول ملے اور وہ جنگل کسی کا مملوک نہ ہو اور نہ ہی اس سے قریب کوئی آبادی ہو جہاں سے مقتول کی آواز اس آبادی تک پہنچ سکے تو اس صورت میں مقتول کا خون ہدر اور رائیگاں ہوگا اور کسی بھی شخص پر اس کی دیت واجب نہیں ہوگی، کیونکہ جنگل کے قریب آبادی نہ ہونے سے اس مقتول کو فریاد رس نہیں مل پائے گا اور کسی شخص پر عدم نصرت کا الزام عائد نہیں ہوگا اور اس کا خون ہدر ہو جائے گا۔ لیکن اگر جنگل کسی کا مملوک ہو اور پھر اس میں مقتول ملے تو دیت و قسامت کا وجوب جنگل والے کے عاقلہ پر ہوگا۔

وَلَوْ وُجِدَ فِي السَّجْنِ فَالِدِّيَّةُ عَلَى بَيْتِ الْمَالِ، وَعَلَى قَوْلِ أَبِي يُونُسَ رَحِمَهُ اللَّهُ الدِّيَّةُ وَالْقَسَامَةُ عَلَى أَهْلِ السَّجْنِ، لِأَنَّهُمْ سُكَّانٌ، وَوِلَايَةُ التَّدْبِيرِ إِلَيْهِمْ، وَالظَّاهِرُ أَنَّ الْقَتْلَ حَصَلَ مِنْهُمْ، وَهَذَا يَقُولَانِ إِنَّ أَهْلَ السَّجْنِ مَقْهُورُونَ فَلَا يَتَنَصَّرُونَ فَلَا يَتَعَلَّقُ بِهِمْ مَا يَجِبُ لِأَجْلِ النَّصْرَةِ، وَلِأَنَّهُ بُنِيَ لِاسْتِيفَاءِ حَقُوقِ الْمُسْلِمِينَ، فَإِذَا كَانَ غَنَمُهُ يَعُودُ إِلَيْهِمْ فَعَرْمُهُ يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ، قَالُوا وَهَذِهِ قَرِيعَةُ الْمَالِكِ وَالسَّائِكِ وَهِيَ مُخْتَلَفٌ فِيهَا بَيْنَ أَبِي

ترجمہ: اور اگر قید خانے میں مقتول ملے تو بیت المال پر دیت واجب ہوگی اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کے مطابق دیت و قسامت قید خانے والوں پر ہوگی، اس لیے کہ وہ باشندے ہیں۔ اور ولایت تدبیر انھی کو حاصل ہے اور ظاہر یہ ہے کہ قتل انھی کی طرف سے واقع ہوا ہے۔ حضرات طرفین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ قید خانہ والے مقہور ہیں، اس لیے وہ مدد نہیں کر سکتے، لہذا نصرت کی وجہ سے جو حکم واجب ہوتا ہے وہ ان کے ساتھ متعلق نہیں ہوگا، اور اس لیے کہ قید خانہ مسلمانوں کے حقوق کی وصولیابی کے لیے بنایا گیا ہے، لہذا جب اس کی منفعت مسلمانوں کی طرف عود کرتی ہے تو اس کا تاوان بھی انھی کی طرف راجع ہوگا۔

حضرات مشائخ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مالک اور ساکن کی فرع ہے اور مالک و ساکن والا مسئلہ حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہم اللہ کے مابین مختلف فیہ ہے۔

اللغات:

﴿سجن﴾ قید خانہ، جیل۔ ﴿سگان﴾ واحد ساکن؛ رہائشی، باشندے۔ ﴿غنم﴾ منفعت، سہولت۔ ﴿عزم﴾ تاوان، مضرت، ادائیگی۔

قید خانہ کا مقتول:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر قید خانے میں کوئی قیدی ملے تو حضرات طرفین رحمہم اللہ کے یہاں اس کی دیت بیت المال پر ہوگی اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں قسامت و دیت قیدیوں پر واجب ہوگی، کیوں کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں اس طرح کی صورت حال میں ساکن پر دیت واجب ہوتی ہے اور قید خانے کے سگان قیدی ہیں اور وہاں کی ولایت تدبیر انھی کو حاصل ہے۔ لہذا قید خانے کے مقتول کی دیت بھی قیدیوں ہی پر واجب ہوگی اور پھر قید خانے میں صرف قیدی رہتے ہیں، اس لیے ظاہر یہی ہے کہ یہ قتل انھی کی طرف سے انجام دیا گیا ہے، اس لیے اس کا ضمان اور تاوان بھی انھی پر واجب ہوگا۔

وہما یقولان الخ: حضرات طرفین رحمہم اللہ کی دلیل یہ ہے کہ قید خانے میں محصور و مجبوس قیدی خود ہی مغلوب اور محتاج مدد ہوتے ہیں اور وہ کسی کی مدد نہیں کر سکتے، لہذا ترک نصرت کی وجہ سے جو تاوان واجب ہوتا ہے وہ ان قیدیوں پر واجب نہیں ہوگا اور قید خانے کے مقتول کا تاوان بیت المال پر واجب ہوگا، اس لیے کہ قید خانہ مسلمانوں کے حقوق کی وصولیابی کے لیے بنایا جاتا ہے اور اس سے مسلمانوں کا نفع متعلق ہے، لہذا قید خانے سے متعلق جو ضمان اور تاوان ہوگا وہ بھی مسلمانوں سے متعلق ہوگا اور مسلمانوں کے بینک سے ہی (بیت المال سے) اس کی ادائیگی ہوگی۔

قالوا وھذہ الخ: صاحب ہدایہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرات مشائخ رحمہم اللہ نے قید خانے والے مسئلے کو مالک اور ساکن والے مسئلے کی فرع قرار دیا ہے اور مالک و ساکن والے مسئلے میں حضرات شیخین کا اختلاف ہے چنانچہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں اس مسئلے میں ساکن پر ضمان واجب ہے، اس لیے یہاں بھی ان کے یہاں سگان جن یعنی قیدیوں پر ضمان واجب ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں اس مسئلے میں چوں کہ مالک پر ضمان واجب ہے اس لیے یہاں بھی ان کے یہاں مالکان قید خانہ یعنی عامۃ المسلمین پر

ضمان واجب ہے اور اس ضمان کی ادائیگی مسلمانوں کے بیت المال سے کی جائے گی۔

وَإِنْ وُجِدَ بَيْنَ قَرَيْتَيْنِ كَانَ عَلَى أَقْرَبِيهِمَا وَقَدْ بَيَّنَّاهُ، وَإِنْ وُجِدَ فِي وَسْطِ الْفُرَاتِ يَمُرُّ بِهِ الْمَاءُ فَهُوَ هَدْرٌ، لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي يَدِ أَحَدٍ وَلَا فِي مِلْكِهِ.

ترجمہ: اور اگر مقتول دو بستیوں کے مابین ملے تو ضمان قریب ترین بستی والوں پر ہوگا اور اگر مقتول دریائے فرات کے بیچ و بیچ ملے اور اسے پانی بہائے لے جا رہا ہو تو وہ ہدر ہے، کیونکہ فرات نہ تو کسی کے قبضے میں ہے اور نہ ہی کسی کی ملکیت میں ہے۔

اللغات:

﴿فرات﴾ عراق کا ایک مشہور دریا۔ ﴿هدر﴾ بے بدلہ، معاف۔ ﴿ید﴾ قبضہ۔

دریا کا مقتول:

یہ مسئلہ تو ماقبل میں بھی آچکا ہے کہ اگر مقتول دو گاؤں کے درمیان ملے تو اس کا ضمان قریبی گاؤں والوں پر ہوگا جس کی دلیل بیان کی جا چکی ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر دریائے فرات کے بیچ میں کوئی مقتول ملے اور پانی اسے بہا لے جا رہا ہو تو اس مقتول کا خون ہدر اور معاف ہوگا اور کسی پر بھی اس کی دیت نہیں واجب ہوگی، کیونکہ دریائے فرات نہ تو کسی کے قبضے میں ہے اور نہ ہی اس پر کسی کی ملکیت ہے اور انھی دو چیزوں سے ضمان اور دیت دونوں واجب ہوتے ہیں، لہذا جب یہ دونوں چیزیں (قبضہ اور ملکیت) معدوم ہیں تو وجوب ضمان کا حکم بھی معدوم ہوگا۔

وَإِنْ كَانَ مُحْتَبَسًا بِالشَّاطِئِ فَهُوَ عَلَى أَقْرَبِ الْقُرَى مِنْ ذَلِكَ الْمَكَانِ عَلَى التَّفْسِيرِ الَّذِي تَقَدَّمَ، لِأَنَّهُ أَخْصَصُ بُصْرَةٍ هَذَا الْمَوْضِعِ فَهُوَ كَالْمَوْضُوعِ عَلَى الشَّطِّ وَالشَّطُّ فِي يَدٍ مَنْ هُوَ بِقُرْبٍ مِنْهُ، أَلَا تَرَى أَنَّهُمْ يَسْتَقُونُ مِنْهُ الْمَاءَ وَيُورِدُونَ بِهِ أَنْفُسَهُمْ فِيهَا، بِخِلَافِ النَّهْرِ الَّذِي يَسْتَحِقُّ بِهِ الشُّفْعَةُ لِاخْتِصَاصِ أَهْلِهَا بِهِ لِقِيَامِ يَدِهِمْ عَلَيْهِ فَتَكُونُ الْقَسَامَةُ وَالِدِيَّةُ عَلَيْهِمْ.

ترجمہ: اور اگر مقتول دریا کے کنارے پھنسا ہوا ہو تو ضمان اس جگہ سے قریب ترین گاؤں پر ہوگا اس تفسیر کے مطابق جو گذر چکی ہے، اس لیے کہ وہی مقام اس جگہ کی نصرت کے ساتھ مخصوص ہے تو وہ کنارے پر رکھے ہوئے کی طرح ہے، اور کنارہ ان لوگوں کے قبضے میں ہے جو اس سے قریب ہیں۔ کیا دیکھتے نہیں کہ وہ لوگ اس جگہ سے پانی بھرتے ہیں اور وہاں اپنے چوپایوں کو لاتے ہیں۔ برخلاف اس نہر کے س کے ذریعے شفعہ کا استحقاق ہوتا ہے، اس لیے کہ اہل شفعہ اس کے ساتھ خاص ہوتے ہیں، کیونکہ اس پر ان کا قبضہ ہوتا ہے، لہذا قسامت و دیت بھی انہی پر واجب ہوگی۔

اللغات:

﴿محبتس﴾ رکا ہوا۔ ﴿شاطی﴾ کنارہ، دریا کا کنارہ۔ ﴿قری﴾ واحد قریۃ؛ بستیاں۔ ﴿شط﴾ دریا سے متصل خشکی۔

﴿بد﴾ قبضہ۔ ﴿یستقون﴾ پانی حاصل کرتے ہیں۔ ﴿یوردون﴾ لے کر آتے ہیں۔ ﴿بہائم﴾ واحد بہیمۃ؛ چوپائے، جانور۔
دریا کے کنارے کا مقتول:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مقتول کسی بڑے دریا کے کنارے پھنسا ہوا ہو تو جو گاؤں اس کنارے سے سب سے زیادہ قریب ہوگا اسی کے باشندوں پر اس مقتول کی دیت و قسامت واجب ہوگی بشرطیکہ وہ گاؤں اتنے فاصلے پر ہو جہاں تک مقتول کی آواز پہنچ سکتی ہو۔ صاحب کتاب نے علی التفسیر الذی تقدم سے اسی آواز پہنچنے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ بہر حال اگر وہ گاؤں اس تفسیر کے مطابق ہو تو وہ مقتول کنارے پر پڑے ہوئے مقتول کی طرح ہوگا اور چون کہ کنارے پر اسی گاؤں والوں کا قبضہ ہے، لہذا اسی کے باشندوں پر مذکورہ مقتول کی دیت واجب ہوگی، اس لیے کہ یہی لوگ اس مقتول کی نصرت کے سب سے زیادہ مستحق تھے، لیکن انھوں نے اس سلسلے میں کوتاہی کی ہے، لہذا اس کا خیا زہ یہی لوگ بھگتیں گے، اس کنارے پر اہل محلہ کے قابض ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یہ لوگ وہاں سے پانی بھرتے ہیں اور وہاں اپنے جانور اور چوپائے لے کر جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ کنارہ ان کے قبضے میں نہ ہوتا تو انھیں پانی بھرنے اور جانوروں کو پانی پلانے کی اتنی آزادی نہ ہوتی اس سے بھی معلوم ہوا کہ وہی لوگ اس کنارے کے ساتھ مخصوص ہیں اور وہاں ملنے والے مقتول کی دیت بھی انھی پر واجب ہے۔

بخلاف النہر النخ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی چھوٹی نہر میں کوئی مقتول ملے اور اس نہر کی وجہ سے ارباب نہر مستحق شفعہ ہوں تو اب اس میں ملنے والے مقتول کا خون ہدر اور معاف نہیں ہوگا، بلکہ ارباب نہر کے عاقلہ پر اس کی دیت واجب ہوگی، کیونکہ نہر صغیر پر ارباب نہر کا قبضہ ہے اور وہی لوگ اس کے ساتھ مختص ہیں، لہذا وہاں ملنے والے مقتول کی قسامت و دیت بھی انھی لوگوں پر واجب ہوگی۔

قَالَ وَ إِنْ ادَّعَى الْوَلِيُّ عَلَى وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ بَعِيْنِهِمْ لَمْ تَسْقُطِ الْقَسَامَةُ عَنْهُمْ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ وَ ذَكَرْنَا فِيْهِ الْقِيَاسَ وَ الْإِسْتِحْسَانَ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر ولی مقتول نے اہل محلہ میں سے کسی معین شخص پر قتل کا دعویٰ کیا تو بھی اہل محلہ سے قسامت ساقط نہیں ہوگی اور ہم اسے بیان کر چکے ہیں اور اس میں قیاس و استحسان کو بھی ذکر کر چکے ہیں۔
کسی معین آدمی پر دعویٰ کرنے سے قسامت ساقط نہ ہونے کا حکم:

صورت مسئلہ بالکل واضح ہے اور ۶-۵ صفحہ پہلے اس کی پوری تفصیل گزر چکی ہے۔

قَالَ وَ إِنْ ادَّعَى عَلَى وَاحِدٍ مِنْ غَيْرِهِمْ سَقَطَتْ عَنْهُمْ، وَ وَجْهُ الْفَرْقِ قَدْ بَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ، وَ هُوَ أَنَّ وَجُوبَ الْقَسَامَةِ عَلَيْهِمْ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ الْقَاتِلَ مِنْهُمْ فَتَعَيَّنَتْ وَاحِدًا مِنْهُمْ لَا يَنَافِي إِبْتِدَاءَ الْأَمْرِ، لِأَنَّهُ مِنْهُمْ، بِخِلَافِ مَا إِذَا عَيَّنَ مِنْ غَيْرِهِمْ، لِأَنَّ ذَلِكَ يَبَيِّنُ أَنَّ الْقَاتِلَ لَيْسَ مِنْهُمْ وَهُمْ إِنَّمَا يَغْرُمُونَ إِذَا كَانَ الْقَاتِلُ مِنْهُمْ لِكُونِهِمْ قَتْلَةً تَقْدِيرًا حَيْثُ لَمْ يَأْخُذُوا عَلَى يَدِ الظَّالِمِ، وَلِأَنَّ أَهْلَ الْمَحَلَّةِ لَا يَغْرُمُونَ بِمَجَرَّدِ ظُهُورِ الْقَتِيلِ بَيْنَ

أُظْهِرَهُمْ إِلَّا بَدْعُوَى الْوَلِيِّ، فَإِذَا ادَّعَى الْقَتْلَ عَلَى غَيْرِهِمْ اِمْتَنَعَ دَعْوَاهُ عَلَيْهِمْ وَسَقَطَ لِفَقْدِ شَرْطِهِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر اہل محلہ کے علاوہ کسی دوسرے شخص پر ولی مقتول نے دعویٰ کیا تو اہل محلہ سے قسامت ساقط ہو جائے گی۔ اور وجہ فرق ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اہل محلہ پر قسامت کا وجوب اس بات کی دلیل ہے کہ قاتل انہی میں سے ہے لہذا ان میں سے ایک کی تعین ابتدائے امر کے منافی نہیں ہے، کیونکہ وہ ایک (متعین کردہ) انہی میں سے ہے، برخلاف اس صورت کے جب ولی نے ان کے علاوہ میں سے کسی کو متعین کیا ہو، کیونکہ یہ اس بات کی وضاحت ہوگی کہ قاتل ان میں سے نہیں ہے اور اہل محلہ اسی وقت نامن ہوتے جب قاتل ان میں سے نہ ہوتا۔ اس لیے کہ (اس وقت) وہ لوگ ظالم کی گرفت نہ کرنے کی وجہ سے تقدیراً قاتل ہوتے اور اس لیے کہ اہل محلہ ولی مقتول کے دعوے کے بغیر محض اپنے درمیان مقتول ظاہر ہونے سے تاوان نہیں دیتے، لہذا جب ولی نے ان کے علاوہ پر قتل کا دعویٰ کیا تو اہل محلہ پر اس کا دعویٰ ممتنع ہو گیا اور شرط تاوان مفقود ہونے کی وجہ سے تاوان ساقط ہو گیا۔

اللغات:

﴿بغير مون﴾ تاوان دیتے ہیں۔ ﴿قتلة﴾ واحد قاتل؛ قاتلین۔ ﴿قتیل﴾ مقتول۔

کسی معین آدمی پر دعویٰ کرنے سے قسامت ساقط نہ ہونے کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ولی مقتول نے اہل محلہ کے علاوہ کسی دوسرے شخص پر مقتول کے قتل کا دعویٰ کیا تو اب اہل محلہ سے قسامت اور دیت دونوں چیزیں ساقط ہو جائیں گی، کیونکہ جب اہل محلہ کے علاوہ پر قتل کا دعویٰ کیا گیا ہے تو اہل محلہ کا ہر فرد اس دعوے سے خارج ہے، لہذا محلے کے کسی بھی فرد پر قسامت اور دیت کا وجوب نہیں ہوگا۔ ہاں اگر ولی اہل محلہ میں سے کسی پر قتل کا دعویٰ کرتا تو پھر تمام محلے والے اس کی زد میں آتے اور ہر ایک پر قسامت و دیت واجب ہوتی، اس لیے کہ اہل محلہ پر قسامت کا وجوب اس بات کی علامت ہے کہ قاتل ان میں سے ایک شخص ہے، لہذا ولی مقتول خواہ اہل محلہ پر قتل کا دعویٰ کرے یا ان میں سے کسی خاص شخص پر دعویٰ کرے بہر دو صورت اہل محلہ پر ضمان ہوگا۔ اسی کو صاحب کتاب نے فتعینہ واحد منهم الخ سے بیان کیا ہے اور یہی فرق ہے اہل محلہ پر یا ان میں سے کسی ایک پر دعویٰ کرنے میں اور اہل محلہ کے علاوہ پر دعویٰ کرنے میں۔

بخلاف ما إذا عين الخ: فرماتے ہیں کہ اگر ولی مقتول نے اہل محلہ کے علاوہ کسی معین شخص پر قتل کا دعویٰ کیا تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں اہل محلہ پر نہ تو قسامت واجب ہوگی اور نہ ہی دیت، کیونکہ اس صورت میں اہل محلہ نہ تو حقیقتاً اس مقتول کے قاتل ہیں اور نہ ہی تقدیراً، اس لیے کہ اہل محلہ کے علاوہ پر قتل کا دعویٰ ہونے سے یہ بات عیاں ہوگئی ہے کہ قاتل ان میں سے نہیں ہے اور ولی مقتول کے علاوہ کے اہل محلہ پر دعویٰ کئے بغیر محض اہل محلہ میں مقتول ملنے سے وہ لوگ دیت وغیرہ بھی نہیں اداء کرتے، لہذا اس حوالے سے بھی اہل محلہ قسامت و دیت سے بری رہیں گے اور ان پر وجوب قسامت و دیت کی جو شرط ہے چوں کہ وہ فوت ہوگئی ہے اس لیے اس مقتول کے ضمان اور تاوان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہوگا۔

قَالَ وَإِذَا اتَّفَقَ قَوْمٌ بِالسُّيُوفِ فَأَجْلَوْا عَنْ قَتِيلٍ فَهُوَ عَلَى أَهْلِ الْمَحَلَّةِ، لِأَنَّ الْقَتِيلَ بَيْنَ أَظْهَرِهِمْ، وَالْحِفْظُ

عَلَيْهِمْ اِلَّا اَنْ يَدْعِيَ الْاَوْلِيَاءُ عَلَى اَوَّلِيكَ اَوْ عَلَى رَجُلٍ مِنْهُمْ بَعِيْنِهِ فَلَمْ يَكُنْ عَلَى اَهْلِ الْمَحَلَّةِ شَيْءٌ، لَآنَ هَذِهِ الدَّعْوَى تَصْمَنَتْ بَرَاءَةَ اَهْلِ الْمَحَلَّةِ عَنِ الْقَسَامَةِ، قَالَ وَلَا عَلَى اَوَّلِيكَ حَتَّى يَقِيْمُوا الْبَيِّنَةَ، لَآنَ بِمُجَرَّدِ الدَّعْوَى لَا يَنْبَغُ الْحَقُّ لِلْحَدِيْثِ الَّذِي رَوَيْنَاهُ، اَمَّا يَسْقُطُ بِهِ الْحَقُّ عَنْ اَهْلِ الْمَحَلَّةِ، لَآنَ قَوْلُهُ حُجَّةٌ عَلَى نَفْسِهِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی قوم کے افراد آپس میں تلواروں سے بھڑے پھر وہ لوگ ایک مقتول چھوڑ کر جدا ہو گئے تو وہ (وجوب دیت) اہل محلہ پر ہے، اس لیے کہ مقتول ان کے مابین پایا گیا ہے اور اس کی حفاظت انہی پر تھی الا یہ کہ اولیاء مذہب بھڑ کرنے والوں پر یا ان میں سے کسی معین شخص پر قتل کا دعویٰ کریں تو اہل محلہ پر کچھ نہیں ہوگا، کیونکہ یہ دعویٰ قسامت سے اہل محلہ کی براءت کو متضمن ہے۔ فرماتے ہیں کہ اور نہ ہی مقاتلین پر قسامت و دیت ہے حتیٰ کہ اولیاء مقتول بینہ پیش کریں کیونکہ محض دعویٰ سے حق ثابت نہیں ہوتا اس حدیث کی وجہ سے جسے ہم بیان کر چکے ہیں تاہم اس سے اہل محلہ کے ذمے سے حق ساقط ہو جائے گا، اس لیے کہ مدعی کا قول اپنے اوپر حجت ہے۔

اللَّغَاتُ:

﴿النقی﴾ ملے۔ ﴿اجلوا﴾ ہٹ گئے، واضح کیا۔ ﴿تضمنت﴾ ضمنا مشتمل ہے۔

کسی محلے میں ہونے والے معرکے کا مقتول:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی قوم اور جماعت کے افراد نے آپس میں تلواریں گھمائیں اور جب وہ لوگ میدان مقابلہ سے الگ ہوئے تو وہاں ایک مقتول ملا تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اولیاء مقتول مقاتلین پر یا ان میں سے کسی معین شخص پر قتل کا دعویٰ نہ کریں تو اس مقتول کی دیت اہل محلہ پر ہوگی، کیونکہ وہ انہی کے درمیان ملا ہے اور انہی پر اس کی حفاظت ضروری تھی مگر ان لوگوں نے حفاظت میں کوتاہی کی ہے، اس لیے وہی لوگ اس کے ضامن ہوں گے۔ لیکن اگر اولیاء مقتول نے مقاتلین پر یا ان میں سے کسی شخص پر قتل کا دعویٰ کیا تو پھر اہل محلہ پر قسامت و دیت نہیں واجب ہوگی، کیونکہ مقاتلین پر قتل کا دعویٰ اس بات کی دلیل ہے کہ قاتل اہل محلہ میں سے نہیں ہے، اور اہل محلہ کا اس قتل سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ اس لیے اہل محلہ پر تو قسامت و دیت کا وجوب نہیں ہوگا، لیکن جب تک اولیاء مقتول مقاتلین کے خلاف بینہ نہیں پیش کر دیتے اس وقت تک مقاتلین پر بھی قسامت و دیت نہیں واجب ہوگی، کیونکہ بدون بینہ محض دعویٰ سے حق ثابت نہیں ہوتا، اس لیے کہ حدیث پاک میں صاف طور پر فرمادیا گیا ہے ”البينة على المدعي واليمين على من أنكر“ یعنی مدعی پر بینہ پیش کرنا لازم ہے اور منکر پر قسم کھانا ہے، لہذا جب تک مدعی یعنی اولیاء مقتول مقاتلین کے خلاف قتل پر بینہ نہیں پیش کر دیتے اس وقت تک ان پر قسامت و دیت کا وجوب نہیں ہوگا، لیکن مقاتلین پر دعویٰ کرنے سے اہل محلہ سے قسامت و دیت ساقط ہو جائے گی، اس لیے کہ یہ سقوط مدعی کے دعوے سے ہوا ہے اور مدعی کا قول اس کے اپنے حق کے اسقاط میں حجت ہے لہذا یہ دعویٰ کسی بینہ کا محتاج نہیں ہوگا اور بینہ کے بغیر بھی ساقط ہو جائے گا۔

وَلَوْ وُجِدَ قَبِيلٌ فِي مَعَسِكَرٍ أَقَامُوا بِفُلَاةٍ مِنَ الْأَرْضِ لَا مِلْكَ لِأَحَدٍ فِيهَا فَإِنْ وَجَدَ فِي خَبَاءٍ أَوْ فُسْطَاطٍ فَعَلَى مَنْ

يَسْكُنُهَا الدِّيَةُ وَالْقَسَامَةُ، وَإِنْ كَانَ خَارِجًا مِنَ الْفُسْطَاطِ فَعَلَى أَقْرَبِ الْأَخِيَّةِ اعْتِبَارًا لِلْيَدِ عِنْدَ انْعِدَامِ الْمَلِكِ.

ترجمہ: اور اگر مقتول کسی لشکر میں پایا جائے اور لشکر کسی ایسے میدان میں پناہ گزین ہو جو کسی کی ملکیت نہ ہو تو اگر مقتول کسی ڈیرے یا خیمے میں ملے تو اس کے باشندوں پر دیت و قسامت واجب ہے اور اگر وہ ڈیرے سے باہر ہو تو قریب ترین خیمے پر وجوب ہوگا ملکیت نہ ہونے کی صورت میں قبضہ کا اعتبار کرتے ہوئے۔

اللغات:

﴿معسكر﴾ لشکر گاہ۔ ﴿فلاة﴾ میدان۔ ﴿خباء﴾ سر چھپانے کی جگہ۔ ﴿فسطاط﴾ بڑا خیمہ۔ ﴿أخية﴾ واحد خباء؛ چھوٹے خیمے۔

بیابان میں ٹھہرے ہوئے لشکر میں پایا جانے والا مقتول:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی لشکر کسی میدان میں ٹھہرا ہو اور وہ میدان کسی کی ملک نہ ہو پھر کسی ڈیرے یا خیمے میں کوئی مقتول ملے تو جس جگہ مقتول ملے گا اس کے باشندوں پر قسامت و دیت واجب ہوگی۔ اور اگر خیمے سے باہر مقتول ملے تو جو خیمہ سب سے زیادہ قریب ہوگا اس کے باشندوں پر قسامت و دیت کا وجوب ہوگا، کیونکہ ماقبل میں یہ بات آچکی ہے کہ دیت و قسامت کا وجوب ملکیت سے متعلق ہوتا ہے اور جہاں ملکیت معدوم ہوتی ہے وہاں قبضہ کو اس کے قائم مقام مان کر قابض سے قسامت و دیت متعلق کر دی جاتی ہے، اور صورت مسئلہ میں چونکہ اہل خیمہ ہی اس جگہ قابض ہیں اس لیے انہی پر قسامت و دیت واجب کر دی گئی ہے۔

وَإِنْ كَانَ الْقَوْمُ لَقَوْا قِتَالًا وَوُجِدَ قَتِيلٌ بَيْنَ أَظْهَرِهِمْ فَلَا قَسَامَةَ وَلَا دِيَّةَ، لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّ الْعَدُوَّ قَتَلَهُ فَكَانَ هَدْرًا، وَإِنْ لَمْ يَلْقُوا عَدُوًّا فَعَلَى مَا بَيَّنَّاهُ، وَإِنْ كَانَ لِلْأَرْضِ مَالِكٌ فَالْعُسْكَرُ كَالسُّكَّانِ فَيَجِبُ عَلَى الْمَالِكِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ.

ترجمہ: اور اگر لشکر نے دشمن سے قتال کیا اور ان کے مابین کوئی مقتول ملا تو قسامت و دیت نہیں ہے، اس لیے کہ ظاہر یہی ہے کہ اسے دشمن نے قتل کیا ہے۔ لہذا یہ رایگاں ہوگا، اور اگر لشکر نے دشمن سے قتال نہ کیا ہو تو اس کی وہی تفصیل ہے جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اگر زمین کا کوئی مالک ہو تو لشکر مکان کے مثل ہے، لہذا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں مالک پر دیت واجب ہوگی۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا اختلاف ہے اور اسے ہم بیان کر چکے ہیں۔

اللغات:

﴿قتال﴾ جنگ۔ ﴿هدر﴾ ضائع، بے فائدہ۔ ﴿عدو﴾ دشمن۔ ﴿عسكر﴾ لشکر۔ ﴿سكان﴾ باشندے، رہائشی۔

دشمن کے ساتھ ہونے والے معرکے کا مقتول:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر اسلامی فوج نے کفار اور اسلام دشمنوں سے مذبحیڑ کی اور وہاں کوئی مقتول ملا تو فوج پر قسامت و دیت نہیں

واجب ہوگی؛ کیونکہ جب کفار و مشرکین کا مقابلہ ہوا ہے تو ظاہر ہے کہ اس شخص کو کافروں اور دشمنوں نے ہی مارا ہوگا اور مسلمان اس کے قاتل نہیں ہیں، اس لیے مسلمانوں پر اس کی قسامت و دیت واجب نہیں ہوگی اور کفار پر بھی نہیں واجب ہوگی، کیونکہ کفار احکام شرع کے مکلف نہیں ہیں اس لیے اس مقتول کا خون ہدر اور معاف ہوگا، ہاں اگر اسلامی فوج میدان کارزار میں گئی ہو لیکن کفار سے نبرد آزما نہ ہوئی ہو محض قیام کر کے واپس آگئی ہو پھر وہاں کوئی مقتول ملے تو اس کا حکم وہی ہے جو ابھی بیان ہوا ہے یعنی مقتول کسی خیمے یا زیرے میں ملے تو سکان خیمہ پر اس کی دیت ہے اور اگر خیمے سے باہر ملے تو جو خیمہ سب سے زیادہ قریب ہو اس کے باشندوں پر اس کی دیت واجب ہے۔ اور اگر وہ جگہ جہاں لشکر اسلامی مقیم ہو کسی کی ملوک ہو تو اس صورت میں اہل لشکر باشندوں کے حکم میں ہوں گے، اور اس میں حضرات شیخین کا اختلاف جاری ہوگا، یعنی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں صرف مالک پر ضمان واجب ہوگا جب کہ حضرات شیخین کے یہاں مالک اور باشندے دونوں پر ضمان ہوگا۔

قَالَ وَإِذَا قَالَ الْمُسْتَحْلِفُ قَتَلَهُ فَلَانٌ أَسْتَحْلِفَ بِاللَّهِ مَا قَتَلْتُ وَلَا عَرَفْتُ لَهُ قَاتِلًا غَيْرَ فَلَانٍ، لِأَنَّهُ يُرِيدُ إِسْقَاطَ الْخُصُومَةِ عَنْ نَفْسِهِ بِقَوْلِهِ فَلَا يَقْبَلُ فَيَحْلِفَ عَلَى مَا ذَكَرْنَا، لِأَنَّهُ لَمَّا أَقَرَّ بِالْقَتْلِ عَلَى وَاحِدٍ صَارَ مُسْتَشْنِيًّا عَنِ الْيَمِينِ فَبَقِيَ حُكْمُ مَنْ سِوَاهُ فَيَحْلِفُ عَلَيْهِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر مستحلف کہے کہ مقتول کو فلاں شخص نے قتل کیا ہے تو اس سے اس طرح قسم لی جائے، بخدا میں نے اسے قتل نہیں کیا ہے اور فلاں کے علاوہ میں اس کا کوئی قاتل نہیں جانتا، کیونکہ مستحلف اپنے اس قول سے اپنے نفس سے خصومت ساقط کرنا چاہتا ہے، لہذا اس کا قول مقبول نہیں ہوگا اور ہماری بیان کردہ قسم کے مطابق وہ قسم کھائے گا، کیونکہ جب اس نے ایک شخص کے خلاف قتل کا اقرار کیا ہے تو مقرر علیہ یمین سے مستثنیٰ ہو گیا اور اس کے علاوہ کا حکم باقی رہ گیا اس لیے باقی پر وہ قسم کھائے گا۔

اللغات:

﴿مستحلف﴾ جس سے قسم لی جا رہی ہے۔ ﴿اسقاط﴾ گرانہ، ساقط کرنا۔ ﴿خصومة﴾ جھگڑا، خصامت۔

مستحلف کے کسی اور پر قتل کے الزام لگانے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مقتول کی تحقیق و تفتیش کے وقت کسی شخص سے قسم لی گئی اور اس نے قسم کھا کر یہ کہہ دیا کہ اس مقتول کو فلاں شخص نے قتل کیا ہے تو محض اتنا کہہ دینے سے اس کا دامن نہیں چھوڑا جائے گا، بلکہ اس حوالے سے اس کی قسم کو مکمل اور موکد بنانے کے لیے اس سے ان الفاظ میں قسم لی جائے گی ”باللہ ما قتلْتُ ولا عرفت له قاتلا غیر فلان“ یعنی بخدا نہ تو میں نے اسے قتل کیا ہے اور نہ ہی فلاں کے علاوہ میں اس کا کوئی قاتل جانتا ہوں، اس طرح قسم لینے سے فلاں کے ساتھ قتل میں کوئی شریک ہوگا تو یہ شخص یا تو قسم سے باز رہے گا یا پھر اقرار کر لے گا اور قسم کا فائدہ جلد از جلد ظاہر ہو جائے گا اور قتل کے سارے مجرم کیفر کردار تک پہنچ جائیں گے۔

لأنه لما أقر بالبح: اس کا حاصل یہ ہے کہ اس قسم میں فلاں پر اگر چہ اقرار نہیں ہے لیکن چون کہ حالف پہلے ہی اس فلاں

پر قتل کا اقرار کر چکا ہے اس لیے اب وہ فلاں یمین سے مستثنیٰ ہوگا اور اس کے علاوہ پر یمین کا حکم باقی رہے گا، لہذا مُسْتَحْلَفٌ غیر فلاں کی بھی قسم کھائے گا اور باقی لوگوں کو قسم میں شامل کر لے گا۔

قَالَ وَإِذَا شَهِدَ اِثْنَانِ مِنْ اَهْلِ الْمَحَلَّةِ عَلَى رَجُلٍ مِنْ غَيْرِهِمْ أَنَّهُ قَتَلَ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَتُهُمَا، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ، وَقَالَ تَقْبَلُ لَأَنَّهُمْ كَانُوا بِعُرْضَةٍ أَنْ يَكُونُوا خُصْمَاءَ وَقَدْ بَطَلَتْ الْعُرْضَةُ بِدَعْوَى الْوَلِيِّ الْقَتْلَ عَلَى غَيْرِهِمْ فَتُقْبَلُ شَهَادَتُهُمْ كَالْوَكِيلِ بِالْخُصُومَةِ إِذَا عَزَلَ قَبْلَ الْخُصُومَةِ، وَلَهُ أَنَّهُمْ خُصْمَاءُ بِإِنْزَالِهِمْ قَاتِلَيْنِ لِلتَّقْصِيرِ الصَّادِرِ مِنْهُمْ فَلَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُمْ وَإِنْ خَرَجُوا مِنْ جُمْلَةِ الْخُصُومِ كَالْوَصِيِّ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْوَصَايَةِ بَعْدَ مَا قَبِلَهَا ثُمَّ شَهِدَ، قَالَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ وَعَلَى الْأَصْلَيْنِ هَذَيْنِ يَتَخَرَّجُ كَثِيرٌ مِنَ الْمَسَائِلِ مِنْ هَذَا الْجَنْسِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر اہل محلہ میں سے اگر دو لوگوں نے اپنے علاوہ میں سے کسی شخص پر گواہی دی کہ اس نے مقتول کو قتل کیا ہے تو ان کی گواہی مقبول نہیں ہوگی اور یہ امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ کے یہاں ہے۔ حضرات صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ان کی شہادت مقبول ہوگی کیونکہ وہ خصم بننے کا نشانہ تھے لیکن ولی کے اُن کے علاوہ پر قتل کا دعویٰ کرنے سے ان کا نشانہ بننا باطل ہو گیا، لہذا ان کی شہادت مقبول ہوگی، جیسے وکیل بالخصومت جب خصومت سے پہلے معزول کر دیا جائے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ لوگ خصم ہیں کیونکہ ان سے صادر ہونے والی تقصیر کی وجہ سے انھیں قاتلین کے درجے میں اتار لیا گیا ہے، لہذا ان کی شہادت مقبول نہیں ہوگی اگرچہ یہ خصوم کی فہرست سے خارج ہو گئے ہیں، جیسے وصی جب وصایت قبول کرنے کے بعد اس سے خارج ہو جائے پھر شہادت دے۔ صاحب ہدایہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں اصولوں پر اس جنس کے بہت سے مسائل متفرع ہوتے ہیں۔

اللَّغَاتُ:

﴿عُرْضَةٌ﴾ نشانہ۔ ﴿خُصْمَاءُ﴾ واحد خصم؛ فریق مخالف۔ ﴿عَزَلَ﴾ معزول کیا گیا۔

اہل محلہ کے کسے اور پر الزام قتل کی شنوائی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر اہل محلہ میں سے دو لوگوں نے کسی ایسے شخص کے خلاف گواہی دی کہ اس نے فلاں مقتول کو قتل کیا ہے اور وہ ہمارے محلے کا نہیں ہے تو امام اعظم رحمہما اللہ کے یہاں ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اور حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے یہاں ان کی شہادت مقبول ہوگی۔ حضرات صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ اہل محلہ پر اس مقتول کے قاتل ہونے کا شبہ تھا اور اس شبہ کی وجہ سے وہ لوگ خصم ہونے کے نشانے پر تھے اور ان کے خصم ہونے کا احتمال تھا لیکن جب ولی مقتول نے ان کے علاوہ دوسرے پر قتل کا دعویٰ کر دیا تو اب ان کے خصم ہونے کا احتمال ختم ہو گیا اور ان کی یہ شہادت ایک تیسرے اور ایسے شخص کے متعلق ہے جو ان کے محلے کا نہیں ہے، لہذا اس کے متعلق ان کی شہادت مقبول ہوگی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے کسی کو وکیل بالخصومت بنایا اور

خصوصیت سے پہلے ہی موکل نے اسے معزول کر دیا تو اب اس موکل کے خلاف اس وکیل کی گواہی مقبول ہوگی، اسی طرح صورتِ مسئلہ میں بھی جب اہل محلہ خصم نہیں رہے تو دوسرے کے خلاف ان کی شہادت مقبول ہوگی۔

وله انھم خصماء الخ: اس سلسلے میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جب مقتول اہل محلہ کے درمیان ملا تو یہ واضح ہو گیا کہ اہل محلہ پر اس کی حفاظت واجب تھی مگر ان لوگوں نے اس سلسلے میں کوتاہی کی ہے، لہذا یہ لوگ قاتلین کے درجے میں اتار لیے گئے اور اس حوالے سے یہ خصم بن گئے، لہذا اسی معاملے کو بذریعہ شہادت یہ لوگ دوسرے پر ڈال رہے ہیں اس لیے ان کی یہ شہادت مقبول نہیں ہوگی، اگرچہ ولی مقتول کے دوسرے پر قتل کا دعویٰ کرنے سے یہ لوگ خصماء کی فہرست سے خارج ہو گئے تاہم ابتداء میں جو چیز ان کی شہادت کی مقبولیت سے مانع تھی وہ اب بھی باقی رہے گی اور ان کی شہادت کو باطل قرار دے دے گی۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی بچے کا وصی تھا اور بچے کے بالغ ہونے کے بعد اس کی وصایت ختم ہو گئی، اب اگر وہ بچہ اس شخص کے خلاف یا اس کے حق میں گواہی دیتا ہے تو اس بچے کی شہادت بھی مقبول نہیں ہوگی، کیونکہ ابتداء میں یعنی اس کے وصی ہونے کی حالت میں اس بچے کی شہادت مقبول نہیں تھی، لہذا بعد میں بھی اس کی شہادت مقبول نہیں ہوگی، اسی طرح صورتِ مسئلہ میں بھی جب ابتداء ان لوگوں کی شہادت مقبول نہیں تھی تو بعد میں بھی عدم قبولیت کا یہ معاملہ برقرار رہے گا۔

قال رضي الله عنه الخ: صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں اصولوں پر بہت سے مسائل متفرع ہوتے ہیں، دونوں اصولوں میں سے پہلی اصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی معاملے میں خصم ہو تو اس معاملے اور مقدمے میں بالا جماع اس کی شہادت کبھی بھی مقبول نہیں ہوگی (۲) دوسری اصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص خصم بننے کے نشانے پر ہو پھر اس کا نشانہ بنا باطل ہو جائے پھر وہ گواہی دے تو اس کی گواہی بالا جماع مقبول ہوگی، ان اصولوں میں سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اصل اول کو اختیار کیا ہے، اس لیے انہوں نے گواہی کو یکسر غیر مقبول قرار دے دیا ہے اور حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہم نے اصل ثانی کو اختیار کر کے ان کی گواہی کو معتبر مانا ہے۔ (عنا یہ شرح عربی ہدایہ)

قَالَ وَلَوْ اِدْعَى عَلَى وَاحِدٍ مِنْ اَهْلِ الْمَحَلَّةِ بَعِيْنِهِ فَشَهِدَ شَاهِدَانِ مِنْ اَهْلِهَا عَلَيْهِ لَمْ تُقْبَلِ الشَّهَادَةُ، لِأَنَّ الْخُصُومَةَ قَائِمَةٌ مَعَ الْكُلِّ عَلَى مَا بَيَّنَّا، وَالشَّاهِدُ يَقْطَعُهَا عَنْ نَفْسِهِ فَكَانَ مَتَّهَمًا، وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رحمۃ اللہ علیہ أَنَّ الشُّهُودَ يُحْلَفُونَ "بِاللَّهِ مَا قَتَلْنَاهُ" وَلَا يَزْدَادُونَ عَلَى ذَلِكَ، لِأَنَّهُمْ أَخْبَرُوا أَنَّهُمْ عَرَفُوا الْقَاتِلَ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر ولی مقتول نے اہل محلہ میں سے کسی متعین شخص پر دعویٰ کیا پھر اہل محلہ کے دو گواہوں نے اس پر گواہی دی تو گواہی مقبول نہیں ہوگی، کیونکہ خصوصیت ہر ایک کے ساتھ قائم ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور گواہ اپنے نفس سے خصوصیت ختم کرتا ہے، لہذا وہ متہم ہوگا۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ گواہوں سے یہ قسم لی جائے گی بِاللَّهِ مَا قَتَلْنَاهُ۔ خدا ہم نے اسے نہیں قتل کیا ہے، اور وہ لوگ اس پر اضا فہ نہیں کریں گے، کیونکہ انھوں نے اس بات کی خبر دی ہے کہ وہ قاتل کو پہچانتے ہیں۔

اہل محلہ کے کسے اور پر الزام قتل کی شنوائی:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر ولی مقتول نے اہل محلہ میں سے کسی متعین شخص پر قتل کا دعویٰ کیا پھر اہل محلہ میں سے دو لوگوں نے

اس شخص کے خلاف قتل کرنے کی شہادت دی تو ان کی شہادت مقبول نہیں ہوگی، کیونکہ جب اہل محلہ میں سے کسی پر قتل کا دعویٰ ہے تو گویا پورے محلے والے متہم ہیں اور خصومت سب کے ساتھ قائم ہیں اور یہ دو گواہ اپنے نفس سے خصومت کو دور کرنا چاہ رہے ہیں، لہذا یہ لوگ اپنی گواہی میں متہم ہوں گے اور متہم کی شہادت مقبول نہیں ہوتی۔

وعن أبي يوسف رحمہ اللہ الخ: حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جب اہل محلہ قسم کھائیں گے تو ان کے ساتھ یہ گواہ بھی قسم کھائیں گے، لیکن اہل محلہ تو اپنی قسم میں لاعرفانہ قاتلا غیر فلان کا اضافہ کریں گے، لیکن یہ دونوں گواہ صرف باللہ ماقتلناہ کہنے پر اکتفاء کریں گے اور مزید اضافہ نہیں کریں گے، کیونکہ ان لوگوں نے تو پہلے ہی قاتل کی خبر دے دی ہے اور وہ یہ اقرار کر چکے ہیں کہ اس کا قاتل فلاں ہے، لہذا قسم میں صرف اپنی طرف سے قتل کی نفی کریں اور اضافہ نہ کریں۔

قَالَ وَمَنْ جُرِحَ فِي قَبِيلَةٍ فَقِيلَ إِلَى أَهْلِهِ قَمَاتٌ مِنْ تِلْكَ الْجَرَاخَةِ، فَإِنْ كَانَ صَاحِبُ فِرَاشٍ حَتَّى مَاتَ فَالْقَسَامَةُ وَالِدِيَّةُ عَلَى الْقَبِيلَةِ، وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمہ اللہ، وَقَالَ أَبُو يُوْسُفَ رحمہ اللہ لَا قَسَامَةَ وَلَا دِيَّةَ، لِأَنَّ الَّذِي حَصَلَ فِي الْقَبِيلَةِ أَوْ الْمَحَلَّةِ مَا دُونَ النَّفْسِ وَلَا قَسَامَةَ فِيهِ فَصَارَ كَمَا إِذَا لَمْ يَكُنْ صَاحِبُ فِرَاشٍ، وَلَكِنْ أَنَّ الْجُرْحَ إِذَا اتَّصَلَ بِهِ الْمَوْتُ صَارَ قَتْلًا، وَلِهَذَا وَجَبَ الْقِصَاصُ، فَإِنْ كَانَ صَاحِبُ فِرَاشٍ أُصِيفَ إِلَيْهِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ احْتَمَلَ أَنْ يَكُونَ الْمَوْتُ مِنْ غَيْرِ الْجُرْحِ فَلَا يَلْزَمُ بِالشَّكِّ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی قبیلے میں زخمی کیا گیا پھر اپنے اہل کی طرف منتقل کیا گیا اور اسی زخم سے مر گیا تو اگر وہ مرنے تک صاحب فراش تھا تو اہل قبیلہ پر قسامت و دیت واجب ہے اور یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قسامت و دیت نہیں ہے، کیونکہ قبیلہ یا محلہ میں جو فعل حاصل ہوا ہے وہ مادون النفس ہے اور مادون النفس میں قسامت نہیں ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسے وہ شخص صاحب فراش نہیں تھا۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ اگر زخم کے ساتھ موت متصل ہو تو وہ زخم قتل بن جاتا ہے، اسی لیے قصاص واجب ہوتا ہے، سو اگر وہ صاحب فراش ہو تو قتل زخم لگانے کی طرف مضاف ہوگا اور اگر وہ صاحب فراش نہ ہو تو یہ احتمال ہے کہ موت زخم کے علاوہ سے ہوئی ہو، لہذا شک کی وجہ سے قسامت و دیت لازم نہیں ہوگی۔

اللُّغَاتُ:

﴿جُورِحَ﴾ زخمی کیا گیا۔ ﴿صَاحِبُ فِرَاشٍ﴾ مریض، بستر سے نہ اٹھ سکے والا۔

کسی جگہ پر زخمی ہونے والا بعد میں مرجائے تو قسامت کس پر ہوگی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو کسی علاقے یا قبیلے میں زخمی کر دیا گیا پھر اس کے اہل خانہ اسے اپنے گھر اٹھالے گئے اور گھر جا کر اس نے بستر پکڑ لیا اور مرتے دم تک وہ صاحب فراش ہی رہا تو اس صورت میں حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں جس قبیلے میں اسے زخمی کیا گیا تھا اس کے باشندوں پر اس مرحوم کی دیت و قسامت واجب ہوگی۔ لیکن حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں

اہل قبیلہ پر نہ تو قسامت واجب ہوگی اور نہ ہی دیت۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ قسامت ودیت کا وجوب قتل سے متعلق ہے اور عدالت مسئلہ میں مرحوم کو کسی قبیلے میں صرف زخمی کیا گیا ہے، قتل نہیں کیا گیا ہے لہذا اہل قبیلہ پر قسامت ودیت کے وجوب کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور جس طرح اگر وہ شخص صاحب فراش نہ ہوتا اور مر جاتا تو اہل قبیلہ پر قسامت ودیت واجب نہیں ہوتی، اسی طرح قبیلے میں زخمی ہونے سے بھی اہل قبیلہ پر قسامت ودیت واجب نہیں ہوگی۔

وله ان الجرح النخ: یہاں سے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل بیان کی گئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وقوع قتل کے لیے انسان کا فوراً کسی زخم سے مرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ زخم لگنے کے بعد اگر کوئی شخص موت تک صاحب فراش رہے اور پھر اسی زخم سے اس کی موت ہو جائے تو اس زخم کو قتل شمار کیا جاتا ہے، اسی لیے تو اس زخم کی وجہ سے قاتل پر قصاص واجب ہوتا ہے، لہذا اگر کوئی شخص کسی قبیلے میں زخمی کیا گیا اور پھر مرتے دم تک صاحب فراش رہا تو اہل محلہ پر قسامت ودیت واجب ہوگی اور یہ موت زخم سابق کی طرف منسوب ہوگی۔ ہاں اگر مجروح صاحب فراش نہیں رہا اور پھر اسی زخم سے اس کی موت ہو جائے تو اس زخم کو قتل شمار کیا جاتا ہے، اسی لیے تو اس زخم کی وجہ سے قاتل پر قصاص واجب ہوتا ہے، لہذا اگر کوئی شخص کسی قبیلے میں زخمی کیا گیا اور پھر مرتے دم تک صاحب فراش رہا تو اہل محلہ پر قسامت ودیت واجب ہوگی اور یہ موت زخم سابق کی طرف منسوب ہوگی۔ ہاں اگر مجروح صاحب فراش نہیں رہا اور زخم لگنے کے بعد اسے افاتہ ہو گیا پھر اس کی موت ہوئی تو اب اہل قبیلہ پر قسامت ودیت نہیں واجب ہوگی، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کی موت زخم سابق کے علاوہ کسی دوسرے عارض سے ہوئی ہو اور اس میں زخم سابق کا ہاتھ نہ ہو، لہذا شک کی وجہ سے قسامت اور دیت کا وجوب نہیں ہوگا۔

وَلَوْ أَنَّ رَجُلًا مَعَهُ جَرَحٌ بِهِ رَمَقٌ حَمَلَهُ إِنْسَانٌ إِلَى أَهْلِهِ فَمَكَثَ يَوْمًا أَوْ يَوْمَيْنِ ثُمَّ مَاتَ لَمْ يَضْمَنِ الَّذِي حَمَلَهُ إِلَى أَهْلِهِ فِي قَوْلِ أَبِي يُونُسَ رحمۃ اللہ علیہ، وَفِي قِيَاسٍ قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ رحمۃ اللہ علیہ يَضْمَنُ، لِأَنَّ يَدَهُ بِمَنْزِلَةِ الْمَحَلَّةِ فَوُجُودُهُ جَرِيحًا فِي يَدِهِ كَوُجُودِهِ فِيهَا وَقَدْ ذَكَرْنَا وَجْهَيْ الْقَوْلَيْنِ فِيمَا قَبْلَهُ مِنْ مَسْأَلَةِ الْقَبِيلَةِ.

ترجمہ: اور اگر کوئی شخص ایسا زخمی ہو کہ اس میں زندگی کی رمق باقی ہو اور کوئی شخص اسے اٹھا کر اس کے گھر لے گیا پھر وہ شخص ایک یا دو دن تک زندہ رہ کر مر گیا تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں اسے اٹھا کر اس کے گھر تک لے جانے والا شخص ضامن نہیں ہوگا اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے قیاس کے مطابق وہ شخص ضامن ہوگا، کیونکہ حامل کا قبضہ محلے کے درجے میں ہے، لہذا اس شخص کا حامل کے قبضے میں مجروح محلے میں مجروح ہونے کی طرح ہے اور ما قبل کے مسئلہ قبیلہ میں ہم نے دونوں قولوں کی دلیل بیان کر دی ہے۔

اللغات:

﴿جرح﴾ زخم۔ ﴿رمق﴾ زندگی۔ ﴿جريح﴾ زخمی۔ ﴿يد﴾ قبضہ۔

کسی جگہ پر زخمی ہونے والا بعد میں مر جائے تو قسامت کس پر ہوگی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی جگہ زخمی حالت میں پڑا تھا اور اس میں جان باقی تھی پھر کوئی شخص اس پر رحم کھا کر

اسے اس کے گھر اٹھالے گیا اور وہ شخص ایک یا دو دن زندہ رہا پھر مر گیا تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اٹھانے والا ضامن نہیں ہوگا اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے قیاس کے مطابق اٹھانے والا شخص ضامن ہوگا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ حامل کا قبضہ محلے کے قائم مقام ہے اور مجروح کا حامل کے قبضے میں ہونا اس کے محلے میں ہونے کی طرح ہے اور چوں کہ محلے میں مجروح کئے جانے کی صورت میں موت تک صاحب فراش رہنے سے اہل محلہ پر دیت واجب ہوتی ہے، لہذا صورت مسئلہ میں حامل پر بھی دیت واجب ہوگی، کیونکہ اس موت میں حامل کا حال اہل محلہ جیسا ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال کی دلیل ماقبل میں بیان کردہ مسئلہ قبیلہ کے تحت ہم نے بیان کر دی ہے، لہذا یہاں اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔

وَلَوْ وَجَدَ الرَّجُلُ قَتِيلًا فِي دَارِ نَفْسِهِ فَدَيْتُهُ عَلَى عَاقِلَتِهِ لَوَرَّثَتْهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رحمۃ اللہ علیہ، وَقَالَ أَبُو يُونُسَ رحمۃ اللہ علیہ وَمُحَمَّدٌ رحمۃ اللہ علیہ وَزُفَرٌ رحمۃ اللہ علیہ لَا شَيْءَ فِيهِ، لِأَنَّ الدَّارَ فِي يَدِهِ حِينَ وَجَدَ الْجَرِيحَ فَيَجْعَلُ كَأَنَّهُ قَتَلَ نَفْسَهُ فَيَكُونُ هَدْرًا، وَلَهُ أَنَّ الْقَسَامَةَ إِنَّمَا تَجِبُ بِنَاءً عَلَى ظُهُورِ الْقَتْلِ وَلِهَذَا لَا يَدْخُلُ فِي الدِّيَةِ مَنْ مَاتَ قَبْلَ ذَلِكَ وَحَالَ ظُهُورِ الْقَتْلِ الدَّارُ لِلْوَرَثَةِ فَتَجِبُ عَلَى عَاقِلَتِهِمْ، بِخِلَافِ الْمُكَاتَبِ إِذَا وَجَدَ قَتِيلًا فِي دَارِ نَفْسِهِ، لِأَنَّ حَالَ ظُهُورِ قَتْلِهِ يَقِيتُ الدَّارَ عَلَى حُكْمِ مِلْكِهِ فَيَصِيرُ كَأَنَّهُ قَتَلَ نَفْسَهُ فَيُهْدَرُ دَمُهُ.

ترجمہ: اور اگر کوئی شخص اپنے گھر میں مقتول پایا جائے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کی دیت اس کے عاقلہ پر واجب ہوگی جو اس کے ورثاء کو ملے گی۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس میں کچھ نہیں واجب ہوگا، کیونکہ وجودِ زخم کے وقت وہ گھر اسی شخص کے قبضے میں ہے، تو ایسا ہو جائے گا گویا کہ اس نے خودکشی کی ہے، لہذا اس کا خون معاف ہوگا۔ حضرت امام عالی مقام رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ قسامت ظہورِ قتل پر بناء کرتے ہوئے واجب ہوتی ہے اسی لیے وہ شخص دیت میں داخل نہیں ہوتا جو ظہورِ قتل سے پہلے مر جاتا ہے اور ظہورِ قتل کے وقت گھر ورثاء کا ہے لہذا انہی کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی۔ برخلاف مکاتب کے جب وہ اپنے گھر میں مقتول پایا جائے، کیونکہ ظہورِ قتل کے وقت گھر اس کی ملکیت کے حکم پر باقی ہے تو ایسا ہو جائے گا گویا کہ اس نے خودکشی کی ہے لہذا اس کا خون معاف ہو جائے گا۔

اللغات:

﴿عاقلہ﴾ قریبی تعلق دار۔ ﴿ہدر﴾ بے فائدہ، بے بدلہ۔

اپنے ہی گھر میں پایا جانے والا مقتول:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر میں مقتول پایا گیا تو اس کی دیت واجب ہوگی یا نہیں؟ اس سلسلے میں حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کا مسلک یہ ہے کہ اس کی دیت اس کے عاقلہ (معاون برادری) پر واجب ہوگی اور مقتول کے ورثاء اس دیت کے مستحق ہوں گے، جب کہ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہم اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ اس مقتول کی دیت ہی نہیں واجب ہوگی اور اس

کا خون معاف ہوگا، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے (بنایہ) ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ جس وقت اس شخص کو زخمی کیا گیا ہے اس وقت گھر اسی کی ملکیت میں تھا تو گویا زخم اس کی ذات کی طرف مضاف ہوا اور یہ شخص خودکشی کرنے والا ہوا اور خودکشی کرنے والے کا خون رایگاں ہوتا ہے، لہذا اس کا خون بھی رایگاں ہوگا اور دیت وغیرہ واجب نہیں ہوگی۔

وله أن القسامة: صورت مسئلہ میں حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں مقتول کے عاقلہ پر دیت واجب ہے اور اس وجوب کی دلیل یہ ہے کہ قسامت و دیت کا وجوب قتل کے وجود اور ظہور پر مبنی اور مرتب ہوتا ہے اور اس سے پہلے جو حالت رہتی ہے اس حالت سے یہ وجوب متعلق نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ ظہور قتل سے پہلے اگر عاقلہ میں سے کوئی شخص مرجائے تو وہ شخص ادائے دیت سے بری ہو جاتا ہے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ قسامت و دیت کا وجوب قتل کے وجود اور ظہور پر مبنی ہوتا ہے اور صورت مسئلہ میں ظہور قتل کے وقت وہ دار و رثاء کا ہو چکا ہے، کیونکہ موت کے بعد انسان کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے اور وہ ملکیت و رثاء کی طرف منتقل ہو جاتی ہے، لہذا اس مقتول کی دیت و رثاء کے عاقلہ پر واجب ہوگی اور و رثاء کو ملے گی۔

اس کے برخلاف اگر کوئی مکاتب اپنے مکان میں مقتول ملے تو امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں بھی اس کا خون ہدر اور معاف ہوگا اور اس کے عاقلہ پر اس کی دیت واجب نہیں ہوگی، اس لیے کہ ظہور قتل کے وقت بھی مکاتب ہی اس مکان کا مالک ہے اور اس کی موت سے عقد کتابت باطل نہیں ہوا ہے، لہذا یہ شخص خودکشی کرنے والا ہے اور خودکشی کرنے والے کا خون ہدر ہوتا ہے، اس لیے اس کا خون بھی ہدر ہوگا۔

وَلَوْ أَنَّ رَجُلَيْنِ كَانَا فِي بَيْتٍ وَلَيْسَ مَعَهُمَا ثَالِثٌ فَوَجَدَ أَحَدُهُمَا مَذْبُوحًا قَالَ أَبُو يُونُسَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ يَضْمَنُ الْآخَرُ الدِّيَةَ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ لَا يَضْمَنُهُ، لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنَّهُ قَتَلَ نَفْسَهُ وَيَحْتَمِلُ أَنَّهُ قَتَلَهُ الْآخَرُ فَلَا يَضْمَنُهُ بِالشَّكِّ، وَلِأَبِي يُونُسَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ أَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّ الْإِنْسَانَ لَا يَقْتُلُ نَفْسَهُ فَكَانَ التَّوَهُّمُ سَاقِطًا كَمَا إِذَا وَجَدَ قَتِيلًا فِي مَحَلَّةٍ.

ترجمہ: اور اگر دو لوگ ایک گھر میں ہوں اور ان کے ساتھ کوئی تیسرا نہ ہو اور ان میں سے ایک شخص مذبوح پایا جائے تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دوسرا شخص دیت کا ضامن ہوگا۔ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دوسرا شخص ضامن نہیں ہوگا، کیونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ اس نے خودکشی کی ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ دوسرے نے اسے قتل کیا ہو، لہذا شک کی وجہ سے دوسرا ضامن نہیں ہوگا، حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ انسان خود کو قتل نہیں کرے گا، لہذا تو ہم ساقط ہو گیا جیسے اگر کسی محلے میں مقتول پایا جائے۔

اللغات:

﴿مذبوح﴾ ذبح کیا ہوا۔

: اپنے ہی گھر میں پایا جانے والا مقتول:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی گھر میں دو لوگ ہوں اور تیسرا کوئی نہ ہو پھر ان میں سے ایک شخص مذبوح یا مقتول ملے تو

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دوسرا شخص دیت کا ضامن ہوگا جب کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دوسرا شخص دیت کا ضامن نہیں ہوگا۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ وجوب دیت کے لیے قاتل کا معلوم و متعین ہونا ضروری ہے، اور یہاں قاتل معلوم نہیں ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے اس شخص نے خودکشی کی ہو یا ہو سکتا ہے اسے اس کے ساتھی نے قتل کیا ہو تو جب قاتل متعین نہیں ہے تو ظاہر ہے شک کی وجہ سے دوسرے شخص پر ضمان اور دیت کو واجب نہیں کیا جاسکتا۔

ولأبي يوسف رحمۃ اللہ علیہ الخ: حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ ایک مومن کا ظاہر حال یہی ہے کہ وہ خودکشی کرنے اور حرام موت اپنانے سے گریز کرے گا لہذا اس کے حق میں خودکشی کرنے کا احتمال اور وہم ساقط ہو جائے گا اور اس کے ساتھی کا قاتل ہونا متعین ہو جائے گا، لہذا اس پر دیت واجب ہوگی، جیسے اگر محلہ میں کوئی شخص مقتول پایا جائے تو اگرچہ اس کے خودکشی کرنے کا بھی احتمال ہے، مگر مومن کے ظاہر حال پر نظر کرتے ہوئے یہ احتمال ساقط ہے اور اہل محلہ پر اس مقتول کی دیت واجب ہے اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی مذہب کے ساتھی پر اس کی دیت واجب ہے۔

وَلَوْ وَجِدَ قَتِيلٌ فِي قَرْيَةٍ لِامْرَأَةٍ فَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رحمۃ اللہ علیہ وَمُحَمَّدٍ رحمۃ اللہ علیہ الْقَسَامَةُ عَلَيْهَا تَكْرَرُ عَلَيْهَا الْإِيمَانُ، وَالِدِيَّةُ عَلَى عَاقِلَتِهَا أَقْرَبُ الْقَبَائِلِ إِلَيْهَا فِي النَّسَبِ، وَقَالَ أَبُو يُونُسَ رحمۃ اللہ علیہ الْقَسَامَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ أَيْضًا، لِأَنَّ الْقَسَامَةَ إِنَّمَا تَجِبُ عَلَى مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّصْرَةِ، وَالْمَرْأَةُ لَيْسَتْ مِنْ أَهْلِهَا فَأُشْهِبَ الصَّبِيَّ، وَلَهُمَا أَنَّ الْقَسَامَةَ لِنَفْسِ التُّهْمَةِ، وَتُهْمَةُ الْقَتْلِ مِنَ الْمَرْأَةِ مُحَقَّقَةٌ، قَالَ الْمُتَأَخِّرُونَ إِنَّ الْمَرْأَةَ تَدْخُلُ مَعَ الْعَاقِلَةِ فِي التَّحْمَلِ فِي هَذِهِ الْمَسْئَلَةِ، لِأَنَّا أَنْزَلْنَاهَا قَاتِلَةً وَالْقَاتِلُ يُشَارِكُ الْعَاقِلَةَ.

ترجمہ: اور اگر کسی عورت کے گاؤں میں کوئی مقتول پایا جائے تو حضرات طرفین رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں قسامت عورت پر واجب ہوگی اور اہل پر قسمیں مکرر کی جائیں گی اور دیت عورت کے عاقلہ پر واجب ہوگی جو عورت کے نسب کے اعتبار سے قریبی قبیلے کے ہوں، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عاقلہ پر بھی قسامت واجب ہوگی، اس لیے کہ قسامت اسی پر واجب ہوتی ہے جو اہل نصرت میں سے ہو اور عورت اہل نصرت میں سے نہیں ہے، لہذا یہ بچے کے مشابہ ہوگئی۔

حضرات طرفین رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ قسامت تہمت دور کرنے کے لیے ہوتی ہے اور عورت کی جانب سے تہمت قتل متحقق ہے۔ متاخرین نے فرمایا کہ اس مسئلے میں محمل دیت کے حوالے سے عورت عاقلہ کے ساتھ شامل ہوگی، کیونکہ ہم نے اسے قاتل مانا ہے اور قاتل عاقلہ کے ساتھ شامل ہوتا ہے (دیت ادا کرنے میں)۔

اللَّغَاتُ:

﴿قَرْيَةٌ﴾ گاؤں۔ ﴿تَكَرَّرُ﴾ دہرائی جائے گی۔ ﴿إِيمَانٌ﴾ واحد یمین: قسم۔ ﴿عَاقِلَةٌ﴾ قریبی تعلق دار۔

کسی عورت کی جاگیر سے ملنے والا مقتول:

صورت مسئلہ عام نہیں ہے بلکہ اس عورت کے ساتھ خاص ہے جو کسی گاؤں کی ذمے دار یا پردھان ہو اور اس کی ماتحتی والے

گاؤں میں کوئی مقتول پایا جائے تو حضرات طرفین رضی اللہ عنہما کے یہاں اس ذمے دار عورت پر قسامت واجب ہوگی اور اس عورت کے قریب ترین نسب والوں پر اس مقتول کی دیت واجب ہوگی۔

حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کا فرمان یہ ہے کہ عورت پر کچھ نہیں واجب ہوگا بلکہ دیت کی طرح قسامت بھی اس کے عاقلہ پر واجب ہوگی، کیونکہ قسامت اسی شخص پر واجب ہوتی ہے جو نصرت و اعانت کا اہل ہو اور ما قبل میں یہ بات آچکی ہے کہ عورت نصرت کی اہل نہیں ہے، لہذا اس پر قسامت بھی واجب نہیں ہوگی اور جیسے نصرت کی اہل نہ ہونے کی وجہ سے بچہ پر قسامت نہیں ہے اسی طرح عورت پر بھی قسامت نہیں ہے، اس لیے کہ عورت بھی نصرت کی اہل نہیں ہے۔

ولهما أن القسامة الخ: یہ حضرات طرفین رضی اللہ عنہما کی دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قسامت کا وجوب نصرت کا اہل ہونے سے متعلق نہیں ہے، بلکہ قتل کی تہمت دور کرنے سے متعلق ہے اور عورت کی طرف سے چوں کہ قتل کی تہمت موجود ہے، کیونکہ وہ گاؤں کی ذمے دار ہے، اس لیے اس کی ذات سے تہمت قتل دور کرنے کے لیے اس پر قسامت واجب ہوگی اور فقہائے متاخرین نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ صورت مسئلہ میں عورت پر دیت بھی واجب ہوگی اور دیت کی ادائیگی میں وہ اپنے عاقلہ کی شریک ہوگی، کیونکہ یہاں اسے قاتل شمار کیا گیا ہے اور قاتل ادائیگی دیت میں عاقلہ کا شریک و سہم ہوتا ہے لہذا یہ عورت بھی اپنے عاقلہ کی شریک ہوگی۔

وَلَوْ وَجَدَ رَجُلٌ قَتِيلًا فِي أَرْضٍ رَجُلٍ إِلَى جَانِبِ قَرْيَةٍ لَيْسَ صَاحِبُ الْأَرْضِ مِنْ أَهْلِهَا قَالَ هُوَ عَلَى صَاحِبِ الْأَرْضِ، لِأَنَّهُ أَحَقُّ بِنُصْرَةِ أَرْضِهِ مِنْ أَهْلِ الْقَرْيَةِ.

ترجمہ: اور اگر کوئی شخص کسی گاؤں کے کنارے واقع کسی شخص کی زمین میں مقتول پایا گیا اور زمین والا اس گاؤں کا باشندہ نہیں ہے تو فرماتے ہیں کہ زمین والے پر دیت واجب ہوگی، کیونکہ اہل قریہ کی بہ نسبت زمین والا اپنی زمین کی نصرت کا زیادہ مستحق ہے۔

اللغات:

﴿قتیل﴾ مقتول۔ ﴿نصرت﴾ امداد، مدانت۔ ﴿قریہ﴾ بستی، گاؤں۔

کسی آدمی کی جاگیر سے ملنے والا مقتول:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی گاؤں کے کنارے کسی شخص کی زمین ہو لیکن مالک زمین اس گاؤں میں رہائش پذیر نہ ہو، بلکہ کسی دوسری جگہ رہتا ہو اور پھر اس زمین میں کوئی مقتول ملے تو اس مقتول کی دیت مالک زمین پر ہوگی اور اہل قریہ پر نہیں ہوگی، کیونکہ اہل قریہ کی بہ نسبت مالک زمین اپنی زمین کی حفاظت و نصرت کا زیادہ حق دار ہے، لہذا اس کی زمین میں ہونے والے جرائم کا ضمان اسی پر عائد ہوگا۔



کِتَابُ الْمَعَاقِلِ

أَمَى هَذَا كِتَابٌ فِي بَيَانِ أَهْلِ الْمَعَاقِلِ
یہ کتاب اہل معاقل کے بیان میں ہے

اس سے پہلے دیات کو بیان کیا گیا ہے اور اب یہاں سے من علیہم الدیات کو بیان کیا جا رہا ہے، معاقل کی مزید وضاحت خود صاحب کتاب نے کر دی ہے جسے آپ عبارت میں ملاحظہ فرمائیں۔

الْمَعَاقِلُ جَمْعُ مَعْقَلَةٍ وَهِيَ الدِّيَّةُ، وَتُسَمَّى الدِّيَّةُ عَقْلًا، لِأَنَّهَا تَعْقِلُ الدِّمَاءَ مِنْ أَنْ تُسْفِكَ أَى تُمْسِكَ.

ترجمہ: معاقل معقلہ کی جمع ہے اور وہ دیت ہے اور دیت کو عقل اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ خون کو بہائے جانے سے روک دیتی ہے۔

اللُّغَاتُ:

﴿معاقل﴾ واحد معقلۃ؛ دیات۔ ﴿تعقل﴾ روک دیتی ہے۔ ﴿دماء﴾ واحد دم؛ خون۔ ﴿تسفک﴾ بہایا جائے۔

معاقل کی لغوی تحقیق:

صاحب کتاب معاقل کا پوسٹ مارٹم کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ معقلہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں دیت اور دیت کو عقل اس لیے کہتے ہیں کہ دیت کی وجہ سے ناحق خون نہیں بہنے پاتا اور دم محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور عقل کی مشابہت اور مناسبت سے دیت ادا کرنے والوں کو عاقلہ کہا جاتا ہے۔

قَالَ وَالدِّيَّةُ فِي شِبْهِ الْعَمَدِ وَالْخَطَاءِ، وَكُلُّ دِيَّةٍ تَجِبُ بِنَفْسِ الْقَتْلِ عَلَى الْعَاقِلَةِ، وَالْعَاقِلَةُ الَّذِينَ يَعْقِلُونَ يَعْنِي يُؤَدُّونَ الْعَقْلَ وَهُوَ الدِّيَّةُ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي الدِّيَّاتِ، وَالْأَصْلُ فِي وَجُوبِهَا عَلَى الْعَاقِلَةِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَام فِي حَدِيثٍ حَمَلِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لِلْأَوَّلِيَاءِ قَوْمًا قَدُوهُ، وَلِأَنَّ النَّفْسَ مُحْتَرَمَةً لَا وَجْهَ إِلَى الْإِهْدَارِ، وَالْخَاطِئُ مُعْذُورٌ،

وَكَذَا الَّذِي تَوَلَّى شِبْهَ الْعَمَدِ نَظْرًا إِلَى الْأَلَةِ، فَلَا وَجْهَ إِلَى إِيْجَابِ الْعُقُوبَةِ عَلَيْهِ، وَفِي إِيْجَابِ مَالٍ عَظِيمٍ إِحْجَافُهُ وَاسْتِصْالُهُ فَيَصِيرُ عُقُوبَةٌ فَضَمَّ إِلَيْهِ الْعَاقِلَةُ تَحْقِيقًا لِلتَّخْفِيفِ، وَإِنَّمَا خُصُّوا بِالضَّمِّ لِأَنَّهُ إِنَّمَا قَصَرَ لِقُوَّةٍ فِيهِ وَتِلْكَ بِأَنْصَارِهِ وَهُمْ الْعَاقِلَةُ فَكَانُوا هُمُ الْمُقْصِرِينَ فِي تَرْكِهِمْ مُرَاقَبَتَهُ فَخُصُّوا بِهِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ شبہ عمد، خطا اور نفس قتل سے واجب ہونے والی ہر دیت عاقلہ پر واجب ہے، اور عاقلہ وہی لوگ ہیں جو دیت ادا کرتے ہیں۔ اور کتاب الدیات میں ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔ اور عاقلہ پر وجوب دیت میں آپ ﷺ کا وہ فرمان گرامی اصل ہے، جو آپ ﷺ نے حضرت حمل بن مالک رضی اللہ عنہ کے واقعے میں ان کے اولیاء سے فرمایا تھا ”جاؤ اور اس کی دیت ادا کرو“ اور اس لیے کہ نفس محترم ہے جسے ضائع کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور خا طی معذور ہے نیز آلہ کا اعتبار کرتے ہوئے شبہ عمد کا مرتکب بھی معذور ہے۔ لہذا اس پر عقوبت واجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اور زیادہ مال واجب کرنے میں اسے پریشانی میں مبتلا کرنا ہے اور اسے ہلاک کرنا ہے اس لیے یہ سزا ہو جائے گی، لہذا تخفیف ثابت کرنے کے لیے اس کے ساتھ عاقلہ کو ملا دیا جائے گا۔ اور عاقلہ کو ملانے کے ساتھ خاص کیا گیا ہے، کیونکہ قاتل نے اپنی قوت کی بنا پر کوتاہی کی ہے اور یہ قوت اسے اپنے معاونین سے حاصل ہوئی ہے اور معاونین عاقلہ ہیں، لہذا عاقلہ ہی اس کی نگہداشت ترک کر کے کوتاہی کرنے والے ہوئے، اس لیے یہی لوگ ضم کے ساتھ مختص کئے گئے ہیں۔

اللغات:

﴿عمد﴾ جان بوجہ کر۔ ﴿يعقلون﴾ دیت دیتے ہیں، روکتے ہیں۔ ﴿إحجاف﴾ پریشان کرنا۔ ﴿استيصال﴾ ہلاک کرنا۔ ﴿ضم﴾ ساتھ ملانا۔ ﴿قصر﴾ کوتاہی کی۔ ﴿مراقبة﴾ نگہداری۔

دیت کا وجوب کس پر ہوگا اور کب:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ نفس قتل سے ابتداء جو دیت واجب ہوتی ہے، اس کا وجوب قاتل کے عاقلہ پر ہوتا ہے۔ نفس قتل سے ابتداء کا مطلب یہ ہے کہ قتل خطا ہو یا قتل شبہ عمد ہو اور قتل عمد سے صلح نہ ہو اسی طرح قاتل باپ نہ ہو یعنی قتل عمد سے صلح اور قاتل کے مقتول کا باپ ہونے کی صورت میں واجب ہونے والی دیت خود قاتل کے مال میں واجب اور لازم ہوگی۔ البتہ ابتداء یعنی قتل خطا اور شبہ عمد کی دیت قاتل کی معاون برادری پر واجب ہوگی۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کا اہم جزء کتاب میں مذکور ہے۔ پورا واقعہ یہ ہے کہ حضرت حمل بن مالک بن نابغہ رضی اللہ عنہ کی دو بیویاں تھیں جن میں سے ایک حاملہ تھی، کسی بات پر حاملہ کو دوسری بیوی نے خیمے کی لکڑی سے مار دیا جس سے حاملہ کا حمل ساقط ہو گیا، اس پر آپ ﷺ نے ضاربہ کے اولیاء سے فرمایا: قُومُوا قَدْوَةً یعنی جاؤ اور اس کی دیت ادا کرو۔ اس فرمان گرامی سے یہ بات عیاں ہو گئی کہ قتل خطا اور قتل شبہ عمد کی دیت قاتل پر نہیں ہے، بلکہ اس کے عاقلہ پر ہے۔

ولأن النفس الخ: اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ انسان کا نفس باعزت اور محترم ہے اور اس نفس کے قتل کو اور اس خون کو

رایگاں اور ہدر نہیں کیا جاسکتا، لیکن دوسری طرف قتل خطا اور قتل شبہہ عمد میں قاتل بھی معذور ہوتا ہے اور وہ قتل کی نیت سے مقتول پر حملہ اور وار نہیں کرتا، اب ظاہر ہے کہ اگر ہم قاتل پر دیت واجب کریں گے تو اس کا دیوالیہ ہو جائے گا اور وہ قلاش و کنگال ہو جائے گا، لہذا قاتل خطی کو ہلاکت اور موت سے بچانے کے لیے ہم نے یہ دیت اس کے عاقلہ پر واجب کر دی تاکہ اس سے قاتل کو راحت مل جائے اور وہ سڑک کی زندگی گزارنے سے بچ جائے۔

وإنما خصوا الخ: رہا یہ سوال کہ عاقلہ کے علاوہ کسی اور پر بھی دیت واجب کر کے قاتل کو راحت بہم پہنچائی جاسکتی تھی، صرف عاقلہ ہی کو اس کام کے لیے خاص کیوں کیا گیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قاتل نے جو قتل خطا کا ارتکاب کیا ہے وہ اندورنی طاقت اور قوت کی بنیاد پر کیا گیا ہے اور اسے یہ طاقت اپنے عاقلہ اور اپنی برادری کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے، لہذا خود عاقلہ اس قتل کے ذمے دار ہیں کہ انھوں نے اپنے ایک آدمی کو آزاد چھوڑ دیا اور اس کی حفاظت و نگہداشت سے غافل ہو گئے، اس لیے ان کے اپنے قبیلے اور اپنی جماعت کے آدمی کا جرم خود ان کا جرم شمار ہوگا اور دیت کی شکل میں ان پر اس کا ضمان واجب ہوگا۔

قَالَ وَالْعَاقِلَةُ أَهْلُ الدِّيَّانِ إِنْ كَانَ الْقَاتِلُ مِنْ أَهْلِ الدِّيَّانِ يُؤْخَذُ مِنْ عَطَايَاهُمْ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ، وَأَهْلُ الدِّيَّانِ أَهْلُ الرِّايَاتِ وَهُمْ الْجَيْشُ الَّذِينَ كُتِبَتْ أَسْمَائُهُمْ فِي الدِّيَّانِ وَهَذَا عِنْدَنَا، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ الدِّيَّةُ عَلَى أَهْلِ الْعَشِيرَةِ، لِأَنَّهُ كَانَ كَذَلِكَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَلَا تَسْخُ بَعْدَهُ، وَلِأَنَّهُ صَلََّةٌ وَالْأَوَّلَى بِهَا الْأَقَارِبُ، وَلَنَا قَضِيَّةٌ عُمَرُ بْنُ الْعَدَاوَيْنِ جَعَلَ الْعَقْلَ عَلَى أَهْلِ الدِّيَّانِ، وَكَانَ ذَلِكَ بِمَحْضَرٍ مِنَ الصَّحَابَةِ مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ مِنْهُمْ، بَلْ هُوَ تَقْرِيرٌ مَعْنَى، لِأَنَّ الْعَقْلَ كَانَ عَلَى أَهْلِ النُّصْرَةِ وَقَدْ كَانَتْ بَانَوَاعٍ بِالْقَرَابَةِ وَالْحَلْفِ وَالْوَلَاءِ وَالْعَهْدِ، وَفِي عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَدْ صَارَتْ بِالدِّيَّانِ فَجَعَلَهَا عَلَى أَهْلِهَا اتِّبَاعًا لِلْمَعْنَى.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ عاقلہ اہل دیوان ہیں اگر قاتل اہل دیوان سے ہو چنانچہ ان کے عطایا میں سے تین سالوں میں دیت وصول کی جائے گی۔ اور اہل دیوان جھنڈے والے ہیں اور وہ لشکری ہیں جن کے نام رجسٹروں میں درج ہیں اور یہ (تفصیل اور حکم) ہمارے یہاں ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دیت خاندان والوں پر واجب ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ کے زمانے میں ایسا ہی تھا اور آپ ﷺ کے بعد نسخ کا احتمال نہیں ہے، اور اس لیے کہ دیت صلہ ہے اور اقارب صلہ کے زیادہ لائق ہیں۔

ہماری دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہے چنانچہ جب آپ رضی اللہ عنہ نے رجسٹر مدون کیا تو دیت کو اہل دیوان پر مقرر فرمادیا اور یہ حضرات صحابہ کرام کی موجودگی میں ہوا تھا اور ان حضرات کی جانب سے اس پر نکیر نہیں کی گئی تھی۔ اور یہ نسخ نہیں ہے، بلکہ معنایا ثبات ہے، اس لیے کہ دیت اہل نصرت پر واجب ہے اور نصرت کی مختلف صورتیں ہیں۔ قرابت کی وجہ سے، معاہدہ کی وجہ سے، ولاء کی وجہ سے، شمار کر لینے کی وجہ سے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں نصرت بالدیوان ہو گئی تھی، لہذا معنی کی اتباع کرتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ نے

اہل دیوان پر دیت لازم فرمادی تھی۔

اللغات:

اہل الدیوان ﴿باضابطہ سرکاری ملازم۔ ﴿روایات ﴿واحد رایتہ؛ جھنڈے۔ ﴿جیش ﴿فوج۔ ﴿اسامی ﴿واحد اسم؛ اسماء، نام۔ ﴿عشیرہ ﴿خاندان۔ ﴿نکیر ﴿انکار۔ ﴿قرباہہ ﴿رشتہ داری۔ ﴿حلف ﴿حلیف ہونا۔ ﴿ولاء ﴿موالات۔ ﴿عہد ﴿معاہدہ۔

عاقلہ کی تعریف:

اس سے پہلے یہ بیان کیا گیا ہے کہ قتل خطاً اور قتل شبہہ عمد میں قاتل کے عاقلہ پر دیت واجب ہوتی ہے۔ صاحب کتاب نے اس عبارت میں یہی واضح کیا ہے کہ عاقلہ کون لوگ ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں عاقلہ سے اہل دیوان یعنی وہ لوگ مراد ہیں جن کے نام سرکاری رجسٹروں میں درج ہوتے ہیں اور یہ رجسٹر قبیلہ اور خاندان کے حساب اور ترتیب سے بنائے جاتے ہیں اور جس شخص کا نام جس رجسٹر اور جس لسٹ میں ہوتا ہے اس میں درج شدہ نام والے ممبران اس کے عاقلہ ہوتے ہیں اور اس رجسٹر کے ممبران میں سے اگر کوئی ممبر قتل خطاً یا قتل شبہہ عمد کا ارتکاب کرتا ہے تو بقیہ ممبران پر اس کی دیت ادا کرنا لازم ہوتا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں قاتل کی دیت اس کے خاندان والوں پر واجب ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ کے زمانے میں یہی طریقہ رائج تھا چنانچہ حضرت شعبی نے یہ حدیث نقل کی ہے جعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عقل قریش علی قریش وعقل الأنصار علی الأنصار یعنی آپ ﷺ نے قریش کی دیت قریش پر اور انصار کی دیت انصار پر متعین فرمائی ہے اور چوں کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہے، اس لیے اس میں نسخ وغیرہ کا احتمال بھی نہیں ہے اور یہ بات طے ہے کہ قاتل کی دیت اس کے خاندان والوں پر واجب ہے۔

ولأنه صلة الخ: حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی عقلی دلیل یہ ہے کہ دیت صلہ رحمی کے طور پر عاقلہ ادا کرتے ہیں اور صلہ رحمی کے زیادہ لائق اور حق دار انسان کے اقارب ہوتے ہیں اور اقارب میں خاندان کے لوگ سب سے مقدم ہیں، لہذا اس حوالے سے بھی دیت انہی پر واجب ہوگی اور وہی لوگ اسے ادا کریں گے۔

ولنا قضية عمر الخ: ہمارے یہاں عاقلہ سے اہل دیوان مراد ہیں، اس پر ہماری دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ فیصلہ ہے جو آپ نے صحابہ کرام کی موجودگی میں صادر فرمایا تھا اور رجسٹر مدون و مرتب کرا کے اہل دیوان پر دیت مقرر فرمادی تھی اور چوں کہ یہ کام حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں انجام پذیر ہوا تھا اس لیے اس نے اجماع کی شکل اختیار کر لی تھی اور اجماع حج شرعیہ میں سے ایک حجت ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ عہد نبوی کے فرمان کے لیے نسخ نہیں تھا، بلکہ معنایاً اس کا اثبات تھا، کیونکہ وجوب دیت کا دار و مدار اہل نصرت ہونے پر ہے اور نصرت کی کئی قسمیں ہیں (۱) نصرت بالقرباہ (۲) نصرت بالکلف جو نصرت کا معاہدہ کر لینے سے ثابت ہوتی ہے (۳) نصرت بالواء یعنی اعتاق اور آزادی کے ذریعے حاصل ہونے والی نصرت (۴) نصرت بالعہد یعنی ایک ساتھ کسی قوم میں رہنے کی وجہ سے ثابت ہونے والی نصرت اور چوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں نصرت بالدیوان

تحقق تھی، اس لیے انھوں نے اہل دیوان پر نصرت واجب و لازم کر دی، لہذا آپ رضی اللہ عنہ کا یہ عمل فرمان نبوی کے لیے نسخ نہیں ہے، بلکہ اس کی تمام اقسام و انواع کو شامل اور جامع ہے اور ارشاد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم مبارک کا معنی اتباع ہے۔

وَلِهَذَا قَالُوا لَوْ كَانَ الْيَوْمَ قَوْمٌ تَنَاصَرُهُمْ بِالْحِرَفِ فَعَاقَلْتُهُمْ أَهْلُ الْحِرَفَةِ، وَإِنْ كَانَ بِالْحِلْفِ فَأَهْلُهُ، وَالِدِيَّةُ صَلَٰةٌ لِّكِنْ يُجَابَهَا فِيمَا هُوَ صَلَٰةٌ وَهُوَ الْعَطَاءُ أَوَّلَىٰ مِنْهُ فِي أُصُولِ أُمُورِهِمْ، وَالتَّقْدِيرُ بِثَلَاثِ سِنِينَ مَرُويٌّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَمَحْكِيٌّ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، وَلَٰنَّ الْأَخْذَ مِنَ الْعَطَاءِ لِلتَّخْفِيفِ، وَالْعَطَاءُ يَخْرُجُ فِي كُلِّ سَنَةٍ مَرَّةً وَاحِدَةً.

ترجمہ: اسی لیے حضرات فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر آج کوئی ایسی قوم ہو جس کا تناصر پیشی کی بنیاد پر ہو تو اہل پیشہ اس کے عاقلہ ہوں گے۔ اور اگر معاہدہ کی بنیاد پر تناصر ہو تو اہل معاہدہ اس کے عاقلہ ہوں گے۔ اور دیت صلہ تو ہے، لیکن اسے اس مال میں واجب کرنا جو صلہ ہے یعنی عطاء، اس مال میں واجب کرنے سے زیادہ بہتر ہے جو ان کے اصل اموال ہیں۔

اور تین سالوں کا اندازہ نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ اور اس لیے کہ عطایا لینا تخفیف کی وجہ سے ہے اور عطاء سال میں ایک مرتبہ نکالی جاتی ہے۔

اللَّغَاتُ:

﴿تناصر﴾ باہمی امداد، آپس کی مدافعت، باہمی تقویت۔ ﴿حرف﴾ پیشے۔ ﴿حلف﴾ حلیف ہونا۔ ﴿تقدیر﴾ مقرر کرنا۔ ﴿تخفیف﴾ آسانی کرنے کے لیے۔

عاقلہ کی تعریف:

صاحب کتاب رحمہ اللہ احناف کے مسلک و مذہب کو مزید تقویت دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ماقبل میں بیان کردہ صورتوں پر کے علاوہ باہمی تعاون اور نصرت کی اور بھی شکلیں اور صورتیں ہو سکتی ہیں، چنانچہ اگر کچھ لوگوں کے درمیان حرفت اور پیشہ کی بنیاد پر نصرت و حمایت کا رواج ہو تو وہ لوگ اسی پیشے کی وجہ سے ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہوں گے، یا معاہدے اور ولاء کی بنیاد پر باہمی تعاون کا عہد ہو تو اس وجہ سے معاہدہ کرنے والے ایک دوسرے کے کام آئیں گے۔ اور دیت ادا کرنا یقیناً صلہ ہے، لیکن اس صلہ کو اس مال میں واجب کرنا جو صلہ کے قابل ہو زیادہ بہتر ہے، لہذا ہم نے اسے عاقلہ کے اصل مال میں واجب کرنے کے بجائے عطایا میں واجب کیا ہے اور چوں کہ عطایا سال میں ایک مرتبہ نکالے جاتے ہیں، لہذا صلہ کو اس میں واجب کرنا زیادہ بہتر ہے۔

والتقْدِيرُ بِثَلَاثِ سِنِينَ الخ: فرماتے ہیں کہ ہم نے عاقلہ پر جو تین سالوں میں قسط واردیت واجب کی ہے تین سالوں کی یہ تقدیر اور تقصیط حضرت نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور چوں کہ عطایا میں سے دیت کا وجوب تخفیف ثابت کرنے کے لیے ہے اور تخفیف اسی صورت میں متحقق ہوگی جب دیت تین سالوں میں ادا کی جائے، اس لیے اس حوالے سے بھی قسط واردیت واجب کی گئی ہے۔

فَإِنْ خَرَجَتِ الْعَطَايَا فِي أَكْثَرِ مِنْ ثَلَاثَةٍ أَوْ أَقَلَّ أَخَذَ مِنْهَا لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ وَتَأْوِيلُهُ إِذَا كَانَتِ الْعَطَايَا لِلسَّنِينَ الْمُسْتَقْبَلَةِ بَعْدَ الْقَضَاءِ، حَتَّى لَوْ اجْتَمَعَتْ فِي السَّنِينَ الْمَاضِيَةِ قَبْلَ الْقَضَاءِ ثُمَّ خَرَجَتْ بَعْدَ الْقَضَاءِ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا، لِأَنَّ الْوُجُوبَ بِالْقَضَاءِ عَلَى مَا نُبَيِّنُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى.

ترجمہ: پھر اگر عطایا تین سالوں میں سے زائد میں یا اس کے کم میں نکلے تو بھی مقصود حاصل کرنے کے لیے دیت عطایا میں سے ہی وصول کی جائے گی۔ اور امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تاویل یہ ہے کہ جب قضاے قاضی کے بعد آئندہ سالوں کی عطایا ہو یہاں تک کہ اگر قضاے قاضی سے پہلے گزشتہ سالوں کی عطایا جمع ہو جائیں پھر قضاے قاضی کے بعد نکلیں تو ان میں سے دیت نہیں لی جائے گی، کیونکہ وجوب قضا کی وجہ سے ہے اس تفصیل کے مطابق جسے ہم ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

اللغات:

﴿عطایا﴾ بخوابیں۔ ﴿ماضیہ﴾ گزرے ہوئے۔

تین سال کی مدت کی حیثیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ دیت بہر حال عطایا سے وصول کی جائے گی خواہ عاقلہ کے عطایا تین سالوں سے زائد میں نکلیں یا اس سے کم میں، چنانچہ اگر تین کے بجائے پانچ سالوں میں عطایا نکلیں تو اسی تناسب سے دیت کی قسط لگے گی اور اگر عطایا تین سالوں سے کم میں نکل گئے تو پھر کم میں دیت وصول کی جائے گی، کیونکہ مقصود اصلی تو دیت کا حصول اور وصول ہے لہذا اصل مقصود یعنی حصول دیت پر نظر رکھی جائے اور قسط کی تعداد کے کم یا زیادہ ہونے کی پرواہ نہ کی جائے۔

وتأويله الخ: فرماتے ہیں کہ ما قبل میں امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے يؤخذ من عطایا ہم فی ثلاث سنین کی عبارت میں ثلاث سنین مطلق ذکر کیا ہے اور سنین ماضیہ یا سنین مستقبلہ کی کوئی قید نہیں لگائی ہے۔ صاحب ہدایہ علیہ الرحمہ اسی مطلق کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ثلاث سنین سے قضاے قاضی کے بعد والے تین سال مراد ہیں یعنی جب قاضی عاقلہ اور اہل دیوان پر دیت کی ادائیگی کا فیصلہ صادر فرمادے تو اس فیصلے کے بعد تین سالوں میں ان سے دیت وصول کی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر قضاے قاضی سے پہلے کئی سالوں کے عطایا جمع ہوں اور پھر قضاے قاضی کے بعد عطایا نکلے تو اب ان میں سے دیت نہیں نکالی جائے گی، کیونکہ وجوب دیت کا انحصار اور مدار قضاے قاضی پر ہے اور ان عطایا میں قضاے قاضی مفقود ہے۔

وَلَوْ خَرَجَ لِلْقَابِلِ ثَلَاثُ عَطَايَا فِي سَنَةٍ وَاحِدَةٍ مَعْنَاهُ فِي الْمُسْتَقْبَلِ يُؤْخَذُ مِنْهَا كُلُّ الدِّيَةِ لِمَا ذَكَرْنَا، وَإِذَا كَانَ جَمِيعُ الدِّيَةِ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ فَكُلُّ ثُلُثٍ مِنْهَا فِي سَنَةٍ وَإِنْ كَانَ الْوَاجِبُ بِالْفِعْلِ ثُلُثُ دِيَةِ النَّفْسِ أَوْ أَقَلُّ كَانَ فِي سَنَةٍ وَاحِدَةٍ وَمَازَادَ عَلَى الثُّلُثِ إِلَى تَمَامِ الثَّلَاثِينَ فِي السَّنَةِ الثَّانِيَةِ وَمَازَادَ عَلَى ذَلِكَ إِلَى تَمَامِ الدِّيَةِ فِي السَّنَةِ الثَّالِثَةِ.

ترجمہ: اور اگر قاتل کے لیے ایک ہی سال میں تین عطا یا نکل جائیں یعنی مستقبل میں تو ان میں سے پوری دیت لی جائے گی، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اگر پوری دیت تین سالوں میں ہو تو دیت کا ثلث ایک سال میں ہوگا۔ اور اگر واجب بالفعل نفس کی ثلث دیت ہو یا اس سے کم ہو تو وہ ایک سال میں ہوگا اور ایک ثلث سے دو ثلث مکمل ہونے تک جو مقدار زائد ہو وہ دوسرے سال میں ہوگی اور جو اس سے زائد ہو دیت پوری ہونے تک وہ تیسرے سال میں ہوگی۔

تین تنخواہوں کے جلدی وصول ہونے کی صورت:

عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر اہل دیوان نے قضائے قاضی کے بعد پیشگی تین سالوں کے عطایا نکال لیے تو اب انھی عطایا سے پوری دیت وصول کر لی جائے گی اور تین سالوں میں اس کی وصولیابی محیط نہیں ہوگی، کیونکہ مقصود اصلی دیت کا حصول ہے اور وہ یکمشت حاصل ہو گیا ہے اور اگر یکمشت اداء کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، اس لیے کہ صاحب شریعت حضرت محمد ﷺ نے عاقلہ کو تین سالوں میں دیت ادا کرنے کا اختیار دیا ہے۔

وإذا كان الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر قاتل پر ارش واجب ہو یعنی مادیون النفس سے کم کو ہلاک کرنے کا ضمان ہو اور اس ارش کی مقدار دیت کا ایک تہائی یا اس سے زائد ہو تو وہ ایک سال میں اداء کرنا ہوگا اور جو مقدار اس سے زائد ہو اور دیت کے دو ثلث تک ہو اس کی ادائیگی دوسرے سال میں ہوگی اور جو اس سے زائد ہو اور دیت کے تین ثلث تک ہو اس کی ادائیگی تیسرے سال میں ہوگی جیسا کہ یہی دیت کا اصول ہے۔

وَمَا وَجَبَ عَلَى الْعَاقِلَةِ مِنَ الدِّيَةِ أَوْ عَلَى الْقَاتِلِ بَأَن قَتَلَ الْآبُ إِنَّهُ عَمْدًا فِي مَالِهِ فَهُوَ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ مَا وَجَبَ عَلَى الْقَاتِلِ فِي مَالِهِ فَهُوَ حَالٌ، لِأَنَّ التَّاجِيلَ لِلتَّخْفِيفِ لِتَحْمِلِ الْعَاقِلَةِ فَلَا يُلْحَقُ بِهِ الْعَمْدُ الْمُحْضُ، وَلَنَا أَنَّ الْقِيَاسَ يَأْبَاهُ وَالشَّرْعُ وَرَدَ بِهِ مُوجَلًا فَلَا يَتَعَدَّاهُ.

ترجمہ: اور وہ دیت جو عاقلہ پر واجب ہے یا قاتل پر واجب ہے بایں طور کہ باپ نے اپنے بیٹے کو عداً قتل کیا ہو تو وہ (ہمارے یہاں) قاتل کے مال میں تین سالوں میں واجب ہوگی۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قاتل کے مال میں واجب ہونے والی دیت فی الحال واجب ہوگی، کیونکہ عاقلہ کے قتل کرنے کی وجہ سے بر بنائے تخفیف تعجیل ثابت ہے لہذا عمد محض کو اس کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ قیاس وجوب مال کا منکر ہے اور شریعت مال کو مؤجل واجب کرنے کے ساتھ وارد ہوئی ہے لہذا یہ ایجاب ماورد بہ الشرع سے متعدی نہیں ہوگا۔

اللغات:

﴿حَالٌ﴾ فوری۔ ﴿تَّاجِيلٌ﴾ مؤخر کرنا، مدت مقرر کرنا۔ ﴿يَأْبَاهُ﴾ اس کی مخالفت کرتا ہے۔ ﴿مُوجَلٌ﴾ ایک مدت پر موقوف۔

قاتل کے ذمے واجب ہونے والی دیت کی مدت ادائیگی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں دیت کی ادائیگی تین سالوں میں ہے خواہ دیت عاقل پر ہو یا قاتل پر مثلاً اگر باپ جان بوجھ کر اپنے بیٹے کو قتل کر دے تو اب اس قتل کی دیت خود قاتل باپ پر واجب ہوگی اور عاقلہ پر واجب ہونے والی دیت کی طرح اس کی ادائیگی بھی تین سالوں میں ہوگی۔ لیکن امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قاتل کے مال میں واجب ہونے والی دیت فی الحال اور فی الفور واجب و لازم ہوگی اور اس میں تاخیر و تاخیر تحقق نہیں ہوگی، کیونکہ عاقلہ کے حق میں برہنہ یا تخفیف تاخیر ثابت ہے کہ عاقلہ مجرم نہیں ہوتے اور صلہ رحمی کے طور پر دیت ادا کرتے ہیں جب کہ قاتل خود مجرم ہوتا ہے اس لیے اسے آئندہ جرم سے باز رکھنے کے لیے عہد محض کو اس کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس پر فی الحال اور فوری دیت واجب کی جائے گی اور اس میں تاخیر نہیں روا رکھی جائے گی۔

ولنا ان القیاس الخ: اس سلسلے میں ہماری دلیل یہ ہے کہ قتل نفس کے بدلے مال کا وجوب خلاف قیاس ہے، کیونکہ نفس اور مال میں کوئی مناسبت اور مطابقت نہیں ہے، لیکن نفس محترم کو ضیاع سے بچانے کے لیے اس کے عوض مال واجب کیا گیا ہے اور چون کہ یہ مال قتل خطا میں موجد بن کر واجب ہوا ہے، اس لیے قتل عمد میں بھی یہ موجد ہی واجب ہوگا اور موجد نہیں ہوگا، کیونکہ ضابطہ یہ ہے کہ مائبت علی خلاف القیاس لا یتعدی الی غیرہ۔

وَلَوْ قَتَلَ عَشْرَةَ رَجُلًا خَطَاً فَعَلَى كُلِّ وَاحِدٍ عَشْرُ الدِّيَةِ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ اِعْتِبَارًا لِلْجُزْءِ بِالْكُلِّ اِذْ هُوَ بَدَلُ النَّفْسِ، وَ اِنَّمَا يُعْتَبَرُ مُدَّةُ ثَلَاثِ سِنِينَ مِنْ وَقْتِ الْقَضَاءِ بِالدِّيَةِ، لِأَنَّ الْوَاجِبَ الْأَصْلِيَّ الْمِثْلُ وَالتَّحَوُّلُ إِلَى الْقِيَمَةِ بِالْقَضَاءِ فَيُعْتَبَرُ اِبْتِدَاؤُهَا مِنْ وَقْتِهِ كَمَا فِي وَلَدِ الْمَغْرُورِ.

ترجمہ: اور اگر دس لوگوں نے ایک شخص کو خطا قتل کیا تو ان میں سے ہر ایک پر تین سالوں میں دیت کا دسواں حصہ واجب ہے جزاء کو کل پر قیاس کرتے ہوئے، اس لیے کہ یہ نفس کا بدلہ ہے، اور تین سالوں کی مدت قضاء بالدیت کے وقت سے معتبر ہوگی، کیونکہ واجب اصلی مثل ہے اور قیمت کی طرف منتقل ہونا بذریعہ قضاء ہوتا ہے لہذا مدت کی ابتداء وقت قضاء سے معتبر ہوگی جیسے مغرور کے بچے میں ہے۔

اللغات:

﴿عشر﴾ دسواں حصہ۔ ﴿تحول﴾ پھرنا، بدلنا۔ ﴿مغرور﴾ دھوکہ دیا گیا۔

قاتلین کی کثرت کی صورت میں دیت کی مدت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر دس لوگوں نے خطا کسی شخص کو قتل کر دیا تو ان سب پر دیت کا دسواں حصہ واجب ہوگا اور اس حصے کی ادائیگی بھی قسط وار تین سالوں میں ہوگی، کیونکہ عشر دیت بھی کل دیت کی طرح نفس کا بدلہ ہے اور کل دیت تین سالوں میں ادا کی جاتی ہے، لہذا کل پر جزاء کو قیاس کرتے ہوئے عشر دیت کی ادائیگی بھی تین سالوں میں ہوگی۔

وانما يعتبر الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ کل دیت کی طرح عشر دیت کے وقت کی ابتداء بھی قاضی کے فیصلہ دیت کے بعد ہی ہوگا یعنی جب قاضی تمام مجرمین پر دیت کا فیصلہ کر دے گا اس کے بعد سے تین سالوں کی مدت میں مذکورہ دیت کا ادا کرنا معتبر ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس کے عوض اصل واجب تو مثل یعنی نفس ہے، لیکن قتل خطا میں نفس کے عوض دیت کی شکل میں مال واجب کیا گیا ہے اور مال کا وجوب قضائے قاضی سے ہوگا، لہذا اس وجوب کی مدت بھی قضائے قاضی کے بعد سے معتبر ہوگی۔

كما في ولد المغرور الخ: صاحب کتاب اس مسئلے کو ایک مثال سے واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جیسے کسی عورت نے کسی مرد سے نکاح کیا اور خود کو آزاد بتلایا اور اس مرد سے اس کے بچے بھی ہوئے پھر دوسرے شخص نے اس پر اپنی باندی ہونے کا دعویٰ کر کے اسے واپس لے لیا تو اس کے بچے ولد المغرور دھوکہ دیئے ہوئے شخص کے بچے ہوں گے اور وہ آزاد ہوں گے، لیکن اس مغرور کو ان بچوں کی قیمت دینی پڑے گی اور اسی دن کی قیمت معتبر ہوگی جس دن اس شخص کے مغرور ہونے اور ان بچوں کے ولد المغرور ہونے کا فیصلہ ہوگا تو جس طرح ولد المغرور میں یوم القضاء والی قیمت معتبر ہے اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی یوم القضاء سے تین سال کی مدت کا آغاز ہوگا۔

قَالَ وَمَنْ لَمْ يَكُنْ مِنْ أَهْلِ الدِّيَّانِ فَعَاقِلَتُهُ قَبِيلَتُهُ، لِأَنَّهُ نُصِرَتْ بِهِمْ وَهِيَ الْمُعْتَبَرَةُ فِي التَّعَاقُلِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جو شخص اہل دیوان میں سے نہ ہو تو اس کا قبیلہ اس کا عاقلہ ہے، کیونکہ اس کی نصرت انہی کی وجہ سے ہے اور عاقلہ ہونے میں نصرت ہی معتبر ہے۔

اللغات:

﴿تعاقل﴾ آپس میں دیتوں کی ادائیگی۔

غیر اہل دیوان کا عاقلہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اہل دیوان میں سے نہ ہو تو اس کے قبیلے اور برادری والے اس کے عاقلہ ہوں گے، کیونکہ اہل قبیلہ ہی پر ان کی نصرت کا مدار ہے اور عاقلہ ہونے میں یہی نصرت معتبر ہے لہذا یہی انصار اس کے عاقلہ ہوں گے۔

قَالَ وَتُقَسَّمُ عَلَيْهِمْ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ لَا يَزَادُ الْوَاحِدُ عَلَى أَرْبَعَةِ دَرَاهِمَ فِي كُلِّ سَنَةٍ وَيَنْقُصُ مِنْهَا، قَالَ ﷺ كَذَا ذَكَرَهُ الْقُدُورِيُّ فِي مُحْتَصَرِهِ، وَهَذَا إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّهُ يَزَادُ عَلَى أَرْبَعَةٍ مِنْ جَمِيعِ الدِّيَةِ وَقَدْ نَصَّ مُحَمَّدٌ ﷺ عَلَى أَنَّهُ لَا يَزَادُ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْ جَمِيعِ الدِّيَةِ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ عَلَى ثَلَاثَةٍ أَوْ أَرْبَعَةٍ فَلَا يُؤْخَذُ مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ فِي كُلِّ سَنَةٍ إِلَّا دِرْهَمًا أَوْ دِرْهَمًا وَثُلُثَ دِرْهَمٍ وَهُوَ الْأَصَحُّ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اہل قبیلہ پر تین سالوں میں دیت تقسیم کی جائے گی، ہر سال ایک شخص سے چار درہم سے زائد نہیں لیا جائے گا۔ اور چار سے کم کیا جاسکتا ہے۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ امام قدوری رحمہ اللہ نے اپنی مختصر میں ایسا ہی بیان کیا ہے اور یہ اس

بات کی طرف اشارہ ہے کہ پوری دیت میں سے چار درہموں پر اضافہ کیا جاسکتا ہے جب کہ امام محمد رحمہ اللہ نے اس بات کی صراحت فرمادی ہے کہ پوری دیت میں سے ایک شخص پر تین سالوں میں تین یا چار درہم پر اضافہ نہیں کیا جائے گا، لہذا ہر ایک سے ہر سال صرف ایک درہم یا ایک درہم اور تہائی درہم ہی لیا جائے گا اور یہی اصح ہے۔

دیت میں وصول کی جانے والی سالانہ مقدار:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب اہل قبیلہ پر دیت تقسیم کی جائے گی تو اس بات کا خاص خیال رکھا جائے گا کہ ان میں سے ہر شخص سے سالانہ چار درہم یا اس سے کم ہی وصول کیا جائے اور چار درہم سے زیادہ کی وصولیابی نہ کی جائے۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں امام قدوری علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب میں یونہی بیان کیا ہے اور اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ تین سالوں میں سے کسی سال میں ہر ایک سے چار سے زائد درہم لئے جاسکتے ہیں، اس لیے کہ امام قدوری رحمہ اللہ نے سترہ واحدہ میں اضافے کی نفی کی ہے نہ کہ سنین ثلاثہ میں، حالانکہ یہ نفی حضرت امام محمد رحمہ اللہ کی بیان کردہ تصریح کے خلاف ہے، کیونکہ امام محمد رحمہ اللہ نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ ہر ممبر سے تینوں سالوں میں تین یا چار درہم سے زیادہ نہیں وصول کیا جاسکتا۔ اس حوالے سے ہر ممبر سے ہر سال صرف ایک درہم یا ایک درہم اور لیس ہی وصول کیا جاسکتا ہے، حضرات فقہاء نے امام محمد رحمہ اللہ کی اس صراحت اور وضاحت کو اصح فرمایا ہے اور اسی کو پسند بھی کیا ہے۔

قَالَ وَ إِنْ لَمْ تَكُنْ تَتَسَعُ الْقَبِيلَةُ لِذَلِكَ ضَمَّ إِلَيْهِمْ أَقْرَبُ الْقَبَائِلِ، مَعْنَاهُ نَسَبًا، كُلُّ ذَلِكَ لِمَعْنَى التَّخْفِيفِ وَيُضَمُّ الْأَقْرَبُ فَلَا اقْرَبُ عَلَى تَرْتِيبِ عَصَبَاتِ الْإِخْوَةِ ثُمَّ بَنُوهُمْ ثُمَّ الْأَعْمَامُ ثُمَّ بَنُوهُمْ. وَأَمَّا الْأَبَاءُ وَالْأَبْنَاؤُ فَفَقِيلٌ يَدْخُلُونَ لِقُرْبِهِمْ، وَقِيلٌ لَا يَدْخُلُونَ، لِأَنَّ الضَّمَّ لِنَفْسِ الْحَرَجِ حَتَّى لَا يُصِيبَ كُلُّ وَاحِدٍ أَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثَةِ أَوْ أَرْبَعَةٍ، وَهَذَا الْمَعْنَى إِنَّمَا يَتَحَقَّقُ عِنْدَ الْكُثْرَةِ، وَالْأَبَاءُ وَالْأَبْنَاؤُ لَا يَكْثُرُونَ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر قبیلہ (ادائے دیت کے لیے) وسیع نہ ہو تو ان کے ساتھ قریب ترین قبائل کو شامل کر دیا جائے گا، یعنی وہ قبیلہ جو نسب کے اعتبار سے اقرب ہو۔ یہ چیزیں تخفیف کی وجہ سے ہیں، اور اس میں عصبات کی ترتیب کے مطابق اقرب فالاقرب کو ملا یا جائے گا، چنانچہ سب سے پہلے بھائی ہیں پھر بھتیجے ہیں پھر چچا ہیں پھر چچا کے لڑکے ہیں۔

رہے باپ اور بیٹے تو ایک قول یہ ہے کہ قرابت کی وجہ سے وہ عاقلہ میں داخل ہوں گے اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ داخل نہیں ہوں گے، اس لیے کہ ملانا حرج دور کرنے کے لیے ہے تاکہ ہر ایک کو تین یا چار سے زائد نہ پہنچے۔ اور یہ معنی کثرت کے وقت متحقق ہوتے ہیں اور آباء و ابناء کثیر نہیں ہوتے۔

اللغات:

﴿تسع﴾ وسعت نہ رکھتا ہو۔ ﴿ضم﴾ ملا یا جائے گا۔ ﴿تخفیف﴾ آسانی پیدا کرنے کے لیے۔ ﴿یضم﴾ ملا یا جائے گا۔ ﴿اخوة﴾ بھائی۔ ﴿اعمام﴾ چچے۔ ﴿آباء﴾ والد دادا وغیرہ۔ ﴿ابناء﴾ بیٹے، پوتے وغیرہ۔ ﴿ضم﴾ ساتھ ملانا، شریک کرنا۔ ﴿حرج﴾ تکلیف۔

قاتل کے غیر قریبی تعلق داروں سے دیت کی وصولی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر قاتل کا قبیلہ اور خاندان چھوٹا ہو اور امام محمد علیہ الرحمہ کی تصریح کے مطابق ادائے دیت کے لیے ناکافی ہو تو قبیلہ والوں کے ساتھ اس کے قریب ترین نسب والوں کو شامل کیا جائے گا تاکہ ان کی شمولیت سے اہل قبیلہ کو راحت ہو اور تخفیف کا معنی متحقق ہو جائے اور نسبی قرابت داروں کی شمولیت اسی ترتیب کے مطابق ہوگی جو عصبات میں ذکر کی جا چکی ہے یعنی پہلے اس کے بھائی شامل ہوں گے پھر بیٹے شامل ہوں گے پھر چچا اور چچا زاد بھائیوں کا نمبر آئے گا۔

وَأَمَّا الْإِبَاءُ النَّحْ: فرماتے ہیں کہ قاتل کے باپ اور بیٹوں کے عاقلہ کی فہرست اور لسٹ میں شامل ہونے کے متعلق دو قول ہیں (۱) پہلا قول یہ ہے کہ یہ لوگ عاقلہ کے ساتھ شامل ہوں گے، کیونکہ دیت کا مدار قرابت و نصرت پر ہے اور یہ لوگ قاتل کے سب سے زیادہ قریبی ہیں اور سب سے اہم ستون ہیں (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ قاتل کا باپ اور اس کے بیٹے عاقلہ کی فہرست میں شامل نہیں ہوں گے، اس لیے کہ قبیلہ کے ساتھ دوسروں کو اس لیے ملایا گیا ہے تاکہ ان سب کی تعداد کثیر ہو جائے اور کسی پر سالانہ تین یا چار درہم سے زائد بار نہ پڑے اور یہ مقصد اسی وقت حاصل ہوگا جب عاقلہ کی تعداد کثیر ہوگی اور آباء اور ابناء کثیر ہوتے نہیں، اس لیے ان سے یہ مقصد بھی حاصل نہیں ہوگا، لہذا انھیں عاقلہ کے ساتھ لاحق کرنا اور ملانا بھی بیکار ہوگا۔

وَعَلَىٰ هَذَا حُكْمُ الرَّايَاتِ إِذَا لَمْ يَتَّسِعْ لِذَلِكَ أَهْلُ رَايَةٍ ضَمَّ إِلَيْهِمْ أَقْرَبُ الرَّايَاتِ يَعْنِي أَقْرَبُهُمْ نُصْرَةً إِذَا حَزَنَهُمْ أَمْرٌ أَلْقَرَبُ فَلَا اقْرَبُ، وَيُقَوِّضُ ذَلِكَ إِلَى الْإِمَامِ لِأَنَّهُ هُوَ الْعَالِمُ بِهِ، ثُمَّ هَذَا كُلُّهُ عِنْدَنَا، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ يَجِبُ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ نِصْفُ دِينَارٍ فَيَسْوِي بَيْنَ الْكُلِّ، لِأَنَّهُ صَلَةٌ فَيُعْتَبَرُ بِالزَّكَاةِ وَأَدْنَاهَا ذَلِكَ إِذْ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ عِنْدَهُمْ نِصْفُ دِينَارٍ، وَلَكِنَّا نَقُولُ هِيَ أَحْطَى رُبَّةً مِنْهَا أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَا تَوْخَذُ مِنْ أَصْلِ الْمَالِ فَيَنْتَقِصُ مِنْهَا تَحْقِيقًا لِرِزَادَةِ التَّخْفِيفِ.

ترجمہ: اور اسی پر اہل رایات کا حکم ہے بشرطیکہ ایک جھنڈے والے ادا ہوئی دیت کے لیے ناکافی ہوں تو ان کے ساتھ قریب ترین جھنڈے والوں کو ملا دیا جائے یعنی جو ان میں سے نصرت کے اعتبار سے سب سے اقرب ہوں گے جب انھیں کوئی معاملہ درپیش ہوگا تو اقرب فالاً اقرب کے اعتبار سے (یہ ضم ہوگا) اور اسے امام کے حوالے کر دیا جائے کیونکہ امام اس سے باخبر ہوتا ہے اور یہ تمام تفصیل ہمارے یہاں ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں ہر ایک پر نصف دینار واجب ہوگا، پھر تمام کے مابین برابری کر دی جائے گی اس لیے کہ یہ صلۃ ہے لہذا اسے زکوٰۃ پر قیاس کیا جائے گا اور زکوٰۃ کی ادنیٰ مقدار نصف دینار ہے، کیونکہ حضرات صحابہ کرام کے یہاں پانچ درہم نصف دینار ہے۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ دیت زکوٰۃ سے کم رتبے والی ہے کیا دیکھتے نہیں کہ دیت اصل مال سے نہیں لی جاتی، لہذا زیادتی تخفیف کو ثابت کرنے کے لیے دیت زکوٰۃ سے کم ہوگی۔

اللغات:

﴿درایات﴾ واحد رایۃ؛ جندے، مجموعے، یونٹس۔ ﴿لم یتسع﴾ نہ کر سکیں، وسعت نہ رکھیں۔ ﴿ضم﴾ ملایا جائے۔ ﴿حزب﴾ پیش آئے۔ ﴿یفوض﴾ سپرد کیا جائے گا۔ ﴿یسوی﴾ برابری کی جائے گی۔ ﴿احط﴾ زیادہ کم رتبے والی۔ ﴿یتقص﴾ کم ہوتی ہے۔

قاتل کے غیر قریبی تعلق داروں سے دیت کی وصولی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ادا نیکی دیت کا جو معاملہ اور جو طریقہ عاقلہ اور ان کے ساتھ قریب ترین قبیلے کے ضم کا ہے وہی طریقہ فوجیوں اور سپاہیوں میں بھی جاری و ساری ہوگا چنانچہ اگر قاتل اہل دیوان میں سے ہو اور ایک محلے کے فوجی ادائے دیت کے لیے ناکافی ہوں تو جو محکمہ نصرت و مدد اور تعاون کے اعتبار سے ان سے زیادہ قریب ہوگا اسی کو ان کی دیت ادا کرنے کے لیے ان کے ساتھ شامل اور داخل کیا جائے گا اور عصبات کی طرح ان میں بھی اقرب فالاً قرب کی ترتیب ملحوظ رکھی جائے گی۔

ويفوض ذلك الخ: فرماتے ہیں کہ اقرب فالاً قرب کی تقدیم اور ان کے ضم کا معاملہ امام کے حوالے کر دینا چاہئے، کیونکہ امام ہر کسی کے حسب نسب سے اچھی طرح واقف ہوتا ہے اور وہ اپنی صواب دید کے مطابق دیت کی ادائیگی کو آسان سے آسان ترتیب بنانے کی کوشش کرے گا۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ تمام احکام و تفصیلات حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے مسلک و مذہب کے عین مطابق ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں عاقلہ پر دیت کی جو مقدار واجب کی جائے گی وہ نصف دینار یعنی پانچ درہم ہوگی اور اس میں عاقلہ کے ساتھ قاتل کے آباء و ابناء سب شریک ہوں گے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ دیت ایک صلہ ہے لہذا اسے زکوٰۃ پر قیاس کیا جائے گا اور زکوٰۃ کے اقل نصاب یعنی دو سو درہم میں سے پانچ درہم صاحب نصاب پر واجب ہیں، لہذا دیت میں سے بھی ہر ممبر پر پانچ پانچ درہم واجب کئے جائیں گے یا نصف دینار واجب کیا جائے گا اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد میں نصف دینار اور پانچ درہم کی مالیت برابر تھی۔

ولكننا نقول الخ: صاحب ہدایہ علیہ الرحمہ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل اور دیت کو زکوٰۃ پر ان کے قیاس کرنے کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دیت کا مقام و مرتبہ زکوٰۃ سے کم تر اور گھٹا ہوا ہے، اس لیے کہ زکوٰۃ اصل مال میں واجب ہوتی ہے جب کہ دیت زائد مال اور صلوات میں واجب ہوتی ہے، اس لیے دیت کی کمزوری کو ظاہر کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کی مقدار مقدار زکوٰۃ سے کم ہو، اسی لیے ہم نے دیت کی مقدار پانچ سے کم کر کے تین اور چار مقرر کر دی ہے تاکہ اس کا زکوٰۃ سے کم رتبہ ہونا بھی واضح ہو جائے اور اس میں ادا کرنے والوں پر تخفیف بھی ثابت ہو جائے۔

وَلَوْ كَانَتْ عَاقِلَةُ الرَّجُلِ أَصْحَابَ الرِّزْقِ يُقْضَىٰ بِاللَّدِيَّةِ فِي أَرْزَاقِهِمْ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ فِي كُلِّ سَنَةٍ أَلْفُ لُ، لِأَنَّ الرِّزْقَ فِي حَقِّهِمْ بِمَنْزِلَةِ الْعَطَاءِ فَإِنَّهُمْ مَقَامَهُ، إِذْ كُلُّ مِنْهُمَا صِلَةٌ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ، ثُمَّ يُنْظَرُ إِنْ كَانَتْ أَرْزَاقُهُمْ

تَخْرُجُ فِي كُلِّ سَنَةٍ فَكَمَا يَخْرُجُ رِزْقُ يُؤْخَذُ مِنْهُ الثُّلُثُ بِمَنْزِلَةِ الْعَطَاءِ، وَإِنْ كَانَ يَخْرُجُ فِي كُلِّ سَنَةٍ أَشْهُرُ
وَخَرَجَ بَعْدَ الْقَضَاءِ يُؤْخَذُ مِنْهُ سُدُسُ الدِّيَةِ، وَإِنْ كَانَ يَخْرُجُ فِي كُلِّ شَهْرٍ يُؤْخَذُ مِنْ كُلِّ رِزْقٍ بِحِصَّتِهِ مِنَ
الشَّهْرِ حَتَّى يَكُونَ الْمُسْتَوْفَى فِي كُلِّ سَنَةٍ مِقْدَارُ الثُّلُثِ، وَإِنْ خَرَجَ بَعْدَ الْقَضَاءِ يَوْمٌ أَوْ أَكْثَرَ أُخِذَ مِنْ رِزْقٍ
ذَلِكَ الشَّهْرِ بِحِصَّةِ الشَّهْرِ.

ترجمہ: اور اگر قاتل کے عاقلہ اصحاب رزق میں سے ہوں تو ان کے رزق میں تین سالوں کے دوران دیت کا فیصلہ کیا جائے گا
اور ہر سال ایک ثلث لیا جائے گا، کیونکہ ان کے حق میں رزق عطاء کے درجے میں ہے اور عطاء کے قائم مقام ہے اس لیے کہ دونوں
میں سے ہر ایک بیت المال سے صلہ ہے۔ پھر دیکھا جائے گا اگر ان کے ارزاق سالانہ نکلتے ہوں تو جیسے ہی رزق نکلے اس میں سے
عطاء کی طرح ثلث لے لیا جائے گا، اور اگر رزق مجھے مافی نکلتا ہو اور قضائے قاضی کے بعد نکلے تو اس میں سے دیت کا سدس لیا
جائے گا اور اگر ماہانہ نکلتا ہو تو ہر رزق سے مہینے کے حصے کے بقدر لے لیا جائے گا تاکہ ہر سال وصول کئے ہوئے رزق کی مقدار ثلث
ہو جائے گا۔

اور اگر قضائے قاضی کے ایک یا زیادہ دن بعد رزق نکلا تو اس ماہ کے رزق سے مہینے کے حصے کے بقدر لے لیا جائے گا۔

اللُّغَاتُ:

﴿عاقلة﴾ قریبی تعلق دار۔ ﴿رزق﴾ لفظاً: روزی۔ اصطلاحاً: بیت المال سے فقراء کو بلا عوض ملنے والا مال۔ ﴿عطیہ﴾
لفظاً: پیش کش۔ اصطلاحاً: مسلمان فوجیوں کو خدمات کے عوض ملنے والا مال۔ ﴿سدس﴾ چھٹا حصہ۔ ﴿مستوفی﴾ وصول ہونے
والا مال۔

دیت کی وصولی کی مدت:

عبارت کا مطلب سمجھنے سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھئے کہ عطایا اور ارزاق دونوں جمع ہیں عطایا عطیہ کی جمع ہے اور ارزاق
رزق کی جمع ہے عطیہ اور رزق میں ایک فرق تو یہ ہے کہ عطیہ وہ مال ہے جو فوجیوں کو دیا جاتا ہے اور رزق وہ مال ہے جو فقراء کو بیت
المال سے دیا جاتا ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ عطیہ وہ مال ہے جو فوجیوں کو سالانہ دیا جاتا ہے اور رزق وہ مال ہے جو انھیں ماہانہ یا روزانہ
دیا جاتا ہے۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر قاتل کے عاقلہ اور اصحاب العطایا نہ ہوں بل کہ اصحاب الارزاق ہوں تو ان کے ارزاق میں سے
تین سالوں میں مقتول کی دیت کا فیصلہ کیا جائے گا اور ہر سال تہائی دیت ان سے وصول کی جائے گی، اس لیے کہ ان کے حق میں
رزق عطاء کے قائم مقام ہے اور عطاء میں سے تین سالوں میں دیت وصول کی جاتی ہے لہذا رزق میں سے بھی تین سالوں میں دیت
کی وصولیابی ہوگی۔

ثم ينظر الخ : اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر عاقلہ کو سالانہ رزق ملتا ہو تو سال میں ایک مرتبہ ان سے ثلث لیا جائے گا، اور اگر

انہیں ششماہی ارزاق ملتے ہوں تو ہر چھ ماہ پر ان سے سدس لیا جائے گا، بشرطیکہ قضائے قاضی کے بعد رزق نکلا ہو۔ اور اگر عاقلہ کو ماہانہ رزق ملتا ہو تو ہر مہینے میں دیت کا جو حساب بنے گا اسی کے مطابق ماہانہ رزق سے وصول کیا جائے گا اور اس اندازے اور تخمینے سے وصول کیا جائے گا کہ وہ سالانہ دیت کا ثلث بن جائے۔

وَأِنْ كَانَتْ لَهُمْ أَرْزَاقٌ فِي كُلِّ شَهْرٍ وَأَعْطِيَتْ فِي كُلِّ سَنَةٍ فُرِصَتِ الدِّيَةِ فِي الْأَعْطِيَةِ دُونَ الْأَرْزَاقِ، لِأَنَّهُ أَيْسَرُ، إِمَّا لِأَنَّ الْأَعْطِيَةَ أَكْثَرُ أَوْ لِأَنَّ الرِّزْقَ لِكِفَايَةِ الْوَقْتِ فَيَتَعَسَّرُ الْإِدَاءُ مِنْهُ، وَالْعَطِيَّاتُ لِيَكُونُوا فِي الدِّيَوَانِ قَائِمِينَ بِالنُّصْرَةِ فَيَتَيَسَّرُ عَلَيْهِمْ.

ترجمہ: اور اگر عاقلہ کو ماہانہ ارزاق اور سالانہ عطیات ملتے ہوں تو عطایا میں دیت مقرر کی جائے گی، ارزاق میں نہیں، اس لیے کہ یہ آسان ہے، یا تو اس وجہ سے کہ عطایا زیادہ ہیں یا اس وجہ سے کہ رزق وقت کی کفایت کے لیے ہے لہذا اس میں سے دیت نکالنا مشکل ہے۔ اور عطیات اس لیے ہیں تاکہ وہ لوگ دیوان میں نصرت پر برقرار رہیں لہذا (عطیات میں سے دینا) ان کے لیے آسان ہوگا۔

اللُّغَاتُ:

﴿ارزاق﴾ واحد رزق؛ وظیفہ۔ ﴿اعطیۃ﴾ واحد عطاء؛ تنخواہیں۔ ﴿ایسر﴾ زیادہ سہولت والا۔ ﴿یتعسر﴾ دشوار ہو جائے گا۔

دیت کی وصولی کی مدت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر قاتل کے عاقلہ کو ماہانہ رزق بھی ملتا ہو اور سالانہ عطایا بھی ملتے ہوں تو مقتول کی دیت عطایا میں مقرر کی جائے گی، کیونکہ عاقلہ کے حق میں شریعت نے تخفیف ملحوظ کر رکھی ہے اور عطایا کی مقدار رزق سے زیادہ ہے اس لیے عطایا میں سے دیت نکالنا آسان اور باعث تخفیف ہے جب کہ رزق کی مقدار بھی کم ہے اور وہ کفایت وقت اور روزمرہ کی حاجت و ضرورت کے لیے ملتا ہے اس لیے اس میں سے دیت نکالنا مشکل ہے، لہذا عاقلہ پر تخفیف کے پیش نظر ہم نے اسی میں دیت مقرر فرمادی ہے۔

والعطایات الخ: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ افواج کے لیے عطایا اسی وجہ سے مقرر کئے جاتے ہیں تاکہ بوقت ضرورت وہ دوسروں کے کام آسکیں اور ان میں سے کچھ ”ذات پون“ کرنا ان کے لیے آسان ہو۔

قَالَ وَأَدْخَلَ الْقَاتِلُ مَعَ الْعَاقِلَةِ فَيَكُونُ فِيمَا يُوَدَّى كَأَحَدِهِمْ، لِأَنَّهُ هُوَ الْفَاعِلُ فَلَا مَعْنَى لِإِخْرَاجِهِ وَمَوْأَخَذِهِ غَيْرِهِ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَجِبُ عَلَى الْقَاتِلِ شَيْءٌ مِنَ الدِّيَةِ إِعْتِبَارًا لِلْجُزْءِ بِالْكُلِّ فِي النَّفْيِ عَنْهُ، وَالْجَمْعُ كَوْنُهُ مَعْدُورًا، فَلَنَا إِيْحَابُ الْكُلِّ إِحْبَافٌ بِهِ، وَلَا تَكْدَالُكَ إِيْحَابُ الْجُزْءِ، وَلَوْ كَانَ الْخَاطِئُ مَعْدُورًا فَالْبَرَاءُ عَنْهُ أَوْلَى قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿وَلَا تَرَوْا وَارِدًا وَذُرَّ آخِرًا﴾

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ قاتل کو عاقلہ کے ساتھ سائل کیا جائے گا اور اداء کی جانے والی دیت میں قاتل عاقلہ کے فرد واحد کی طرح

ہوگا، کیونکہ قاتل ہی مباشر ہے، لہذا اسے نکال کر دوسرے کو پکڑنے کا کوئی مطلب نہیں ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قاتل پر کچھ بھی دیت نہیں واجب ہے، قاتل سے نفی کے متعلق جزء کوکل پر قیاس کرتے ہوئے اور علتِ جامعہ اس کا معذور ہونا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ قاتل پر پوری دیت واجب کرنا اسے پریشانی میں ڈالنا ہے اور دیت کا کچھ حصہ واجب کرنے میں یہ بات نہیں ہے۔ اور اگر خطا کرنے والا معذور ہے تو خطا سے بری شخص بدرجہ اولیٰ معذور ہے، ارشاد خداوندی ہے ”کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا“۔

اللغات:

﴿عاقلة﴾ قریبی تعلق دار۔ ﴿مایدی﴾ جو ادا کیا جائے گا۔ ﴿اخراج﴾ نکالنا۔ ﴿مواخذة﴾ گرفت کرنا۔ ﴿احجاف﴾ پریشانی میں ڈالنا۔ ﴿لاتنذر﴾ نہیں ڈھونے گا۔ ﴿وازرہ﴾ بوجھ ڈھونے والا۔ ﴿وزر﴾ بوجھ۔ دیت کی وصولی میں قاتل کی شمولیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں دیت کی ادائیگی میں قاتل عاقلہ کے ساتھ شریک ہوگا اور عاقلہ کے ممبروں کی طرح اسے بھی سالانہ تین چار درہم دینا پڑے گا، کیونکہ اصل مجرم اور مباشر یہی ہے، لہذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مجرم کو چھوڑ دیا جائے اور غیر مجرم یعنی عاقلہ کو پکڑ کر ان سے دیت وصول کی جائے، اس لیے ہمارے یہاں قاتل عاقلہ کے ساتھ شریک ہوگا۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ادائیگی دیت میں قاتل عاقلہ کے ساتھ شامل اور داخل نہیں ہوگا، کیوں کہ جب شریعت نے اسے معذور قرار دے کر اس سے پوری دیت ساقط کر دی ہے تو دیت کے کچھ حصے کی ادائیگی میں بھی اسے معذور سمجھا جائے گا، اور وہ دیت کی ایک رتی اور پائی نہیں ادا کرے گا۔

قلنا الخ: صاحب کتاب حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل اور قاتل کو عاقلہ کے شریک نہ ہونے کی تاویل کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شریعت نے قاتل سے پوری دیت اس لیے معاف کی ہے تاکہ اسے حرج اور پریشانی لاحق نہ ہو اور وہ بالکل قلاش نہ ہو جائے اور بعض دیت ادا کرنے میں چوں کہ اسے کوئی حرج اور پریشانی نہیں ہے، اس لیے بعض دیت ادا کرنے میں وہ معذور نہیں ہوگا اور عاقلہ کے ساتھ ادائیگی دیت میں شریک ہوگا۔ اور اگر اسے معذور سمجھ کر ہم اسے چھوڑ دیں تو کس منہ سے عاقلہ سے ادائے دیت کا مطالبہ کریں جب کہ قرآن کریم نے صاف لفظوں میں یہ اعلان کر دیا ہے ولا تنذر وازرہ ووزر آخری۔

وَلَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ وَالذُّرِّيَّةِ مِمَّنْ كَانَ لَهُ حَظٌّ فِي الدِّيَّانِ عَقْلٌ لِقَوْلِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَا يَعْقِلُ مَعَ الْعَاقِلَةِ صَبِيٌّ وَلَا امْرَأَةٌ، وَلَئِنْ الْعَقْلُ إِنَّمَا يَجِبُ عَلَى أَهْلِ النُّصْرَةِ لَتَرْكِهِمْ مُرَاقَبَتَهُ وَالنَّاسُ لَا يَتَنَاصَرُونَ بِالصَّبِيَّانِ وَالنِّسَاءِ وَلِهَذَا لَا يُوضَعُ عَلَيْهِمْ مَا هُوَ خَلْفٌ عَنِ النُّصْرَةِ وَهُوَ الْجَزِيَّةُ.

ترجمہ: ان عورتوں اور بچوں پر جنہیں دیوان میں حصہ حاصل ہے دیت نہیں ہے، اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے عاقلہ کے ساتھ بچہ اور عورت دیت نہیں دیں گے۔ اور اس لیے کہ اہل نصرت پر قاتل کی نگہداشت ترک کرنے کی وجہ سے دیت واجب

ہوتی ہے اور لوگ بچوں اور عورتوں سے مدد نہیں لیتے اسی لیے بچوں اور عورتوں پر نصرت کا بدل یعنی جزیہ بھی نہیں مقرر کیا جاتا۔

اللغات:

﴿ذریۃ﴾ بال بچے۔ ﴿حظ﴾ حصہ۔ ﴿عقل﴾ دیت۔ ﴿لا یعقل﴾ دیت نہیں ادا کرے گا۔ ﴿صبی﴾ بچہ۔ ﴿لا یتناصرون﴾ ایک دوسرے کی مدد نہیں کی۔ ﴿خلف﴾ قائم مقام۔

دیت کی وصولی میں بچوں اور عورتوں کا مسئلہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ عورتوں اور بچوں پر دیت نہیں ہے، اگرچہ ان کے نام رجسٹر میں درج ہوں اور دیوان میں ان کا حصہ متعین اور مقرر ہو، کیونکہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے صاف لفظوں میں یہ اعلان فرمادیا ہے لا یعقل مع العاقلۃ صبی ولا امرأۃ یعنی عاقلہ کے ساتھ بچے اور عورتیں دیت میں شامل نہیں ہوں گے۔

اس سلسلے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اہل نصرت پر قاتل کی حفاظت ترک کرنے کی وجہ سے دیت واجب ہوتی ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ کوئی بھی قوم عورتوں اور بچوں سے مدد نہیں طلب کرتی لہذا یہ دونوں فریق اہل نصرت میں سے نہیں ہیں اور چوں کہ دیت کا تعلق نصرت سے ہے اس لیے جب یہ اہل نصرت میں سے نہیں ہیں، تو ان پر دیت بھی نہیں واجب ہوگی۔ اسی لیے شریعت نے عورتوں اور بچوں کو دیت کے قائم مقام یعنی جزیہ سے بھی بری کر دیا ہے۔

وَعَلَىٰ هَذَا لَوْ كَانَ الْقَاتِلُ صَبِيًّا أَوْ امْرَأَةً لَا شَيْءَ عَلَيْهِمَا مِنَ الدِّيَةِ، بِخِلَافِ الرَّجُلِ، لِأَنَّ وَجُوبَ جُزْءٍ مِنَ الدِّيَةِ عَلَى الْقَاتِلِ بِاعْتِبَارٍ لِأَنَّهُ أَحَدُ الْعَوَاقِلِ، لِأَنَّهُ يَنْصَرُّ نَفْسَهُ وَهَذَا لَا يُوجَدُ فِيهِمَا، وَالْفَرَضُ لَهُمَا مِنَ الْعَطَاءِ لِلْمَعُونَةِ لَا لِلنُّصْرَةِ كَفَرَضِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَضِيَ اللَّهُ عَنْهُنَّ.

ترجمہ: اور اسی پر ہے کہ اگر قاتل بچہ یا عورت ہو تو ان پر کچھ دیت نہیں ہے۔ برخلاف مرد کے، کیونکہ قاتل پر دیت کا بعض حصہ اس لیے واجب ہے کہ وہ عاقلہ میں سے ایک فرد ہے، اس لیے کہ وہ اپنے نفس کی مدد کرتا ہے اور یہ چیز عورت اور بچہ میں نہیں پائی جاتی۔ اور عطایا میں سے جو ان کے لیے مقرر ہے وہ معونت کے لیے ہے نہ کہ نصرت کے لیے جیسے حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا حصہ۔

اللغات:

﴿صبی﴾ بچہ۔ ﴿عواقل﴾ واحد عاقلۃ: قریبی تعلق دار۔ ﴿معونۃ﴾ امداد۔ ﴿فرض﴾ مقررہ حصہ۔

دیت کی وصولی میں بچوں اور عورتوں کا مسئلہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ماقبل میں جو عورت اور بچے کو دیت کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے وہ استثناء عام ہے، یعنی یہ دونوں قاتل نہ ہوں تب بھی عاقلہ کے ساتھ دیت میں شامل نہیں ہوں گے اور قاتل ہوں تب بھی یہ عاقلہ کے ساتھ دیت میں شامل نہیں ہوں گے۔ ان کے برخلاف اگر مرد قاتل ہو تو وہ ہمارے یہاں عاقلہ کے ساتھ دیت میں شامل ہوگا، کیوں کہ اس شمولیت سے وہ

عاقلہ کے لیے راحت اور تخفیف کا باعث ہوگا اور یہی چیز عاقلہ کے حق میں مفید ہے نیز وہ اہل نصرت میں سے ہے اور عاقلہ کے ساتھ شامل ہونے کی وجہ سے وہ اپنی نصرت کرنے والا ہوگا، اس لیے اس حوالے سے بھی اس کی شمولیت مفید ہے، اور چوں کہ بچہ اور عورت میں نصرت کا مادہ اور یہ منفعت مفقود ہے اسی لیے فقہاء نے انھیں عواقل کی فہرست سے خارج قرار دے دیا ہے۔

والفرض لهما الخ: فرماتے ہیں کہ بچہ اور عورت اہل نصرت میں سے نہیں ہیں، اور انھیں بیت المال سے دیا جانے والا عطیہ ان کی امداد کے لیے ہوتا ہے نہ کہ نصرت کے لیے لہذا ان کو ملنے والے عطایا پر اعتراض کی کوشش نہ کی جائے جیسے امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کو بیت المال سے دیا جانے والا وظیفہ بر بنائے معونت تھا، نہ کہ برسمیل نصرت اسی طرح عورت اور بچہ کو ملنے والا عطیہ بھی بر بنائے معونت ہوتا ہے اور اس عطیہ کی وجہ سے وہ عاقلہ کی فہرست میں شامل نہیں ہو سکتے۔

وَلَا يَعْقِلُ أَهْلُ مِصْرٍ عَنْ مِصْرٍ آخَرَ يُرِيدُ بِهِ أَنَّهُ إِذَا كَانَ لِأَهْلِ كُلِّ مِصْرٍ دِيْوَانٌ عَلَى حِدَةٍ، لِأَنَّ التَّنَاصُرَ بِالْدِيْوَانِ عِنْدَ وُجُودِهِ، وَلَوْ كَانَ بِإِعْتِبَارِ الْقُرْبِ فِي السُّكْنَى فَأَهْلُ مِصْرِهِ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ أَهْلِ مِصْرٍ آخَرَ.

ترجمہ: اور ایک شہر والے دوسرے شہر والوں کی طرف سے دیت نہیں دیں گے۔ صاحب ہدایہ کی مراد یہ ہے کہ جب ہر شہر والوں کا علاحدہ دیوان ہو، کیونکہ دیوان کے موجود ہونے کے وقت تناصر دیوان کے ذریعے ہوتا ہے، اور اگر رہائش میں قربت کے اعتبار سے تناصر ہو تو قاتل کے شہر والے دوسرے شہر والوں کی بہ نسبت زیادہ قریب ہوں گے۔

اللَّغَاتُ:

﴿لَا يَعْقِلُ﴾ دیت نہیں ادا کرے گا۔ ﴿مِصْرٍ﴾ شہر۔ ﴿تَنَاصُرَ﴾ باہمی نصرت۔ ﴿سُكْنَى﴾ رہائش۔

مختلف شہروں کے لوگوں سے دیت کی وصولی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر دو شہروں میں سے ہر ہر شہر میں الگ الگ دیوان ہو تو ایک شہر والے دوسرے شہر والوں کی دیت نہیں دیں گے، کیونکہ دیوان کی موجودگی میں تناصر اور تعاون کا مدار دیوان ہی پر ہوتا ہے، لہذا دیوان کے ہوتے ہوئے دوسرے شہر والے قاتل کی دیت نہیں دیں گے، اور اگر تناصر کا مدار رہائشی قربت کی بنیاد پر ہو تو قاتل کے اپنے شہر اور اپنی سوسائٹی والے دوسرے شہر والوں کے بالمقابل دیت کی ادائیگی کے زیادہ اہل اور حق دار ہوں گے۔

وَيَعْقِلُ أَهْلُ كُلِّ مِصْرٍ مِنْ أَهْلِ سَوَادِهِمْ، لِأَنَّهُمْ أَتْبَاعُ لِأَهْلِ الْمِصْرِ فَإِنَّهُمْ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ اسْتَنْصَرُوا بِهِمْ فَيَعْقِلُهُمْ أَهْلُ الْمِصْرِ بِإِعْتِبَارِ مَعْنَى الْقُرْبِ وَالنُّصْرَةِ.

ترجمہ: اور ہر شہر والے گاؤں والوں کی دیت ادا کریں گے، کیونکہ گاؤں والے اہل شہر کے تابع ہوتے ہیں، چنانچہ جب انھیں کوئی معاملہ پیش آتا ہے تو وہ لوگ اہل شہر سے مدد طلب کرتے ہیں، لہذا قربت اور نصرت کے معنی کی وجہ سے اہل شہر گاؤں والوں کی دیت ادا کریں گے۔

اللغات:

﴿يعقل﴾ دیت ادا کریں گے۔ ﴿سواد﴾ نواحی بستیاں۔ ﴿حزبة﴾ ان کو پیش آئے گا۔ ﴿استنصر﴾ نصرت طلب کرتے ہیں۔

مختلف شہروں کے لوگوں سے دیت کی وصولی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ہر وہ گاؤں جو شہر سے متعلق اور منسلک ہوتا ہے وہ گاؤں اس شہر کے تابع ہوتا ہے اور گاؤں والوں کو جب بھی کوئی حادثہ پیش آتا ہے تو اہل شہر ان کی نصرت و حمایت کے لیے کمر بستہ ہو جاتے ہیں اور اسی تعاون اور تناصر کو دیکھتے ہوئے اہل شہر گاؤں میں واقع قتل خطا کے قاتل کی دیت بھی ادا کرتے ہیں بشرطیکہ گاؤں والے ادائے دیت کے لیے نا کافی ہوں۔

وَمَنْ كَانَ مَنْزِلُهُ بِالْبَصْرَةِ وَدِيَوَانُهُ بِالْكُوفَةِ عَقَلَ عَنْهُ أَهْلُ الْكُوفَةِ، لِأَنَّهُ يَسْتَنْصِرُ بِأَهْلِ دِيَوَانِهِ لَا بِجِيرَانِهِ، وَالْحَاصِلُ أَنَّ الْإِسْتِنَصَارَ بِالِدِّيَوَانِ أَظْهَرَ فَلَا يَظْهَرُ مَعَهُ حُكْمُ النَّصْرَةِ بِالْقَرَابَةِ وَالنَّسَبِ وَالْوَلَاءِ وَقُرْبِ السُّكْنَى وَغَيْرِهِ، وَبَعْدَ الدِّيَوَانِ النَّصْرَةُ بِالنَّسَبِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ، وَعَلَى هَذَا يَخْرُجُ كَثِيرٌ مِنْ صُورِ مَسَائِلِ الْمُعَاقِلِ.

ترجمہ: جس شخص کا گھر بصرہ میں ہو اور اس کا دیوان کوفہ میں ہو تو اہل کوفہ اس کی دیت ادا کریں گے، کیوں کہ یہ شخص اپنے اہل دیوان سے مدد طلب کرے گا نہ کہ اپنے پڑوسیوں سے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اہل دیوان سے مدد طلب کرنا اظہر ہے، لہذا اس کے ہوتے ہوئے قربت، نسب، ولاء اور رہائشی قربت وغیرہ کی نصرت کا حکم ظاہر نہیں ہوگا۔ اور دیوان کے بعد نصرت بالنسب کا مرتبہ ہے اس تفصیل کے مطابق جسے ہم بیان کر چکے ہیں اور اس اصول پر معادل کے بہت سے مسائل کی تخریج ہوتی ہے۔

اللغات:

﴿منزل﴾ گھر، مکان۔ ﴿دیوان﴾ بیت المال میں اندراج کارجر یہاں مراد وہ لوگ جو اس کے قریبی تعلق دار اور بیت المال میں اس کے نام کے ساتھ ان کے نام اکٹھے درج کیے گئے ہیں۔ ﴿استنصار﴾ نصرت طلب کرنا۔ ﴿قرباۃ﴾ رشتہ داری۔ ﴿ولاء﴾ دوستی، غلام اور مالک کا رشتہ۔ ﴿سکنی﴾ رہائش گاہ۔

مختلف شہروں کے لوگوں سے دیت کی وصولی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ تناصر اور استنصار کا سب سے اہم اور قوی ترین ذریعہ دیوان ہے اور دیوان کے ہوتے ہوئے قربت، نسب اور رہائشی قربت وغیرہ کا نمبر نہیں آئے گا، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص بصرہ میں رہتا ہو اور اس کے اہل دیوان کوفہ میں ہوں تو کوفہ والوں پر اس شخص کی دیت ادا کرنا لازم ہے۔ کیونکہ انسان اپنے پڑوسیوں کی بہ نسبت اپنے اہل دیوان سے زیادہ مدد طلب کرتا ہے اور سب سے پہلے اہل دیوان ہی کو پکارتا ہے، اس لیے دیوان کے ہوتے ہوئے دیگر واسطہ تناصر کا نمبر ساقط ہو جائے گا۔

ہاں جب دیوان کا معاملہ نہیں ہوگا تو اس کے بعد تناصر بالنسب کا مرحلہ ہوگا اور نسب میں وہی ترتیب جاری ہوگی جو عصبات میں جاری دساری ہے۔

وَمَنْ جَنَىٰ جَنَایَةً مِنْ أَهْلِ الْمِصْرِ وَلَيْسَ لَهُ فِي الدِّيَّانِ عَطَاءٌ وَأَهْلُ الْبَادِيَةِ أَقْرَبُ إِلَيْهِ وَمَسْكَنُهُ الْمِصْرُ عَقَلَ عَنْهُ أَهْلُ الدِّيَّانِ مِنْ ذَلِكَ الْمِصْرِ، وَلَمْ يُشْتَرَطْ أَنْ يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَهْلِ الدِّيَّانِ قَرَابَةً، وَقِيلَ هُوَ صَحِيحٌ، لِأَنَّ الَّذِينَ يَذُبُّونَ عَنْ أَهْلِ الْمِصْرِ وَيَقُومُونَ بِنُصْرَتِهِمْ وَيَدْفَعُونَ عَنْهُمْ أَهْلُ الدِّيَّانِ مِنْ أَهْلِ الْمِصْرِ وَلَا يَخْصُونَ أَهْلَ الْعَطَاءِ.

ترجمہ: اہل شہر میں سے کسی نے جنایت کی اور دیوان میں اس کا عطیہ نہیں ہے اور گاؤں والے (نسب کے اعتبار سے) اس کے زیادہ قریب ہوں اور اس کی رہائش شہر میں ہو تو اس شہر کے اہل دیوان اس کی دیت ادا کریں گے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ نے یہ شرط نہیں لگائی ہے کہ اس جانی اور اہل دیوان کے درمیان کوئی قرابت ہو، کہا گیا کہ یہی صحیح ہے، کیونکہ جو لوگ اہل شہر سے دفاع کرتے ہیں اور ان کی نصرت کرتے ہیں اور ان کی طرف سے مدافعت کرتے ہیں وہ لوگ اہل شہر کے اہل دیوان ہیں اور اہل دیوان مدافعت کے ساتھ اہل عطاء کو خاص نہیں کرتے۔

اللَّعَاتُ:

﴿جَنَى﴾ جرم کیا۔ ﴿جَنَایَةً﴾ جرم۔ ﴿بَادِيَةً﴾ گاؤں۔ ﴿عَقَلَ﴾ دیت ادا کریں گے۔ ﴿يَذُبُّونَ﴾ ہٹاتے ہیں، دور کرتے ہیں۔

مختلف شہروں کے لوگوں سے دیت کی وصولی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص ایک شہر میں قیام پذیر ہو لیکن دیوان میں اس کا کوئی حصہ نہ ہو اور گاؤں والے اس کے قریبی اور رشتے دار ہوں تو اہل دیوان ہی اس شخص کی دیت ادا کریں گے، خواہ اہل دیوان اس کے رشتے دار ہوں یا نہ ہوں۔ امام محمد رحمہ اللہ نے اسی طرح جامع صغیر میں یہ مسئلہ بیان کیا ہے اور یہ شرط نہیں لگائی ہے کہ اہل دیوان جانی اور قاتل کے رشتے دار ہوں اور اسی قول کو بعض حضرات نے صحیح قرار دیا ہے اور یہی مناسب بھی ہے، کیونکہ اہل شہر سے مدافعت کرنے، ان کی نصرت کرنے اور ہر معاملے میں ان کی حمایت کرنے کا کام اہل دیوان کا ہے اور اہل دیوان کا یہ عمومی فریضہ ہے کہ وہ شہر کے ہر شخص کی مدد کریں اور اس میں بلا تفریق عام و خاص اپنا فرض نبھائیں اور اپنی حمایت و نصرت کو اہل عطاء یا قرابت داروں کے ساتھ خاص نہ کریں۔

وَقِيلَ تَأْوِيلُهُ إِذَا كَانَ قَرِيبًا لَهُمْ وَفِي الْكِتَابِ إِشَارَةٌ إِلَيْهِ حَيْثُ قَالَ وَأَهْلُ الْبَادِيَةِ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ أَهْلِ الْمِصْرِ، وَهَذَا لِأَنَّ الْوُجُوبَ عَلَيْهِمْ بِحُكْمِ الْقَرَابَةِ وَأَهْلُ الْمِصْرِ أَقْرَبُ مِنْهُمْ مَكَانًا فَكَانَتِ الْقُدْرَةُ عَلَى النُّصْرَةِ لَهُمْ، وَصَارَ نَظِيرُ مَسْأَلَةِ الْغَيْبَةِ الْمُنْقَطِعَةِ.

ترجمہ: اور کہا گیا اس کی تاویل یہ ہے کہ جب وہ مجرم ان کا قریبی شخص ہو اور قدوری میں اسی طرف اسارہ ہے چنانچہ فرمایا و اہل البادية اقرب اليه من اهل المصر۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ان پر حکم قرابت وجوب ہے اور اہل شہر مقام کے اعتبار سے گاؤں والوں کی بہ نسبت زیادہ قریب ہیں، لہذا اہل شہر ہی نصرت پر قادر ہوں گے، اور یہ غیبت منقطعہ والے مسئلے کی نظیر ہو گیا۔

اللغات:

﴿بادیہ﴾ بستی، گاؤں۔ ﴿قراۃ﴾ قریب ہونا، رشتہ داری۔ ﴿غیبة﴾ غیر موجودگی۔

مختلف شہروں کے لوگوں سے دیت کی وصولی:

ما قبل میں جو اہل دیوان کے دیت ادا کرنے کی بات آئی ہے اس کے متعلق ایک قول تو وہی ہے جو گذرا کہ اہل دیوان ہی جانی کی دیت ادا کریں گے اگرچہ وہ اس کے قریبی یا رشتے دار نہیں ہوں گے، لیکن اس کے متعلق دوسرا قول یہ ہے کہ اہل دیوان اس وقت مذکورہ جانی کی دیت ادا کریں گے جب کہ ان کے اور جانی کے مابین قرابت ہوگی اگرچہ یہ قرابت بعیدہ ہوگی، کیونکہ ان پر ادائے دیت کا وجوب قرابت کی وجہ سے ہوگا اور جانی قرابت نسبی کے اعتبار سے تو گاؤں والوں سے زیادہ قریب ہوگا، لیکن قرابت مکانی اور قرابت مقامی و مصالحی کے اعتبار سے اہل مصر کے زیادہ قریب ہوگا اور اہل مصر اہل قریہ کے بالمقابل اس کی حمایت و نصرت پر زیادہ قادر ہوں گے، لہذا وہی لوگ اس کی دیت بھی ادا کریں گے۔

وصار نظیر الخ: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ صورت مسئلہ غیبت منقطعہ والے مسئلے کی نظیر ہے مثلاً اگر کسی بچی کے دو ولی ہوں (۱) ولی اقرب (۲) ولی ابعد لیکن ولی اقرب غیبت منقطعہ کے طور پر غائب ہو اور اس کا کوئی پتہ ٹھکانہ نہ ہو تو اس صورت میں قرابت مقام اور قرابت تدبیر و مصلحت کی بنیاد پر ولی ابعد کو اس کے نکاح وغیرہ کا حق حاصل ہوگا۔ اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی اہل مصر کو قرابت مکانی کی بنیاد پر مذکورہ جانی کی دیت ادا کرنی ہوگی۔

وَلَوْ كَانَ الْبَدَوِيُّ نَازِلًا فِي الْمِصْرِ لَأَمْسَكَنَ لَهُ فِيهِ لَا يَعْقِلُهُ أَهْلُ الْمِصْرِ، لِأَنَّ أَهْلَ الْعَطَاءِ لَا يَنْصُرُونَ مَنْ لَا مَسْكَنَ لَهُ فِيهِ كَمَا أَنَّ أَهْلَ الْبَادِيَةِ لَا تَعْقِلُ عَنْ أَهْلِ الْمِصْرِ النَّازِلِ فِيهِمْ، لِأَنَّهُ لَا يَنْتَصِرُ بِهِمْ.

ترجمہ: اور اگر دیہاتی شہر میں آیا ہو اور شہر میں اس کا گھر نہ ہو تو اہل شہر اس کی دیت نہیں دیں گے، کیونکہ اہل عطاء اس شخص کی نصرت نہیں کرتے جس کا شہر میں گھر نہیں ہوتا جیسے دیہاتی اس شہری کی دیت نہیں دیتے جو ان کے پاس (شہر سے) آیا ہوا ہو، کیونکہ وہ (نازل) ان دیہاتیوں سے مدد نہیں طلب کرتا۔

اللغات:

﴿بدوی﴾ دیہاتی۔ ﴿نازل﴾ وارد۔ ﴿لا یعقلہ﴾ اس کی دیت نہیں ادا کریں گے۔

مسافر کی دیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی دیہاتی شہر گیا اور اس نے وہاں جا کر کوئی جنایت کر دی حالانکہ شہر میں اس کا مکان اور گھر

نہیں ہے تو اہل شہر اس کی دیت نہیں ادا کریں گے، کیونکہ اہل عطاء انھی لوگوں کی نصرت اور اعانت کرتے ہیں جو شہر میں بود و باش اختیار کئے ہوئے ہوں اور آنے جانے والوں اور مسافروں کی وہ اعانت نہیں کرتے اس لیے وہ لوگ مذکورہ شخص کی دیت نہیں ادا کریں گے۔ جیسے اگر کوئی شہری کسی دیہات میں جائے اور کوئی جنایت کر بیٹھے تو دیہاتی اس کی دیت نہیں دیں گے، کیونکہ وہ شخص دیہات کا باشندہ نہیں ہے اور نہ ہی اہل بادیہ سے مدد کا طالب ہے۔ اسی طرح شہر میں جانے والا مسافر بھی چوں کہ شہر کا باشندہ نہیں ہوتا اس لیے اہل شہر اس کی دیت نہیں دیں گے۔

وَإِنْ كَانَ لِأَهْلِ الذِّمَّةِ عَوَاقِلُ مَعْرُوفَةٌ يَتَعَاقَلُونَ بِهَا فَقَتَلُ أَحَدُهُمْ قَتِيلًا فَدَيْتُهُ عَلَى عَاقِلَتِهِ بِمَنْزِلَةِ الْمُسْلِمِ، لِأَنَّهُمْ التَّزَمُوا أَحْكَامَ الْإِسْلَامِ فِي الْمُعَامَلَاتِ لَا سِيَّمَا فِي الْمَعَانِي الْعَاصِمَةِ عَنِ الْأَضْرَارِ، وَمَعْنَى التَّنَاصُرِ مَوْجُودٌ فِي حَقِّهِمْ.

ترجمہ: اور اگر اہل ذمہ کے معروف عواقل ہوں جو ان کی دیت دیتے ہوں پھر ان میں سے کسی نے کسی شخص کو قتل کر دیا تو مسلمان کی طرح اس کی دیت عاقلہ پر ہوگی، کیونکہ انھوں نے معاملات میں احکام اسلام کا التزام کیا ہے خاص طور سے تکلیف دہ چیزوں سے بچانے والے اسباب میں اور تناصر کے معنی ان کے حق میں موجود ہیں۔

اللغات:

﴿عواقل﴾ واحد عاقلۃ؛ قریبی تعلق دار۔ ﴿یتعاقلون﴾ باہمی دیت تاوان وغیرہ دیتے ہیں۔ ﴿التزموا﴾ انھوں نے اپنے پر لازم کر لیا ہے۔ ﴿لا سیما﴾ خاص طور پر۔ ﴿عاصمۃ﴾ بچانے والے۔ ﴿اضرار﴾ نقصان پہنچانا۔ ﴿تناصر﴾ آپس کی نصرت۔

ذمیوں کی دیت کا معاملہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ذمیوں کے مشہور و معروف عاقلہ ہوں اور وہ اپنے معاہدہ کنندہ لوگوں کی دیت دیتے ہوں پھر ان میں کوئی قتل ہو جائے تو اس کی دیت قاتل کے عاقلہ پر واجب ہوگی، جیسے اگر قاتل مسلمان ہو تو اس کے عاقلہ اس کی دیت ادا کرتے اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی ذمی قاتل کے عاقلہ اس کی دیت ادا کریں گے، کیونکہ ذمیوں نے معاملات میں احکام اسلام کو اپنانے اور اختیار کرنے کا التزام کیا ہے اور ضرر سے بچانے اور چھیڑ چھاڑ نہ کرنے والے معاملات میں تو اور بھی اچھے طریقے پر انھوں نے التزام کیا ہے، اس لیے مسلمان قاتل کے عاقلہ کی طرح ذمی کے قاتل کے عاقلہ بھی اس کی دیت ادا کریں گے۔ اور چوں کہ آپس میں تناصر اور تعاون جس طرح مسلمانوں میں رائج ہے اسی طرح ذمیوں میں بھی جاری و ساری ہے، لہذا دیت کا معاملہ بھی ان کے آپس میں جاری و ساری ہوگا۔

وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُمْ عَاقِلَةٌ مَعْرُوفَةٌ فَالذِّمَّةُ فِي مَالِهِ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ مِنْ يَوْمٍ يَقْضَىٰ بِهَا عَلَيْهِ كَمَا فِي حَقِّ الْمُسْلِمِ لَمَّا بَيَّنَّا أَنَّ الْوَجُوبَ عَلَى الْقَاتِلِ، وَإِنَّمَا يَتَحَوَّلُ عَنْهُ إِلَى الْعَاقِلَةِ أَنْ لَوْ وُجِدَتْ، فَإِذَا لَمْ تَوْجَدْ بَقِيَ عَلَيْهِ فِي

مَا لَهُ بِمَنْزِلَةِ تَاجِرَيْنِ مُسْلِمَيْنِ فِي دَارِ الْحَرْبِ قَتَلَ أَحَدَهُمَا صَاحِبَهُ يَقْضَىٰ بِاللِّدْيَةِ عَلَيْهِ فِي مَالِهِ، لِأَنَّ أَهْلَ دَارِ الْإِسْلَامِ لَا يَعْقِلُونَ عَنْهُ، وَتَمَكَّنَهُ مِنْ هَذَا الْقَتْلِ لَيْسَ بِنُصْرَتِهِمْ.

ترجمہ: اور اگر ذمیوں کا معروف عاقلہ نہ ہو تو دیت قاتل کے مال میں واجب ہوگی جو یوم قضاہ سے تین سالوں میں ادا کی جائے گی، جیسے مسلمان کے حق میں اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ وجوب قاتل پر ہے اور قاتل سے عاقلہ کی طرف وجوب منتقل ہوتا ہے اگر عاقلہ موجود ہوں، لیکن اگر عاقلہ موجود نہ ہوں تو قاتل پر اس کے مال میں دیت باقی رہے گی جیسے دو مسلمان تاجر دار الحرب میں ہوں اور ان میں سے ایک دوسرے کو قتل کر دے تو قاتل پر اس کے مال میں دیت کا فیصلہ کیا جائے گا، کیونکہ دار الاسلام کے باشندے اس کی طرف سے دیت نہیں دیں گے اور قاتل کا اس قتل پر قادر ہونا ان کی نصرت کی وجہ سے نہیں ہے۔

اللغات:

﴿عاقلہ﴾ قریبی تعلق دار۔ ﴿یتحول﴾ پھرتا ہے، تبدیل ہوتا ہے۔ ﴿تمکن﴾ قادر ہونا۔

ذمیوں کی دیت کا معاملہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ذمیوں کے مشہور و معروف عاقلہ موجود ہوں تو ذمی قاتل کے مقتول کی دیت وہی عاقلہ ادا کریں گے، اور یہ ادائیگی قضائے قاضی کے بعد تین سالوں میں ہوگی، جیسا کہ مسلمان قاتل کے عاقلہ بھی تین سالوں میں اس کے مقتول کی دیت ادا کرتے ہیں۔ اس سلسلے کی دلیل یہ ہے کہ دیت کا اصل وجوب قاتل پر ہے اور اس وقت قاتل سے اس کے عاقلہ کی طرف منتقل ہوتا ہے جب عاقلہ موجود ہوتے ہیں اور جب عاقلہ نہیں ہوتے تو دیت کا وجوب قاتل پر برقرار رہتا ہے اور عاقلہ کے نہ ہونے کی صورت میں قاتل ہی مقتول کی دیت ادا کرتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے دو تاجر جو مسلمان تھے اور دار الحرب میں گئے تھے وہاں ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا تو اس کی دیت قاتل کے مال میں واجب ہوگی اور اس کے عاقلہ دیت نہیں دیں گے، اس لیے کہ دار الحرب میں قاتل کے عاقلہ نہیں ہوتے اور وہ لوگ دار الحرب میں واقع ہونے والی جنایت کی دیت بھی نہیں دیتے۔ کیونکہ دار الحرب میں واقع ہونے والا قاتل ان کی طرف سے ترک مراقبت کی کوتاہی کے نتیجے میں نہیں ہوتا۔

وَلَا يَعْقِلُ كَافِرٌ عَنْ مُسْلِمٍ وَلَا مُسْلِمٌ عَنْ كَافِرٍ لِعَدَمِ التَّنَاصُرِ، وَالْكَفَّارُ يَتَعَاقَلُونَ فِيمَا بَيْنَهُمْ وَإِنْ اخْتَلَفَ مِلَّتُهُمْ، لِأَنَّ الْكُفْرَ كُلَّهُ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ، قَالُوا هَذَا إِذَا لَمْ تَكُنِ الْمَعَادَاةُ فِيمَا بَيْنَهُمْ ظَاهِرَةً، أَمَّا إِذَا كَانَتْ ظَاهِرَةً كَالْيَهُودِ وَالنَّصَارَى يَنْبَغِي أَنْ لَا يَتَعَاقَلُونَ بَعْضُهُمْ عَنْ بَعْضٍ، وَهَكَذَا عَنْ أَبِي يُونُسَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَا يَقْطَعُ التَّنَاصُرُ.

ترجمہ: اور نہ تو کوئی کافر کسی مسلمان کی دیت ادا کرے گا اور نہ ہی کوئی مسلمان کسی کافر کی دیت دے گا، کیونکہ (ان میں) تناصر معدوم ہے، اور کفار آپس میں ایک دوسرے کی دیت دیں گے، ہر چند کہ ان کی ملتیں مختلف ہوں۔ اس لیے کہ پورا کفر ملت واحدہ ہے۔ حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ جب کفار کے مابین ظاہری عداوت نہ ہو۔ لیکن اگر عداوت ظاہر ہو جیسے

یہود و نصاریٰ تو مناسب ہے کہ ان میں سے کوئی کسی کی دیت نہ دے۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح مروی ہے کیونکہ تناصر معدوم ہے۔

اللغات:

﴿تناصر﴾ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنا۔ ﴿یتعاضلون﴾ ایک دوسرے کی دیت ادا کرتے ہیں۔ ﴿ملل﴾ واحد ملتہ مذاہب، طریقے۔ ﴿معاداة﴾ باہمی دشمنی۔ ﴿ینبغی﴾ مناسب ہے۔

کفار اور مسلمانوں کا آپس میں ایک دوسرے کی دیت دینا:

مسئلہ یہ ہے کہ دوسرے کی طرف سے دیت ادا کرنے کا انحصار اور دار و مدار تناصر پر ہے اور چوں کہ مسلمان اور کافر میں کوئی تناصر نہیں ہے، اس لیے نہ تو کافر مسلمان کی دیت دے گا اور نہ مسلم کسی کافر لعین کی دیت دے گا۔ البتہ کفار میں اگر کھلی ہوئی عداوت نہ ہو اور وہ ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار نہ رہتے ہوں تو آپس میں وہ ایک دوسرے کی دیت ادا کریں گے اگرچہ ان کے ادیان و ملل ایک دوسرے سے الگ اور جدا ہوں، کیونکہ کفر اختلاف کے باوجود ملت واحدہ ہے، اس لیے ایک کافر دوسرے قاتل کے مقتول کی دیت ادا کرے گا۔

اور اگر کفار میں ظاہری عداوت ہو جیسے یہود اور نصاریٰ ہیں کہ وہ ہمہ وقت ایک دوسرے سے برسر پیکار رہتے ہیں تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں ان میں تناصر منقطع ہوگا۔ اور وہ اب دوسرے کی دیت نہیں دیں گے، یہی حکم حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے اور حضرات مشائخ رحمہم اللہ بھی اسی قائل ہیں۔

وَلَوْ كَانَ الْقَاتِلُ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ وَلَهُ بِهَا عَطَاءٌ فَحَوَّلَ دِيْوَانَهُ إِلَى الْبَصْرَةِ ثُمَّ رَفَعَ إِلَى الْقَاضِي فَإِنَّهُ يَقْضِي بِالذِّدِيَّةِ عَلَى عَاقِلَتِهِ مِنْ أَهْلِ الْبَصْرَةِ، وَقَالَ زُفَرٌ رَحِمَهُ اللَّهُ يَقْضِي عَلَى عَاقِلَتِهِ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ وَهُوَ دِيْوَانَةٌ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ، لِأَنَّ الْمُوجِبَ هُوَ الْجَنَائِيَّةُ وَقَدْ تَحَقَّقَتْ وَعَاقِلَتُهُ أَهْلُ الْكُوفَةِ، وَصَارَ كَمَا إِذَا حَوَّلَ بَعْدَ الْقَضَاءِ.

ترجمہ: اور اگر قاتل اہل کوفہ میں سے ہو اور کوفہ میں اس کے لیے عطاء ہو، پھر اس کا دیوان بصرہ منتقل کر دیا گیا اور معاملہ قاضی کے پاس پہنچا یا گیا تو قاضی اہل بصرہ میں سے اس کے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کرے گا۔ امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قاضی اہل کوفہ میں سے اس کے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کرے گا اور یہی امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے ایک روایت ہے، کیونکہ موجب دیت جنایت ہے اور وہ متحقق ہو چکی ہے اس حال میں کہ اس کے عاقلہ اہل کوفہ ہیں۔ اور یہ ایسا ہو گیا جیسے قضائے قاضی کے بعد دیوان منتقل ہوا ہو۔

اللغات:

﴿حوَّل﴾ پھیر دیا گیا، بدل دیا گیا۔ ﴿موجب﴾ سبب، واجب کرنے والا۔ ﴿تحقق﴾ پوری ہو چکی۔

دیت کے فیصلے سے پہلے دیوان ایک سے دوسرے شہر میں منتقل ہو جانے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر قاتل اہل کوفہ میں سے ہو اور کوفہ ہی کے دیوان میں اس کا عطیہ مقرر ہو پھر اس پر قضائے قاضی

سے پہلے اس کا دیوان کوفہ سے بصرہ منتقل کر دیا گیا اس کے بعد قاضی نے اس پر دیت ادا کرنے کا فیصلہ کیا تو ہمارے یہاں اہل بصرہ میں سے جو عاقلہ ہوں گے ان پر دیت کا فیصلہ ہوگا۔ لیکن امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قاضی کوفہ کے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کرے گا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ وجوب دیت کا موجب جنایت ہے یعنی جس حال میں جنایت متحقق ہوگی ایجاب جنایت میں اس حال کا اعتبار کیا جائے گا اور صورت مسئلہ میں جب قاتل نے جنایت کی ہے تو اس کا نام کوفہ کے رجسٹر میں درج تھا لہذا اہل کوفہ ہی اس کے عاقلہ ہوں گے اور وہی اس کی دیت ادا کریں گے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے قضائے قاضی کے بعد اس شخص کا نام بصرہ کے دیوان میں منتقل کیا گیا ہو تو اس صورت میں بالاتفاق اہل کوفہ ہی اس کے عاقلہ ہوں گے، اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی اہل کوفہ ہی مذکورہ قاتل کی دیت ادا کریں گے۔

وَلَمَّا أَنَّ الْمَالَ إِنَّمَا يَجِبُ عِنْدَ الْقَضَاءِ لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّ الْوَاجِبَ هُوَ الْمِثْلُ وَالْقَضَاءُ يُنْتَقَلُ إِلَى الْمَالِ وَكَذَا الْجُوبُ عَلَى الْقَاتِلِ وَتَحْتَمِلُ عَنْهُ عَاقِلَتُهُ، وَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ يَتَحَمَّلُ عَنْهُ مَنْ يَكُونُ عَاقِلَتُهُ عِنْدَ الْقَضَاءِ، بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الْقَضَاءِ، لِأَنَّ الْوَاجِبَ قَدْ تَقَرَّرَ بِالْقَضَاءِ فَلَا يَنْتَقِلُ بَعْدَ ذَلِكَ لَكِنْ حِصَّةُ الْقَاتِلِ تُوْخَذُ مِنْ غَطَائِهِ بِالْبَصْرَةِ، لِأَنَّهَا تُوْخَذُ مِنَ الْعَطَاءِ وَعَطَاؤُهُ بِالْبَصْرَةِ.

ترجمہ: ہماری دلیل یہ ہے کہ مال بوقت قضاء واجب ہوتا ہے، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ واجب (اصلی) مثل ہے اور قضاء سے یہ واجب مال کی طرف منتقل ہوتا ہے نیز وجوب قاتل پر ہے اور اس کی طرف سے اس کے عاقلہ اس کا تحمل کرتے ہیں، اور جب معاملہ یہ ہے تو قاتل کی طرف سے وہی شخص تحمل کرے گا جو بوقت قضاء اس کے عاقلہ میں سے ہوگا۔ برخلاف مابعد القضاء کے کیونکہ قضائے قاضی سے واجب ثابت ہو چکا ہے لہذا اس کے بعد وہ منتقل نہیں ہوگا، مگر قاتل کا حصہ اس کے بصرہ والے عطاء سے لیا جائے گا، کیونکہ یہ حصہ عطاء سے لیا جاتا ہے اور اس کی عطاء بصرہ میں ہے۔

اللغات:

﴿تَحْتَمِلُ﴾ برداشت کرتے ہیں۔ ﴿عَاقِلَةٌ﴾ قریبی رشتہ دار۔ ﴿تَقَرَّرَ﴾ ثابت ہو چکا۔

مذکورہ بالا مسئلہ میں جمہور کی دلیل:

گذشتہ عبارت میں بیان کردہ صورت مسئلہ سے متعلق یہ جمہور احناف کی دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قتل خطا وغیرہ میں قاتل پر بشکل دیت جو مال واجب ہوتا ہے اس کا تعلق قضائے قاضی سے ہوتا ہے، یعنی جب تک قاضی قاتل کے عاقلہ پر ادائے دیت کا فیصلہ صادر نہیں کرے گا اس وقت تک وہ مال ہی واجب نہیں ہوگا اور پھر اس مال کا اصل وجوب قاتل پر ہوتا ہے اور قضائے قاضی کے بعد اس کی ادائیگی عاقلہ پر لازم ہوتی ہے لہذا دیت میں اصل کردار اور مایاں رول قضائے قاضی کا ہوتا ہے اور قضائے قاضی کے وقت قاتل کے عاقلہ اگر کوئی ہوں گے تو ان پر دیت واجب ہوگی اور اگر بصری ہوں گے تو ان پر دیت واجب ہوگی اور صورت مسئلہ میں چونکہ قضائے قاضی سے پہلے ہی قاتل کا نام کوفہ سے منتقل ہو کر بصرہ کے رجسٹر میں درج ہو چکا ہے، اس لیے اب اہل بصرہ ہی اس

کے عاقلہ ہوں گے۔

بخلاف ما بعد القضاء الخ: فرماتے ہیں کہ ہاں اگر قضائے قاضی کے بعد اس کا نام کوفہ کے رجسٹر سے بصرہ کے دیوان میں منتقل ہوا تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں مال بذریعہ قضاء مقرر ہو چکا ہے اور اہل کوفہ ہی بوقت قضاء اس کے عاقلہ ہیں اس لیے اس صورت میں تو یقیناً وہی لوگ اس کی دیت ادا کریں گے۔

لكن حصۃ القتال الخ: البتہ صورت مسئلہ میں قاتل سے جو اس کا حصہ لیا جائے گا وہ اس عطیہ سے لیا جائے گا جو اسے بصرہ میں ملے گا، کیونکہ دیت عطاءے مستقبلہ سے لی جاتی ہے اور اب اسے بصرہ ہی میں عطاء ملے گی، لہذا اسی میں سے اس کا حصہ لیا جائے گا۔

بِخِلَافِ مَا إِذَا قَلَّتِ الْعَاقِلَةُ بَعْدَ الْقَضَاءِ عَلَيْهِمْ حَيْثُ يُضْمُّ إِلَيْهِمْ أَقْرَبُ الْقَبَائِلِ فِي النَّسَبِ، لِأَنَّ فِي النِّقْلِ إِبْطَالُ حُكْمِ الْأَوَّلِ فَلَا يَجُوزُ بِحَالٍ، وَفِي الضَّمِّ تَكْثِيرُ الْمُتَحَمِّلِينَ لِمَا قُضِيَ بِهِ عَلَيْهِمْ فَكَانَ فِيهِ تَقْرِيرُ الْحُكْمِ الْأَوَّلِ لَا إِبْطَالَهُ، وَعَلَى هَذَا لَوْ كَانَ الْقَاتِلُ سُكْنَةً بِالْكُوفَةِ وَلَيْسَ لَهُ عَطَاءٌ فَلَمْ يُقْضَ عَلَيْهِ حَتَّى اسْتَوْطَنَ الْبَصْرَةَ قُضِيَ بِالذِّيَةِ عَلَى أَهْلِ الْبَصْرَةِ، وَلَوْ كَانَ قُضِيَ بِهَا عَلَى أَهْلِ الْكُوفَةِ لَمْ يَنْتَقِلْ عَنْهُمْ.

ترجمہ: برخلاف اس صورت کے جب عاقلہ پر فیصلے کے بعد ان کی تعداد کم ہوگئی ہو تو عاقلہ کے ساتھ قاتل کے قریب ترین نسبی قبیلے والوں کو شامل کیا جائے گا، کیونکہ منتقل کرنے میں حکم اول کا ابطال ہے لہذا یہ کسی بھی حال میں جائز نہیں ہے، اور ملانے میں حاملین کی تکثیر ہے اس چیز کے متعلق جس کا ان پر فیصلہ کیا گیا ہے، لہذا ایسا کرنے میں حکم اول کا اثبات ہے نہ کہ اس کا ابطال۔

اور اسی اصل پر یہ مسئلہ مفرع ہے کہ اگر قاتل کی رہائش کوفہ میں ہو اور (کوفہ کے دیوان میں) اس کی عطاء نہ ہو اور اس پر دیت کا فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ اس نے بصرہ کو وطن بنا لیا تو اہل بصرہ پر دیت کا فیصلہ کیا جائے گا اور اگر اہل کوفہ پر دیت کا فیصلہ ہو چکا تھا تو ان سے منتقل نہیں ہوگا۔

اللغات:

﴿يُضْمُّ﴾ ملائے جائیں گے۔ ﴿إِبْطَالُ﴾ باطل کرنا، غلط ٹھہرانا۔ ﴿تَكْثِيرُ﴾ بڑھانا۔ ﴿مُتَحَمِّلِينَ﴾ برداشت کرنے والے۔ ﴿سُكْنَةٌ﴾ رہائش گاہ۔ ﴿اسْتَوْطَنَ﴾ وطن بنا لیا۔

قضائے قاضی کے بعد عاقلہ کی تعداد گھٹ جانے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ عاقلہ پر قاضی کے قضائے دیت کے بعد اگر ان کی تعداد کم ہو جائے تو اب ان کے ساتھ قاتل کے قریب ترین نسبی قبیلے والوں کو ملایا جائے گا اور یہ فعل نقل نہیں ہوگا بلکہ ضم ہوگا اور نقل اگرچہ درست نہیں ہے، لیکن ضم درست اور جائز ہے۔ اور پھر نقل میں قضائے اول اور حکم اول کا ابطال ہوتا ہے اس لیے درست نہیں ہے جب کہ ضم میں حکم اول کا اثبات ہوتا ہے اور ضم سے حاملین دیت کی تعداد بڑھ جاتی ہے جس سے اس امر میں پختگی، دوام اور استحکام ہوتا ہے اس لیے اس حوالے سے بھی ضم درست

اور جائز ہے۔

وعلى هذا الخ: صاحب کتاب اسی بات کو ایک مثال کے ذریعے واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مثلاً ایک شخص جو قاتل ہے اور کوفہ کا باشندہ ہے لیکن کوفہ میں اس کی عطاء مقرر نہیں ہے اور قاضی نے اس کے انجام دیئے ہوئے قتل خطا کے متعلق ابھی اس پر کوئی فیصلہ صادر نہیں کیا تھا کہ اس نے بصرہ کو وطن بنالیا تو اب اس کی دیت اہل بصرہ ادا کریں گے، کیونکہ اب وہی لوگ اس کے عاقلہ ہیں۔ ہاں اگر قاضی نے اہل کوفہ پر دیت کا فیصلہ کر دیا تھا پھر اس نے بصرہ کو وطن بنایا تو بھی اہل کوفہ ہی اس کی دیت ادا کریں گے اور بصرہ والے اس کی دیت نہیں دیں گے، کیونکہ اب اہل بصرہ کو دیت کی ادائیگی کا مکلف بنانے میں نقل لازم آئے گا اور نقل درست نہیں ہے۔

وَكَذَا الْبَدَوِيُّ إِذَا الْحَقَّ بِالْذِّيَّانِ بَعْدَ الْقَتْلِ قَبْلَ الْقَضَاءِ يُقْضَى بِالذِّيَّةِ عَلَى أَهْلِ الذِّيَّانِ، وَبَعْدَ الْقَضَاءِ عَلَى عَاقِلَتِهِ بِالْبَادِيَةِ لَا يَتَحَوَّلُ عَنْهُمْ.

ترجمہ: اور ایسے ہی دیہاتی جب قتل کے بعد قضاء سے پہلے اسے دیوان کے ساتھ لاحق کر دیا گیا ہو تو اہل دیوان پر دیت کا فیصلہ ہوگا اور قضاء کے بعد اس کے دیہاتی عاقلہ پر دیت کا فیصلہ ہوگا اور ان سے منتقل نہیں ہوگا۔

اللغات:

﴿بدوی﴾ دیہاتی۔ ﴿الحق﴾ ملایا گیا۔ ﴿عاقلة﴾ قریبی تعلق دار۔

قضاء قاضی کے بعد عاقلہ کی تعداد گھٹ جانے کی صورت:

یہ مسئلہ بھی ما قبل والے مسئلے کی طرح اصول مذکورہ پر متفرع ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی بدوی نے خطا کسی کو قتل کر دیا اور قاضی کی طرف سے اس پر دیت کا فیصلہ صادر ہونے سے پہلے اس کا نام دیوان میں درج ہو گیا تو اب اہل دیوان اس کے عاقلہ ہوں گے اور انھی پر دیت کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اور اگر قاضی کے قضائے دیت کے بعد اس کا نام دیوان میں درج ہوا تو اب اہل بادیہ اس کے عاقلہ ہوں گے اور اہل دیوان عاقلہ نہیں ہوں گے، کیونکہ بوقت قضاء قاتل بدوی ہے اور اہل بادیہ ہی اس کے عاقلہ ہیں لہذا اب اہل دیوان کو عاقلہ بنانے میں نقل کرنا لازم آئے گا اور نقل کرنا جائز نہیں ہے۔

وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ قُضِيَ بِالذِّيَّةِ عَلَيْهِمْ فِي أَمْوَالِهِمْ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ ثُمَّ جَعَلَهُمُ الْإِمَامُ فِي الْعَطَاءِ حَيْثُ تَصِيرُ الذِّيَّةُ فِي عَطِيَّاتِهِمْ، وَإِنْ كَانَ قُضِيَ بِهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ فِي أَمْوَالِهِمْ، لِأَنَّهُ لَيْسَ فِيهِ نَقْضُ الْقَضَاءِ الْأَوَّلِ، لِأَنَّهُ قُضِيَ بِهَا فِي أَمْوَالِهِمْ وَعَطِيَّاتِهِمْ أَمْوَالُهُمْ غَيْرَ أَنَّ الذِّيَّةَ تُقْضَى مِنْ أَيْسَرِ الْأَمْوَالِ أَدَاءً، وَالْأَدَاءُ مِنَ الْعَطَاءِ أَيْسَرُ إِذَا صَارُوا مِنْ أَهْلِ الْعَطَاءِ إِلَّا إِذَا لَمْ يَكُنْ مَالُ الْعَطَاءِ مِنْ جِنْسِ مَا قُضِيَ بِهِ عَلَيْهِ بَأَنْ كَانَ الْقَضَاءُ بِالْأَيْلِ، وَالْعَطَاءُ ذَرَاهِمُ فَحِينَئِذٍ لَا تَتَحَوَّلُ إِلَى الذَّرَاهِمِ أَبَدًا لِمَا فِيهِ مِنْ إِبْطَالِ الْقَضَاءِ

الْأَوَّلَ لَكِنْ يَقْضَىٰ ذَٰلِكَ مِنْ مَّالِ الْعَطَاءِ، لِأَنَّهُ أُيْسِرُ.

ترجمہ: اور یہ اس صورت کے برخلاف ہے کہ جب کوئی دیہاتی قوم ہو اور ان کے اموال میں تین سالوں میں دیت کا فیصلہ کیا گیا ہو پھر امام نے انھیں اہل عطاء میں شامل کر دیا تو دیت ان کے عطایا میں واجب ہوگی اگرچہ پہلی مرتبہ ان کے اموال میں دیت کا فیصلہ کیا گیا تھا، کیونکہ اس میں قسائے اول کا نقص نہیں ہے۔ اس لیے کہ دیت کا فیصلہ اس کے اموال میں کیا گیا تھا اور ان کے عطیات بھی تو ان کے اموال میں۔ تاہم دیت ان اموال سے دی جاتی ہے جن سے ادائیگی سہل ہو اور جب وہ اہل عطاء ہو گئے ہیں تو عطاء سے ادائیگی سہل ہے لہٰذا یہ کہ مال عطاء اس مال کی جنس سے نہ ہو جس کا ان پر فیصلہ کیا گیا ہے بایں طور کہ فیصلہ اونٹوں کا ہو اور عطاء دانا ہوں تو اس صورت میں کبھی بھی دراہم کی طرف دیت متناہی نہیں کی، کیونکہ اس میں قسائے اول کا ابطال ہے لیکن اسے مالِ ماء سے ادا کیا جائے۔ اس لیے کہ مالِ عطاء سے ادائیگی سہل ہے۔

اللغات:

﴿بادیہ﴾ دیہات، ﴿ايسر﴾ آسان۔ ﴿قضى﴾ فیصلہ کیا گیا۔ ﴿نصير﴾ ہو جائے گی۔ ﴿نقض﴾ ورنہ، حتم کرنا۔ ﴿ايسر﴾ آسان ترین۔ ﴿لا تتحول﴾ نہیں پھرے گی۔

قضاء قاضی کے بعد عاقلہ بن جانے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی دیہاتی قوم نے خطا کسی کو قتل کر دیا اور قاضی نے ان کے اموال میں دیت کا فیصلہ کر دیا پھر امام نے ان سب کو اہل عطاء میں داخل کر دیا اور ان کے لیے سالانہ عطیات مقرر کر دیے تو اب دیت ان کے عطایا میں واجب ہوگی اور جو آئندہ عطایا ملیں گے ان میں سے دیت لی جائے گی اور ایسا کرنے میں قاضی کے قضاء کا نقص اور ابطال نہیں ہے کیونکہ قاضی نے ان کے اموال میں دیت کا فیصلہ کیا تھا اور سالانہ ملنے والے عطایا بھی اموال ہی ہیں اور پھر عطایا سے دیت کی ادائیگی سہل اور آسان ہے، اس لیے اس حوالے سے بھی عطایا میں سے ہی دیت ادا کی جائے گی۔ البتہ اگر قاضی نے اونٹوں کے ذریعے دیت دینے کا فیصلہ کیا ہو اور عطایا دراہم ہوں تو اس صورت میں انھیں اونٹوں سے ہی دیت ادا کرنا ہوگا اور اونٹوں کی جگہ دراہم سے دیت نہیں ادا کی جائے گی، اس لیے کہ ایسا کرنے میں قسائے اول کا ابطال لازم آئے گا اور ابطال ناجائز ہے، اس لیے ان پر اونٹوں ہی سے دیت کی ادائیگی لازم ہوگی جس کی بہتر شکل یہ ہے کہ وہ لوگ مالِ عطاء یعنی دراہم سے اونٹ خرید لیں اور پھر اس کی دیت ادا کر دیں۔

قَالَ وَعَاقِلَةُ الْمُعْتَقِ قَبِيلُهُ مَوْلَاهُ، لِأَنَّ النُّصْرَةَ بِهِمْ وَيُؤَيِّدُ ذَٰلِكَ قَوْلُهُ النَّبِيُّ ﷺ ۝ مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْهُمْ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ معتق کے عاقلہ اس کے مولیٰ کے قبیلے والے ہیں کیونکہ اس کی نصرت انھی سے ہے اور آپ ﷺ کا فرمان گرامی اس کا مؤید ہے کہ قوم کا مولیٰ انھی میں سے ہوتا ہے۔

اللغات:

﴿معتق﴾ آزاد کردہ غلام۔ ﴿نصرة﴾ مدد، تقویت۔ ﴿يؤيد﴾ تائید کرتی ہے۔

تخریج:

۱ اخراجہ النسائی فی کتاب الزکاة باب مولی القوم منهم، حدیث رقم: ۲۶۱۳.

آزاد کردہ غلام کا عاقلہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی غلام کو آزاد کیا ہے تو آزاد کرنے والے مولیٰ کے اہل قبیلہ ہی اس کے عاقلہ ہوں گے، کیونکہ مولیٰ اور اس کا آزاد کردہ غلام دونوں مولا کے قبیلے سے ہی مدد طلب کرتے ہیں اور حضرت نبی اکرم ﷺ کا فرمان گرامی بھی اسی طرف مشیر ہے مولی القوم منهم یعنی قوم کا آزاد کردہ غلام انہی میں سے ہوتا ہے یہ حدیث اس امر کی تین دلیل ہے کہ معتق کے عاقلہ معتق ہی کے اہل خاندان ہوں گے۔

قَالَ وَمَوْلَى الْمَوَالَةِ يَعْقِلُ عَنْهُ مَوْلَاهُ وَقَبِيلَتُهُ، لِأَنَّهُ وَلَاءٌ يَتَنَاصَرُ بِهِ فَأَشْبَهَ وَلَاءُ الْعِتَاقَةِ، وَفِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ وَقَدْ مَرَّ فِي الْوَلَاءِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ مولی الموالات کی طرف سے اس کا مولیٰ اور اس کا قبیلہ دیت ادا کرے گا، کیونکہ یہ ایسا ولاء ہے جس کے ذریعے باہمی تناصر ہوتا ہے تو یہ ولائے عتاقہ کے مشابہ ہو گیا اور اس میں امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے۔ اور کتاب الولاء میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

اللغات:

﴿موالات﴾ نو مسلموں کا قبول اسلام کے بعد پرانے مسلمانوں سے دوستی کا عہد۔ ﴿ولاء﴾ دوستی۔ ﴿یتناصر﴾ آپس میں نصرت کی جاتی ہے۔ ﴿عتاقہ﴾ آزاد کرنا۔

مولی موالات کا عاقلہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر دو لوگوں کے مابین عقد موالات قائم ہو اور ان میں سے کوئی شخص خطا کسی کو قتل کر دے تو دوسرا مولیٰ اور اس دوسرے مولیٰ کا قبیلہ مولی جانی کی دیت ادا کرے گا، کیونکہ ولاء عتاقہ کی طرح ولاء موالات بھی باہمی تعاون و تناصر کا ایک ذریعہ ہے اور اہل عرب مولی الموالات میں اس طرح کا معاملہ کرتے تھے، اس لیے مولی غیر جانی اور اس کے قبیلہ والے مولی جانی کی طرف سے دیت دیں گے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں مولی الموالات باطل ہے اس لیے اس مسئلے میں ان کا اختلاف ہے جس کی تفصیل کتاب الولاء میں گزر چکی ہے۔

قَالَ وَلَا تَعْقِلُ الْعَاقِلَةُ أَقْلًا مِنْ نِصْفِ عَشْرِ الدِّيَةِ وَتَتَحَمَّلُ نِصْفَ الْعَشْرِ فَصَاعِدًا، وَالْأَصْلُ فِيهِ حَدِيثُ ۱ ابْنِ عَبَّاسٍ مَوْفُوفًا عَلَيْهِ مَرْفُوعًا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَا تَعْقِلُ الْعَوَاقِلُ عَمْدًا وَلَا عَبْدًا وَلَا صُلْحًا وَلَا إِعْتِرَافًا

وَلَا مَا دُونَ أَرْضِ الْمُوضِحَةِ وَأَرْضُ الْمُوضِحَةِ نِصْفُ عَشْرِ بَدَلِ النَّفْسِ، وَلِأَنَّ التَّحْمَلَ لِلتَّحْرُزِ عَنِ الْإِحْجَافِ، وَلَا إِحْجَافَ فِي الْقَلِيلِ وَإِنَّمَا هُوَ فِي الْكَثِيرِ، وَتَقْدِيرُ الْفَاصِلِ عُرْفٌ بِالسَّمْعِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ عاقلہ دیت کے نصف عشر سے کم کی دیت نہیں ادا کریں گے اور نصف عشر یا اس سے زائد کا قتل کریں گے، اور اس سلسلے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث ہے جو ان پر موقوف ہے اور آپ ﷺ تک مرفوع ہے (جس کا مضمون یہ ہے) کہ عواقل نہ تو قتل عمد کی دیت ادا کرتے ہیں نہ غلام کی، نہ صلح کی، نہ اعتراف کی اور نہ موضیہ کے ارش سے کم کی۔ اور موضیہ کا ارش نفس کے بدل کا نصف عشر ہے اور اس لیے کہ عاقلہ کا قتل احجاف سے تحرز کے لیے ہے اور قلیل میں احجاف نہیں ہے احجاف تو کثیر میں ہے اور حد فاصل کی تقدیر سماع سے معلوم ہوئی ہے۔

اللَّغَاتُ:

﴿لَا تَعْقِل﴾ دیت نہیں ادا کریں گے۔ ﴿نِصْفُ عَشْرِ﴾ بیسواں حصہ۔ ﴿فَصَاعِدًا﴾ اور اس سے زائد۔ ﴿عَوَاقِلُ﴾ واحد عاقلہ؛ قریبی تعلق دار۔ ﴿عَمْدًا﴾ جان بوجھ کر مراد قتل عمد۔ ﴿عَبْدًا﴾ غلام۔ ﴿إِرْشًا﴾ تادان، جرمانہ۔ ﴿مَوْضِحَةً﴾ گہرا زخم جو بڑی کھول دے۔ ﴿إِحْجَافٌ﴾ پریشانی میں ڈالنا۔ ﴿تَحْرُزٌ﴾ بچنا۔ ﴿تَقْدِيرٌ﴾ مقدار، مقرر حد۔ ﴿سَمْعٌ﴾ مراد، دلیل نقلی۔

تَخْرِيجُ:

① اخرجہ ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ باب العمد والصلح والاعتراف، حدیث رقم: ۲۷۴۳۰.

عاقلہ کے ادا کرنے کا نصاب:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ عاقلہ دیت کے بیسویں حصے سے کم مقدار کی دیت نہیں ادا کریں گے اور بیسویں حصے کی یا اس سے زائد مقدار کی دیت ادا کریں گے۔ اس سلسلے کی نقلی دلیل وہ حدیث ہے جو کتاب میں مذکور ہے اور جس میں صاف طور پر یہ وضاحت ہے کہ عواقل نہ تو قتل عمد کی دیت ادا کرتے ہیں، نہ غلام قاتل کی طرف سے دیت دیتے ہیں، نہ صلح عن العمد کی دیت دیتے ہیں، نہ ہی اعتراف قتل کی دیت دیتے ہیں اور نہ ہی موضیہ کے ارش سے کم کی دیت دیتے ہیں اور چوں کہ موضیہ کا ارش دیت نفس کا بیسواں حصہ ہوتا ہے، اسی لیے فرمایا گیا کہ عاقلہ دیت کے بیسویں حصے سے کم کی دیت نہیں ادا کریں گے۔

اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ عاقلہ دیت اس لیے ادا کرتے ہیں تاکہ قاتل پریشانی سے بچ جائے اور مقدار قلیل میں چوں کہ کوئی پریشانی نہیں ہے بلکہ مقدار کثیر میں پریشانی ہے اس لیے اسے عاقلہ ادا کریں گے۔ اور قلیل و کثیر کی مقدار میں حد فاصل یہ ہے کہ اگر موضیہ کے ارش کے برابر یا اس سے زائد ہے تو کثیر ہے اور اگر اس مقدار سے کم ہے تو قلیل ہے۔

قَالَ وَمَا نَقَصَ مِنْ ذَلِكَ يَكُونُ فِي مَالِ الْجَانِي، وَالْقِيَاسُ فِيهِ التَّسْوِيَةُ بَيْنَ الْقَلِيلِ وَالْكَثِيرِ فَيَجِبُ الْكُلُّ عَلَى الْعَاقِلَةِ كَمَا ذَهَبَ إِلَيْهِ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَالتَّسْوِيَةُ فِي أَنْ لَا يَجِبَ عَلَى الْعَاقِلَةِ شَيْءٌ إِلَّا أَنَا تَرَكْنَاهُ بِمَا

رَوَيْنَاهُ وَبِمَا رَوِيَ ① أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَوْجَبَ أَرْضَ الْجَنِينِ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَهُوَ نِصْفُ عَشْرِ بَدْلِ الرَّجُلِ عَلَى مَا مَرَّ فِي الدِّيَّاتِ فَمَا دُونَهُ يُسَلِّكُ بِهِ مَسْلَكَ الْأَمْوَالِ، لِأَنَّهُ يَجِبُ بِالتَّحْكِيمِ كَمَا يَجِبُ ضَمَانُ الْمَالِ بِالتَّقْوِيمِ فَلِهَذَا كَانَ فِي مَالِ الْجَانِي أَخْذًا بِالْقِيَاسِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جو مقدار اس سے کم ہو وہ جانی کے مال میں واجب ہوگی اور قیاس یہ تھا کہ قلیل و کثیر کے درمیان برابری ہو اور پوری دیت عاقلہ پر واجب ہو جیسا کہ یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک ہے یا اس امر میں برابری ہوتی کہ عاقلہ پر کچھ نہ واجب ہوتا۔ لیکن ہم نے اپنی روایت کردہ حدیث کی وجہ سے اس قیاس کو ترک کر دیا اور اس روایت کی وجہ سے ترک کر دیا جو مروی ہے کہ آپ ﷺ نے عاقلہ پر جنین کا ارش واجب کیا ہے اور وہ مرد کے بدل کا بیسواں حصہ ہے جیسا کہ کتاب الدیات میں یہ گزر چکا ہے لہذا جو اس سے کم ہوگا اس میں اموال کا معاملہ اختیار کیا جائے گا، اس لیے کہ یہ تحکیم کے ذریعہ واجب ہوگا جیسے مال کا ضمان تقویم کے ذریعے واجب ہوتا ہے اسی لیے قیاس پر عمل کرتے ہوئے وہ جانی کے مال میں واجب ہوگا۔

اللغات:

﴿جانی﴾ مجرم، گناہ گار۔ ﴿نقص﴾ کم ہو۔ ﴿تسویہ﴾ برابری۔ ﴿اوجب﴾ واجب کیا۔ ﴿ارش﴾ تاوان، جرمانہ۔ ﴿جنین﴾ نامکمل بچہ۔ ﴿یسلک بہ﴾ اس کو چلایا جائے گا۔ ﴿تحکیم﴾ ثالث بنانا، پختیت وغیرہ سے فیصلہ کرانا۔ ﴿تقویم﴾ قیمت لگوانا۔ ﴿جانی﴾ مجرم۔

تخریج:

① أخرجه البيهقي في السنن باب ما تحمل العاقلة، حديث رقم: ۱۶۸۲۴۔
کم دیت کو کہاں سے وصول کیا جائے گا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ نصف عشر سے کم مقدار کی دیت قاتل کے مال میں واجب ہوگی اور اسے عاقلہ نہیں ادا کریں گے۔ اس لیے کہ یہاں دو قیاس ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے متعارض ہیں (۱) پہلا قیاس یہ ہے کہ قاتل کی ہر دیت عاقلہ پر واجب ہو خواہ کثیر ہو یا قلیل جیسا کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے، (۲) دوسرا قیاس یہ ہے کہ عاقلہ پر مطلق دیت نہ واجب ہو، کیونکہ عاقلہ مجرم نہیں ہیں اور چوں کہ یہ دونوں قیاس ایک دوسرے کے متعارض ہیں اس لیے ہم نے انھیں ترک کر دیا اور نصوص پر عمل کیا جن میں سے پہلی نص وہ حدیث ہے جو ماقبل والے مسئلے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کی گئی ہے اور دوسری نص یہ ہے کہ آپ ﷺ نے جنین کا ارش عاقلہ پر واجب فرمایا ہے اور یہ ارش دیت کا بیسواں حصہ ہے لہذا اس سے بھی یہ بات واضح ہوگئی کہ دیت کے نصف عشر اور اس سے زائد مقدار کی ادائیگی قاتل کے عاقلہ پر ہوگی اور جو مقدار نصف عشر سے کم ہوگی اس کی ادائیگی قاتل کے مال میں ہوگی اور کم مقدار کو مال کے درجے میں رکھا جائے گا اس لیے کہ مال عادل شخص کے فیصلے سے واجب ہوتا ہے جیسا کہ مال کا ضمان مقویم کی تقویم سے واجب ہوتا ہے، اسی لیے جانی کے مال میں یہ مال واجب ہوگا۔

قَالَ وَلَا تَعْقِلُ الْعَاقِلَةُ جَنَایَةَ الْعَبْدِ وَلَا مَالِزِمَ بِالصُّلْحِ أَوْ بِاعْتِرَافِ الْجَانِي لِمَا رَوَيْنَاهُ، وَلَا تَنَاصَرُ بِالْعَبْدِ، وَالْإِفْرَارُ وَالصُّلْحُ لَا يُلْزِمَانِ الْعَاقِلَةَ لِقُصُورِ الْوِلَايَةِ عَنْهُمْ قَالَ إِلَّا أَنْ يُصَدِّقُوهُ، لِأَنَّهُ ثَبَتَ بِتَصَادُقِهِمْ، وَالْإِمْتِنَاعُ كَانَ لِحَقِّقِهِمْ وَلَهُمْ وَلَايَةٌ عَلَى أَنْفُسِهِمْ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ عاقلہ جنایتِ غلام کی دیت نہیں ادا کریں گے، نیز صلح اور اعتراف جانی سے لازم ہونے والے مال کی دیت بھی نہیں ادا کریں گے اس روایت کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں، اور اس لیے کہ غلام سے تناصر نہیں ہوتا اور اقرار صلح عاقلہ پر لازم نہیں کرتے، کیونکہ ان کی ولایت قاصر ہے۔ فرماتے ہیں مگر یہ کہ عاقلہ اس کی تصدیق کر دیں، کیونکہ ان کی تصدیق سے وجوب ثابت ہو چکا ہے اور وجوب کا ممتنع ہونا ان کے حق کی وجہ سے تھا اور عاقلہ کو اپنے نفس پر ولایت حاصل ہے۔

اللغات:

﴿جنایہ﴾ جرم، قصور۔ ﴿عبد﴾ غلام۔ ﴿جانی﴾ مجرم، قصور وار۔ ﴿تناصر﴾ باہمی تقویت۔ ﴿یصدقوہ﴾ اس کی تصدیق کر دیں۔ ﴿تصادق﴾ ایک دوسرے کی تصدیق کرنا۔

قتل کی ان صورتوں کا بیان جن میں عاقلہ سے دیت نہیں لی جاسکتی:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح اور آسان ہے کہ عاقلہ نہ تو غلام کی جنایت ادا کرتے ہیں نہ صلح عن القتل کی اور نہ ہی اعتراف قتل کی، کیونکہ ما قبل میں ہماری بیان کردہ حدیث نے صاف لفظوں میں اس کی وضاحت کر دی ہے کہ عاقلہ امورِ ثلاثہ میں سے کسی بھی امر کی دیت نہیں ادا کریں گے، عاقلہ کے ان امور اور ان جرائم کی دیت نہ ادا کرنے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ دیت کا مدار تناصر پر ہے اور غلام خود محتاج ہوتا ہے تو وہ کیا خاک دوسرے کی مدد کرے گا۔ اور اقرار اور صلح کا تعلق انسان کی اپنی ذات سے ہوتا ہے اور یہ دونوں عاقلہ پر کچھ نہیں واجب کر سکتے، کیونکہ دوسرے پر ان کی ولایت ناقص ہے اور ناقص ولایت مانع الزام ہے۔ ہاں اگر عاقلہ خود اقرار اور صلح کی تصدیق کر دیں تو اس صورت میں مال صلح اور مال اقرار کی ادائیگی ان پر لازم ہوگی، کیونکہ ان کے حق میں ان چیزوں کا عدم لزوم ان کے حق کی وجہ سے تھا مگر انھوں نے تصدیق کر کے اس ممانعت کو ختم کر دیا ہے اور انھیں اپنے نفوس پر ولایت حاصل ہے، اس لیے اب یہ اموال ان پر لازم ہوں گے۔

وَمَنْ أَقْرَبَ بِقَتْلِ خَطَايَا وَلَمْ يَرْفَعُوا إِلَى الْقَاضِي إِلَّا بَعْدَ سِنِينَ قُضِيَ عَلَيْهِ بِاللَّيَّةِ فِي مَالِهِ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ مِنْ يَوْمٍ يُقْضَى، لِأَنَّ التَّاجِيلَ مِنْ وَقْتِ الْقَضَاءِ الثَّابِتِ بِالْبَيِّنَةِ فِيهِ الثَّابِتِ بِالْإِفْرَارِ أَوَّلَى.

ترجمہ: جس شخص نے قتلِ خطا کا اقرار کیا اور لوگوں نے یوم قضاء کے بعد یہ معاملہ قاضی کے پاس پہنچایا تو قاتل کے مال میں تین سالوں میں دیت کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اس لیے کہ بینہ سے ثابت ہونے والے قتل میں تاخیر وقت قضاء سے ثابت ہوتی ہے، لہذا اقرار سے ثابت ہونے والے قتل میں بدرجہ اولیٰ یہی حکم ہوگا۔

اللغات:

﴿اقر﴾ اقرار کیا۔ ﴿لم یرفعوا﴾ نہیں اٹھایا۔ ﴿سنین﴾ واحد سنہ؛ کئی سال۔ ﴿قضی﴾ فیصلہ کیا جائے گا۔ ﴿فاجیل﴾ مدت مقرر کرنا۔

اقرار قتل کی ایک مخصوص صورت۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے قتل خطا کا اقرار کیا اور فوری طور پر یہ معاملہ قاضی کے دربار میں نہیں پہنچا، بلکہ کچھ سالوں کے بعد پہنچا تو دیت اس کے مال میں اس دن سے واجب ہوگی جس دن سے قاضی اس پر فیصلہ کرے گا، اور یہ دیت تین سالوں میں ادا کی جائے گی، کیونکہ جب بینہ سے ثابت ہونے والے قتل کی دیت تین سالوں میں ادا کی جاتی ہے تو اقرار سے ثابت ہونے والے قتل کی دیت بدرجہ اولیٰ تین سالوں میں ادا کی جائے گی۔

وَلَوْ تَصَادَقَ الْقَاتِلُ وَوَلِيَّ الْجَنَایَةِ عَلَى أَنَّ قَاضِيَ بَلَدٍ كَذَا قَضَى بِالْذِّیَةِ عَلَى عَاقِلَتِهِ بِالْكَوْفَةِ بِالْبَیِّنَةِ وَكَذَّبَهُمَا الْعَاقِلَةُ فَلَا شَیْءَ عَلَى الْعَاقِلَةِ، لِأَنَّ تَصَادُقَهُمَا لَیْسَ بِحُجَّةٍ عَلَيْهِمْ وَلَمْ یَكُنْ عَلَيْهِ شَیْءٌ فِي مَالِهِ، لِأَنَّ الذِّیَةَ تَصَادُقُهُمَا تَقَرَّرَتْ عَلَى الْعَاقِلَةِ بِالْقَضَاءِ وَتَصَادُقُهُمَا حُجَّةٌ فِي حَقِّهِمَا، بِخِلَافِ الْأَوَّلِ إِلَّا أَنْ یَكُونَ لَهُ عَطَاءٌ مَعَهُمْ فَحِیْنِئِذٍ یَلْزَمُهُ بِقَدْرِ حِصَّتِهِ، لِأَنَّهُ فِي حَقِّ حِصَّتِهِ مُقَرَّرٌ عَلَى نَفْسِهِ وَفِي حَقِّ الْعَاقِلَةِ مُقَرَّرٌ عَلَيْهِمْ.

ترجمہ: اور اگر قاتل اور ولی جنایت نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ فلاں شہر کے قاضی نے قاتل کے عاقلہ پر بذریعہ بینہ دیت کا فیصلہ کیا ہے لیکن عاقلہ نے ان کی تکذیب کر دی تو عاقلہ پر کچھ نہیں واجب ہوگا، کیونکہ ان کا اتفاق عاقلہ پر حجت نہیں ہے اور قاتل پر اس کے مال میں کچھ نہیں ہوگا، کیونکہ ان کے اتفاق سے بذریعہ قضاء دیت عاقلہ پر ثابت ہو چکی ہے اور ان کا اتفاق ان کے حق میں حجت ہے۔

برخلاف اول کے۔ الا یہ کہ عاقلہ کے ساتھ قاتل کی عطاء ہو تو اس وقت قاتل پر اس کے حصے کے بقدر لازم ہوگا، کیونکہ اپنے حصے کے حق میں قاتل اپنی ذات پر اقرار کرنے والا ہے اور عاقلہ کے حق میں ان پر اقرار کرنے والا ہے۔

اللغات:

﴿تصادق﴾ آپس میں ایک دوسرے کی تصدیق کی۔ ﴿جنایت﴾ جرم، قصور۔ ﴿بیئہ﴾ گواہی۔

قضائے قاضی کے انعقاد پر اختلاف ہو جانے کی صورت میں قول معتبر کس کا ہوگا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر قاتل اور ولی جنایت نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ فلاں شہر کے قاضی نے بینہ اور شہادت کے ذریعہ قاتل کے اُن عاقلہ پر ادائے دیت کا فیصلہ کر دیا جو کوفہ میں مقیم ہیں اور عاقلہ نے قاتل اور ولی جنایت دونوں کی تکذیب کر دی تہ مذکورہ عاقلہ پر کچھ نہیں واجب ہوگا، کیونکہ یہ ان دونوں کا اتفاق اور اقرار ہے اور ان کا اتفاق عاقلہ کے حق میں حجت نہیں ہے۔ لیکن

اس اقرار اور اتفاق سے قاتل کا فائدہ ہوگا اور اس پر بھی دیت کے نام پر کچھ نہیں واجب ہوگا، کیونکہ ان کے اتفاق سے یہ بات سامنے آگئی ہے کہ دیت کا وجوب عاقلہ پر ہے (اگرچہ عاقلہ کی تکذیب سے اس کا حتمی ثبوت نہیں ہو سکا ہے) اور قاتل اور ولی جنایت کا اقرار ان کی اپنی ذات کے حق میں معتبر ہے اس لیے قاتل دیت سے بری ہو جائے گا۔

بغلاف الاول الخ: اس کے برخلاف پہلے والے مسئلہ میں چوں کہ قاتل نے از خود قتل خطا کا اقرار کیا ہے، اس لیے اس کے حق میں اس قتل کا اقرار معتبر ہوگا اور اس کے مال میں دیت واجب ہوگی، کیونکہ عاقلہ اقرار سے ثابت ہونے والے قتل کی دیت نہیں دیتے۔

إلا أن يكون الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں قاتل پر تو کچھ نہیں واجب ہوگا لیکن اگر قاتل اہل عطاء میں سے ہو اور عاقلہ کے ساتھ ان کی عطاء مقرر ہو تو اس صورت میں قاتل پر اپنے حصے کے بقدر دیت لازم ہوگی، اس لیے کہ اہل عطاء میں سے ہونے کی وجہ سے قاتل اپنے اوپر بھی اقرار کرنے والا ہے اور عاقلہ پر بھی اقرار کرنے والا ہے لیکن اس کا اقرار چوں کہ اپنی ذات کے حق میں معتبر ہے، اس لیے اپنے حصے کے بقدر اس پر مال لازم ہے اور عاقلہ کے حق میں اس کا اقرار معتبر نہیں ہے اس لیے عاقلہ پر کچھ بھی نہیں لازم و واجب ہوگا۔

قَالَ وَإِذَا جَنَى الْحُرُّ عَلَى الْعَبْدِ فَقَتَلَهُ كَانَ عَلَى عَاقِلَتِهِ فِيمَتُهُ، لِأَنَّهُ بَدَلَ النَّفْسِ عَلَى مَا عُرِفَ مِنْ أَصْلَانَا، وَفِي أَحَدِ قَوْلِي الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَجِبُ فِي مَالِهِ، لِأَنَّهُ بَدَلَ الْمَالِ عِنْدَهُ، وَلِهَذَا يُوجِبُ فِيمَتُهُ بِاللَّغَةِ مَا بَلَغَتْ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر آزاد نے غلام پر جنایت کر کے اسے قتل کر دیا تو قاتل کے عاقلہ پر غلام کی قیمت واجب ہوگی، اس لیے کہ یہ نفس کا بدل ہے جیسا کہ ہماری اصل سے یہ معلوم ہو چکا ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے ایک قول میں قاتل کے مال میں قیمت واجب ہوگی، اس لیے کہ ان کے یہاں قتل میں واجب ہونے والا مال، مال کا بدل ہے، اسی لیے اس کی قیمت واجب ہوگی جو بھی پہنچے گی۔

اللغات:

﴿جنی﴾ جرم کیا۔ ﴿حر﴾ آزاد آدمی۔

مقتول غلام کی قیمت عاقلہ پر ہوگی یا قاتل پر:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر آزاد شخص نے خطا کسی غلام کو قتل کر دیا تو قاتل کے عاقلہ پر اس مقتول غلام کی قیمت واجب ہوگی، کیونکہ یہ قیمت غلام کے نفس کا بدل ہے اور ہمارے یہاں ضابطہ یہ ہے کہ نفس کا بدل عاقلہ پر واجب ہوتا ہے، اس لیے یہ قیمت قاتل کے عاقلہ ادا کریں گے۔

امام شافعی رحمہ اللہ سے ان کے دو قولوں میں سے ایک قول میں یہ مقتول ہے کہ یہ قیمت خود قاتل کے مال میں واجب ہوگی اور عاقلہ پر نہیں واجب ہوگی، اس لیے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں یہ مال کا بدل ہے اور مال کا بدل جانی پر واجب ہوتا ہے نہ کہ عاقلہ پر، اسی لیے امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں صورت مسئلہ میں مقتول کی قیمت واجب ہوگی خواہ کتنی بھی ہو یعنی اگرچہ یہ قیمت دیت سے متجاوز

ہو جائے مگر پھر بھی قیمت ہی واجب ہوگی۔

وَمَا دُونَ النَّفْسِ مِنَ الْعَبْدِ لَا تَحْتَمِلُ الْعَاقِلَةُ، لِأَنَّهُ يُسَلَّكَ بِهِ مَسْلَكُ الْأَمْوَالِ، عِنْدَنَا عَلَى مَا عُرِفَ، وَفِي أَحَدٍ قَوْلِهِ تَحْتَمِلُ الْعَاقِلَةُ كَمَا فِي الْحَرِّ وَقَدْ مَرَّ مِنْ قَبْلُ.

ترجمہ: اور غلام کے مادون النفس کا عاقلہ تحمل نہیں کریں گے، کیونکہ ہمارے یہاں مادون النفس میں اموال کا سا معاملہ کیا جاتا ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول میں عاقلہ اس کا تحمل کریں گے، جیسا کہ آزاد میں ہے۔ اور اس سے پہلے یہ گزر چکا ہے۔

اللغات:

﴿لا تحتمل﴾ نہیں برداشت کریں گے۔ ﴿يسلك به﴾ اس کو چلایا جائے گا۔ ﴿حراً﴾ آزاد آدمی۔

غلام کے کسی عضو کو تلف کرنے کا جرمانہ کون ادا کرے گا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی آزاد نے غلام کے بدن کے کسی حصے کو تلف کر دیا تو ہمارے یہاں اس تلف شدہ عضو کا ضمان اور تاوان خود جانی کے مال میں واجب ہوگا اور عاقلہ اس کا تحمل نہیں کریں گے، کیونکہ مادون النفس میں ہمارے یہاں اموال کا معاملہ جاری ہے اور اموال کا ضمان خود قاتل کے مال میں واجب ہوتا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یہ ہے کہ مادون النفس کا ضمان عاقلہ کے مال میں واجب ہوگا اور قاتل اسے نہیں ادا کرے گا جیسے اگر آزاد کے مادون النفس کا کوئی عضو تلف کر دیا جائے تو اس کا ضمان عاقلہ برداشت کریں گے، اسی طرح غلام کے مادون النفس کا ضمان بھی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول میں عاقلہ ہی برداشت کریں گے۔

قَالَ أَصْحَابُنَا إِنَّ الْقَاتِلَ إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ عَاقِلَةٌ فَالِدِيَّةُ فِي بَيْتِ الْمَالِ، لِأَنَّ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ هُمْ أَهْلُ نَصْرَتِهِ، وَلَيْسَ بَعْضُهُمْ أَخَصَّ مِنْ بَعْضٍ بِذَلِكَ وَلِهَذَا لَوْ مَاتَ كَانَ مِيرَاثُهُ لِبَيْتِ الْمَالِ فَكَذَا مَا يَلْزَمُهُ مِنَ الْغَرَامَةِ يَلْزَمُ بَيْتَ الْمَالِ، وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رحمۃ اللہ علیہ رَوَايَةٌ شَاذَّةٌ أَنَّ الدِّيَّةَ فِي مَالِهِ، وَوَجْهُهُ أَنَّ الْأَصْلَ أَنَّ تَجِبَ الدِّيَّةُ عَلَى الْقَاتِلِ لِأَنَّهُ بَدَلٌ مُتَلَفٍ، وَالْإِتْلَافُ مِنْهُ إِلَّا أَنَّ الْعَاقِلَةَ تَحْتَمِلُهَا تَحْقِيقًا لِلتَّخْفِيفِ عَلَى مَا مَرَّ فَإِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ عَاقِلَةٌ عَادَ الْحُكْمُ إِلَى الْأَصْلِ.

ترجمہ: ہمارے اصحاب فرماتے ہیں کہ اگر قاتل کے عاقلہ نہ ہوں تو بیت المال میں دیت واجب ہوگی، کیونکہ جماعت المسلمین ہی اس کی معاون ہے اور تعاون کے سلسلے میں کوئی کسی سے خاص نہیں ہے۔ اسی لیے اگر وہ مر جائے تو اس کی میراث بیت المال کو ملے گی، لہذا جو اس پر تاوان لازم ہوگا وہ بھی بیت المال ہی کے سر ہوگا۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک نادر روایت یہ ہے کہ دیت قاتل کے مال میں واجب ہوگی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل تو یہی ہے کہ قاتل پر دیت واجب ہو، کیونکہ دیت ہلاک کردہ نفس کا بدلہ

ہے اور ہلاک کرنا قاتل ہی کی طرف سے متحقق ہے، مگر اثبات تخفیف کے پیش نظر عاقلہ اس کا قتل کرتے ہیں لیکن اگر اس کے عاقلہ نہ ہوں تو حکم اصل کی طرف عود کر آئے گا۔

اللغات:

﴿غرامة﴾ تاوان۔ ﴿مُتَلَفٌ﴾ ہلاک کردہ شے۔

عاقلہ نہ رکھنے والے قاتل کی دیت:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے جس کا آسان سا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی قاتل کے عاقلہ نہ ہوں تو بیت المال اس کے مقتول کی دیت ادا کرے گا، اس لیے کہ عاقلہ نہ ہونے کی صورت میں پوری مسلم برادری اس کی معاون و مددگار ہے اور اس امر میں چون کہ پوری قوم برابر کی شریک و سہیم ہے اور کوئی کسی سے فائق اور برتر نہیں ہے اس لیے پوری قوم کا جو بیت المال ہے اسی سے ایسے قاتل کی دیت ادا کی جائے گی، یہی وجہ ہے کہ اگر اس شخص نے میراث چھوڑی ہو تو اس کی میراث بھی بیت المال ہی کو ملے گا۔

وعن أبي حنيفة الخ: حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے ایک شاذ و نادر روایت یہ ہے کہ اس صورت میں قاتل کے مال میں دیت واجب ہوگی، کیونکہ دیت کا اصل و بوب قاتل ہی پر ہوتا ہے، لیکن اسے پریشانی سے بچانے کے لیے عاقلہ اس کا قتل کرتے ہیں، اب اگر کسی کے عاقلہ نہ ہوں تو اس کے ساتھ مجبوری ہے، اس لیے اس کی دیت خود اسی کے مال میں واجب ہوگی۔

وَابْنُ الْمَلَأَيْنَةِ تَعْقِلُهُ عَاقِلَةٌ أُمُّهُ، لِأَنَّ نَسَبَهُ ثَابِتٌ مِنْهَا دُونَ الْآبِ، فَإِنْ عَقَلُوا عَنْهُ ثُمَّ ادَّعَاهُ الْآبُ رَجَعَتْ عَاقِلَةُ الْأُمِّ بِمَا أَذَّتْ عَلَى عَاقِلَةِ الْآبِ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ مِنْ يَوْمٍ يَقْضِي الْقَاضِي لِعَاقِلَةِ الْأُمِّ عَلَى عَاقِلَةِ الْآبِ لِأَنَّهُ تَبَيَّنَ أَنَّ الدِّيَّةَ وَاجِبَةٌ عَلَيْهِمْ، لِأَنَّ عِنْدَ الْإِكْذَابِ ظَهَرَ أَنَّ النَّسَبَ لَمْ يَزَلْ كَانَ ثَابِتًا مِنَ الْآبِ حَيْثُ بَطَلَ اللَّعَانُ بِالْإِكْذَابِ، وَمَتَى ظَهَرَ مِنَ الْأَصْلِ فَقَوْمُ الْأُمِّ تَحْمَلُوا مَا كَانَ وَاجِبًا عَلَى قَوْمِ الْآبِ فَيَرْجِعُونَ عَلَيْهِمْ، لِأَنَّهُمْ مُضْطَرُونَ فِي ذَلِكَ.

ترجمہ: اور ابن الملاءنہ کی دیت اس کی ماں کے عاقلہ ادا کریں گے، کیونکہ اس لڑکے کا نسب ماں سے ثابت ہے نہ کہ باپ سے چنانچہ اگر ماں کے عاقلہ نے اس کی دیت ادا کر دی پھر باپ نے اس کا دعویٰ کر دیا تو ماں کے عاقلہ باپ کے عاقلہ سے ادا کردہ رقم دو تین سالوں میں واپس لیں گے، جس دن سے قاضی ماں کے عاقلہ کے لیے باپ کے عاقلہ پر اس کا فیصلہ کرے گا۔ اس لیے کہ یہ واضح ہو گیا کہ دیت باپ ہی کے عاقلہ پر واجب تھی، کیونکہ اکذاب کے وقت یہ بات عیاں ہو گئی کہ نسب برابر باپ سے ثابت تھا، اس لیے کہ اکذاب کی وجہ سے لعان باطل ہو گیا ہے۔ اور جب اصل سے نسب ثابت ہو گیا تو ماں کی قوم نے اس چیز کا قتل کیا ہے جو باپ پر واجب تھا، لہذا یہ ماں کے عاقلہ سے واپس لیں گے کیونکہ یہ لوگ اس کی ادائیگی میں مضطر تھے۔

اللغات:

﴿تعقلہ﴾ اس کی دیت ادا کرے گی۔ ﴿ادعاه﴾ اس کا دعویٰ کریں۔ ﴿رجعت﴾ رجوع کریں گے۔ ﴿آدت﴾ ادا کر دیا۔ ﴿اکذاب﴾ جھٹلانا۔ ﴿تحمّلوا﴾ برداشت کیا۔ ﴿مضطرون﴾ مجبور کیے گئے تھے۔

ابن الملاعنہ کا عاقلہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر میاں بیوی نے آپس میں لعان کیا اور شوہر نے اس عورت کے لڑکے کی نفی کر دی پھر اس لڑکے نے خطا کسی کو قتل کر دیا تو اب اس کی دیت اس کی ماں کے عاقلہ ادا کریں گے، کیونکہ لعان کی وجہ سے باپ سے اس کا نسب ختم ہو کر ماں سے ثابت ہو چکا ہے۔ اس لیے ماں کے عاقلہ ہی اس کی دیت ادا کریں گے۔ اب اگر ماں کے عاقلہ نے اس کی طرف سے دیت ادا کر دی اور پھر باپ نے اسے اپنا لیا یعنی لعان کی تکذیب کر کے اسے اپنا بیٹا مان لیا تو اب دیت باپ کے عاقلہ پر واجب ہو جائے گی، جس کی شکل یہ ہوگی کہ ماں کے عاقلہ نے اس لڑکے کی طرف سے جو دیت ادا کی ہے اسے وہ باپ کے عاقلہ سے لے لیں گے اور لین دین کا یہ معاملہ جس دن سے قاضی ماں کے عاقلہ کے لیے باپ کے عاقلہ سے لینے کا فیصلہ کرے گا اسی دن سے جاری ہوگا۔ اور عاقلہ ام کو واپس لینے کا اختیار اس لیے ہوگا، کیونکہ جب باپ نے لعان کی تکذیب کر دی ہے تو یہ بات واضح ہوگئی کہ اس بیٹے کا اصل نسب باپ ہی سے ثابت تھا اور اس کی اصل دیت باپ ہی کے عاقلہ پر واجب تھی اور ماں کے عاقلہ نے بدرجہ مجبوری اسے ادا کیا تھا اس لیے جب یہ مجبوری ختم ہوگئی تو اب ماں کے عاقلہ دیت میں ادا کردہ رقم باپ کے عاقلہ سے واپس لے لیں گے۔

وَكَذَلِكَ إِنْ مَاتَ الْمُكَاتَبُ عَنْ وِفَاءٍ وَلَهُ وَلَدٌ حُرٌّ فَلَمْ يُوَدَّ كِتَابَتَهُ حَتَّى جَنَى ابْنُهُ وَعَقَلَ عَنْهُ قَوْمٌ أُمِّهِ ثُمَّ أُدْبِتِ الْكِتَابَةُ، لِأَنَّهُ عِنْدَ الْإِدَاءِ يَتَحَوَّلُ وَلَاءُهُ إِلَى قَوْمِ أَبِيهِ مِنْ وَقْتِ حُرِّيَةِ الْآبِ وَهُوَ آخِرُ جُزْءٍ مِنْ أَجْزَاءِ حَيَاتِهِ فَيَسْنِ أَنْ قَوْمَ الْأُمِّ عَقَلُوا عَنْهُمْ فَيَرْجِعُونَ عَلَيْهِمْ.

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر مکاتب بدل کتابت کی ادائیگی کے بقدر مال چھوڑ کر مرا اور اس کے ایک آزاد لڑکا ہو اور اس کی کتابت ادا نہیں کی گئی تھی یہاں تک کہ اس کے بچے نے جنایت کی اور اس کی ماں کی قوم نے اس کی دیت ادا کر دی پھر کتابت ادا کی گئی۔ اس لیے کہ ادائے کتابت کے وقت اس لڑکے کا ولاء باپ کی آزادی کے وقت سے اس کے باپ کی قوم کی طرف منتقل ہو جائے گا اور وہ باپ کی حیات کے اجزاء میں سے سب سے آخری جزء ہے۔ تو یہ واضح ہو گیا کہ اس کی ماں کی قوم نے ان کی طرف سے دیت ادا کی ہے لہذا وہ لوگ باپ کے عاقلہ سے ادا کردہ دیت واپس لیں گے۔

اللغات:

﴿وفاء﴾ پوری پوری رقم یا مال وغیرہ۔ ﴿حر﴾ آزاد۔ ﴿جنی﴾ قصور کیا۔ ﴿یتحول﴾ بدل جاتا ہے، پھر جاتا ہے۔ ﴿ولاء﴾ تعلق، موالات۔ ﴿حرّیۃ﴾ آزادی۔

مذکورہ بالا مسئلہ کی ایک نظیر:

یہ مسئلہ ما قبل والے مسئلے کی دلیل پر متفرع ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص جو مکاتب تھا اس نے کسی مکاتبہ عورت سے نکاح کیا اور ان سے ایک بچہ پیدا ہوا پھر ماں آزاد کر دی گئی اور باپ نے اپنی موت کے وقت اتنا مال چھوڑا تھا کہ اس سے اس کا بدل کتابت ادا کیا جاسکے، لیکن بدل کتابت کی ادائیگی سے پہلے ہی اس کے مذکورہ لڑکے نے جنایت کر دی یعنی خطا کسی کو قتل کر دیا اور اس کی ماں کی قوم نے اس لڑکے کی طرف سے مقتول کی دیت ادا کر دی اس کے بعد اس کے باپ کا بدل کتابت ادا کیا گیا تو اس صورت میں بھی ماں کی قوم باپ کے عاقلہ سے دیت میں ادا کردہ رقم کو واپس لے لے گی، کیونکہ جب باپ نے بدل کتابت کی ادائیگی کے بقدر مال چھوڑا تھا اور اس کی ادائیگی سے پہلے وہ مر گیا اور بعد الموت اس کی ادائیگی ہوئی تو یہ بات طے ہو گئی کہ باپ حریت اور آزادی کی حالت میں مرا ہے اور اس کے قاتل بیٹے کی دیت باپ ہی کے عاقلہ پر واجب تھی، کیونکہ بیٹے کی ولاء کے اصل مستحق وہی لوگ تھے، مگر چون کہ یہ واضح نہیں ہو سکا تھا اس لیے ماں کی قوم نے اس کی طرف سے دیت دے دی تھی اب جب یہ بات کھل کر سامنے آگئی ہے تو جو اصل مستحق تھے ان پر دیت کا وجوب عود کر آئے گا اور ماں کی قوم باپ کے عاقلہ سے دیت وصول کر لے گی۔

وَكَذَلِكَ رَجُلٌ أَمَرَ صَبِيًّا بِقَتْلِ رَجُلٍ فَقَتَلَهُ فَضَمَّنَتْ عَاقِلَتُهُ الصَّبِيَّ الدِّيَةَ رَجَعَتْ بِهَا عَلَى عَاقِلَةِ الْأَمِيرِ إِنْ كَانَ الْأَمْرُ ثَبَتَ بِالْبَيِّنَةِ وَفِي مَالِ الْأَمِيرِ إِنْ كَانَ ثَبَتَ بِإِقْرَارِهِ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ مِنْ يَوْمٍ يَقْضِي بِهَا الْقَاضِي عَلَى الْأَمِيرِ أَوْ عَلَى عَاقِلَتِهِ، لِأَنَّ الدِّيَاتِ تَجِبُ مُؤَجَّلَةً بِطَرِيقِ التَّيْسِيرِ.

ترجمہ: ایسے ہی اگر کسی شخص نے کسی بچے کو ایک شخص کے قتل کا حکم دیا اور بچے نے اسے قتل کر دیا چنانچہ بچے کے عاقلہ نے دیت کا ضمان ادا کیا تو یہ عاقلہ آمر کے عاقلہ سے دیت واپس لے لیں گے اگر اس کا ثبوت بینہ سے ہوگا، اور اگر اس کا ثبوت آمر کے اقرار سے ہوگا تو آمر کے مال سے واپس لیں گے، یہ رجوع اس دن سے تین سالوں میں ہوگا جس دن سے قاضی آمر یا اس کے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کرے گا، کیونکہ آسانی پیدا کرنے کے لیے دیت موجل ہی واجب ہوتی ہے۔

اللغات:

﴿صبی﴾ بچہ۔ ﴿ضمنت﴾ تاوان دیا۔ ﴿رجعت بہا﴾ یہ واپس لے گی۔ ﴿بینۃ﴾ گواہی۔ ﴿مؤجلۃ﴾ مؤخر کردہ۔ ﴿تیسیر﴾ آسانی پیدا کرنا۔

کسی بچے سے قتل کرانے والے کی دیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک بچے سے کہا کہ بیٹا تم فلاں آدمی کو قتل کر دو اور بچے نے اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس شخص کا کام تمام کر دیا اور اس قاتل بچے کے عاقلہ نے اس کی طرف سے دیت ادا کر دی تو اب یہ عاقلہ آمر سے یا اس کے عاقلہ سے ادا کردہ دیت کی رقم واپس لینے کے حق دار ہوں گے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر آمر کے امر کا ثبوت بینہ سے ہوگا تو آمر کے عاقلہ سے دیت کی رقم واپس لی جائے گی، اور اگر امر کا ثبوت خود آمر کے اقرار سے ہوا ہوگا تو آمر کے مال سے یہ رقم واپس لی

جائے گی اور یوم قضاء سے تین سالوں کی مدت میں اس کی ادائیگی ہوگی، اس لیے کہ دیت جس پر بھی واجب ہوتی ہے بہر حال تین سالوں میں واجب ہوتی ہے تاکہ من و جب علیہم پر تخفیف اور آسانی تحقق ہو جائے۔

قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ هُنَا عِدَّةُ مَسَائِلَ ذَكَرَهَا مُحَمَّدٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مُتَّفَرِّقَةً، وَالْأَصْلُ الَّذِي تَخْرُجُ عَلَيْهِ أَنْ يُقَالَ حَالُ الْقَاتِلِ إِذَا تَبَدَّلَ حُكْمًا فَانْتَقَلَ وَلَاؤُهُ إِلَى وَلَاءٍ بِسَبَبِ أَمْرٍ حَادِثٍ لَمْ تَنْتَقِلْ جَنَايَتُهُ عَنِ الْأُولَى قُضِيَ بِهَا أَوْ لَمْ يَقْضَ، وَإِنْ ظَهَرَتْ حَالُهُ خَفِيَّةً مِثْلُ دَعْوَةٍ وَلَدِ الْمَلَأَعَنَةِ حَوَلَتِ الْجَنَايَةُ إِلَى الْأُخْرَى وَقَعَ الْقَضَاءُ بِهَا أَوْ لَمْ يَقَعْ، وَلَوْ لَمْ يَخْتَلِفْ حَالُ الْجَانِي وَلَكِنَّ الْعَاقِلَةَ تَبَدَّلَتْ كَانَ الْإِعْتِبَارُ فِي ذَلِكَ لَوْ قُبِ الْقَضَاءُ، فَإِنْ كَانَ قُضِيَ بِهَا عَلَى الْأُولَى لَمْ تَنْتَقِلْ إِلَى الثَّانِيَةِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ قُضِيَ بِهَا عَلَى الْأُولَى فَإِنَّهُ يَقْضَى بِهَا عَلَى الثَّانِيَةِ. وَإِذَا كَانَتِ الْعَاقِلَةُ وَاحِدَةً فَلِحَقِّهَا زِيَادَةُ أَوْ نُقْصَانُ اشْتَرَكَوْا فِي حُكْمِ الْجَنَايَةِ قَبْلَ الْقَضَاءِ وَبَعْدَهُ إِلَّا فِيمَا سَبَقَ آدَاءُهُ، فَمَنْ أَحْكَمَ هَذَا الْأَصْلَ مُتَامِلًا يُمْكِنُهُ التَّخْرِيجُ فِيمَا وَرَدَ عَلَيْهِ مِنَ النَّظَائِرِ وَالْأَضْدَادِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالْصَّوَابِ.

ترجمہ: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہاں چند مسائل ہیں جنہیں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے متفرق طور پر ذکر کیا ہے، اور وہ اصل جس پر یہ مسائل متفرع ہیں یہ ہے کہ جب حکماً قاتل کی حالت بدل جائے اور امر جدید کی وجہ سے اس کی ولاء دوسرے ولاء کی طرف منتقل ہو جائے تو (بھی) اس کی جنایت پہلے والے عاقلہ سے منتقل نہیں ہوگی خواہ اس کا فیصلہ کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو۔ اور اگر ایک پوشیدہ حالت ظاہر ہوئی ہو جیسے ملاعنہ کے لڑکے کا دعویٰ کرنا تو جنایت دوسرے عاقلہ کی طرف منتقل ہو جائے گی خواہ اس پر فیصلہ صادر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ اور اگر جانی کا حال مختلف نہ ہوا ہو لیکن عاقلہ بدل گئے ہوں تو اس میں وقتِ قضاء کا اعتبار ہوگا پھر اگر پہلے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کیا جا چکا تھا تو دیت دوسرے عاقلہ کی طرف منتقل نہیں ہوگی۔ اور اگر پہلے والے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ نہیں کیا گیا تھا تو دوسرے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اور اگر عاقلہ ایک ہو اور اس میں زیادتی یا کمی ہوگئی ہو تو سب جنایت کے حکم میں شریک ہوں گے، قضاء سے پہلے بھی اور بعد میں بھی لیکن جس مقدار کی ادائیگی پہلے ہو چکی ہے (اس میں شریک نہیں ہوں گے) لہذا جو شخص غور و فکر کر کے اس اصل کو مضبوط کر لے گا اس کے لیے اس اصل پر وارد ہونے والے امثال و اضداد کی تخریج ممکن ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اللغات:

﴿عدة﴾ کچھ تعداد۔ ﴿الذی تخرج علیہ﴾ جس پر تخریج مسائل ہوتی ہے۔ ﴿احکم﴾ پکا کر لیا، مضبوط کر لیا۔ ﴿مماثل﴾ غور و فکر کرنے والا۔ ﴿نظائر﴾ واحد نظیر؛ ہم جنس، شبیہ، مثل۔

مذکورہ بالا مسائل میں اصل ضابطہ:

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عاقلہ سے متعلق یہاں کئی ایک مسئلے ہیں جنہیں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے متفرق طور پر بیان کیا ہے

لیکن ان مسائل کو سمجھنے کے لیے چند اصول ذہن نشین کرنا ہوگا اور یہ اصول سامنے رکھ کر بہ آسانی ان مسائل کو سمجھا جاسکتا ہے۔

پہلی اصل یہ ہے کہ اگر حکماً قاتل کی حالت بدل جائے اور اس کا ولاء ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہو جائے جیسے غلام باپ کے جانی لڑکے کا ولاء پہلے اس کی آزاد ماں کی طرف رہتا ہے پھر باپ کے آزاد ہونے کے بعد یہ ولاء باپ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے تو جانی کی حالت بدلنے کے باوجود اس کی جنایت میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا اور قاتل کے پہلے والے عاقلہ پر جنایت برقرار رہتی ہے خواہ قاضی نے ان پر دیت کا فیصلہ کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

دوسری اصل یہ ہے کہ اگر مجرم کی حالت مخفی اور پوشیدہ ہو پھر اس کا ظہور ہو جائے تو بعد ظہور جنایت عاقلہ اولیٰ سے دوسرے عاقلہ کی طرف منتقل ہو جائے گی خواہ عاقلہ اولیٰ پر دیت کا فیصلہ کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو جیسے ابن الملائعہ کا معاملہ ہے کہ ملاعن جب لعان کی تکذیب کر کے جانی لڑکے کو اپنالیتا ہے تو اس مخفی اور پوشیدہ حالت کا ظہور ہوتا ہے اور جنایت اس کے باپ کی طرف اور باپ کے عاقلہ کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔

تیسری اصل یہ ہے کہ جانی کی حالت میں تبدیلی نہ ہوئی ہو بلکہ اس کے عاقلہ بدل گئے ہوں تو اس صورت میں قضاء کے وقت کا اعتبار ہے، چنانچہ اگر قاضی نے پہلے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کر دیا تھا تو بدلے ہوئے عاقلہ پر دیت واجب نہیں ہوگی اور اگر اول پر دیت کا فیصلہ نہیں ہوا تھا تو بدلے ہوئے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی جیسے اگر قاتل اہل کوفہ میں سے ہو اور اس کا دیوان بصرہ منتقل کر دیا گیا ہو تو اس صورت میں بھی وقت قضاء کا اعتبار کر کے اہل کوفہ یا اہل بصرہ کے عاقلہ پر دیت واجب کی گئی ہے۔

وإذا كانت الخ: یہ چوتھی اصل ہے اور اس اصل کا حاصل یہ ہے کہ عاقلہ میں تبدیلی نہ ہوئی بلکہ اس میں اضافہ ہو گیا ہو یعنی کوئی بچہ تھا وہ بالغ ہو گیا ہو یا عاقلہ میں کمی ہو گئی ہو مثلاً کسی کا انتقال ہو گیا ہو تو اس صورت میں حکم جنایت میں سب شریک ہوں گے اور قبل القضاء یا بعد القضاء میں کوئی فرق نہیں ہوگا، بلکہ اس حکم میں بھی سب برابر ہوں گے۔ ہاں دیت کی جو مقدار ادا کی جا چکی ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور ان لوگوں سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہوگا۔ یعنی اس مقدار میں یہ لوگ شریک نہیں ہوں گے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ معادل سے متعلق یہ چار اصول ہیں اور جو شخص ان میں گہرائی کے ساتھ غور و فکر کرے گا اس کے لیے ان اصول پر متفرع ہونے والے مسائل کی تحقیق و تخریج بہت سہل اور آسان ہوگی۔



کِتَابُ الْوَصَايَا

یہ کتاب وصیتوں کے بیان میں ہے

صاحب ہدایہ نے اس سے پہلے کتاب الدیات اور کتاب الجنایات کو بیان کیا ہے اور اب یہاں سے کتاب الوصایا کو بیان کر رہے ہیں ان میں وجہ مناسبت اس طور پر ہے کہ وصیت انسان کی زندگی کے آخری مرحلے میں ہوتی ہے اور عموماً جنایت کے بعد جانی کی زندگی بھی آخری مرحلے میں ہوتی ہے، اس لیے کتاب الجنایات کے بعد کتاب الوصایا کو بیان کیا جا رہا ہے۔ واضح رہے کہ وصایا وصیۃ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں بغیر صلہ کے دینا، مفت دینا، تبرع کے طور پر دینا۔ اور وصیۃ کے شرعی معنی ہیں تملیک مضاف إلى ما بعد الموت بطریق التبرع۔ یعنی انسان کا اپنی موت کے بعد بطریق احسان کسی کو کسی چیز کا مالک بنانا۔

یہاں چند اصطلاحی الفاظ ہیں انھیں ذہن نشین کر لیں:

❖ **مُوصِی:** یعنی وصیت کرنے والا شخص۔

❖ **مُوصِی لہ:** وہ شخص جس کے لیے وصیت کی جائے۔

❖ **مُوصِی بہ:** وہ چیز جس کی وصیت کی جائے۔

وصیت کا حکم یہ ہے کہ مُوصِی لہ ملکِ جدید کے طور پر مُوصِی بہ کا مالک ہو جاتا ہے۔ (بنایہ: ۱۲/۳۸۴)

صحبتِ وصیت کے لیے مُوصِی کا مقروض نہ ہونا، اس کا تبرع کے قابل ہونا شرط ہے نیز یہ بھی شرط ہے کہ مُوصِی لہ نہ تو مُوصِی کا وارث ہو اور نہ ہی اس کا قاتل ہو اور مُوصِی تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنے والا نہ ہو۔ ان کے علاوہ اور بھی شرائط ہیں جو مسائل کے دوران آپ کے سامنے آئیں گی۔

بَابُ فِي صِفَةِ الْوَصِيَّةِ مَا يَجُوزُ مِنْ ذَلِكَ وَمَا يُسْتَحَبُّ مِنْهُ وَمَا يَكُونُ رَجُوعًا عَنْهُ

یہ باب وصیت کی صفت کے بیان میں ہے یعنی جائز وصیت، مستحب وصیت اور رجوع عن الوصیت کے بیان میں ہے

قَالَ الْوَصِيَّةُ غَيْرُ وَاجِبَةٍ وَهِيَ مُسْتَحَبَّةٌ وَالْقِيَاسُ يَأْتِي جَوَازَهَا، لِأَنَّهُ تَمْلِكُكَ مُضَافٌ إِلَى حَالِ زَوَالِ مَالِكَتِهِ، وَلَوْ أُضِيفَ إِلَى حَالِ قِيَامِهَا بَأَنْ قِيلَ مَلَكَتُكَ عَدَا كَانَ بَاطِلًا فَهَذَا أَوْلَى إِلَّا أَنَّا اسْتَحْسَنَاهُ لِحَاجَةِ النَّاسِ إِلَيْهَا فَإِنَّ الْإِنْسَانَ مَغْرُورٌ بِأَمَلِهِ مُقْصِرٌ فِي عَمَلِهِ فَإِذَا عَرَضَ لَهُ الْمَرَضُ وَخَافَ الْبَيَّاتَ يَحْتَاجُ إِلَى تَلَاْفِي بَعْضِ مَا قَرَّطَ مِنْهُ التَّفْرِيطُ بِمَالِهِ عَلَى وَجْهِ لَوْ مَضَى فِيهِ يَتَحَقَّقُ مَقْصَدُهُ الْمَالِي، وَلَوْ أَنَّهُضَهُ الْبُرْءُ يَصْرِفُهُ إِلَى مَطْلَبِهِ الْحَالِيِّ، وَفِي شَرْعِ الْوَصِيَّةِ ذَلِكَ فَشَرَعْنَاهُ وَمِثْلُهُ فِي الْإِجَارَةِ بَيِّنَاهُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ وصیت واجب نہیں ہے، مستحب ہے، اور قیاس اُس کے جواز کا منکر ہے، کیونکہ وصیت ایسی تملیک ہے جو موصی کی مالکیت کے زوال کی طرف منسوب ہے اور اگر وصیت کو قیام ملکیت کی طرف منسوب کر دیا جائے مثلاً یوں کہا جائے میں نے تمہیں کل مالک بنا دیا تو یہ باطل ہے لہذا (وصیت کی) یہ صورت بدرجہ اولیٰ باطل ہوگی، لیکن وصیت کی جانب لوگوں کی حاجت کے پیش نظر بر بنائے استحسان ہم نے اسے جائز قرار دے دیا ہے، کیونکہ انسان اپنی امید کی وجہ سے دھوکہ کھا جاتا ہے اور اپنے عمل میں کوتاہی کر بیٹھتا ہے پھر جب اسے مرض لاحق ہوتا ہے اور وہ موت سے گھبرا جاتا ہے تو وہ ماضی میں کی ہوئی اپنی کوتاہی اور زیادتی کی تلافی کا (اپنے مال کے ذریعے) محتاج ہوتا ہے بایں طور کہ اگر وہ اس مرض میں انتقال کر گیا تو اس کا اخروی مقصد متحقق ہو جائے گا۔ اور اگر وہ رو بہ صحت ہو گیا تو وہ مال دنیاوی مقصد میں صرف کرے گا اور وصیت کو مشروع کرنے میں یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے، لہذا ہم نے وصیت کو مشروع قرار دے دیا اور اسی کے مثل اجارہ میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

اللَّغَاتُ:

﴿یأْتی﴾ انکار کرتا ہے۔ ﴿تملیک﴾ مالک بناتا ہے۔ ﴿مغرور﴾ دھوکہ کھانے والا ہے۔ ﴿أمل﴾ امید۔ ﴿مقصر﴾ کوتاہی کرنے والا ہے۔ ﴿تلافی﴾ نقصان کو پورا کرنا۔ ﴿تفریط﴾ کوتاہی۔ ﴿أنهض﴾ اٹھا کھڑا کرے۔ ﴿بصرفه﴾ اسے خرچ کرتا ہے۔ ﴿برء﴾ بیماری کا جاتے رہنا۔

وصیت کی شرعی حیثیت اور مسئلہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ وصیت واجب اور ضروری نہیں ہے کہ قریب المرگ شخص کے لیے اس کو انجام دینا لازم ہو، بل کہ شریعت میں اس کی حیثیت مستحب کی ہے اور شریعت نے اسے استحباب کا درجہ دیا ہے، جب کہ قیاس اس کے جواز کا منکر ہے، قیاس کی دلیل یہ ہے کہ وصیت میں موصی لہ کے لیے ایک ایسی حالت میں ملکیت کو ثابت کیا جاتا ہے جس حالت میں موصی سے تملیک کی صفت فوت ہو چکی ہوتی ہے۔ اور موصی اس حالت میں دوسرے کو مالک بنانے کا اہل نہیں رہتا اور چوں کہ موصی کا اہل تملیک میں سے ہونا شرط ہے لہذا مابعد الموت کی طرف منسوب کی جانے والی وصیت باطل ہے۔ اور صاف سیدھی بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے سے یوں کہے کہ میں نے کل تمہیں فلاں چیز کا مالک بنا دیا تو یہ تملیک بھی باطل ہے حالانکہ کل میں مالک بنائی ہوئی چیز پر اس شخص کی ملکیت باقی اور برقرار ہے تو جب مابعد الیوم والی تملیک باطل ہے تو مابعد الموت والی تملیک تو بدرجہ اولیٰ باطل ہوگی۔

إلّا أنا استحسانہ الخ: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ صورت مسئلہ میں ہم نے قیاس کو ترک کر کے لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر بر بنائے استحسان وصیت کو جائز قرار دیا ہے۔ اور وصیت کی طرف لوگوں کی حاجت و ضرورت اس طور پر ہے کہ انسان دنیا میں بے شمار امیدوں اور امنگوں میں گھرا رہتا ہے اور انھی آرزوؤں کو بروئے کار لانے کے چکر میں بسا اوقات وہ کوتاہی اور غلطی کر بیٹھتا ہے اور اسے احساس تک نہیں ہوتا، لیکن بڑھاپے میں بستر مرگ پر اسے اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے اور وہ اپنی کمی اور کوتاہی پر نادم ہو کر ماضی میں کی ہوئی غلطی کی تلافی کرنا چاہتا ہے، اور اس کے لیے وہ اپنے مال کا تہائی حصہ راہ خدا میں صرف کرنا چاہتا ہے یا اپنے اعزاء و اقارب کو دینا چاہتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ اگر اس مرض میں وہ جاں بحق ہو گیا تو اس کی آخرت بنی رہے گی اور اگر صحت یاب ہو گیا تو اس مال کو صحیح مصرف میں لگا دے گا اور انسان کی غلطی کے تذکر کا آسان راستہ وصیت کی شکل میں نظر آتا ہے، اسی لیے شریعت نے وصیت کو جائز قرار دے دیا ہے۔

وَقَدْ تَبَقَّى الْمَالِ الْكَيَّةُ بَعْدَ الْمَوْتِ بِإِعْتِبَارِ الْحَاجَةِ كَمَا فِي قَدْرِ التَّجْهِيزِ وَالذَّيْنِ وَقَدْ نَطَقَ بِهِ الْكِتَابُ وَهُوَ قَوْلُ اللَّهِ تَعَالَى: ﴿مَنْ بَعْدَ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دِينَ﴾ [سورة النساء: ۱۱]، وَالسُّنَّةُ وَهُوَ قَوْلُ النَّبِيِّ ﷺ: ^① "إِنَّ اللَّهَ تَصَدَّقَ عَلَيْكُمْ بِغُلَّتْ أَمْوَالُكُمْ فِي آخِرِ أَعْمَارِكُمْ زِيَادَةً لَكُمْ فِي أَعْمَالِكُمْ تَصْنَعُونَهَا حَيْثُ شِئْتُمْ أَوْ قَالَ حَيْثُ أَحْبَبْتُمْ وَعَلَيْهِ إِجْمَاعُ الْأُمَّةِ، ثُمَّ تَصَحُّحُ لِلْأَجَنِيِّ فِي الثُّلُثِ مِنْ غَيْرِ إِجَازَةِ الْوَرَثَةِ لِمَا رَوَيْنَا، وَسَنَبِّحُ مَا هُوَ الْأَفْضَلُ فِيهِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى.

ترجمہ: اور موت کے بعد بھی باعتبار حاجت ملکیت باقی رہتی ہے جیسے تجہیز و تکفین اور قرض کی مقدار میں۔ اور کتاب اللہ اس کے جواز پر ناطق ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان من بعد وصیۃ یوصی بہا او دین ہے۔ اور سنت بھی اس کے جواز پر ناطق ہے اور وہ حضرت کا یہ فرمان مقدس ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر تمہاری آخری عمروں میں تمہارے ثلث مال کا صدقہ کر دیا ہے، تاکہ تمہارے اعمال میں اضافہ ہو جائے، لہذا تم جہاں چاہو اسے خرچ کرو۔ یا آپ ﷺ نے حیت اجمعت فرمایا۔ اور جواز وصیت پر اجماع منعقد ہو چکا

ہے۔ پھر اجنبی کے لیے تہائی مال میں وراثہ کی اجازت کے بغیر وصیت درست ہے اس حدیث کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور ہم وصیت کے بہترین طریقے کو بھی ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

اللغات:

﴿تجهيز﴾ کفن اور قبر کا خرچ۔ ﴿دين﴾ قرض۔ ﴿نطق به﴾ اس کو بیان کیا ہے۔ ﴿اعمار﴾ واحد عمر؛ زندگی۔ ﴿تصنعون﴾ تم عمل کرو۔ ﴿سنين﴾ ابھی ہم بتائیں گے۔

تخریج:

① أخرجه ابن ماجه فى كتاب الوصايا باب الوصية بالثلث، حديث رقم: ۲۷۰۹.

ما قبل میں اٹھائے گئے ایک شبہ کا جواب:

اس سے پہلے والے مسئلے میں قیاس کی دلیل بیان کرتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ موت کے بعد موصی کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے وہ ہمیں تسلیم نہیں ہے، کیونکہ موت کے بعد تجہیز و تکفین اور ادائے دین کو تمام امور پر مقدم کیا جاتا ہے اور یہ چیزیں میت کے مال سے اداء کی جاتی ہیں اور اگر میت کی ملکیت ختم ہو جاتی اور باقی نہ رہتی تو یہ امور بھی اس کے مال سے انجام نہ دیے جاتے، لہذا جس طرح ان امور کی انجام دہی میں میت کی ملکیت باقی رہتی ہے اسی طرح میت کی وصیت جائز اور نافذ کرنے کے حق میں بھی اس کی ملکیت باقی شمار کی جائے گی اور اس کی وصیت درست اور جائز ہوگی۔

ان تمام کے علاوہ جواز وصیت کی سب سے اہم اور واضح دلیل قرآن وحدیث سے اس کا ثبوت ہے۔ قرآن کریم نے فان كان له اخوة فلا تمه السدس من بعد وصية يوصي بها او دين کے اعلان سے وصیت کے ثبوت اور جواز کو آشکارا کیا ہے۔ اسی طرح حدیث پاک میں بھی اسے ثابت اور جائز قرار دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: **ان الله تصدق عليكم بثلاث** **أموالكم في آخر أعماركم زيادة لكم في أعمالكم تصنعونها حيث شئتم**۔ یعنی اللہ نے تمہاری آخری عمروں میں تمہارے لیے تہائی مال کا صدقہ کر دیا ہے تاکہ تمہارے اعمال میں اضافہ ہو جائے اور تم جہاں چاہو ان اموال کو خرچ کرو۔ اور آخری عمروں میں تہائی مال ہی کی وصیت کی جاتی ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ شریعت میں وصیت کا ثبوت اور جواز موجود ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں **حيث شئتم الخ** کی جگہ **حيث أحببتم** وارد ہے۔ اور پھر وصیت کے جواز پر امت کا اجماع بھی ہے، لہذا جب کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع امت تینوں سے وصیت کا ثبوت اور جواز ہے تو پھر قیاس ایک نہیں بلکہ ہزار مرتبہ اس کا انکار کرے بہر صورت وہ ثابت اور جائز ہی رہے گی۔

ثم تصح الخ: فرماتے ہیں کہ موصی اگر کسی اجنبی کے لیے وصیت کرنا چاہے تو تہائی مال میں دل کھول کر وصیت کرتا ہے اور اس کے لیے اسے کسی سے اجازت اور پرمیشن لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ ویسے اس سلسلے میں ہم اور بھی اچھا طریقہ آپ کے سامنے بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ، تھوڑا سا انتظار کریں۔

قَالَ وَلَا تَجُوزُ بِمَا زَادَ عَلَى الثَّلَثِ لِقَوْلِ ① النَّبِيِّ ﷺ فِي حَدِيثِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَاصٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، وَالثَّلَثُ كَثِيرٌ بَعْدَ مَا نَفَى وَصِيَّتَهُ بِالْكُلِّ وَالنِّصْفِ، وَلَئِنَّهُ حَقُّ الْوَرَثَةِ، وَهَذَا لِأَنَّهُ اِنْعَقَدَ سَبَبُ الزَّوَالِ إِلَيْهِمْ وَهُوَ اِسْتِغْنَاؤُهُ عَنِ الْمَالِ فَأَوْجَبَ تَعَلُّقَ حَقِّهِمْ بِهِ إِلَّا أَنَّ الشَّرْعَ لَمْ يَظْهَرُهُ فِي حَقِّ الْأَجَانِبِ بِقَدْرِ الثَّلَثِ لِيَتَدَارَكَ تَقْصِيرُهُ عَلَى مَا بَيْنَهُ، وَأَظْهَرَ فِي حَقِّ الْوَرَثَةِ لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّهُ لَا يَتَصَدَّقُ بِهِ عَلَيْهِمْ، تَحَرُّزًا عَمَّا يَتَفَقُّ مِنَ الْإِثَارِ عَلَى مَا بَيْنَهُ، وَقَدْ جَاءَ فِي الْحَدِيثِ ② "الْحَيْفُ فِي الْوَصِيَّةِ مِنْ أَكْبَرِ الْكِبَائِرِ" وَفَسَّرُوهُ بِالزِّيَادَةِ عَلَى الثَّلَثِ وَبِالْوَصِيَّةِ لِلْوَارِثِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ ثلث سے زائد مقدار پر وصیت جائز نہیں ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث میں فرمایا ہے کہ تم ثلث کی وصیت کرو اور ثلث کثیر ہے یہ جملہ آپ ﷺ نے اس وقت فرمایا تھا جب آپ ﷺ نے ان کے لیے کل اور نصف مال وصیت کرنے کی نفی فرمائی تھی۔ اور اس لیے کہ مال وراثہ کا حق ہے اور ان کی طرف سبب زوال منعقد ہو چکا ہے اور وہ مورث کا مال سے مستغنی ہونا ہے لہذا یہ استغناء اس مال سے ان کے حق کی واسطگی کو ثابت کر دے گا، لیکن شریعت نے اجانب کے حق میں ثلث کی مقدار میں اس استغناء کو ظاہر نہیں کیا تاکہ مورث اپنی کوتاہی کی تلافی کر سکے، اس تفصیل کے مطابق جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔

اور وراثہ کے حق میں اسے ظاہر کیا ہے، کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ مورث اپنے وراثہ پر اسے صدقہ نہیں کرے گا تاکہ اتفاقاً واقع ہونے والے ایثار سے وہ بچ جائے اس تفصیل کے مطابق جسے ہم بیان کریں گے۔ حدیث پاک میں وارد ہے کہ وصیت میں ظلم کرنا اکبر الکبائر میں سے ہے۔ اور علماء نے حیف کی تفسیر ثلث سے زیادہ سے اور وارث کے لیے وصیت کرنے سے کی ہے۔

اللَّغَاتُ:

﴿ثلث﴾ تیسرا حصہ۔ ﴿استغناء﴾ بے نیازی۔ ﴿تحرز﴾ بچنا۔ ﴿حیف﴾ ظلم کرنا۔

تخریج:

① أخرجه مسلم في كتاب الوصية باب الوصية بالثلث، حديث : ۷.

② أخرجه البيهقي في السنن الكبهي كتاب الوصايا، حديث رقم : ۱۲۵۸۶، ۱۲۵۸۷.

وصیت کی حد:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ مورث کے لیے تہائی مال کی وصیت کرنا درست اور جائز ہے اور تہائی سے زائد کی وصیت کرنا درست نہیں ہے، اس سلسلے کی دلیل حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے: قلت يا رسول الله إن لي مالا كثيرا وإنما ترثني ابنتي أفاوصي بمالي كله، قال لا، قال فالثلثين، قال لا، قال فبالثلث، قال الثلث والثلث كثير الخ۔ حضرت

سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی علیہ السلام میرے پاس بہت زیادہ مال ہے اور میری بیٹی ہی میری وارث ہے تو کیا میں اپنے پورے مال کی وصیت کر دوں آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، انھوں نے عرض کیا کیا دو تہائی مال کی وصیت کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ انہوں نے عرض کیا۔ کیا تہائی مال کی وصیت کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں تہائی مال کی وصیت کر سکتے ہو اور تہائی مال زیادہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مورث تہائی مال ہی کی وصیت کر سکتا ہے اور اس سے زائد کی وصیت نہیں کر سکتا، کیونکہ آپ ﷺ نے حضرت سعد کے حق میں کل، دو ثلث اور نصف مال کی وصیت کی نفی فرمائی ہے۔

لأنه حق الورثة الخ: ثلث مال سے زائد میں وصیت کے عدم جواز کی عقلی دلیل یہ ہے کہ جب موصی اور مورث قریب المرگ ہو جاتا ہے تو اس کے مال سے ورثاء کا حق متعلق ہو جاتا ہے اور موصی مال سے مستغنی ہو جاتا ہے اور اس استغناء کا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے مال کی کسی بھی مقدار سے وصیت درست اور جائز نہ ہو اور ہر مقدار کے حق میں یہ استغناء ظاہر ہو مگر چوں کہ شریعت نے اجانب کے حق میں ثلث مال میں اس استغناء کو ظاہر نہیں کیا ہے، تاکہ اس کے ذریعے مورث اپنی کمی اور کوتاہی کی تلافی کر سکے، لہذا ثلث میں تو اسے وصیت کی اجازت دی جائے گی اور ثلث کے علاوہ میں اسے یہ اجازت نہیں ملے گی، اس لیے نہ تو ثلث مال سے زائد کی وصیت درست ہے اور نہ ہی وارث کے لیے وصیت درست اور جائز ہے، کیونکہ وارث کے لیے وصیت کو جائز قرار دینے میں بعض ورثاء کو تکلیف دینا لازم آئے گا اور جن وارثوں کے لیے مورث وصیت نہیں کرے گا ان کی دل شکنی ہوگی اور قطع رحمی لازم آئے گی حالانکہ قطع رحمی درست نہیں ہے۔

وقد جاء في الحديث الخ: صاحب ہدایہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ثلث مال سے زائد میں وصیت کے عدم جواز اور وارث کے لیے اس کے عدم جواز کی دلیل یہ حدیث بھی ہے الحیف في الوصية من اكبر الكبائر یعنی وصیت میں ظلم کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ایک گناہ ہے اور کبار کی فرسٹ لسٹ میں شامل ہے۔ اور وصیت میں ظلم یہی ہے کہ انسان تہائی مال سے زائد کی وصیت کرے یا پھر کسی وارث کے لیے وصیت کرے۔

قَالَ إِلَّا أَنْ يُجِيزَهَا الْوَرَثَةُ بَعْدَ مَوْتِهِ وَهُمْ كِبَارٌ، لِأَنَّ الْإِمْتِنَاعَ لِحَقِّهِمْ وَهُمْ أَسْقَطُوهُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں مگر یہ کہ ورثاء مورث کی موت کے بعد ثلث سے زائد کی اجازت دیدیں اس حال میں کہ ورثاء بڑے ہوں، کیوں کہ امتناع ان کے حق کی وجہ سے تھا اور انھوں نے اپنا حق ساقط کر دیا ہے۔

اللغات:

﴿يجيز﴾ اجازت دے دیں۔ ﴿كبار﴾ واحد کبیر؛ بڑے، بالغ لوگ۔ ﴿أسقطوه﴾ اس کو ساقط کر چکے ہیں۔

مذکورہ بالا مسئلہ میں ایک استثناء:

مسئلہ یہ ہے کہ مورث کے لیے تہائی مال سے زائد کی وصیت کرنا درست نہیں ہے، لیکن اگر ورثاء بالغ ہوں اور مورث کی موت کے بعد وہ لوگ ثلث سے زائد وصیت کی اجازت دے دیں تو ان کی اجازت سے زائد میں بھی وصیت درست اور جائز ہوگی، کیونکہ زائد میں جواز وصیت کا ممتنع ہونا ورثاء کے حق کی وجہ سے تھا اور ورثاء نے اجازت دے کر اپنا یہ حق ساقط کر دیا ہے، لہذا اب اس

کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

وَلَا مُعْتَبَرٌ بِإِجَازَتِهِمْ فِي حَالِ حَيَاتِهِ، لِأَنَّهَا قَبْلَ ثُبُوتِ الْحَقِّ، إِذِ الْحَقُّ يَثْبُتُ عِنْدَ الْمَوْتِ فَكَانَ لَهُمْ أَنْ يَرُدُّوهُ بَعْدَ وَقَاتِهِ، بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الْمَوْتِ، لِأَنَّهُ بَعْدَ ثُبُوتِ الْحَقِّ فَلَيْسَ لَهُمْ أَنْ يَرْجِعُوا عَنْهُ، لِأَنَّ السَّاقِطَ مُتَلَاشٍ، غَايَةُ الْأَمْرِ أَنَّهُ يَسْتَنَدُ عِنْدَ الْإِجَازَةِ لِكِنَّ الْإِسْتِنَادَ يَظْهَرُ فِي حَقِّ الْقَائِمِ وَهَذَا قَدْ مَضَى وَتَلَاشَى، وَلِأَنَّ الْحَقِيقَةَ ثَبَّتْ عِنْدَ الْمَوْتِ وَقَبْلَهُ يَثْبُتُ مُجَرَّدُ الْحَقِّ فَلَوْ اسْتَنَدَ مِنْ كُلِّ وَجْهِ يَنْقَلِبُ حَقِيقَةً قَبْلَهُ، وَالرَّضَاءُ بِبُطْلَانِ الْحَقِّ لَا يَكُونُ رَضًا بِبُطْلَانِ الْحَقِيقَةِ.

ترجمہ: اور مورث کی زندگی میں ورثاء کی اجازت کا اعتبار نہیں ہے، کیونکہ یہ ثبوت حق سے پہلے کا مرحلہ ہے، اس لیے کہ ورثاء کا حق موت کے وقت ثابت ہوتا ہے، لہذا ورثاء کو حق ہوگا کہ مورث کی موت کے بعد اس اجازت کو مسترد کر دیں برخلاف ما بعد الموت کے، اس لیے کہ یہ اجازت ثبوت حق کے بعد ہے تو ورثاء کو اس سے رجوع کا حق نہیں ہوگا، کیونکہ ساقط شدہ چیز معدوم ہوتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ بات لازم آئے گی کہ ورثاء کا حق بوقت اجازت مستند ہو جائے گا، لیکن استناد حق موجود میں ظاہر ہوتا ہے حالانکہ یہ گذر کر معدوم ہو چکی ہے۔ اور اس لیے کہ حقیقت بوقت موت ثابت ہوتی ہے اور موت سے پہلے محض حق ثابت ہوتا ہے، لہذا اگر ہر اعتبار سے استناد ثابت ہو جائے گا تو موت سے پہلے ہی حق حقیقت میں بدل جائے گا۔ اور بطلان حق کی رضامندی بطلان حقیقت کی رضامندی نہیں ہے۔

اللغات:

﴿ساقط﴾ گرنے والا۔ ﴿متلاشی﴾ لاشے ہونے والا ہے۔ ﴿غایہ﴾ انتہاء۔ ﴿مضی﴾ گزر گیا۔ ﴿تلاشی﴾ لاشے ہو گیا۔ ﴿ینقلب﴾ پھر جائے گا، بدل جائے گا۔

ثلث مال سے زائد کی وصیت میں ورثاء کی اجازت کا وقت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ثلث مال سے زائد کی مقدار میں ورثاء کی اجازت اسی صورت میں درست اور جائز ہے جب یہ اجازت مورث کی موت کے بعد دی گئی ہو۔ اور اگر ورثاء نے مورث کی زندگی میں اجازت دی تو اس اجازت کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، کیونکہ مورث کے مال سے ان کا حق بوقت موت ثابت ہوگا اور وقت موت سے پہلے کی اجازت ثبوت حق سے پہلے کی ہے، اس لیے قبل الموت والی اجازت سے ورثاء کو رجوع کا حق حاصل ہے۔ اور موت کے بعد والی اجازت میں ورثاء کو اجازت سے رجوع کا حق نہیں ہے، کیونکہ موت کے بعد مورث کے مال سے ورثاء کا حق متعلق ہو چکا ہے اور اب اجازت دے کر انھوں نے اپنا حق ساقط کر دیا ہے اور ساقط شدہ چیز معدوم ہوتی ہے لہذا اس سے رجوع کا حق نہیں ہوگا۔

غایۃ الأمر الخ: یہاں سے ایک سوال مقدار کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ جس طرح بعد الموت والی اجازت سے ورثاء کو حق رجوع حاصل نہیں ہے اسی طرح قبل الموت والی اجازت میں بھی ورثاء کو حق رجوع حاصل نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ یہ اجازت

بطریق استناد حق و رثاء کی طرف منتقل ہو جائے گی اور اس طرح ان کے اپنے حق میں یہ اجازت شمار ہوگی، لہذا اس میں بھی وراثت کو حق رجوع نہیں ملنا چاہئے؟ اسی کا جواب دیتے ہوئے صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ یہاں بطریق استناد اجازت کو وراثت کے حق میں قرار دینا ممکن نہیں ہے، اس لیے کہ استناد حق موجود اور حق قائم میں ظاہر ہوتا ہے اور قبل الموت والی اجازت موت کے بعد ختم اور معدوم ہو چکی ہے اس لیے اس میں استناد کا ظہور نہیں ہوگا اور بطریق استناد حق میں اجازت کا ثبوت بھی نہیں ہوگا۔

اس سلسلے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ مورث کی موت سے پہلے وراثت کے لیے حق ملک ثابت ہوتا ہے اور ملک حقیقی بوقت موت ثابت ہوتی ہے اب اگر قبل الموت ہم بطریق استناد اجازت کو حق میں ثابت کر دیں تو بعد الموت ثابت ہونے والی چیز کا قبل الموت ہی ثابت ہونا لازم آئے گا اور حق ملک کا ملک حقیقی سے بدلنا لازم آئے گا، حالانکہ یہ چیز باطل ہے اس لیے بطریق استناد اجازت کا ثبوت بھی باطل ہے۔ اور چون کہ وراثت نے موت سے پہلے اجازت دے کر حق ملک کے بطلان پر رضامندی ظاہر کی ہے نہ کہ ملک حقیقی کے بطلان پر رضامندی ظاہر کی ہے اور حق ملک کا بطلان ملک حقیقی کے بطلان کو مستلزم نہیں ہے۔

وَكَذَلِكَ إِنْ كَانَتْ الْوَصِيَّةُ لِلْوَارِثِ وَاجَازَتْ الْبَقِيَّةُ فَحُكْمُهُ مَا ذَكَرْنَاهُ، وَكُلُّ مَا جَازَ بِاجَازَةِ الْوَارِثِ يَتَمَلَّكُهُ الْمُجَازُ لَهُ مِنْ قَبْلِ الْمُوصِي عِنْدَنَا، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ مِنْ قَبْلِ الْوَارِثِ، وَالصَّحِيحُ قَوْلُنَا، لِأَنَّ السَّبَبَ صَدَرَ مِنَ الْمُوصِي وَالْإِجَازَةُ رَفَعَ الْمَانِعِ، وَلَيْسَ مِنْ شَرْطِهِ الْقَبْضُ، وَصَارَ كَالْمُرْتَهِنِ إِذَا أَجَازَ بَيْعَ الرَّاهِنِ.

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر وصیت وارث کے لیے ہو اور بقی وراثت نے اجازت دے دی ہو تو اس کا حکم وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور ہر وہ تصرف جو وارث کی اجازت سے جائز ہوا ہو تو ہمارے یہاں موصی کی طرف سے مجاز لہ اس کا مالک ہو جائے گا اور امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں وارث کی طرف سے مالک ہوگا۔ اور صحیح ہمارا قول ہے، کیونکہ سبب موصی کی طرف سے صادر ہوا ہے اور اجازت مانع کو ختم کرنا ہے اور قبضہ اس کی شرط نہیں ہے، اور یہ ایسا ہو گیا جیسے مرہن جب راہن کی بیع کی اجازت دے دے۔

اللغات:

﴿يَتَمَلَّكُ﴾ مالک ہوتا ہے۔ ﴿مُجَازُ لَهُ﴾ جس کے لیے اجازت دی گئی ہو۔ ﴿مُوصِي﴾ وصیت کرنے والا۔

وارث کے حق میں وصیت کی صورت میں باقی وارث کی اجازت کا مسئلہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مورث نے وراثت میں سے کسی وارث کے لیے وصیت کر دی تو اس کا نفاذ اور جواز بھی بقیہ وراثت کی اجازت پر موقوف ہوگا اور اگر وہ اجازت دے دیں تو یہ وصیت نافذ اور جائز ہو جائے گی۔ اور ہر وہ چیز جو وارث کی اجازت سے جائز اور نافذ ہوتی ہو اس کا حکم یہ ہے کہ ہمارے یہاں موصی لہ اور مجاز لہ موصی کی طرف سے اس کا مالک ہوگا اور امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں وارث کی طرف سے موصی لہ اس کا مالک ہوگا، لیکن صحیح قول ہمارا ہے یعنی ہمارے یہاں موصی لہ موصی کی طرف سے موصی بہ کا مالک ہوگا اس لیے کہ سبب ملک (یعنی وصیت) موصی کی طرف سے صادر ہوا ہے، لہذا موصی کی ملکیت بھی موصی ہی کی طرف سے متحقق ہوگی۔

والإجازة رفع المانع الخ: یہاں سے ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں اگرچہ سبب ملک

یعنی وصیت کا صدور موصی کی طرف سے ہوا ہے، لیکن اس مال سے ورثاء کا حق متعلق ہو چکا ہے اور ورثاء نے جو اجازت دی ہے اس سے جو مانع تھا یعنی ان کے حق کا استقاط وہ ختم ہوا ہے لیکن اس مانع کے ختم ہونے سے موصی لہ کے لیے ملکیت کا ثبوت نہیں ہوا ہے لہذا اس حوالے سے بھی موصی لہ کے لیے وارث کی طرف سے ملکیت کا ثبوت ماننا درست نہیں ہے کما ذہب الیہ الإمام الشافعی اور جب ورثاء کی طرف سے دی جانے والی اجازت ملکیت کا ثبوت نہیں ہے تو پھر اس کے لیے قبضہ بھی شرط نہیں ہے، کیونکہ ملکیت کا ثبوت موصی کی طرف سے ہے اور موصی بہ پر اس کا قبضہ متحقق ہے۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے راہن شئی مرہون کو فروخت کر دے تو یہ بیع مرتہن کی اجازت پر موقوف رہے گی اور جب مرتہن بیع کی اجازت دے گا تو اس کا نفاذ اور جواز راہن کی طرف سے ہو گا نہ کہ مرتہن کی طرف سے۔

قَالَ وَلَا تَجُوزُ لِلْقَاتِلِ عَامِدًا كَانَ أَوْ حَاطِنًا بَعْدَ أَنْ كَانَ مُبَاشِرًا لِقَوْلِهِ ① عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا وَصِيَّةَ لِلْقَاتِلِ، وَلِأَنَّهُ اسْتَعْجَلَ مَا أَخْرَهُ اللَّهُ تَعَالَى فَيُحَرِّمُ الْوَصِيَّةَ كَمَا يُحَرِّمُ الْمِيرَاثَ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى تَجُوزُ لِلْقَاتِلِ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ إِذَا أُوصِيَ لِرَجُلٍ ثُمَّ أَنَّهُ قَتَلَ الْمُوصِي تَبْطُلُ الْوَصِيَّةُ عِنْدَنَا وَعِنْدَهُ لَا تَبْطُلُ، وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ فِي الْفَصْلَيْنِ مَا قُلْنَا.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ قاتل کے لیے وصیت جائز نہیں ہے خواہ وہ عائد ہو یا خاطی ہو بعد اس کے کہ وہ مباشر ہو، اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے قاتل کے لیے وصیت نہیں ہے۔ اور اس لیے کہ قاتل نے اس چیز کو جلدی حاصل کرنا چاہا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مؤخر کر دیا ہے، لہذا وہ وصیت سے محروم کر دیا جائے گا جیسے میراث سے محروم کر دیا گیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قاتل کے لیے جائز ہے۔ اور اسی اختلاف پر ہے جب کسی نے کسی شخص کے لیے وصیت کی پھر اسی شخص نے موصی کو قتل کر دیا تو ہمارے یہاں وصیت باطل ہو جائے گی اور امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں باطل نہیں ہوگی اور دونوں مسکوں میں ہماری پیش کردہ دلیل ان کے خلاف حجت ہے۔

اللغات:

﴿مباشر﴾ مرتکب، خود عمل کرنے والا۔ ﴿استعجل﴾ جلدی کی ہے۔ ﴿آخر﴾ مؤخر کیا تھا۔

تخریج:

① أخرجه دارقطنی فی السنن کتاب فی الاقضية، حدیث رقم: ۴۵۲۵، ۴۵۲۶.

والبيهقي فی کتاب السنن الکبری باب ما جاء فی الوصية للقاتل، حدیث ۱۲۶۵۲.

قاتل کے لیے وصیت کا عدم جواز:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں قاتل کے لیے وصیت درست اور جائز نہیں ہے بشرطیکہ وہ قاتل مباشر ہو خواہ قاتل نے عمدتاً قتل کیا ہو یا خطأ بہرہ دو صورت ہمارے یہاں اس کے لیے وصیت جائز نہیں ہے، کیونکہ حدیث پاک میں صاف طور پر آپ ﷺ

نے فرمادیا ہے لاوصیۃ للقاتل ”قاتل کے لیے وصیت جائز نہیں ہے“۔ اس سلسلے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ قاتل اپنے موصی کو قتل کر کے مال وصیت کے حصول میں جلد بازی کرتا ہے حالانکہ شریعت نے اسے موصی کی موت کے بعد یہ مال ملنے کا فرمان جاری کیا ہے لہذا موصی کے قتل میں وہ حکم شرعی کی صراحتاً خلاف ورزی کرتا ہے، اس لیے اس حوالے سے بھی اسے وصیت سے محروم کر دیا جائے گا جیسے اگر قاتل مورث کا وارث ہو تو اسے میراث سے بھی اسی دلیل کی بنا پر محروم کر دیا جاتا ہے۔

وعلى هذا الخلاف النخ: فرماتے ہیں کہ نعمان نے سلمان کے لیے وصیت کی اور پھر سلمان نے موصی یعنی نعمان کو قتل کر دیا تو ہمارے یہاں وصیت باطل ہو جائے گی، کیونکہ قاتل کے لیے نہ تو ابتداء وصیت جائز ہے اور نہ ہی بقاء اور انتہاء، لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں قاتل کے لیے ابتداء بھی وصیت درست ہے اور بقاء بھی، اس لیے ان کے یہاں صورت مسئلہ میں وصیت باطل نہیں ہوگی۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ قاتل مقتول سے اجنبی ہے، لہذا جس طرح دیگر اجانب کے لیے وصیت درست ہے اسی طرح قاتل کے لیے بھی وصیت درست اور جائز ہے۔ لیکن ہماری پیش کردہ حدیث لاوصیۃ للقاتل امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف حجت ہے، کیونکہ اس حدیث میں قاتل کے لیے مطلق وصیت کی نفی کی گئی ہے اور اس کے اجنبی یا قریبی ہونے سے کوئی بحث نہیں کی گئی ہے لہذا علی الاطلاق قاتل کو وصیت نہیں ملے گی خواہ وہ وارث ہو یا اجنبی ہو۔

وَلَوْ أَجَارَتْهَا الْوَرَثَةُ جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ عَلَيْهِ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ عَلَيْهِ، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ عَلَيْهِ لَا تَجُوزُ، لِأَنَّ جَنَائَتَهُ بَاقِيَةً وَالْإِمْتِنَاعُ لِأَجْلِهَا، وَلَهُمَا أَنَّ الْإِمْتِنَاعَ لِحَقِّ الْوَرَثَةِ، لِأَنَّ نَفْعَ بَطْلَانِهَا يَعُودُ إِلَيْهِمْ كَنَفْعِ بَطْلَانِ الْمِيرَاثِ، وَلِأَنَّهُمْ لَا يَرْضُونَهَا لِلْقَاتِلِ كَمَا لَا يَرْضُونَهَا لِأَحَدِهِمْ.

ترجمہ: اور اگر ورثاء نے وصیت قاتل کی اجازت دے دی تو حضرات طرفین رحمہ اللہ کے یہاں وصیت جائز ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے، کیونکہ قاتل کی جنایت باقی ہے اور جنایت ہی کی وجہ سے وصیت ممتنع ہے۔ حضرات طرفین رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ امتناع حق ورثاء کی وجہ سے ہے، کیونکہ بطلان وصیت کا فائدہ انہی کی طرف عائد ہوتا ہے جیسے بطلان میراث کا نفع ہے اور اس لیے کہ ورثاء قاتل کے لیے وصیت سے راضی نہیں ہوں گے جیسے وہ اپنے میں سے کسی ایک کے لیے اس سے راضی نہیں ہوں گے۔

اللغات:

﴿جنایۃ﴾ جرم۔ ﴿امتناع﴾ ممانعت۔ ﴿اجل﴾ وجہ۔ ﴿يعود﴾ لوٹے گا۔

مذکورہ بالا مسئلہ میں استثناء:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ قاتل کے لیے وصیت درست اور جائز نہیں ہے، لیکن اگر مورث کے ورثاء اس امر پر رضامندی ظاہر کر دیں تو حضرات طرفین رحمہ اللہ کے یہاں قاتل کے لیے وصیت درست اور جائز ہو جائے گی لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں ورثاء کی رضامندی کے باوجود قاتل کے لیے وصیت جائز نہیں ہوگی، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ قاتل کے لیے وصیت کا عدم جواز اس کی جنایت کی وجہ سے تھا اور ورثاء کی رضامندی کے بعد بھی اس کی جنایت باقی ہے لہذا جب بعد الاجازت بھی جنایت باقی

ہے تو اس کے حق میں جوازِ وصیت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

حضراتِ طرفین رضی اللہ عنہما کی دلیل یہ ہے کہ قاتل کے لیے وصیت کا امتناع وراثہ کے حق کی وجہ سے ہے، اس لیے کہ قاتل کے حق میں بطلانِ وصیت کا فائدہ وراثہ کو ملتا ہے، جیسے بطلانِ میراث کا فائدہ بھی وراثہ ہی کو ملتا ہے، اور اس لیے کہ وراثہ قاتل کے لیے وصیت پر راضی نہیں ہوتے جیسے وہ وارثوں میں سے کسی کے لیے وصیت پر راضی نہیں ہوتے معلوم ہوا کہ قاتل کو وصیت نہ ملنے میں وراثہ ہی کا ہاتھ ہوتا ہے اور اگر وراثہ اس کی اجازت دے دیں تو قاتل وصیت کا حق دار ہو سکتا ہے، لہذا اگر قاتل کے لیے وصیت ملنے پر وراثہ اپنی رضامندی کی مہر لگا دیں تو قاتل وصیت کا مستحق ہوگا اور اسے وصیت ملے گی۔

قَالَ وَلَا تَجُوزُ لِرَافِقِهِ لِقَوْلِهِ ۝ إِنَّ اللَّهَ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ إِلَّا لَوَصِيَّةً لِلْوَارِثِ، وَلِأَنَّهُ يَتَأَذَّى الْبَعْضُ بِإِثَارِ الْبَعْضِ فَمِنْ تَجْوِيزِهِ قَطْعِيَّةُ الرَّحِمِ، وَلِأَنَّهُ حَيْفٌ بِالْجَدِثِ الَّذِي رَوَيْنَاهُ وَيُعْتَبَرُ كَوْنُهُ وَارِثًا أَوْ غَيْرَ وَارِثٍ وَقَتِ الْمَوْتِ، لَا وَقَتِ الْوَصِيَّةِ، لِأَنَّهُ تَمْلِيكٌ مُضَافٌ إِلَى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَحُكْمُهُ يَثْبُتُ بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْهَيْبَةُ مِنَ الْمَرِيضِ لِلْوَارِثِ فِي هَذَا نَظِيرُ الْوَصِيَّةِ، لِأَنَّهَا وَصِيَّةٌ حُكْمًا حَتَّى تَنْفَذَ مِنَ الثَّلَاثِ، وَإِفْرَارُ الْمَرِيضِ لِلْوَارِثِ عَلَى عَكْسِهِ، لِأَنَّهُ تَصَرُّفٌ فِي الْحَالِ فَيُعْتَبَرُ ذَلِكَ وَقَتِ الْإِفْرَارِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اپنے وارث کے لیے وصیت جائز نہیں ہے، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے اللہ تعالیٰ نے ہر صاحبِ حق کو اس کا حق دے دیا ہے یا درکھو وارث کے لیے وصیت نہیں ہے، اور اس لیے کہ بعض کو ترجیح دینے سے بعض کو تکلیف ہوگی اور اسے جائز قرار دینے میں قطعِ رحمی پائی جائے گی۔ اور اس لیے کہ ہماری روایت کردہ حدیث کی رو سے یہ ظلم ہے اور موصلی لہ کے وارث ہونے یا وارث نہ ہونے کا اعتبار موت کے وقت ہوگا۔ نہ کہ وصیت کے وقت، کیونکہ وصیت ایسی تملیک ہے جو ما بعد الموت کی طرف مضاف ہے اور اس کا حکم بھی بعد الموت ثابت ہوتا ہے۔ اور مریض کی طرف سے وارث کے لیے ہبہ کرنا اس میں وصیت کی نظیر ہے کیونکہ یہ حکماً وصیت ہے یہاں تک کہ تہائی مال سے اس کا نفاذ ہوتا ہے اور وارث کے لیے مریض کا اقرار کرنا اس کے برعکس ہے، کیونکہ یہ فوری تصرف ہے لہذا یہ اقرار کے وقت معتبر ہوگا۔

اللَّغَاتُ:

﴿يَتَأَذَّى﴾ تکلیف محسوس کرتا ہے۔ ﴿إِثَار﴾ ترجیح دینا۔ ﴿حَيْفٌ﴾ ظلم۔ ﴿تَمْلِيكٌ﴾ مالک بنانا۔

تَخْرِيجُ:

① اخرجہ ابوداؤد فی کتاب الوصایا باب ما جاء فی الوصیة للوارث، حدیث رقم: ۲۸۷۰.

وارث کے حق میں وصیت کرنا:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ مورث کا اپنے وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ حدیثِ پاک میں اَلَا وَصِيَّةٌ

للوارث کے فرمان سے وارث کے لیے وصیت کرنے کو منع قرار دے دیا گیا ہے اور حدیث کے پہلے جزء اِنْ اللّٰهُ اَعْطٰی کُلَّ ذٰی حَقَّ حَقَّهُ میں یہ بتا دیا گیا ہے کہ اللہ پاک نے وراثت کے ذریعے مورث کے مال میں ہر صاحب حق کو اس کا حق دے دیا ہے، لہذا وصیت کے راستے سے نہ تو مورث کسی کو کچھ دے سکتا ہے اور نہ ہی کوئی کچھ لے سکتا ہے۔

اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ مورث کے مال میں ورثاء برابر کے شریک اور حق دار ہیں اور ظاہر ہے کہ کسی وارث کے لیے وصیت کرنے میں موصیٰ لہ کو دوسروں سے فائق اور برتر بنانا لازم آتا ہے اور موصیٰ کے اس فعل سے دوسرے ورثاء کو تکلیف اور اذیت ہو سکتی ہے اور یہ چیز قطع رحمی کا سبب بن سکتی ہے جب کہ ایذاء مسلم حرام ہے، اس لیے اس حوالے سے بھی وارث کے لیے وصیت درست اور جائز نہیں ہے۔

ولأنه حيف الخ: فرماتے ہیں کہ وارث کے لیے وصیت کے عدم جواز پر ماقبل میں بیان کردہ ہماری یہ حدیث الحیف فی الوصیۃ من اکبر الکبائر بھی دلیل ہے جس میں حیف کی تفسیر وارث کے لیے وصیت کرنے سے کی گئی ہے۔

ويعتبر كونه الخ: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ وارث اور موصیٰ لہ کا وارث ہونا یا وارث نہ ہونا موت کے وقت معتبر ہوگا اور بوقت موت ہی اس امر کا علم ہوگا۔ وصیت کے وقت اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ وصیت ایسی تملیک ہے جو مابعد الموت کی طرف مضاف ہے اور اس کا حکم بھی موت کے بعد ہی ثابت ہوتا ہے، اس لیے وارث کے وارث ہونے اور نہ ہونے کا علم اور اعتبار بھی مورث کی موت کے وقت ہوگا۔

والهبة من المريض الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی مریض مرض الموت میں وارث کے لیے ہبہ کرتا ہے تو اس کا ہبہ بھی درست نہیں ہے، کیونکہ مریض کا ہبہ بھی وصیت کے درجے میں ہے، لہذا جس طرح وارث کے لیے وصیت درست نہیں ہے اسی طرح وارث کے لیے ہبہ بھی درست نہیں ہے، کیونکہ ہبہ بھی حکماً وصیت ہے یہی وجہ ہے کہ غیر وارث کے لے مریض کا ہبہ بھی تہائی مال میں نافذ ہوتا ہے۔

واقرار المريض الخ: فرماتے ہیں کہ اگر مریض وارث کے لیے کسی مال کا اقرار کرے تو یہ ہبہ اور وصیت کے برخلاف ہے یعنی مقررہ کے وارث ہونے یا نہ ہونے کا اعتبار بوقت اقرار ہوگا نہ کہ بوقت موت، اس لیے کہ اقرار فوری تصرف ہے لہذا اس میں فوری وقت یعنی وقت اقرار کا اعتبار ہوگا نہ کہ وقت موت کا۔

قَالَ إِلَّا أَنْ يُجِيزَهَا الْوَرَثَةُ، وَيُرْوَى هَذَا الْإِسْتِثْنَاءُ فِيمَا رَوَيْنَاهُ، وَلَئِنْ اِئْتِنَاغَ لِحَقِّهِمْ فَتَجَوَّزُ بِإِجَازَتِهِمْ، وَلَوْ أَجَازَ نَعُصَ وَرَدَّ بَعْضُ تَجَوَّزَ عَلَى الْمُجِيزِ بِقَدْرِ حَصَّتِهِ لَوْلَا يَتَّهِ عَلَيْهِ وَبَطَلَ فِي حَقِّ الرَّادِّ.

ترجمہ: فرماتے ہیں اللہ یہ کہ ورثاء اس وصیت کو جائز قرار دے دیں۔ اور یہ استثناء ہماری روایت کردہ حدیث میں مروی ہے، اور اس لیے کہ وصیت کا ممتنع ہونا حق ورثاء کی وجہ سے ہے لہذا ورثاء کی اجازت سے وصیت جائز ہوگی۔ اور اگر بعض نے اجازت دے دی اور بعض نے اسے مسترد کر دیا تو اجازت دینے والے پر اس کے حصے کے بقدر وصیت جائز ہوگی، کیونکہ اجازت دینے والے کو اپنے اوپر ولایت حاصل ہے اور رد کرنے والے کے حق میں وصیت باطل ہوگی۔

اللَّغَاتُ:

﴿مجیز﴾ اجازت دے دیں۔ ﴿مجیز﴾ اجازت دینے والا۔

مذکورہ بالا مسئلے میں ورثاء کی اجازت کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ وارث کے لیے وصیت جائز نہیں ہے لیکن اگر ورثاء اس پر راضی ہو جائیں اور اس کی اجازت دے دیں تو پھر ان کے لیے وصیت درست اور جائز ہو جائے گی، کیونکہ ماقبل میں ہم نے جو حدیث بیان کی ہے اس میں یہ استثناء بھی ہے لانتجوز الوصیۃ لو ارث إلا أن یشاء الورثۃ اور وارث کے لیے وصیت کا عدم جواز ورثاء کے حق کی وجہ سے ہے اور جب خود ورثاء اپنا حق ساقط کرنے پر راضی ہیں تو ظاہر ہے إذا زال المانع عاد الممنوع والے ضابطے کے تحت وصیت کا جواز عود کر آئے گا۔

ولو أجاز الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ورثاء میں سے کسی نے وارث کے لیے وصیت کو جائز قرار دے دیا اور کسی نے اسے منع کر دیا تو جس نے جائز قرار دیا اس کے حصے کے بقدر وصیت جائز ہے، کیونکہ اسے اپنے نفس پر ولایت حاصل ہے اور جس نے رد کر دیا اس کے حصے میں وصیت باطل ہے۔ اس لیے کہ وصیت کا امتناع اسی کے حق کی وجہ سے تھا اور اس نے اپنا حق روک لیا ہے۔

قَالَ وَيَجُوزُ أَنْ يُوصِيَ الْمُسْلِمُ لِلْكَافِرِ وَالْكَافِرُ لِلْمُسْلِمِ فَلَاوَلَّ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ﴾ الآية [سورة الممتحنة: ۸]، وَالثَّانِي لِأَنَّهُمْ بِعَقْدِ الذِّمَّةِ سَاوُوا الْمُسْلِمِينَ فِي الْمَعَامَلَاتِ، وَلِهَذَا جَازَ التَّبَرُّعُ مِنَ الْجَانِبَيْنِ فِي حَالَةِ الْحَيَاةِ فَكَذَا بَعْدَ الْمَمَاتِ، وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ الْوَصِيَّةُ لِأَهْلِ الْحَرْبِ بِاطْلَاقِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ﴾ [سورة الممتحنة: ۹]۔

ترجمہ: فرماتے ہیں جائز ہے کہ مسلمان کافر کے لیے اور کافر مسلمان کے لیے وصیت کرے چنانچہ پہلا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے جائز ہے لاینہاکم الخ: اور دوسرا اس وجہ سے جائز ہے کہ عقد ذمہ کی وجہ سے کفار معاملات میں مسلمانوں کے برابر ہیں، اسی لیے حالت حیات میں جانہین سے تبرع درست ہے لہذا موت کے بعد بھی (لیکن دین صحیح ہوگا) اور جامع صغیر میں ہے کہ اہل حرب کے لیے وصیت کرنا باطل ہے، اس لیے کہ ارساد باری ہے إنما ینہاکم الخ۔

اللَّغَاتُ:

﴿یوصی﴾ وصیت کرنا۔ ﴿لا ینہاکم﴾ تمہیں منع نہیں کرتے۔ ﴿ساووا﴾ برابر ہو گئے ہیں۔ ﴿تبرع﴾ بے عوض

ادائیگی، ہبہ۔

کافروں اور مسلمانوں کا باہمی وصیت کرنا:

عبارت میں کافر سے ذمی مراد ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ مسلمان ذمی کے لیے وصیت کر سکتا ہے اور ذمی مسلمان کے لیے وصیت کر سکتا ہے، کیونکہ اللہ پاک نے لاینہاکم اللہ عن الدین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من ديارکم ان

تبرؤہم وتقسطوا الیہم کے فرمان سے ذمی اور غیر محارب کفار کے ساتھ تبرع کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کے ساتھ لین دین کرنے کی اجازت دی ہے۔

اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ ذمیوں نے عقد ذمہ کا معاملہ کر کے معاملات میں مسلمانوں کے ساتھ مساوات اور برابری کر لی ہے اور آپس میں مسلمان ایک دوسرے کے لیے وصیت کر سکتے ہیں، لہذا مسلمان اور ذمی بھی ایک دوسرے کے لیے وصیت کر سکتے ہیں اور پھر جب زندگی میں ذمی اور مسلمان تبرع کر سکتے ہیں تو موت کے بعد بھی وہ ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کر سکتے ہیں، شرعاً اس کی اجازت ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

وفي الجامع الصغير الخ: یہ مسئلہ جامع صغیر کا ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ کافر جو مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار رہتا ہو اور حربی ہو اس کے لیے نہ تو مسلمان وصیت کر سکتا ہے اور نہ ہی وہ مسلمان کے لیے وصیت کر سکتا ہے، کیونکہ قرآن کریم نے ظالم اور حربی کے ساتھ کسی بھی طرح کا عقد کرنے سے منع کر دیا ہے **إِنَّمَا يَنْهَاكُمْ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوْهُمْ۔** اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جو دین کے سلسلے میں تم سے لڑتے ہوں اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہو اور تمہیں نکالنے میں شریک ہوئے ہوں۔

قَالَ وَقَبُولُ الْوَصِيَّةِ بَعْدَ الْمَوْتِ فَإِنَّ قَبْلَهَا الْمَوْصِي لَهُ فِي حَالِ حَيَاتِهِ أَوْ رَدَّهَا فَذَلِكَ بَاطِلٌ، لِأَنَّ أَوَانَ ثُبُوتِ حُكْمِهِ بَعْدَ الْمَوْتِ لِيَتَعَلَّقَ بِهِ فَلَا يُعْتَبَرُ قَبْلَهُ كَمَا لَا يُعْتَبَرُ قَبْلَ الْعَقْدِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ وصیت کی قبولیت موت کے بعد ہے لیکن اگر موصی لہ نے زندگی میں وصیت کو قبول کیا یا اسے رد کر دیا تو یہ باطل ہے، اس لیے کہ وصیت کا حکم ثابت ہونے کا وقت موت کے بعد ہے، کیوں کہ وصیت موت کے ساتھ متعلق ہے لہذا قبول و رد موت سے پہلے معتبر نہیں ہوگا جیسے عقد سے پہلے معتبر نہیں ہوتا۔

اللَّغَاتُ:

﴿اَوَانَ﴾ واحد آن؛ وقت۔

وصیت کو کب قبول کیا جائے گا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ موصی کی طرف سے کی گئی وصیت موصی لہ موت کے بعد قبول کرے گا اور موت کے بعد والی قبولیت ہی معتبر ہوگی، کیونکہ وصیت موت سے متعلق ہوتی ہے اور موت کے بعد ہی اس کا حکم ثابت ہوتا ہے اس لیے اس کی قبولیت بھی موت کے بعد ہی متحقق اور درست ہوگی۔ اور اگر موت سے پہلے موصی کی زندگی میں موصی لہ اسے قبول کر لے گا یا رد کر دے تو قبول اور رد باطل ہوں گے اور ان کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا جیسے عقد وصیت سے پہلے کے قبول اور رد کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

قَالَ وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يُوصِيَ الْإِنْسَانُ بِدُونِ الثَّلَاثِ سَوَاءً كَانَتْ الْوَرَثَةُ أَغْنِيَاءَ أَوْ فَقَرَاءَ، لِأَنَّ فِي التَّقْيِصِ صَلَةَ الْقَرِيبِ بِتَرْكِ مَالِهِ عَلَيْهِمْ، بِخِلَافِ اسْتِكْمَالِ الثَّلَاثِ، لِأَنَّهُ اسْتِيفَاءُ تَمَامِ حَقِّهِ فَلَا صَلَةَ وَلَا مَنَّةَ، ثُمَّ الْوَصِيَّةُ

بِأَقْلٍ مِنَ الثَّلَاثِ أُولَىٰ أَمْ تَرَكُهَا؟ قَالُوا إِنْ كَانَتْ الْوَرَثَةُ فَقَرَاءٌ وَلَا يَسْتَعْنُونَ بِمَا يَرْتُونَ فَالتَّرْكُ أُولَىٰ لِمَا فِيهِ مِنَ الصَّدَقَةِ عَلَى الْقَرِيبِ وَقَدْ قَالَ ❶ **الرَّحْمَنُ** أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ عَلَى ذِي الرَّحْمِ الْكَاشِحِ، وَلَئِنْ فِيهِ رِعَايَةٌ حَقِّ الْفُقَرَاءِ وَالْقَرَابَةِ جَمِيعًا.

ترجمہ: فرماتے ہیں مستحب یہ ہے کہ انسان ثلث سے کم کی وصیت کرے خواہ ورثاء مالدار ہوں یا فقیر ہوں، کیونکہ ثلث سے کم کرنے میں رشتے دار کے ساتھ ان پر مال چھوڑ کر صلہ رحمی کرنا ہے۔ برخلاف ثلث پورا کرنے کے، اس لیے کہ یہ پورا حق لے لینا ہے لہذا نہ تو صلہ رحمی ہے اور نہ ہی احسان ہے۔ پھر ثلث سے کم کی وصیت اولیٰ ہے یا اس کا ترک اولیٰ ہے؟ حضرات مشائخ **رحمہم اللہ** فرماتے ہیں کہ اگر ورثاء فقیر ہوں اور پانے والی وراثت سے مستغنی نہ ہوتے ہوں تو اس کا ترک اولیٰ ہے، کیونکہ اس میں قریبی شخص پر صدقہ کرنا ہے۔ آپ **رحمہم اللہ** نے ارشاد فرمایا بہترین صدقہ اس رشتے دار پر ہے جس سے مُصدق خوش نہ ہو اور اس لیے کہ اس میں فقراء اور قرابت دونوں کی رعایت ہے۔

الْعَاقِبَةُ:

﴿یوصی﴾ وصیت کرے۔ ﴿دون الثلث﴾ تیسرے حصے سے کم۔ ﴿تنقیص﴾ کم کرنا۔ ﴿قریب﴾ مراد رشتہ دار۔ ﴿استیفاء﴾ پورا پورا وصول کرنا۔ ﴿منہ﴾ احسان کرنا۔ ﴿کاشح﴾ ناپسندیدہ، جس سے پہلو تہی کی جاتی ہو۔

تخریج:

❶ اخرجہ البیہقی فی السنن الکبریٰ کتاب قسم الصدقات باب یقسم الصدقة علی قرابته و جيرانه، حدیث رقم: ۱۳۲۲۳.

وصیت کی مستحب مقدار:

مسئلہ یہ ہے کہ شریعت نے انسان کو آخری وقت میں اپنے گناہوں کی تلافی کے لیے وصیت کی شکل میں جو ترکیب بتائی ہے انسان کو چاہئے کہ وہ اس ترکیب پر عمل کرے لیکن اس میں یہ احتیاط کرے کہ جو ہدف ہے یعنی تہائی مال کی وصیت کرنا اس سے کم ہی وصیت کرے اور تہائی کو مکمل نہ کرے، خواہ اس کے ورثاء مالدار ہوں یا محتاج ہوں بہر صورت انسان تہائی مال سے کم کی ہی وصیت کرے، کیونکہ جب وہ تہائی سے کم کی وصیت کرے گا تو جو مال چھوڑے گا وہ ورثاء کے کام آئے گا اور اس طرح وہ ورثاء کے لیے زیادہ مال چھوڑنے والا ہوگا۔ اور ورثاء کے ساتھ صلہ رحمی کرنے والا ہوگا جو موجب اجر و ثواب ہے۔ اور اگر انسان پورے ثلث کی وصیت کر دے گا تو اس صورت میں نہ تو وہ صلہ رحمی کرنے والا ہوگا اور نہ ہی احسان کرنے والا ہوگا اور یہ بات تو ہر کسی کو معلوم ہے کہ صلہ رحمی اور احسان کرنا نہ کرنے کی بہ نسبت زیادہ اچھا اور بہتر ہے۔

فہم الوصیۃ الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ ثلث سے کم وصیت کرنا اولیٰ ہے یا اسے ترک کر دینا اولیٰ ہے یہ ایک سوال ہے۔ اور اس کا جواب بزبان مشائخ یہ ہے کہ اگر موصی کے ورثاء تنگدست ہوں اور موصی کے ترکے سے ان کی تنگدستی ختم نہ ہوتی ہو تو اس

صورت میں موسیٰ کے لیے وصیت نہ کرنا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ ترک وصیت سے موسیٰ اپنے محتاج رشتے داروں کو صدقہ وغیرہ دے کر دوہرے ثواب کا مستحق ہو جائے گا اس لیے کہ اسے صدقہ کرنے کا بھی ثواب حاصل ہوگا اور قرابت کا بھی اجر ملے گا اور حدیث پاک میں ہے **أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ عَلَى ذِي الرَّحِمِ الْكَاشِحُ** یعنی جس رشتے دار سے صدقہ خوش نہیں ہے اور کسی وجہ سے دونوں میں ”مَن مَعَاذُ“ اور ”أَنَّ بَنَ“ ہو اس رشتے دار پر صدقہ کرنا اور بھی ثواب کا کام ہے، کیونکہ اس میں نفس کی مخالفت ہے، قرابت داری بھی ہے اور حق فقیر کی رعایت بھی ہے۔

وَإِنْ كَانُوا أَغْنِيَاءَ أَوْ يَسْتَفْنُونَ بِنَصِبِهِمْ فَلِلْوَصِيَّةِ أُولَىٰ، لِأَنَّهُ يَكُونُ صَدَقَةً عَلَى الْأَجْنَبِيِّ وَالتَّارِكُ هَبَةً مِنَ الْقَرِيبِ وَالْأُولَىٰ أُولَىٰ، لِأَنَّهُ يَتَنَفَّى بِهَا وَجْهَ اللَّهِ تَعَالَىٰ، وَقِيلَ فِي هَذَا الْوَجْهِ يُخَيَّرُ لِإِسْتِمَالِ كُلِّ مِنْهُمَا عَلَى فَضِيلَةٍ وَهُوَ الصَّدَقَةُ أَوْ الصِّلَةُ فَيُخَيَّرُ بَيْنَ الْخَيْرَيْنِ.

ترجمہ: اور اگر ورثاء مالدار ہوں یا وہ اپنے حصے سے مالدار ہو جائیں گے تو وصیت کرنا اولیٰ ہے، اس لیے کہ وصیت اجنبی پر صدقہ ہوگا اور ترک وصیت رشتے دار پر ہبہ ہوگا اور پہلا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی تلاش کی جاتی ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس صورت میں موسیٰ کو اختیار ہے اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک فضیلت پر مشتمل ہے اور وہ صدقہ ہے یا صلہ ہے لہذا موسیٰ کو دونوں نیکوں کے مابین اختیار دیا جائے گا۔

اللَّغَاتُ:

﴿اغنیاء﴾ واحد غنی؛ مالدار، غیر ضرورت مند۔ ﴿یستفنون﴾ مالدار ہو جائیں گے۔ ﴿نصب﴾ حصہ۔ ﴿یتنفی﴾ چاہتا ہے، ڈھونڈتا ہے۔ ﴿یخیر﴾ اختیار دیا جائے گا۔

وصیت کرنا کب مستحب ہے:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر مورث کے ورثاء مالدار ہوں یا میراث میں سے اپنا اپنا حصہ پانے کے بعد وہ مالدار ہو جائیں گے تو مورث اور موسیٰ کے لیے وصیت کرنا زیادہ بہتر ہے، اس لیے کہ وصیت کرنے سے وہ اجنبی شخص پر صدقہ کرنے والا ہوگا اور وصیت نہ کرنے کی صورت میں وہ کسی رشتے دار پر ہبہ کرنے والا ہوگا اور صدقہ کرنا ہبہ کرنے کی بہ نسبت زیادہ بہتر ہے، کیونکہ صدقہ سے خدا تعالیٰ کی خوشنودی مقصود ہے جب کہ ہبہ سے رشتے دار کی خوشنودی ہوتی ہے اور ظاہر ہے خدا کی مرضی اور خوشنودی ہر کسی کی مرضی اور خوشنودی سے بڑھ کر ہے۔

وقیل فی هذا الخ: فرماتے ہیں بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں موسیٰ کو اختیار ہے چاہے تو وصیت کر کے صدقہ کرے اور چاہے تو وصیت نہ کر کے ہبہ کرے، کیونکہ ہبہ اور صدقہ دونوں نیک کام ہیں اور موسیٰ کو دونوں کا اختیار ہے جو چاہے کرے۔

قَالَ وَالْمَوْصِي بِهِ يَمْلِكُ بِالْقَبُولِ، خِلَافًا لِقَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ أَحَدُ قَوْلِي الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ هُوَ يَقُولُ الْوَصِيَّةُ أَخْتُ الْمِيرَاثِ إِذْ كُلُّ مِنْهُمَا خِلَافَةٌ لِمَا أَنَّهُ انْتَقَالَ، ثُمَّ الْإِرْثُ يَنْبُتُ مِنْ غَيْرِ قَبُولٍ فَكَذَلِكَ الْوَصِيَّةُ، وَلَنَا أَنَّ الْوَصِيَّةَ إِنَّمَا يَنْبُتُ مِلْكٌ جَدِيدٌ وَلِهَذَا لَا يَرُدُّ الْمَوْصِي لَهُ بِالْعَيْبِ وَلَا يَرُدُّ عَلَيْهِ بِالْعَيْبِ وَلَا يَمْلِكُ أَحَدٌ اثْبَاتَ الْمِلْكِ لِغَيْرِهِ إِلَّا بِقَبُولِهِ، أَمَّا الْوَرَاثَةُ خِلَافَةٌ حَتَّى يَنْبُتَ فِيهَا هَذِهِ الْأَحْكَامُ فَيَنْبُتُ جَبْرًا مِنَ الشَّرْعِ مِنْ غَيْرِ قَبُولٍ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ قبولیت سے موصی بہ ملکیت میں آتی ہے۔ امام زفر رحمہ اللہ کا اختلاف ہے اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وصیت میراث کی بہن ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک خلافت ہے، اس لیے کہ یہ انتقال ہے پھر ارث بغیر قبول کے ثابت ہوتا ہے تو ایسے ہی وصیت بھی (بغیر قبول کے ثابت ہوگی) ہماری دلیل یہ ہے کہ وصیت ملک جدید کا اثبات ہے اسی لیے عیب کی وجہ سے موصی لہ اور کوئی شخص دوسرے کے قبول کئے بغیر اس کے لیے ملکیت ثابت نہیں کر سکتا۔ رہی وراثت تو وہ خلافت ہے حتیٰ کہ وراثت میں یہ احکام جاری ہوں گے لہذا قبولیت کے بغیر شریعت کی طرف سے جبراً ملکیت ثابت ہوگی۔

اللغات:

﴿موصی بہ﴾ وہ مال جس کی وصیت کی گئی ہے۔ ﴿یملک﴾ ملک میں آئے گا۔

وصیت کے لیے قبول کرنے کی شرط:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں موصی لہ جب موصی کی موت کے بعد موصی بہ کو قبول کرے گا تو موصی بہ اس کی ملکیت میں آئے گی اور بدون قبولیت موصی لہ موصی بہ کا مالک نہیں ہوگا۔ جب کہ امام زفر رحمہ اللہ کے یہاں موصی بہ موصی لہ کے قبول کئے بغیر بھی اس کی ملکیت میں چلی جائے گی، یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ وصیت میراث کی بہن ہے، کیونکہ وصیت اور میراث دونوں خلافت کے طور پر ثابت ہوتی ہیں اور میراث وارث کی قبولیت کے بغیر ثابت ہو جاتی ہے، لہذا وصیت بھی موصی لہ کے قبول کئے بنا ثابت ہو جائے گی۔

ولنا ان الوصية الخ: یہ ہماری دلیل ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ وصیت ملک جدید کا اثبات ہے یہی وجہ ہے کہ اگر موصی نے کوئی چیز خرید کر موصی لہ کے لیے وصیت کر دی اور موصی لہ کو اس چیز میں عیب ملا تو موصی لہ موصی کے بالغ پر عیب کی وجہ سے اس بیع کو واپس نہیں کر سکتا اور نہ ہی موصی لہ پر عیب کی وجہ سے وہ چیز واپس کی جاسکتی ہے چنانچہ اگر کسی شخص نے کسی کے لیے اپنے پورے مال کی وصیت کر دی اور پھر موصی نے اس میں سے کوئی چیز فروخت کی اور مشتری بیع میں کسی عیب پر مطلع ہوا تو مشتری موصی لہ پر وہ چیز واپس نہیں کر سکتا، معلوم ہوا کہ وصیت میں موصی لہ کے لیے ملک جدید ثابت ہوتی ہے اور بطریق خلافت وہ اس کا مالک نہیں ہوتا اور ملک جدید کے ثبوت کے لیے جسے مالک بنایا جا رہا ہے، اس کا قبول کرنا شرط ہے اور اس کے قبول کئے بغیر کوئی چیز اس کی ملکیت میں نہیں آئے گی اسی لیے ہم نے موصی لہ کا قبول کرنا مشروط قرار دیا ہے۔ وصیت کے بغیر وراثت کا معاملہ ہے تو وراثت وارث کے لیے

بطریق خلافت ثابت ہوتی ہے اس لیے اس میں وارث کا قبول کرنا شرط نہیں ہے اور اس میں قبول اور رد وغیرہ شریعت کی جانب سے جبراً ثابت ہو جاتے ہیں۔

قَالَ إِلَّا فِي مَسْأَلَةٍ وَاحِدَةٍ وَهُوَ أَنَّ يَمُوتَ الْمُوصِي ثُمَّ يَمُوتَ الْمُوصَى لَهُ قَبْلَ الْقَبُولِ فَيَدْخُلُ الْمُوصَى بِهِ فِي مِلْكٍ وَرَثَتِهِ اسْتِحْسَانًا، وَالْقِيَاسُ أَنَّ تَبْطُلَ الْوَصِيَّةُ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّ الْمِلْكَ مَوْقُوفٌ عَلَى الْقَبُولِ فَصَارَ كَمَوْتِ الْمُشْتَرِي قَبْلَ قَبُولِهِ بَعْدَ إِيْجَابِ الْبَائِعِ، وَجْهُ الْإِسْتِحْسَانِ أَنَّ الْوَصِيَّةَ مِنْ جَانِبِ الْمُوصِي قَدْ تَمَّتْ بِمَوْتِهِ تَمَامًا لَا يُلْحَقُهُ الْفُسْخُ مِنْ جِهَتِهِ وَإِنَّمَا تَوَقَّفَتْ لِحَقِّ الْمُوصَى لَهُ فَإِذَا مَاتَ دَخَلَ فِي مِلْكِهِ كَمَا فِي الْبَيْعِ الْمَشْرُوطِ فِيهِ الْخِيَارُ لِلْمُشْتَرِي إِذَا مَاتَ قَبْلَ الْإِجَارَةِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ مگر ایک مسئلے میں اور وہ یہ ہے کہ موصی مر جائے پھر قبول کرنے سے پہلے موصی لہ مر جائے تو موصی بہ موصی لہ کے ورثاء کی ملکیت میں استحساناً داخل ہو جائے گی۔ اور قیاس یہ ہے کہ وصیت باطل ہو جائے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ ملکیت قبولیت پر موقوف ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسے بائع کے ایجاب کے بعد مشتری کی قبولیت سے پہلے مشتری کا مر جانا۔ استحسان کی دلیل یہ ہے کہ موصی کے مرنے سے اس کی طرف سے مکمل طور پر وصیت تحقق ہو چکی ہے اور موصی کی طرف سے اسے نسخ لاحق نہیں ہوگا اور اب تو موصی لہ کے حق کی وجہ سے وصیت موقوف ہے لیکن جب موصی لہ مر گیا تو وصیت اس کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی جیسے وہ بیع جس میں مشتری کے لیے خیار شرط ہو اور مشتری اجازت دینے سے پہلے مر جائے۔

اللغات:

﴿موصی﴾ وصیت کرنے والا۔ ﴿موصی لہ﴾ جس کے لیے وصیت کی گئی ہے۔ ﴿موصی بہ﴾ وہ مال جس کی وصیت کی گئی ہے۔

مسئلہ بالا میں ایک استثناء:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ عام حالتوں میں تو ہمارے یہاں وصیت کا یہی حکم ہے کہ وہ موصی لہ کے قول کیے بغیر اس کی ملکیت میں داخل نہیں ہوگی، لیکن ایک صورت اس سے مستثنیٰ ہے اور اس میں موصی لہ کے قبول کئے بنا بھی بر بنائے استحسان وہ وصیت کا مالک ہو جائے گا۔ وہ صورت یہ ہے کہ موصی نے موصی لہ کے لیے وصیت کی اور موصی لہ کے قبول کرنے سے پہلے موصی بھی مر گیا اور موصی لہ بھی مر گیا تو اس صورت میں استحساناً وصیت موصی لہ کے ورثاء کی ملکیت ہو جائے گی اور مرحوم موصی لہ کے ورثاء اس کے بھی وارث ہوں گے، حالانکہ قیاساً اس صورت میں بھی موصی لہ وصیت کا مالک نہیں ہوگا اور وصیت باطل ہو جائے گی، کیونکہ موصی لہ کی طرف سے قبول کرنا نہیں پایا گیا ہے حالانکہ موصی لہ کے لیے ملکیت کا ثبوت اس کی قبولیت پر موقوف تھا جیسے بائع کے ایجاب کے بعد اگر مشتری قبول کرنے سے پہلے مر جائے تو ایجاب باطل ہو جاتا ہے اسی طرح قیاساً یہاں وصیت باطل ہو جائے گی۔

وجہ الاستحسان الخ: استحسان کی دلیل یہ ہے کہ موصی نے تو موصی لہ کے لیے وصیت کر دی تھی اور اس کی طرف سے

جواز وصیت کے تمام کاغذات مکمل ہو چکے تھے اس لیے اس کی طرف سے فسخ وصیت کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، ہاں اس کی تکمیل میں اب موصیٰ لہ کی قبولیت درکار تھی اور اس کی موت سے یہ قبولیت اپنی انتہاء کو پہنچ گئی ہے، کیونکہ عام طور پر وصیت کو قبول کر لیا جاتا ہے اور بہت کم وصیت مسترد ہوتی ہے، لہذا موصیٰ لہ کی موت سے قبولیت والے پہلو کو تقویت ملے گی اور موصیٰ بہ وصیت موصیٰ لہ کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی، جیسے بیچ میں اگر مشتری کے لیے خیار شرط ہو اور اجازت دینے سے پہلے مشتری مر جائے تو موت کو اجازت سمجھ کر بیچ مکمل کر دی جاتی ہے اور مشتری کے ورثاء کے لیے بیچ کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصَىٰ وَعَلَيْهِ ذَيْنَ يُحِيطُ بِمَالِهِ لَمْ تَجْزِ الْوَصِيَّةُ، لِأَنَّ الدَّيْنَ مُقَدَّمٌ عَلَى الْوَصِيَّةِ، لِأَنَّهُ أَهَمُّ الْحَاجَتَيْنِ لِأَنَّهُ قَرْضٌ، وَالْوَصِيَّةُ تَبَرُّعٌ، وَأَبَدًا يَبْدَأُ بِالْأَهَمِّ فَلَا هُمْ إِلَّا أَنْ يَبْرُقَهُ الْغَرَمَاءُ، لِأَنَّهُ لَمْ يَبْقَ الدَّيْنُ لَتَنْفُذِ الْوَصِيَّةِ عَلَى الْحَدِّ الْمَشْرُوعِ لِحَاجَتِهِ إِلَيْهَا.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے وصیت کی اور اس پر اتنا دین ہے جو اس کے مال کو محیط ہے تو وصیت جائز نہیں ہے، کیونکہ دین وصیت پر مقدم ہے اس لیے کہ قرض دو حاجتوں میں زیادہ اہم ہے، کیونکہ قرض کی ادائیگی فرض ہے اور وصیت تبرع ہے اور ہمیشہ اہم سے ابتداء کی جاتی ہے پھر اس سے جو اس کے بعد اہم ہو۔ لایہ کہ غرماء مقرض کو بری کر دیں۔ اس لیے کہ اب قرض باقی نہیں رہا تو حد مشروع تک وصیت نافذ ہو جائے گی، کیونکہ موصیٰ اس کا ضرورت مند ہے۔

اللَّغَاتُ:

﴿دین﴾ قرضہ۔ ﴿محیط﴾ گھیرے ہوئے ہو، کے برابر ہو۔ ﴿تبرع﴾ نفل، بلا عوض ادائیگی غیر واجب عمل۔ ﴿پیروی﴾ بری کر دیں۔ ﴿غرماء﴾ واحد غریم: قرض خواہ۔

مقرض کی وصیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کے لیے مال کی وصیت کی اور اس پر اتنا دین اور قرض ہو جو اس کے مال کو محیط ہو تو شرعاً اس کی وصیت درست نہیں ہے، کیونکہ اس پر جو دین محیط ہے وہ جواز وصیت سے مانع ہے، اس لیے کہ دین میت پر واجب شدہ حق ہے جس کی ادائیگی انتہائی ضروری ہے اور یہ تمام چیزوں سے مقدم ہے جب کہ وصیت محض مستحب اور مستحسن ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ ہمیشہ اہم چیز سے شروعات کی جاتی ہے، لہذا موصیٰ کے مال سے سب سے پہلے اس کے قرضے ادا کئے جائیں گے اور پھر کوئی کام ہوگا۔

ہاں اگر قرض خواہ موصیٰ کو قرض سے بری کر دیں اور دین کا معاملہ بالکل ختم ہو جائے تو اس صورت میں تہائی مال تک وصیت نافذ ہوگی، کیونکہ موصیٰ اپنے گناہوں کی تلافی کے لیے وصیت کا ضرورت مند ہے اور شریعت نے مدیون نہ ہونے کی صورت میں اسے یہ حق دیا ہے۔

قَالَ وَلَا تَصِحُّ وَصِيَّةُ الصَّبِيِّ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَصِحُّ إِذَا كَانَ فِي وَجْهِهِ الْخَيْرُ، لِأَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَجَازَ وَصِيَّةً يَفَاعُ أَوْ يَفَاعِ وَهُوَ الَّذِي رَافَقَ الْحُلَمَ، وَلِأَنَّهُ نَظَرَ لَهُ بِصَرَفِهِ إِلَى نَفْسِهِ فِي نَيْلِ الزَّلْفَى، وَلَوْ لَمْ تَنْفُذْ

يُنْفِي عَلَى غَيْرِهِ، وَلَنَا أَنَّهُ تَبَرُّعٌ وَالصَّبِي لَيْسَ مِنْ أَهْلِهِ، وَلَئِنْ قَوْلُهُ غَيْرُ مُلْزِمٍ وَلَيْ تَصْحِيحٌ وَصِيَّتُهُ قَوْلُ
يُلْزِمُ قَوْلُهُ وَالْأَثَرُ مَحْمُولٌ عَلَى أَنَّهُ كَانَ قَرِيبَ الْعَهْدِ بِالْحَلَمِ مَجَازًا وَكَانَتْ وَصِيَّتُهُ لِي تَجْهِيْزُهُ وَأَمْرٌ ذَنْبُهُ
وَذَلِكَ جَائِزٌ عِنْدَنَا وَهُوَ يُحْزِرُ الْقَوَابِ بِالْتَرَكِ عَلَى وَرَثَتِهِ كَمَا بَيَّنَّاهُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ بچے کی وصیت نہیں ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کارِ خیر میں ہو تو صحیح ہے، اس لیے کہ حضرت عمر
رضی اللہ عنہ نے یفاع یا یافع کی وصیت کو جائز قرار دیا تھا اور یفاع وہ بچہ ہے جو قریب البلوغ ہو گیا ہو اور اس لیے کہ یہ چیز بچے کے لیے
باعثِ شفقت ہے، کیونکہ وہ رضائے الہی کے لیے اسے اپنے نفس کی جانب صرف کرتا ہے۔ اور اگر وصیت نافذ نہیں ہو تو اس کے علاوہ
پر مال باقی رہے گا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ وصیت تبرع ہے اور بچہ تبرع کا اہل نہیں ہے۔ اور اس لیے کہ بچے کا قول ملزم نہیں ہے اور
اس کی وصیت کو صحیح قرار دینے میں اس کے قول کے ملزم ہونے کا قائل ہونا لازم آتا ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر اس صورت پر محمول
ہے کہ وہ بچہ مجازِ بلوغت کے متعلق قریب العہد تھا، یا اس کی وصیت اس کی جہیز و تکفین کے امور سے متعلق تھی اور یہ ہمارے یہاں بھی
جائز ہے اور بچہ اپنے ورثاء پر مال چھوڑنے کی وجہ سے ثواب جمع کرے گا جیسا کہ ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔

اللغات:

﴿صبی﴾ بچہ۔ ﴿یفاع﴾ مراہق، قریب البلوغ۔ ﴿دراہق﴾ قریب ہو گیا۔ ﴿حلم﴾ بلوغت۔ ﴿نظر﴾ مراد شفقت
کرنا۔ ﴿نیل﴾ حصول، یافت۔ ﴿زلفی﴾ قرب، تقرب، رضا۔ ﴿ملزم﴾ لازم کرنے والا۔ ﴿یحوز﴾ جمع کرتا ہے، روکتا ہے۔
بچے کی وصیت:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں صبی اور بچے کی وصیت درست اور جائز نہیں ہے جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں کارِ
خیر میں بچے کی وصیت جائز ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک قریب البلوغ بچے کی وصیت کو جائز قرار
دیا تھا یہ بچہ عسٹان کا تھا اور اس کے وارث ملکِ شام میں تھے اس نے اپنی چچا زاد بہن کے لیے وصیت کی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے
اس وصیت کو جائز قرار دیا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ بچہ کی وصیت درست اور جائز ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی عقلی دلیل یہ ہے کہ بچے کی وصیت کو صحیح اور جائز قرار دینے میں اس کے ساتھ شفقت ہے، کیونکہ اس کے
ذریعے وہ اللہ کی مرضی اور خوشنودی حاصل کرے گا اور اگر اس کی وصیت کو منع کر دیں گے تو اس کا مال پڑا رہ جائے گا اور اغیار اس سے نفع
اٹھائیں گے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ بچے کی وصیت کو درست اور جائز قرار دے دیا جائے تاکہ اس کا مال رائیگاں ہونے سے محفوظ ہو جائے۔
ولنا انه تبرع الخ: ہماری دلیل یہ ہے کہ وصیت تبرع اور احسان ہے اور بچہ تبرع کا اہل نہیں ہے، اس لیے اس کی وصیت
بھی معتبر نہیں ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ بچے کا قول ملزم نہیں ہوتا اور اگر ہم اس کی وصیت کو درست قرار دیں گے تو اس کے قول کا
ملزم ہونا لازم آئے گا حالانکہ اس کا قول ملزم نہیں ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ بچے کی وصیت درست نہیں ہے۔

والاثر محمول الخ: بچے کی وصیت کے جائز ہونے پر امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جواثر پیش کیا ہے صاحب
ہدایہ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ بچہ بالغ ہو چکا تھا، لیکن اس کی بلوغت پر زیادہ دن نہیں گزرے تھے اس لیے ماکان

علیہ کے اعتبار سے مجازاً اسے یاغ یا یغاع کہہ دیا گیا۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس بچے کی وصیت اپنی جہیز و تکفین کے لیے تھی اور اس طرح کی وصیت ہمارے یہاں بھی درست اور جائز ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ وصیت کر کے وہ ثواب حاصل کر لے گا ہمیں تسلیم نہیں ہے، کیونکہ ثواب کا حصول وصیت کرنے سے نہیں ہوگا، بلکہ وراثت کے لیے مال چھوڑنے سے ہوگا، کیونکہ اس میں قریبی رشتے داروں پر صدقہ ہوگا جو دوہرے ثواب کا باعث ہے۔

وَالْمُعْتَبَرُ فِي النَّفْعِ وَالصَّرَرِ النَّظَرُ إِلَى أَوْضَاعِ التَّصَرُّفَاتِ لَا إِلَى مَا يَتَّفِقُ بِحُكْمِ الْحَالِ، إِعْتَبَرَهُ بِالطَّلَاقِ لِأَنَّهُ لَا يَمْلِكُهُ وَلَا وَصِيَّةً وَإِنْ كَانَ يَتَّفِقُ نَافِعًا فِي بَعْضِ الْأَحْوَالِ، وَكَذَا إِذَا أَوْصَى ثُمَّ بَاتَ بَعْدَ الْإِذْرَاكِ لِعَدَمِ الْأَهْلِيَّةِ وَقْتُ الْمُبَاشَرَةِ، وَكَذَا إِذَا قَالَ إِذَا أَدْرَكْتُ فُلْتُ مَالِي لِفُلَانٍ وَصِيَّةً لِقُصُورِ أَهْلِيَّتِهِ فَلَا يَمْلِكُهُ تَنْجِيزًا وَتَعْلِيقًا كَمَا فِي الطَّلَاقِ وَالْعَتَاقِ، بِخِلَافِ الْعَبْدِ وَالْمُكَاتَبِ، لِأَنَّ أَهْلِيَّتَهُمَا مُسْتَتَمَّةٌ، وَالْمَانِعُ حَقُّ الْمَوْلَى فَتَصَحَّ إِضَافَتُهُ إِلَى حَالِ سُقُوطِهِ.

ترجمہ: اور نفع و نقصان میں تصرفات کی وضع پر غور کرنا معتبر ہے اور فوری طور پر اتفاقاً واقع ہونے والی وضع کا اعتبار نہیں ہے، آپ اسے طلاق پر قیاس کیجئے کہ بچہ اور اس کا وصی طلاق کے مالک نہیں ہیں، ہر چند کہ بعض حالتوں میں اتفاقاً طلاق نافع ہے۔ ایسے ہی اگر بچے نے وصیت کی پھر بلوغت کے بعد وہ مر گیا (تو بھی اس کی وصیت باطل ہے) کیونکہ وصیت انجام دیتے وقت اہلیت معدوم تھی۔ ایسے اگر بچے نے کہا جب میں بالغ ہو جاؤں تو میرا تہائی مال فلاں کے لیے وصیت ہے (تو بھی وصیت باطل ہے) اس لیے کہ اہلیت قاصر ہے لہذا بچہ وصیت کا مالک نہیں ہوگا نہ تو تنجیزاً اور نہ ہی تعلیقاً جیسے طلاق اور عتاق میں ہے۔ برخلاف غلام اور مکاتب کے، کیونکہ ان کی اہلیت پوری ہے اور مانع آقا کا حق ہے، لہذا حق مولیٰ کے سقوط کی حالت کی طرف وصیت کی اضافت صحیح ہے۔

اللغات:

﴿اوضاع﴾ واحد وضع؛ صورت، کیفیت۔ ﴿إدراك﴾ بلوغت۔ ﴿مباشرة﴾ کام کو بنفسہ کرنا۔ ﴿مستممة﴾ پوری

ہوا چاہتی ہے۔

بچے کی وصیت:

امام شافعی رحمہ اللہ نے بچے کی وصیت کو اس کے حق میں مفید قرار دے کر اسے درست اور صحیح بتایا ہے صاحب ہدایہ رحمہ اللہ یہاں سے اسی کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نفع اور نقصان کے سلسلے میں اصولی اور بنیادی حالتوں کا اعتبار کیا جاتا ہے اور اتفاقاً حالتوں کا اعتبار نہیں کیا جاتا اور بچے کے افعال عموماً مضرت رساں ہوتے ہیں اور انہما اکبر من نفعہ کا مصداق ہوتے ہیں اس لیے اگر اتفاقاً ان میں سے کسی فعل میں کوئی فائدہ نظر آ جائے تو اس فائدے کا اعتبار نہیں ہوگا جیسے طلاق کا معاملہ ہے کہ طلاق اپنی اصل وضع کے اعتبار سے مضر ہے تو اسے ہمیشہ مضر ہی سمجھا جائے گا اگرچہ اتفاقاً کہیں یہ مفید ہو جائے، یہی وجہ ہے کہ نہ تو بچہ اپنی بیوی کو طلاق

دے سکتا ہے اور نہ ہی اس کا وصی دے سکتا ہے، کیونکہ اصل وضع کے اعتبار سے طلاق مضر ہے۔

وکذا الخ: فرماتے ہیں کہ اگر بچے نے کسی شخص کے لیے وصیت کی پھر بالغ ہونے کے بعد وہ مر گیا تو اس کی یہ وصیت بھی باطل ہے، کیونکہ وصیت کی شرطوں میں ایک شرط یہ ہے کہ وصی وصیت کا اہل ہو اور صورت مسئلہ میں بوقت وصیت بچہ اس کا اہل نہیں ہے، اس لیے اس کی وصیت باطل ہے۔

اسی طرح اگر بچے نے یہ کہا کہ جب میں بالغ ہو جاؤں تو میرا تہائی مال فلاں کے لیے وصیت ہے تو یہ وصیت کی تعلیق ہے یعنی بچے نے اپنی بلوغت پر اسے معلق کیا ہے اور اس صورت میں بھی اس کی وصیت باطل ہے، کیونکہ بچے میں وصیت کی اہلیت ناقص اور ناتمام ہے۔ الحاصل بچہ کسی بھی طرح وصیت کا مالک نہیں ہے جیسے وہ طلاق اور عتاق کا مالک نہیں ہے۔

بچے کے برخلاف غلام اور مکاتب میں وصیت کی اہلیت موجود رہتی ہے اسی لیے اگر وہ یہ کہیں کہ ہماری آزادی کے بعد ہمارے مال میں سے اتنا مال فلاں کے لیے وصیت ہے تو یہ درست ہے البتہ حق مولیٰ کی وجہ سے یہ وصیت نافذ نہیں ہوگی اور جب وہ آزاد کئے جائیں گے تب اس کا نفاذ ہوگا، لیکن بحالت عہدیت و مکاتبیت ان کا یہ فعل درست اور جائز ہوگا۔

قَالَ وَلَا تَصِحُّ وَصِيَّةُ الْمُكَاتَبِ وَإِنْ تَرَكَ وَلَاءً، لِأَنَّ مَالَهُ لَا يَقْبَلُ التَّبَرُّعَ، وَقِيلَ عَلَى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمَا عَلَيْهِمَا لَاتَصِحُّ وَعِنْدَهُمَا تَصِحُّ رَدًّا لَهَا إِلَى مُكَاتَبٍ يَقُولُ كُلُّ مَمْلُوكٍ أَمْلِكُهُ فِيمَا أَسْتَقْبِلُ فَهُوَ حُرٌّ ثُمَّ عَتَقَ فَمَلَكَ، وَالْخِلَافُ فِيهَا مَعْرُوفٌ عُرِفَ فِي مَوْضِعِهِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ مکاتب کی وصیت صحیح نہیں ہے اگرچہ اس نے ادائیگی کے بقدر مال چھوڑا ہو، اس لیے کہ اس کا مال تبرع کو قبول نہیں کرتا۔ اور کہا گیا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر وصیت صحیح نہیں ہے۔ اور حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے یہاں وصیت صحیح ہے وصیت کو ایسے مکاتب کی طرف پھرتے ہوئے جو یہ کہتا ہو ہر وہ مملوک جس کا میں مستقبل میں مالک ہوں وہ آزاد ہے پھر وہ آزاد کیا گیا اور مالک ہوا اور اس میں اختلاف معروف ہے جو اپنے مقام پر جانا گیا ہے۔

اللغات:

﴿وَلَاءٌ﴾ پوری پوری ادائیگی۔ ﴿تَبَرُّعٌ﴾ نفل عمل، غیر واجب ادائیگی۔ ﴿حُرٌّ﴾ آزاد۔

مکاتب کی وصیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مکاتب معلق وصیت کرے تو وہ درست اور جائز ہے جیسا کہ ماقبل والے مسئلے میں گذر چکا ہے، لیکن اس کی منجز اور فوری وصیت جائز نہیں ہے اگرچہ وہ بدل کتابت کے بقدر مال چھوڑ کر مرے، کیونکہ وصیت تبرع ہے اور اس کا مال تبرع کو قبول نہیں کرتا۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں مکاتب کی وصیت صحیح نہیں ہے، لیکن حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے یہاں اس کی وصیت صحیح ہے اور اس وصیت کو اُس مکاتب پر قیاس کیا جائے گا جو یوں کہتا ہو آئندہ زمانے میں میں جس مملوک کا مالک ہوں گا وہ آزاد ہے چنانچہ زمانہ آئندہ میں مکاتب آزاد کیا گیا اور پھر وہ کسی غلام کا مالک بنا تو غلام آزاد ہو جائے گا تو

جس طرح مکاتب کا اعتاق صحیح ہے ایسے ہی اس کی وصیت صحیح ہے، لیکن حضرات صاحبین رحمہم اللہ شاید یہ بھول رہے ہیں کہ یہ مسئلہ منجز وصیت کا ہے اور ان کا مقیاس علیہ معلق اعتاق ہے، اسی لیے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلے میں مشہور اختلاف ہے اور جامع صغیر کے باب الحث میں اس پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور اس کی کچھ جھلک ہدایہ اخیر میں ص: ۲۵۹ کے حاشیہ نمبر ۱۳ پر موجود ہے وہاں ملاحظہ کر لیں۔

قَالَ وَتَجُوزُ الْوَصِيَّةُ لِلْحَمَلِ وَبِالْحَمَلِ إِذَا وَضِعَ لِأَقَلِّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مِنْ وَقْتِ الْوَصِيَّةِ، أَمَّا الْأَوَّلُ فَلِأَنَّ الْوَصِيَّةَ اسْتِخْلَافٌ مِنْ وَجْهِ، لِأَنَّهُ يَجْعَلُهُ خَلِيفَةً فِي بَعْضِ مَالِهِ، وَالْجَنِينُ صَلَحَ خَلِيفَةً فِي الْإِرْثِ فَكَذَا فِي الْوَصِيَّةِ إِذْ هِيَ أُخْتُهُ إِلَّا أَنَّهُ يَرْتَدُّ بِالرَّدِّ لِمَا فِيهِ مِنْ مَعْنَى التَّمْلِيكِ، بِخِلَافِ الْهَيْةِ لِأَنَّهَا تَمْلِيكٌ مَحْضٌ وَلَا وَلايَةَ لِأَخِذٍ عَلَيْهِ لِتَمْلِكُكُمْ شَيْئاً، وَأَمَّا الثَّانِي فَلِأَنَّهُ بَعَرَضِ الْوُجُودِ إِذَا الْكَلَامُ فِيمَا إِذَا عَلِمَ وَجُودَهُ وَقَتِ الْوَصِيَّةِ، وَبَابُهَا أَوْسَعُ لِحَاجَةِ الْمَيِّتِ وَعَجْزِهِ وَهَذَا تَصَحُّحٌ فِي غَيْرِ الْمَوْجُودِ كَالْتَمَرَةِ فَلِأَنَّ تَصَحُّحَ فِي الْمَوْجُودِ أَوَّلِي.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ حمل کے لیے وصیت صحیح ہے اور حمل کی وصیت بھی صحیح ہے بشرطیکہ وصیت کے وقت سے چھ ماہ سے کم میں حمل جن دیا جائے۔ رہا اول تو اس وجہ سے کہ وصیت من وجہ اختلاف ہے، کیونکہ موصی جنین کو اپنے بعض مال میں خلیفہ بناتا ہے اور جنین میراث میں خلیفہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، لہذا وصیت میں بھی وہ خلیفہ بن سکے گا، کیونکہ وصیت میراث کی بہن ہے، لیکن وصیت رد کرنے سے رد ہو جاتی ہے کیونکہ اس میں تملیک کے معنی ہیں۔ برخلاف ہبہ کے کیونکہ وہ محض تملیک ہے اور جنین پر کسی کو ولایت نہیں ہے کہ اسے کوئی کسی چیز کا مالک بنا دے۔

رہا ثانی تو اس لیے کہ جنین معرض وجود میں آنے کے قریب ہے، اس لیے کہ گفتگو اس صورت میں ہے جب وصیت کے وقت اس کا وجود معلوم ہو جائے۔ اور میت کے عاجز ہونے اور اس کی ضرورت کی وجہ سے وصیت کا باب بہت وسیع ہے، اسی لیے غیر موجود میں جیسے پھل ہیں، وصیت صحیح ہے تو موجود میں بدرجہ اولیٰ وصیت صحیح ہوگی۔

اللُّغَاتُ:

﴿حل﴾ جنین، وہ بچہ جو ابھی ماں کے پیٹ میں ہے۔ ﴿خلیفہ﴾ قائم مقام۔ ﴿تملیک﴾ مالک بنانا۔ ﴿تملک﴾ مالک بننا۔ ﴿عرض الوجود﴾ ہونے ہی والا ہے، ہوا چاہتا ہے۔ ﴿ثمرة﴾ پھل۔

حمل اور جنین کے لیے وصیت کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ پیٹ میں موجود حمل اور جنین کے لیے بھی وصیت کرنا درست اور جائز ہے اور خود اس حمل کی وصیت کرنا بھی جائز ہے چنانچہ اگر کسی شخص نے کہا کہ میرے مال میں سے اتنا مال اس حمل کے لیے وصیت ہے جو فلاں عورت کے پیٹ میں ہے یا میری فلاں باندی کے پیٹ میں جو حمل ہے وہ فلاں کے لیے وصیت ہے تو یہ دونوں صورتیں درست اور جائز ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ بوقت وصیت حمل پیٹ میں موجود ہو اور حمل کے پیٹ میں موجود ہونے کی علامت یہ ہے کہ وصیت کے وقت سے چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہو جائے۔

أما الأول الخ: صاحب کتاب علیہ الرحمہ حمل کے لیے جواز وصیت کی دلیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وصیت من وجہ اختلاف ہے، کیونکہ موصی کی موت کے بعد ہی موصی بہ موصی لہ کی ملکیت میں آتی ہے اور ابتداء موصی موصی لہ کو اپنے کچھ مال کا خلیفہ بناتا ہے جو موصی کی موت کے بعد اسے ملتا ہے اور جنین میراث میں اپنے مورث کا خلیفہ ہو سکتا ہے، لہذا میراث جو وصیت کی بہن ہے اس میں بھی جنین موصی کا خلیفہ بن سکے گا، وصیت اور میراث میں فرق یہ ہے کہ وصیت میں موصی کی طرف سے تسلیم ہوتی ہے اور یہ تسلیم شریعت کی طرف سے جبراً ثابت نہیں ہوتی، اس لیے اس میں رجوع ہو سکتا ہے جب کہ میراث میں مورث کو حق رجوع حاصل نہیں ہے، کیونکہ میراث محض اختلاف ہے اور شرعاً جبراً اس میں ملکیت ثابت ہو سکتی ہے۔

بغلاف الہبۃ الخ: فرماتے ہیں کہ حمل کے لیے وصیت تو جائز ہے، لیکن بہہ جائز نہیں ہے، کیونکہ بہہ خالص تسلیم ہوتی ہے اور اس میں اختلاف جاری نہیں ہے اور مالک بنانے کے لیے موبہوب لہ کا موجود اور معرض وجود میں ہونا ضروری ہے جب کہ ”حمل بھائی“ ابھی ناپید ہوتے ہیں اور ان پر کسی کو ولایت نہیں ہوتی، اس لیے حمل کے لیے بہہ درست نہیں ہے۔

وأما الثاني الخ: فرماتے ہیں کہ دوسرے مسئلے یعنی حمل کی وصیت کے جائز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ صورت مسئلہ اس حمل کے متعلق ہے جس کا قطعی اور یقینی علم ہو جیسا کہ إذا وضع لأقل الخ: سے اسے واضح کر دیا گیا ہے اور ظاہر ہے جب حمل یقینی طور پر معلوم ہوگا تو مستقبل قریب میں وہ موجود بھی ہوگا اور میت کی حاجت اور اس کی مجبوری و پریشانی کے پیش نظر شریعت نے وصیت کے باب کو وسیع بھی کر دیا ہے اس لیے بھی حمل کی وصیت جائز ہے۔ اور اسی پر بس نہیں، بلکہ اگر کوئی شخص اپنے باغ کے پھلوں کی کسی کے لیے وصیت کرے اور پھل بوقت وصیت موجود نہ ہوں تو بھی وصیت درست ہے تو جب معدوم پھلوں کی وصیت درست اور جائز ہے تو موجود حمل کی وصیت تو بدرجہ اولیٰ درست ہوگی۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصَى بِجَارِيَةٍ إِلَّا حَمَلَهَا صَحَّتْ الْوَصِيَّةُ وَالْإِسْتِثْنَاءُ، لِأَنَّ اسْمَ الْجَارِيَةِ لَا يَتَنَاوَلُ الْحَمْلَ لَفْظًا وَلَكِنَّهُ يَسْتَحِقُّ بِالْإِطْلَاقِ تَبَعًا فَإِذَا أُلْزِمَ بِالْوَصِيَّةِ صَحَّ إِفْرَادُهَا، وَلِأَنَّهُ يَصِحُّ إِفْرَادُ الْحَمْلِ بِالْوَصِيَّةِ فَجَازَ اسْتِثْنَاؤُهُ، وَهَذَا هُوَ الْأَصْلُ أَنَّ مَا يَصِحُّ إِفْرَادُهُ بِالْعَقْدِ يَصِحُّ اسْتِثْنَاؤُهُ مِنْهُ، إِذْ لَا فَرْقَ بَيْنَهُمَا وَمَا لَا يَصِحُّ إِفْرَادُهُ بِالْعَقْدِ لَا يَصِحُّ اسْتِثْنَاؤُهُ مِنْهُ، وَقَدْ مَرَّ فِي الْبَيَّوْعِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے حمل چھوڑ کر باندی کی وصیت کی تو وصیت بھی صحیح ہے اور استثناء بھی، کیونکہ لفظ جاریہ لفظی اعتبار سے حمل کو شامل نہیں ہے، لیکن مطلق جاریہ بولنے سے مباح حمل کا استحقاق ثابت ہو جاتا ہے لہذا اگر موصی نے صرف ماں کی وصیت کی تو اس کا خالص ماں کی وصیت کرنا صحیح ہے۔ اور اس لیے کہ تنہا حمل کی وصیت کرنا صحیح ہے، لہذا اس کا استثناء بھی جائز ہے اور یہی ضابطہ ہے کہ تنہا جس کا عقد صحیح ہے، عقد سے اس کا استثناء بھی صحیح ہے، اس لیے کہ صحیح عقد اور استثناء کے مابین کوئی فرق نہیں ہے۔ اور جس چیز پر تنہا عقد صحیح نہیں ہے اس کا عقد سے استثناء بھی صحیح نہیں ہے۔ اور کتاب البیوع میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

اللغات:

﴿جاریہ﴾ باندی، لونڈی۔ ﴿لا يتناول﴾ مشتمل نہیں ہوتا۔ ﴿افراد﴾ علیحدہ سے ذکر کرنا۔

حمل کے علاوہ سے جاریہ کی وصیت کرنا:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے جو بہت مشہور قاعدے پر مبنی ہے اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو کسی کے تابع ہو اور متبوع کے علاوہ تھا اس تابع پر عقد ہو سکتا ہو تو تابع کا متبوع سے استثناء بھی درست اور جائز ہے اور اگر تھا تابع پر عقد نہ ہو سکتا ہو تو متبوع سے اس کا استثناء بھی درست نہیں ہے۔ اور حمل ماں کے تابع ہوتا ہے لیکن تھا حمل پر عقد ہو سکتا ہے اس لیے حمل کا ام سے استثناء بھی درست ہے اور حمل کو چھوڑ کر ام کی وصیت درست ہے اور ام کو چھوڑ کر حمل کی وصیت بھی درست ہے۔ اور اگر کوئی شخص اپنی باندی کی وصیت کرے اور اس کے حمل کی وصیت نہ کرے تو وصیت درست ہے اور حمل کے لیے اعتراض کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے، کیوں کہ لفظ جاریہ صرف جاریہ کے جسم و جان اور اعضاء کے ساتھ خاص ہے اور لفظی اعتبار سے حمل جاریہ میں شامل نہیں ہے۔

وَقَالَ لِلْمُوصِي الرَّجُوعُ عَنِ الْوَصِيَّةِ، لِأَنَّهُ تَبَرُّعٌ لَمْ يَتِمَّ فَجَازَ الرَّجُوعُ عَنْهُ كَالْهَبَةِ وَقَدْ حَقَّقْنَاهُ فِي كِتَابِ الْهَبَةِ، وَلِأَنَّ الْقَبُولَ يَتَوَلَّفُ عَلَى الْمَوْتِ وَالْإِنْجَابُ يَصِحُّ إِبْطَالُهُ قَبْلَ الْقَبُولِ كَمَا فِي الْبَيْعِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ موصی کے لیے وصیت سے رجوع کرنا صحیح ہے، کیونکہ وصیت ایک ناتمام تبرع ہے، لہذا ہبہ کی طرح اس سے بھی رجوع صحیح ہے اور کتاب الہبہ میں ہم اسے ثابت کر چکے ہیں اور اس لیے کہ قبولیت موت پر موقوف ہے اور قبولیت سے پہلے ایجاب کا ابطال صحیح ہے جیسے بیع میں ہے۔

اللغات:

﴿موصی﴾ وصیت کرنے والا۔ ﴿یتولف﴾ موقوف ہوتا ہے۔

موصی کا حق رجوع:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر موصی وصیت سے رجوع کرنا چاہے تو اسے رجوع کا پورا پورا حق ہے، کیونکہ وصیت غیر تام تبرع ہے اور تبرع کا حکم یہ ہے کہ جب تک وہ تام نہ ہو اس سے رجوع کیا جاسکتا ہے جیسے ہبہ اگر تام نہ ہو اور موهوب لہ پر اس کا قبضہ نہ ہو تو واہب ہبہ سے رجوع کر سکتا ہے ایسے ہی موصی وصیت سے بھی رجوع کر سکتا ہے۔

اس سلسلے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ وصیت کی قبولیت موصی کی موت پر موقوف ہوتی ہے اور قبولیت سے پہلے ایجاب کو باطل کیا جاسکتا ہے، لہذا موصی جو ایجاب کرنے والا ہے اگر موصی لہ کے قبول کرنے سے پہلے اپنے ایجاب کو باطل کر دے تو یہ ابطال درست ہے۔ جیسے بیع میں احد العاقدین اگر ایجاب کر دے اور دوسرے عاقد کے قبول کرنے سے پہلے وہ اپنا ایجاب باطل کر دے تو یہ ابطال درست ہے، اسی طرح صورت مسئلہ میں موصی کا وصیت سے رجوع بھی درست ہے۔

قَالَ وَإِذَا صَرَخَ بِالرَّجُوعِ أَوْ فَعَلَ مَا يَدُلُّ عَلَى الرَّجُوعِ كَانَ رُجُوعًا، أَمَّا الصَّرِيحُ فظَاهِرٌ، وَكَذَا الدَّلَالَةُ لِأَنَّهَا تَعْمَلُ عَمَلُ الصَّرِيحِ فَقَامَ مَقَامَ قَوْلِهِ أَنْبَلْتُ وَصَارَ كَالْبَيْعِ بِشَرْطِ الْخِيَارِ فَإِنَّهُ يَنْطَلِقُ الْخِيَارُ فِيهِ بِالدَّلَالَةِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر موصی صراحتاً رجوع کر لیا یا کوئی ایسا کام کیا جو رجوع پر دلالت کرے تو یہ رجوع ہوگا۔ رہا صراحتاً

رجوع تو ظاہر ہے نیز دلالت رجوع بھی مؤثر ہے، کیونکہ دلالت صریح جیسا کام کرتی ہے، لہذا یہ موصی کے ابطال کہنے کے درجے میں ہو گیا اور بیع بشرط الخیار کی طرح ہو گیا چنانچہ بیع میں دلالت سے خیار باطل ہو جاتا ہے۔

اللغات:

﴿صرح﴾ وضاحت سے بیان کر دیا۔ ﴿یدل﴾ بتائے، دلالت کرے۔ ﴿ابطلت﴾ میں نے باطل کر دیا۔

رجوع کا طریقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ موصی کو وصیت سے جو رجوع کا حق حاصل ہے اس رجوع کے دو طریقے ہیں:

✽ موصی صراحۃً رجوع کرے اور یوں کہے میں نے وصیت باطل کر دی۔

✽ یا موصی کوئی ایسا کام کرے جو رجوع پر دلالت کرتا ہو مثلاً موصی نے موصی لہ کے لیے کسی گھر کی وصیت کی تھی اور پھر اس گھر کو کرایے پر دے دیا یا کسی کپڑے کی وصیت کی تھی اور پھر خود ہی اسے سلا لیا تو ان دونوں صورتوں میں وصیت سے رجوع کرنا متحقق ہو جائے گا جیسے اگر بیع میں مشتری نے اپنے لیے خیار شرط لگایا ہو تو جس طرح صراحۃً ابطال سے خیار باطل ہو جائے گا اسی طرح دلالت ابطال سے بھی خیار باطل ہو جائے گا۔

ثُمَّ كُلُّ فِعْلٍ لَوْ فَعَلَهُ الْإِنْسَانُ فِي مِلْكِ الْغَيْرِ يَنْقُطِعُ بِهِ حَقُّ الْمَالِكِ فَإِذَا فَعَلَهُ الْمُوصِي كَانَ رَجُوعًا وَقَدْ عَدَدْنَا هَذِهِ الْأَفْعَالَ فِي كِتَابِ الْغَضَبِ.

ترجمہ: پھر ہر وہ فعل جسے انسان دوسرے کی ملکیت میں کرے اور اس سے مالک کا حق منقطع ہو جائے تو جب موصی اسے کرے گا تو یہ رجوع ہوگا اور کتاب الغضب میں ہم نے ان افعال کی تعداد بیان کر دی ہے۔

اللغات:

﴿عددنا﴾ گنا ہے۔ ﴿افاعیل﴾ واحد فعل؛ کام۔

رجوع کا طریقہ:

رجوع عن الوصیت کے متعلق صاحب ہدایہ ایک قاعدہ کلیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ کام جو کوئی شخص دوسرے کی ملکیت میں انجام دے اور اس کام کی وجہ سے مذکورہ چیز سے مالک کا حق منقطع ہو جائے تو یہ ایک طرح کا تصرف اور تغیر ہے اور اگر موصی اس طرح سے کوئی کام کرتا ہے تو یہ رجوع عن الوصیت پر دلیل بن جائے گا جیسے کسی نے کسی کا لوہا غصب کیا اور اسے کٹوا کر تلوار بنوا لیا تو ظاہر ہے کہ اب وہ چیز منسوب منہ کو واپس نہیں کی جاسکتی اور غاصب کو اس کا ضمان ادا کرنا ہوگا اب اگر موصی بھی وصیت کردہ لوہے کی تلوار بنوالے تو اس کا یہ فعل بھی وصیت سے رجوع ہوگا۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ کتاب الغضب میں ہم اس پر سیر حاصل بحث کر چکے ہیں۔

وَكُلُّ فِعْلٍ يُوجِبُ زِيَادَةَ فِي الْمُوصَى بِهِ وَلَا يُمْكِنُ تَسْلِيمُ الْعَيْنِ إِلَّا بِهَا فَهُوَ رَجُوعٌ إِذَا فَعَلَهُ مِثْلُ السَّوِيقِ بَلَكَةً بِالسَّمَنِ وَالْدَّارُ بَنَى فِيهَا الْمُوصِي وَالْقُطْنُ يَحْشُونَهُ وَالْبَطَانَةُ يَبْطِنُ بِهَا وَالظَّهَارَةُ يَظْهَرُ بِهَا، لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ

تَسْلِيمُهُ بِدُونِ الزِّيَادَةِ وَلَا يُمَكِّنُ نَقْضَهَا لِأَنَّهُ حَصَلَ فِي مِلْكِ الْمُوصِي مِنْ جِهَتِهِ، بِخِلَافِ تَخْصِيصِ الدَّارِ الْمُوصَى بِهَا وَهَذَا بِنَائِهَا، لِأَنَّهُ تَصَرَّفَ فِي التَّابِعِ.

ترجمہ: اور ہر وہ فعل جس سے موصی بہ میں زیادتی ہو اور اس زیادتی کے بغیر عین کی تسلیم ممکن نہ ہو تو یہ رجوع ہوگا جب موصی اسے انجام دے گا مثلاً ستو ہو اور موصی نے اسے گھی میں ملا دیا ہو، گھر ہو اور موصی نے اس میں عمارت بنوادی ہو، روٹی ہو اور موصی نے اسے (کسی چیز میں) بھر لیا ہو۔ اسٹر کا کپڑا ہو اور موصی نے اسے اسٹر بنا لیا ہو یا ابرہ ہو اور موصی نے اسے استعمال میں لے لیا ہو۔ کیونکہ زیادتی کے بغیر موصی بہ کی تسلیم ممکن نہیں ہے اور اسے توڑنا ممکن نہیں ہے، اس لیے کہ موصی کی طرف سے موصی کی ملکیت میں زیادتی ہوئی ہے۔ برخلاف وصیت کردہ گھر کو چونا کرنے کے اور اس کی عمارت کو گرانے کے، کیونکہ یہ تابع میں تصرف ہے۔

اللغات:

﴿یوجب﴾ ثابت کرے، واجب کرے۔ ﴿تسلیم﴾ سپرداری، سونپنا۔ ﴿سویق﴾ ستو۔ ﴿سمن﴾ گھی۔ ﴿بنی﴾ تعمیر کر لی۔ ﴿قطن﴾ روٹی۔ ﴿بحشون﴾ بھر لیا ہو۔ ﴿بطانة﴾ اندرونی غلاف۔ ﴿ظہارة﴾ اسٹر، بیرونی غلاف۔ ﴿نقض﴾ توڑنا۔ ﴿ہدم﴾ گرانا، توڑنا۔

رجوع کا طریقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر موصی نے موصی بہ میں کوئی ایسی زیادتی کردی جو موصی بہ سے الگ نہ ہوتی ہو اور اس زیادتی کے بغیر موصی بہ کو موصی لہ کے حوالے کرنا ممکن نہ ہو تو یہ بھی وصیت سے رجوع ہوگا جیسے موصی بہ ستو ہو اور موصی نے اسے گھی میں ملا دیا ہو۔ یا موصی بہ گھر ہو اور موصی نے اس میں عمارت بنوادی ہو یا موصی بہ روٹی ہو اور موصی نے اسے تکیہ یا گدے میں بھر لیا ہو وغیرہ وغیرہ تو ان تمام صورتوں میں موصی کا یہ فعل وصیت سے رجوع شمار ہوگا، کیونکہ ان تصرفات کے بغیر موصی بہ کی سپردگی ممکن نہیں ہے۔

اس کے برخلاف اگر موصی وصیت کردہ گھر میں چونا کاری کرادے یا اس کی کسی عمارت کو گرادے تو یہ وصیت سے رجوع نہیں ہوگا، کیونکہ یہ تابع میں تصرف ہے اور تابع کے تصرف سے اصل پر کوئی آج نہیں آتی لہذا اس صورت میں وصیت برقرار رہے گی۔

وَكُلُّ تَصَرُّفٍ أَوْ جَبَ زَوَالَ مِلْكِ الْمُوصِي فَهُوَ رُجُوعٌ كَمَا إِذَا بَاعَ الْعَيْنَ الْمُوصَى بِهِ ثُمَّ اشْتَرَاهُ أَوْ هَبَهُ ثُمَّ رَجَعَ فِيهِ، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ لَا تَنْقُذُ إِلَّا فِي مِلْكِهِ فَإِذَا أَزَالَ كَانَتْ رُجُوعًا، وَذَبْحُ الشَّاةِ الْمُوصَى بِهَا رُجُوعٌ، لِأَنَّهُ لِلصَّرْفِ إِلَى حَاجَتِهِ عَادَةً فَصَارَ هَذَا الْمَعْنَى أَصْلًا أَيْضًا، وَعَسَلُ الثَّوْبِ الْمُوصَى بِهِ لَا يَكُونُ رُجُوعًا، لِأَنَّهُ مَنْ أَرَادَ أَنْ يُعْطِيَ ثَوْبَهُ غَيْرَهُ يَغْسِلُهُ عَادَةً فَكَانَ تَقْرِيرًا.

ترجمہ: اور ہر وہ تصرف جو موصی کی ملکیت کے زوال کا موجب ہو تو وہ رجوع ہے جیسے موصی نے عین موصی بہ کو فروخت کر کے اسے خرید لیا یا اسے ہبہ کر کے واپس لے لیا، کیونکہ وصیت موصی ہی کی ملکیت میں نافذ ہوگی اور جب موصی ملکیت کو زائل کر دے گا تو یہ

رجوع ہوگا۔ اور وصیت کردہ بکری کو ذبح کرنا رجوع ہے، کیونکہ عادتاً موسیٰ اسے اپنی ضرورت میں صرف کرتا ہے لہذا یہ بھی ایک ضابطہ ہو گیا اور وصیت کردہ کپڑے کو دھونا رجوع نہیں ہے، کیونکہ جو شخص دوسرے کو اپنا کپڑا دینا چاہتا ہے وہ عام طور سے اسے دھوتا ہے، لہذا یہ وصیت کی تقریر ہوگی۔

اللغات:

﴿اوجب﴾ ثابت کیا۔ ﴿موصی﴾ وصیت کرنے والا۔ ﴿باع﴾ فروخت کر دیا۔ ﴿ازال﴾ ہٹا دیا، زائل کر دیا۔ ﴿شاة﴾ بکری۔ ﴿صرف﴾ پھیرنا، خرچ کرنا۔ ﴿غسل﴾ دھونا۔ ﴿تقریر﴾ ثابت کرنا۔

رجوع کا طریقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر موسیٰ نے موسیٰ بہ میں ایسا تصرف کر دیا جس سے موسیٰ بہ سے موسیٰ کی ملکیت زائل ہو جائے، مثلاً موسیٰ نے موسیٰ بہ کو فروخت کر دیا یا اسے ہبہ کر دیا تو ان دونوں صورتوں میں وصیت باطل ہو جائے گی، اگرچہ بعد میں موسیٰ اس کو خرید لے یا واہب سے ہبہ واپس لے لے کیونکہ وصیت موسیٰ کی ملکیت میں نافذ ہوتی ہے اور بیع اور ہبہ سے موسیٰ بہ سے موسیٰ کی ملکیت زائل ہوگئی، اس لیے وصیت سے رجوع کرنا متحقق ہو جائے گا۔

وذبح الشاة الخ: فرماتے ہیں کہ اگر موسیٰ بہ بکری تھی اور موسیٰ نے اسے ذبح کر دیا تو یہ بھی رجوع ہوگا، کیونکہ عموماً انسان اپنے تصرف اور اپنی ضرورت کے لیے ہی بکری وغیرہ ذبح کرتا ہے لہذا بکری کا ذبح رجوع ہوگا، اور اسی سے یہ ضابطہ بھی نکل گیا کہ ہر وہ تصرف جو موسیٰ اپنی ضرورت کے لیے موسیٰ بہ میں کرے گا وہ رجوع شمار ہوگا۔

وغسل الثوب الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی کے لیے کپڑے کی وصیت کی اور پھر اسے دھو دیا تو یہ دھونا وصیت سے رجوع نہیں ہوگا، کیونکہ عموماً جب کسی کو کوئی اپنا کپڑا دیتا ہے تو دھو کر ہی دیتا ہے لہذا دھلنا وصیت کے لیے اثبات ہوگا نہ کہ رجوع۔

قَالَ وَمَنْ جَعَلَ الْوَصِيَّةَ لَمْ يَكُنْ رُجُوعًا كَذَا ذَكَرَهُ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَقَالَ أَبُو يُونُسَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَكُونُ رُجُوعًا لِأَنَّ الرُّجُوعَ نَفْيٌ فِي الْحَالِ، وَالْجُحُودُ نَفْيٌ فِي الْمَاضِي وَالْحَالِ فَأُولَى أَنْ يَكُونَ رُجُوعًا، وَلِمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ الْجُحُودَ نَفْيٌ فِي الْمَاضِي وَالْإِنْتِفَاءُ فِي الْحَالِ صَرُورَةٌ ذَلِكَ، وَإِذَا كَانَ ثَابِتًا فِي الْحَالِ كَانَ الْجُحُودُ لَعْوًا، أَوْ لِأَنَّ الرُّجُوعَ إِبْنَاتٌ فِي الْمَاضِي وَنَفْيٌ فِي الْحَالِ، وَالْجُحُودُ نَفْيٌ فِي الْمَاضِي وَالْحَالِ فَلَا يَكُونُ رُجُوعًا حَقِيقَةً وَلِهَذَا لَا يَكُونُ جُحُودُ النِّكَاحِ فُرْقَةً.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس نے وصیت سے انکار کر دیا تو انکار کرنا رجوع نہیں ہوگا۔ امام محمد رحمہ اللہ نے ایسا ہی بیان کیا ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رجوع ہو جائے گا، اس لیے کہ رجوع فی الحال نفی ہے اور جود ماضی اور حال دونوں میں نفی ہے لہذا یہ جود بدرجہ اولیٰ رجوع ہوگا۔ حضرت امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جود ماضی میں نفی ہے اور فی الحال منہی ہونا اس کی ضرورت ہے اور

جب فی الحال (موسیٰ کا کاذب ہونا) ثابت ہوگا تو جو دلعو ہوگا، یا اس وجہ سے کہ رجوع ماضی میں اثبات ہے اور حال میں نفی ہے اور جو د ماضی اور حال دونوں میں نفی ہے، لہذا یہ حقیقتاً رجوع نہیں ہوگا، اسی لیے نکاح کا انکار فرقت نہیں ہوگا۔

اللغات:

﴿جحد﴾ جھٹلایا، انکار کیا۔ ﴿جحد﴾ انکار کرنا۔ ﴿انتفاء﴾ ختم ہونا۔ ﴿اثبات﴾ ثابت کرنا۔ ﴿فرقة﴾ جدائی۔

خود اپنی وصیت کا انکار کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر موسیٰ وصیت کا انکار کر دے اور یہ کہہ دے کہ میں نے وصیت نہیں کی تھی تو امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں اس سے رجوع ثابت نہیں ہوگا، لیکن حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں یہ بھی رجوع ہوگا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ رجوع ماضی میں کسی چیز کا اثبات ہوتا ہے اور بوقت رجوع یعنی حال میں اس کی نفی مقصود ہوتی ہے اور اس سے رجوع متحقق اور ثابت ہوتا ہے اور جو د میں تو نفی ہی نفی ہوتی ہے یعنی ماضی میں بھی نفی ہوتی ہے اور فی الحال بھی نفی ہوتی ہے تو جب جو د میں دو وجہ نفی ہوتی ہے تو اس سے بدرجہ اولیٰ رجوع کا ثبوت اور متحقق ہوگا۔

ولمحمّد رحمہ اللہ الخ: یہ امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ جو د اور انکار ماضی میں نفی ہے اور فی الحال وصیت کا منہی ہونا ماضی میں کی گئی نفی کے لوازمات میں سے ہے، بالفاظ دیگر یوں کہہ لیجئے کہ حال کی نفی ماضی کی نفی پر مبنی ہے، لیکن ماضی میں چوں کہ موسیٰ کی طرف سے جو د نہیں بلکہ اثبات ہے، کیونکہ مسئلہ اس حال میں فرض کیا گیا ہے کہ موسیٰ ماضی میں وصیت کر چکا ہے تو جب ماضی میں جو د نہیں ہے، بلکہ اثبات ہے تو حال میں اس کا جو دلعو ہوگا اور ماضی کے اثبات پر مبنی نہ ہو سکے کی وجہ سے یہ جو د کذب ہوگا اور موسیٰ کو جو د سے رجوع کرنے والا نہیں شمار کیا جائے گا۔

ہاں یوں کہا جائے کہ رجوع اور جو د کی حقیقت ایک دوسرے سے بالکل الگ اور جدا ہے، کیونکہ رجوع بعد الاثبات ہوتا ہے اور جو د بعد الاثبات ہوتا ہے، لہذا رجوع سے نہ تو جو د ثابت ہو سکتا ہے اور نہ ہی جو د سے رجوع ثابت ہو سکتا ہے، اسی لیے فقہاء نے نکاح کے جو د کو فرقت اور طلاق نہیں مانا ہے، کیوں کہ طلاق میں پہلے نکاح کا اثبات ہوتا ہے اور پھر بذریعہ طلاق اس کی نفی ہوتی ہے جب کہ جو د میں سرے سے انکار ہی انکار ہوتا ہے۔

وَلَوْ قَالَ كُلُّ وَصِيَّةٍ أَوْصِيَتْ بِهَا لِفُلَانٍ فَهَوَ حَرَامٌ وَرَبَوَا لَا يَكُونُ رُجُوعًا، لِأَنَّ الْوَصْفَ يَسْتَدْعِي بَقَاءَ الْأَصْلِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ فَهِيَ بَاطِلَةٌ، لِأَنَّهُ الدَّاهِبُ الْمُتَلَاشِي، وَلَوْ قَالَ أَخْرُتْهَا لَا يَكُونُ رُجُوعًا، لِأَنَّ التَّأَخِيرَ لَيْسَ لِلْسُقُوطِ كَتَاخِيرِ الدِّينِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ تَرَكَتُ، لِأَنَّهُ إِسْقَاطٌ.

ترجمہ: اور اگر موسیٰ نے کہا ہر وہ وصیت جو میں نے فلاں کے لیے کی ہے وہ حرام ہے اور ربوا ہے تو یہ رجوع نہیں ہوگا، اس لیے کہ وصف بقائے اصل کا متقاضی ہوتا ہے۔ برخلاف اس صورت کے جب موسیٰ نے کہا ہو ”وہ باطل ہے“ کیونکہ باطل وہ ہے جو ختم ہو جائے اور معدوم ہو جائے۔ اور اگر موسیٰ نے کہا میں نے وصیت کو مؤخر کر دیا تو یہ رجوع نہیں ہوگا، اس لیے کہ تاخیر سقوط کے لیے نہیں ہے جیسے قرض کو مؤخر کرنا۔ برخلاف اس صورت کے جب موسیٰ نے ترک کر دیا تو اس لیے کہ ترک إسقاط ہے۔

اللغات:

﴿اوصیت﴾ میں نے وصیت کی ہے۔ ﴿یستدعی﴾ تقاضا کرتا ہے۔ ﴿ذاہب﴾ جانے والا۔ ﴿متلاشی﴾ معدوم ہونے والا، لاشے ہو جانے والا۔ ﴿آخرت﴾ میں نے مؤخر کر دیا۔ ﴿دین﴾ قرضہ۔ ﴿اسقاط﴾ ساقط کرنا، گرانہ۔

اپنی وصیت کو ”حرام“ اور ”سود“ کہنے کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر موصی نے کہا میں نے فلاں کے لیے جتنی چیزیں وصیت کی ہیں وہ سب حرام اور سود ہیں تو اس سے رجوع عن الوصیت ثابت نہیں ہوگا، اس لیے کہ حرام اور سود ہونا ایک وصف ہے اور وصف اصل کی بقاء کو متضمن ہوتا ہے۔ لہذا موصی کا یہ قول رجوع نہیں بلکہ وصیت کا اثبات ہوگا اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وصیت موجود ہے اگرچہ وہ سود اور حرام ہے۔

بخلاف النخ: فرماتے ہیں کہ اگر موصی نے کہا کل وصیت اوصیت بها الخ فہی باطلۃ تو اس صورت میں اس کا یہ قول رجوع ہوگا، کیونکہ باطل اسے کہتے ہیں جو معدوم اور ختم ہو جائے اور وصیت کا معدوم ہونا اسی صورت میں ہوگا جب موصی وصیت سے رجوع کر لے۔

ولو قال النخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر موصی نے کہا میں نے فلاں کے لیے کی ہوئی تمام وصیتوں کو مؤخر کر دیا تو یہ رجوع نہیں ہوگا کیوں کہ یہ تاخیر سے رجوع کا ثبوت نہیں ہوتا، اس لیے کہ تاخیر میں نفی کی بہ نسبت اثبات کا پہلو غالب رہتا ہے جیسے اگر قرض خواہ مقرض سے قرض کی وصولیابی میں تاخیر کر دے تو اس سے اسقاط نہیں ثابت ہوگا اسی طرح تاخیر عن الوصیۃ بھی اسقاط نہیں ہوگا۔
بخلاف ما إذا قال ترک النخ: فرماتے ہیں کہ اگر موصی نے کل وصیۃ النخ کے بعد ترک کیا تو یہ رجوع ہوگا، کیوں کہ ترک میں اسقاط کا پہلو غالب ہے اور اسقاط رجوع ہے لہذا ترک بھی رجوع ہوگا۔

وَلَوْ قَالَ الْعَبْدُ الَّذِي أَوْصَيْتُ بِهِ لِفُلَانٍ فَهُوَ لِفُلَانٍ كَانَ رَجُوعًا، لِأَنَّ اللَّفْظَ يَدُلُّ عَلَى قَطْعِ الشَّرْكَةِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا أَوْصَى بِهِ لِرَجُلٍ ثُمَّ أَوْصَى بِهِ لِآخَرَ، لِأَنَّ الْمَحَلَّ يَحْتَمِلُ الشَّرْكَةَ وَاللَّفْظُ صَالِحٌ لَهَا وَكَذَا إِذَا قَالَ فَهُوَ لِفُلَانٍ وَإِرْبِي يَكُونُ رَجُوعًا عَنِ الْأَوَّلِ عَلَيَّ مَا بَيْنَنَا وَيَكُونُ وَصِيَّةً لِلْوَارِثِ وَقَدْ ذَكَرْنَا حُكْمَهُ، وَلَوْ كَانَ فُلَانٌ الْآخَرُ مَيِّتًا حِينَ أَوْصَى فَالْوَصِيَّةُ الْأُولَى عَلَى خَالِهَا، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ الْأُولَى إِنَّمَا تَبْطُلُ ضَرُورَةً كَوْنِهَا لِلثَّانِي وَلَمْ يَتَحَقَّقْ فَبَقِيَ لِلأَوَّلِ، وَلَوْ كَانَ فُلَانٌ حَيًّا قَالَ ذَلِكَ حَيًّا ثُمَّ مَاتَ قَبْلَ مَوْتِ الْمُوصِي فَهُوَ لِلْوَرِثَةِ لِبُطْلَانِ الْوَصِيَّتَيْنِ الْأُولَى بِالرَّجُوعِ، وَالثَّانِيَةِ بِالْمَوْتِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ترجمہ: اور اگر موصی نے کہا وہ غلام جس کی فلاں کے لیے میں نے وصیت کی وہ فلاں کے لیے ہے تو یہ رجوع ہوگا، کیونکہ یہ جملہ شرکت کے ختم کرنے پر دلالت کر رہا ہے، برخلاف اس صورت کے جب اس غلام کی کسی شخص کے لیے وصیت کی پھر اسی غلام کی دوسرے شخص کے لیے وصیت کر دی، کیونکہ محل شرکت کا احتمال رکھتا ہے اور لفظ شرکت کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور ایسے ہی جب موصی نے کہا کہ وہ غلام میرے فلاں وارث کا ہے تو یہ اول سے رجوع ہوگا، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور وہ غلام وارث

کے لیے وصیت ہو جائے گا اور اس کا حکم ہم نے بیان کر دیا ہے۔

اور اگر دوسرا فلاں بوقتِ وصیت مُردہ ہو تو پہلی وصیت اپنی حالت پر برقرار رہے گی، کیونکہ پہلی وصیتِ ثانیہ کے لیے ہونے کی ضرورت سے باطل ہوتی ہے اور وصیتِ ثانیہ متحقق نہ ہو سکی تو وہ وصیتِ اول کے لیے باقی رہے گی۔

اور اگر بوقتِ وصیت دوسرا فلاں زندہ ہو پھر موصی کے مرنے سے پہلے مر جائے تو وصیت اس کے ورثاء کے لیے ہے، اس لیے کہ دونوں وصیتیں باطل ہو چکی ہیں پہلی رجوع کی وجہ سے باطل ہو چکی ہے اور دوسری موت کی وجہ سے۔ واللہ اعلم

اللغات:

﴿أَوْصِيْتُ﴾ میں نے وصیت کی تھی۔ ﴿قَطَعَ﴾ کاٹنا، ختم کرنا۔ ﴿حَيٌّ﴾ زندہ۔ ﴿لَمْ يَتَحَقَّقْ﴾ ثابت نہیں ہوئے۔

رجوع کی ایک مخصوص صورت:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ زید نے سلمان کے لیے ایک غلام کی وصیت کی تھی پھر اس کی سمجھ میں کیا آیا کہنے لگا کہ میں نے سلمان کے لیے جس غلام کی وصیت کی تھی اب وہ غلام وصیت میں نعمان کو دے دیا جائے تو اس صورت میں زید کا یہ قول اور فعل اول کے لیے وصیت سے رجوع ہوگا اور سلمان کا حق اس غلام سے منقطع ہو جائے گا، کیونکہ موصی کا یہ جملہ العبد الذي الخ: قطع شرکت پر دلالت کر رہا ہے اور یہ بتا رہا ہے کہ وہ مذکورہ غلام صرف نعمان کو دینا چاہتا ہے اور نعمان و سلمان میں مشترک نہیں رکھنا چاہتا ورنہ اس طرح کا جملہ نہ ادا کرتا۔

اس کے برخلاف اگر موصی نے ایک غلام کسی شخص کو وصیت میں دیا تھا پھر دوسرے شخص کے لیے بھی اسی غلام کی وصیت کر دی تو اس کا مطلب یہ ہوگا اب وہ ایک ہی غلام میں دو لوگوں کے لیے وصیت کر رہا ہے، کیونکہ یہاں محل جو ہے یعنی غلام اس میں شرکت کا احتمال ہے اور موصی کا جملہ اس کی صلاحیت بھی رکھتا ہے اس لیے یہاں غلام میں دونوں موصیٰ لہ شریک ہوں گے۔

و كَذَا إِذَا قَالَ الْخ: اس کا تعلق شروع متن سے ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر موصی یوں کہے کہ میں نے فلاں شخص کے لیے جس غلام کی وصیت کی تھی وہ میرے فلاں وارث کو دے دیا جائے تو اس صورت میں بھی اس کا یہ قول موصیٰ لہ اول سے رجوع ہوگا اور وہ غلام صرف اس کے وارث کے لیے وصیت ہوگا، کیونکہ اس کا جملہ قطع شرکت پر دال ہے، بہر حال وہ غلام وارث کے لیے ہوگا یہ الگ بات ہے کہ اگر ورثاء اجازت دے دیں گے تبھی اس کو ملے گا جیسا کہ اس کی تفصیل ماقبل میں آچکی ہے۔

اور اسی العبد الذي أَوْصِيْتُ بِهِ والی صورت میں اگر بوقتِ وصیت موصیٰ لہ ثانی مر چکا ہو تو موصیٰ لہ اول کے لیے کی گئی وصیت باقی اور برقرار رہے گی، کیونکہ وصیتِ اولیٰ کا بطلان وصیتِ ثانیہ کی صحت پر موقوف ہے اور موتِ موصیٰ لہ ثانی کی وجہ سے وصیتِ ثانیہ صحیح نہیں ہوئی ہے، اس لیے وصیتِ اولیٰ موصیٰ لہ اول کے حق میں برقرار رہے گی۔

ولو كان فلان الخ: فرماتے ہیں کہ اگر فہو لفلان کہنے کے وقت موصیٰ لہ ثانی زندہ ہو لیکن پھر موصی کے مرنے سے پہلے ہی وہ مر جائے تو اب یہ وصیت کا غلام موصی کے ورثاء کو مل جائے گا اور دونوں وصیتیں باطل ہو جائیں گی، پہلی وصیت تو موصی کے رجوع کرنے کی وجہ سے باطل ہوگی اور دوسری وصیت موصیٰ لہ کی موت سے پہلے مرجانے کی وجہ سے باطل ہوگی اور موصی کا غلام اس کی موت کے بعد اس کے ورثاء کو مل جائے گا۔ فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

بَابُ الْوَصِيَّةِ بِثُلْثِ الْمَالِ

یہ باب تہائی مال کی وصیت کرنے کے بیان میں ہے

موصی کے لیے تہائی مال ہی کی وصیت کرنا درست ہے اور اس سے زائد کی وصیت صحیح نہیں ہے، اور کتاب الوصایا کے بیشتر مسائل تہائی مال کی وصیت پر مبنی ہیں اس لیے یہاں سے ثلث کی وصیت کے مسائل کو بیان کیا جا رہا ہے۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصَى لِوَجُلٍ بِثُلْثِ مَالِهِ وَلَاخَرَ بِثُلْثِ مَالِهِ وَلَمْ تُجْزِ الْوَرَقَةُ فَالثُلُثُ بَيْنَهُمَا نَصْفَيْنِ، لِأَنَّهُ يَصِيقُ الثُّلُثُ عَنْ حَقِّهِمَا، إِذَا لَا تَزَادُ عَلَيْهِ عِنْدَ عَدَمِ الْإِجَازَةِ عَلَى مَا تَقَدَّمَ وَقَدْ تَسَاوَيَا فِي سَبَبِ الْإِسْتِحْقَاقِ فَيُسْتَوِيَانِ فِي الْإِسْتِحْقَاقِ، وَالْمَحَلُّ يَقْبَلُ الشَّرْكََةَ فَيَكُونُ بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس نے کسی کے لیے اپنے تہائی مال کی وصیت کی اور دوسرے کے لیے اپنے ثلث مال کی وصیت کی اور وراثہ نے اجازت نہیں دی تو ثلث دونوں موصیٰ لہ کے مابین نصف نصف ہوگا، کیونکہ ثلث ان کے حق سے تنگ ہے اس لیے کہ اجازت نہ ہونے کی صورت میں ثلث پر اضافہ نہیں کیا جائے گا جیسا کہ گذر چکا ہے، اور دونوں موصیٰ لہ سبب استحقاق میں برابر ہیں لہذا استحقاق میں بھی وہ دونوں برابر ہوں گے۔ اور محل شرکت کو قبول کر رہا ہے لہذا ثلث ان دونوں کے مابین مشترک ہوگا۔

اللُّغَاتُ:

﴿ثلث﴾ تیسرا حصہ، ایک تہائی۔ ﴿لم تجز﴾ اجازت نہیں دی۔ ﴿یصیق﴾ تنگ پڑ جائے گا۔ ﴿لا تزد﴾ زیادتی نہیں کی جائے گی۔ ﴿تساویا﴾ وہ دونوں برابر ہو گئے۔

دو آدمیوں کے لیے ثلث مال کی وصیت کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے سلمان کے لیے اپنے تہائی مال کی وصیت کردی اور پھر نعمان کے لیے بھی اس نے ثلث مال کی وصیت کی تو اگر وراثہ اس کی اجازت دے دیں تو ٹھیک ہے لیکن اگر وراثہ اجازت نہ دیں جیسا کہ صورت مسئلہ میں ہے تو موصیٰ کا ثلث دونوں موصیٰ لہ کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوگا، کیونکہ جو ثلث ہے وہ دونوں موصیٰ لہ کے حق کو پورا پورا مکمل نہیں کر رہا ہے، اس لیے وراثہ کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے ثلث اخیر میں وصیت کا نفاذ نہیں ہو سکتا، لہذا جس ثلث میں وصیت جائز ہے اس میں دونوں شریک ہوں گے، کیونکہ سبب استحقاق یعنی وصیت میں وہ دونوں شریک ہیں، لہذا استحقاق میں بھی وہ دونوں شریک ہوں

گے اور ثلث ان دونوں میں آدھا آدھا تقسیم ہوگا۔

وَأِنْ أَوْصَىٰ لِأَحَدِهِمَا بِالثُّلُثِ وَلَاخَرَ بِالسُّدُسِ فَالثُّلُثُ بَيْنَهُمَا أَثْلًا، لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يُدْلِي بِسَبَبٍ صَحِيحٍ وَضَاقِ الثُّلُثِ عَنْ حَقِّهِمَا فَيُقْسِمَانِهِ عَلَى قَدْرِ حَقِّهِمَا كَمَا فِي أَصْحَابِ الدِّيُونِ فَيُجْعَلُ الْأَقْلُ سَهْمًا وَالْأَكْثَرُ سَهْمَيْنِ فَصَارَ ثَلَاثَةُ أَصْهُمٍ، سَهْمٌ لِصَاحِبِ الْأَقْلِ وَسَهْمَانِ لِصَاحِبِ الْأَكْثَرِ.

ترجمہ: اور اگر موصی نے دونوں میں سے ایک کے لیے ثلث کی وصیت کی اور دوسرے کے لیے سدس کی تو ثلث دونوں کے درمیان تین حصے ہو کر تقسیم ہوگا، کیونکہ ان میں سے ہر ایک سبب صحیح کی وجہ سے استحقاق رکھتا ہے اور ثلث ان دونوں کے حق سے تنگ ہو گیا ہے، لہذا وہ اپنے حقوق کے بقدر ثلث کو تقسیم کر لیں گے جیسے اصحاب دیون میں ہوتا ہے، لہذا اقل کو ایک سہم اور اکثر کو دو سہم بنا دیا جائے گا اور یہ کل تین سہم ہو جائیں گے۔ ایک سہم صاحب اقل کے لیے اور دو سہم اکثر والے کے لیے ہوگا۔

اللغات:

﴿سدس﴾ چھٹا حصہ۔ ﴿یدلی﴾ استحقاق رکھتا ہے۔ ﴿ضاق﴾ تنگ پڑ گیا۔ ﴿اسہم﴾ واحد سہم؛ حصہ۔

دو آدمیوں کے وصیت کرنے کے مختلف طریقے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر موصی نے ایک شخص کے لیے ثلث مال کی وصیت کی اور دوسرے شخص کے لیے سدس کی وصیت کی اور وراثہ نے اس وصیت پر ہری جھنڈی نہیں دکھائی تو اس صورت میں جو ثلث ہے اس کے تین حصے کئے جائیں گے اور دو حصے اس موصی لہ کو دیئے جائیں گے، جس کے لیے ثلث کی وصیت کی گئی ہے اور ایک حصہ اس موصی لہ کو ملے گا جس کے لیے موصی نے سدس کی وصیت کی ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ موصی نے دونوں کے لیے وصیت کی ہے اس لیے وہ دونوں سبب صحیح کے ساتھ وصیت کے مستحق ہیں اور موصی کے مال کی جس مقدار میں وصیت جائز ہے وہ ان دونوں موصی لہ کے حقوق کی ادائیگی کے لیے ناکافی ہے لہذا ثلث میں وہ دونوں شریک ہوں گے اور اپنے اپنے حصوں کے بقدر اس میں سے لے لیں گے، یعنی ثلث والے کو ۲ حصے ملیں گے اور ایک حصہ صاحب سدس کو ملے گا۔

وَأِنْ أَوْصَىٰ لِأَحَدِهِمَا بِجَمِيعِ مَالِهِ وَلَاخَرَ بِثُلُثِ مَالِهِ وَلَمْ تُجْزِ الْوَرَثَةُ فَالثُّلُثُ بَيْنَهُمَا عَلَى أَرْبَعَةِ أَصْهُمٍ عِنْدَهُمَا، وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ الثُّلُثُ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ وَلَا يَضْرِبُ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ لِلْمَوْصِي لَهُ بِمَا زَادَ عَلَى الثُّلُثِ إِلَّا فِي الْمُحَابَاةِ وَالسَّعَايَةِ وَالذَّرَاهِمِ الْمُرْسَلَةِ.

ترجمہ: اور اگر موصی نے دونوں میں سے ایک کے لیے پورے مال کی وصیت کی اور دوسرے کے لیے تہائی مال کی وصیت کی اور وراثہ نے اس کی اجازت نہیں دی تو حضرات صاحبین رحمہم کے یہاں ثلث ان کے درمیان چار حصوں پر ہوگا۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ موصی لہ کے لیے محابات، سعایہ اور ذراہم مرسلہ کے علاوہ میں ثلث سے زائد پر تناسب کا اعتبار نہیں کرتے۔

اللَّعَاتُ:

﴿اوصلی﴾ وصیت کی۔ ﴿محاباة﴾ احسان کے طور پر کسی چیز کو کم قیمت پر فروخت کرنا۔ ﴿سعیاء﴾ کوشش کروانا، مراد: ایسے غلام سے کمائی کروانا جس کا کچھ حصہ آزاد ہو چکا ہو۔

دو آدمیوں کے وصیت کرنے کے مختلف طریقے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے سلمان کے لیے اپنے پورے مال کی وصیت کردی اور سہیل کے لیے تہائی مال کی وصیت کی اور موصی کے ورثاء نے اس وصیت کی اجازت نہیں دی تو حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے یہاں جس مقدار میں وصیت جائز ہے یعنی ثلث اس کے چار حصے کئے جائیں گے اور جمع والے کے لیے تین حصے ہوں گے اور ثلث والے کو ایک حصہ ملے گا۔ اور حضرت امام اعظم رحمہم اللہ کے یہاں ثلث کے دو حصے ہوں گے اور ایک ایک نصف دونوں موصی لہ کو ملے گا۔

ولا یضر الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر موصی لہ دو ہوں اور وصیت ثلث سے بڑھ جائے نیز ورثاء اس کی اجازت نہ دیں تو اس صورت میں موصی لہ کے حقوق کے تناسب کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور وصیت کی جائز مقدار میں دونوں شریک ہوں گے، لیکن امام اعظم رحمہم اللہ کے یہاں محابات، سعیاء اور دراہم مرسلہ میں تناسب کا اعتبار کیا جائے گا۔ محابات سے محابات فی البیع مراد ہے اور محابات کی صورت یہ ہے کہ موصی کے دو غلام ہوں جن میں سے ایک کی قیمت ۱۱۰۰/ سو ہو اور دوسرے کی قیمت ۶۰۰/ ہو موصی نے یہ وصیت کی کہ ان میں سے ایک غلام نعمان سے سو روپے میں فروخت کر دینا اور دوسرا غلام سوروپے میں سلمان سے فروخت کر دینا تو فروختگی کے بعد گیارہ سو والے میں سے ایک ہزار وصیت کے لیے بچے اور چھ سو والے غلام میں سے اس موصی لہ کے لیے پانچ سو وصیت کے بچے، کیونکہ دونوں غلاموں میں سے ایک کی قیمت ۱۱۰۰/ تھی اور دوسرے کی قیمت ۶۰۰/ تھی اور دونوں میں سے سو سو روپے نکل گئے اور گویا ۱۵۰۰/ پندرہ سو کی وصیت ہوئی اور ورثاء نے اس کی اجازت نہیں دی ہے لہذا وصیت ثلث میں نافذ ہوگی اور پندرہ سو کا ثلث ۵۰۰/ سو ہے، لہذا اس پانچ سو کے تین حصے کئے جائیں گے اور ہزار کی وصیت والے موصی لہ کے ان میں سے دو حصے ملیں گے اور پانچ سو والے کو ایک حصہ ملے گا، کیونکہ اسی تناسب سے ان کے حق میں وصیت کی گئی ہے۔

سعیاء: سعیاء کی صورت یہ ہے کہ موصی اپنے دو غلاموں کے حق کی وصیت کرے ان میں سے ایک کی قیمت دو ہزار ہو اور ایک کی قیمت ایک ہزار ہو اور اس کے علاوہ موصی کا کوئی مال نہ ہو اور ورثاء اس زائد مقدار والی وصیت کے جواز و نفاذ کی اجازت نہ دیں تو یہ وصیت دونوں غلاموں کی قیمتوں کے ثلث میں نافذ ہوگی اور ان کی قیمتوں کا ثلث ایک ہزار ہے لہذا ایک ہزار میں وصیت جائز ہوگی اور یہ ایک ہزار دونوں کی قیمت کے تناسب سے ان پر تقسیم ہوگا، لہذا جس غلام کی قیمت دو ہزار ہے، اس کے حصے سے ۶۶۶/ روپے کم ہو جائیں گے اور جس کی قیمت ایک ہزار ہے اس کے حصے سے ۳۳۳/ روپے کم ہو جائیں گے اور اس کے علاوہ باقی رقم وہ کما کر ورثاء کو دیں گے یعنی دو ہزار قیمت والا غلام ۱۳۳۳/ روپے کما کر دے گا اور ایک ہزار قیمت والا غلام ۶۶۶/ روپے کما کر ورثاء کو دے گا۔

دراہم مرسلہ کو بھی امام اعظم رحمہم اللہ نے نصف والے قاعدے سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ دراہم مرسلہ کا مطلب یہ ہے کہ موصی ثلث

اور نصف وغیرہ کی صراحت نہ کرے، بلکہ مطلقاً یوں کہے کہ دو ہزار درہم کی نعمان کے لیے وصیت ہے اور ایک ہزار درہم کی نعم کے لیے وصیت ہے اور موسیٰ کے پاس ان تین ہزار درہم کے علاوہ دوسرا مال نہ ہو اور اس کے ورثاء پوری وصیت کی اجازت بھی نہ دیں تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں تین ہزار کا جو ٹکٹ ہے یعنی ایک ہزار اسی میں وصیت نافذ ہوگی اور موسیٰ لہ اپنے اپنے حصوں کے تناسب سے اس میں سے لے لیں گے چنانچہ دو ہزار کی وصیت والے کو ۶۶۶/۶۶۶ ملیں گے اور ہزار روپے والے کو ۳۳۳/۳۳۳ روپے ملیں گے، کیونکہ یہی مقدار جائز مقدار میں ان کا حق اور حصہ ہے۔

لَهُمَا فِي الْخِلَافَةِ أَنَّ الْمُوصِي قَصَدَ شَيْنَيْنِ الْإِسْتِحْقَاقَ وَالتَّفْضِيلَ، وَامْتَنَعَ الْإِسْتِحْقَاقُ لِحَقِّ الْوَرَثَةِ وَلَا مَانِعَ مِنَ التَّفْضِيلِ فَيُثَبِّتُ كَمَا فِي الْمُحَابَاةِ وَأُخْتِيهَا، وَلَهُ أَنَّ الْوَصِيَّةَ وَقَعَتْ بِغَيْرِ الْمَشْرُوعِ عِنْدَ عَدَمِ الْإِجَازَةِ مِنَ الْوَرَثَةِ إِذْ لَا نَفَاذَ لَهَا بِحَالٍ فَبَطَلَ أَصْلًا، وَالتَّفْضِيلُ يَثْبُتُ فِي ضَمَنِ الْإِسْتِحْقَاقِ فَبَطَلَ بِبُطْلَانِهِ كَالْمُحَابَاةِ الثَّابِتَةِ فِي ضَمَنِ النَّبْعِ بِخِلَافِ مَوَاضِعِ الْإِجْمَاعِ، لِأَنَّ لَهَا نَفَاذًا فِي الْجُمْلَةِ بِدُونِ إِجَازَةِ الْوَرَثَةِ بَأَنُ كَانَ فِي الْمَالِ سَعَةً فَيُعْتَبَرُ فِي التَّفَاضُلِ لِكُونِهِ مَشْرُوعًا فِي الْجُمْلَةِ، بِخِلَافِ مَا نَحْنُ فِيهِ.

ترجمہ: اختلافی مسئلے میں حضرات صاحبین رحمہم اللہ کی دلیل یہ ہے کہ موسیٰ نے دو چیزوں کا ارادہ کیا ہے استحقاق کا۔ اور تفضیل کا اور حق ورثاء کی وجہ سے استحقاق ممتنع ہو گیا اور تفضیل سے کوئی چیز مانع نہیں ہے، لہذا تفضیل ثابت ہو جائے گی، جیسے محابات اور اس کی دونوں نظیروں میں ہے۔

حضرت امام اعظم رحمہم اللہ کی دلیل یہ ہے کہ ورثاء کی اجازت نہ ملنے کی صورت میں وصیت غیر مشروع واقع ہوئی ہے، کیونکہ کسی بھی حالت میں اس وصیت کا نفاذ نہیں ہے لہذا یہ تو بالکل باطل ہوگی اور تفضیل استحقاق کے ضمن میں ثابت ہوتی ہے، لہذا بطلان استحقاق کی وجہ سے تفضیل بھی باطل ہو جائے گی جیسے وہ محابات جو بیع کے ضمن میں ثابت ہو۔ برخلاف مقامات اجماع کے، کیونکہ ان کے لیے ورثاء کی اجازت کے بغیر بھی فی الجملہ نفاذ ہے بایں طور کے مال میں وسعت ہو تو وصیت فی الجملہ مشروع ہونے کی وجہ سے تفاضل کے حق میں معتبر ہوگی۔ برخلاف اس مسئلے کے جس میں ہماری گفتگو ہے۔

اللغات:

﴿قصد﴾ ارادہ کیا ہے۔ ﴿تفضیل﴾ فوقیت دینا، فضیلت دینا۔ ﴿سعة﴾ وسعت، گنجائش۔

صاحبین کی دلیل:

امام صاحب اور حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے مابین اصل مسئلہ میں جو اختلاف ہے یعنی حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے یہاں ٹکٹ کے چار سہام ہوئے ہیں اور امام اعظم رحمہم اللہ کے یہاں اسے دونوں موسیٰ لہ کے مابین نصف نصف کر کے تقسیم کیا گیا ہے اس میں ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ موسیٰ نے یہاں دو چیزوں کا ارادہ کیا ہے (۱) استحقاق کا کہ وہ اپنا پورا مال دوسرے کو دینا چاہتا ہے۔

(۲) تفصیل کا یعنی ایک موصیٰ لہ کو دوسرے پر فوقیت دینا چاہتا ہے اور اس کے ان دونوں مقصدوں میں سے ایک مقصد یعنی استحقاق فوت ہو رہا ہے، کیونکہ ورثاء کا حق اس سے مانع ہے، لہذا یہ مقصد ثابت نہیں ہوگا اور تفصیل سے چوں کہ کوئی مانع نہیں ہے، اس لیے یہ مقصد ثابت ہو جائے گا۔ اور ایک موصیٰ لہ کو دوسرے پر فوقیت حاصل ہو جائے گی۔ اور جیسے امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں محابات وغیرہ میں فوقیت اور تفصیل ثابت ہے اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی فوقیت ثابت ہوگی اور ثلث نصف نصف ہو کر تقسیم نہیں ہوگا بل کہ حصص موصیٰ لہ کے بقدر تقسیم ہوگا۔

وله أن الوصية الخ: حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ ثلث سے زائد مقدار کی وصیت ورثاء کی اجازت پر موقوف تھی اور چوں کہ ورثاء نے اس کی اجازت نہیں دی ہے، اس لیے غیر مشروع ہونے کی وجہ سے زائد مقدار میں تو وصیت باطل ہے اور استحقاق والا مقصد فوت ہو گیا ہے تو تفصیل بھی فوت ہو گئی جیسے وہ محابات جو بیع کے ضمن میں ثابت ہو اور بیع باطل یا فاسد ہو جائے تو محابات بھی فاسد یا باطل ہو جاتی ہے، اسی طرح صورت مسئلہ میں تفصیل بھی فوت ہو گئی اور جب تفصیل فوت ہو گئی تو محض مساوات رہ گئی، اس لیے ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ثلث میں دونوں موصیٰ لہ برابر کے شریک ہوں گے اور دونوں کو نصف نصف ملے گا۔

بخلاف مواضع الإجماع الخ: حضرات صاحبین رحمہم اللہ نے صورت مسئلہ کو مواضع إجماع یعنی محابات اور سماع وغیرہ پر قیاس کیا ہے، یہاں سے صاحب ہدایہ اسی قیاس کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صورت مسئلہ کو محابات وغیرہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ محابات وغیرہ میں ورثاء کی اجازت کے بغیر بھی وصیت کا نفاذ ہو سکتا ہے۔ بایں طور کہ موصیٰ کے پاس موصیٰ بہ کے علاوہ اتنا مال ہو جو ثلث کی مقدار سے زائد ہو اور نفاذ وصیت سے ورثاء کی حق تلفی نہ ہوتی ہو، لہذا ان مسائل ثلاثہ میں فی الجملہ وصیت کا نفاذ ہو سکتا ہے اور فی الجملہ یہ وصیت مشروع ہے، اسی لیے ان میں تفصیل معتبر ہے، لیکن صورت مسئلہ میں چوں کہ ورثاء کی اجازت نہ ہونے سے وصیت ہی مشروع نہیں ہے تو تفصیل کیا خاک معتبر ہوگی۔

وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا أَوْصَى بَعَيْنٍ مِنْ تَرَكَتِهِ وَفِيْمَتُهُ تَزِيدُ عَلَى الثُّلُثِ فَإِنَّهُ يَضْرِبُ بِالثُّلُثِ وَإِنْ احْتَمَلَ أَنْ يَزِيدَ الْمَالُ فَيَخْرُجُ مِنَ الثُّلُثِ، لِأَنَّ هُنَاكَ الْحَقَّ تَعَلَّقَ بِعَيْنِ التَّرَكَةِ بِدَلِيلٍ أَنَّهُ لَوْ هَلَكَ وَاسْتَفَادَ مَالًا آخَرَ تَبَطَّلَ الْوَصِيَّةُ، وَفِي الْأَلْفِ الْمُرْسَلَةِ لَوْ هَلَكَ التَّرَكَةُ تَنَفَّذَ فِيمَا يُسْتَفَادُ فَلَمْ يَكُنْ مُتَعَلِّقًا بِعَيْنٍ مَا تَعَلَّقَ بِهِ حَقُّ الْوَرِثَةِ.

ترجمہ: اور یہ اس صورت کے برخلاف ہے جب موصیٰ نے اپنے ترکہ میں سے کسی معین چیز کی وصیت کی اور اس کی قیمت ثلث سے زائد ہو تو موصیٰ لہ تہائی کا مستحق ہوگا اگرچہ مال کے بڑھنے کا احتمال ہو لہذا عین ثلث سے خارج ہو جائے گا، کیونکہ یہاں موصیٰ لہ کا حق عین ترکہ سے متعلق ہوا ہے، اس دلیل کی وجہ سے کہ اگر موصیٰ بہ ہلاک ہو جائے اور موصیٰ دوسرا مال حاصل کرے تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ اور مطلق ہزار میں اگر ترکہ ہلاک ہو جائے تو مستفاد مال میں وصیت نافذ ہوگی لہذا موصیٰ لہ کا حق یعنی اس چیز کے ساتھ متعلق نہیں ہوا جس سے ورثاء کا حق متعلق ہے۔

اللغات:

﴿عین﴾ معین چیز۔ ﴿تزیید﴾ زیادہ ہوتی ہو، بڑھ کر ہو۔ ﴿ثلث﴾ تیسرا حصہ، ایک تہائی۔ ﴿استفاد﴾ حاصل کیا۔

﴿الف﴾ ہزار۔

امام صاحب کی دلیل:

یہاں سے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل اور آپ کے مسلک پر وارد ہونے والے اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ یہ قول آپ کے اگر موصی بہ کے علاوہ موصی کے پاس کوئی دوسرا مال ہو تو اس صورت میں پورے موصی بہ میں وصیت نافذ ہو جائے گی حالانکہ ایک صورت ایسی ہے جہاں موصی بہ کے علاوہ موصی کے پاس مزید مال ہے، لیکن پھر بھی وہاں ثلث ہی میں وصیت نافذ ہوتی ہے اور ثلث سے زائد میں اس کا نفاذ نہیں ہوتا۔ مثلاً کسی نے کسی کے لیے اپنے گھوڑے کی وصیت کی اور اس کی قیمت موصی کے ترکہ کے ثلث سے زائد ہو تو اس صورت میں موصی لہ کو پورا گھوڑا ملنا چاہئے اگرچہ اس کی مالیت کے ثلث سے زائد ہونے کا احتمال ہو لیکن پھر بھی آپ اس صورت میں صرف ثلث مال میں جوازِ وصیت کے قائل ہیں اور ثلث سے زائد میں وصیت کو رد نہیں سمجھتے آخر ایسا کیوں ہے۔

اسی کا جواب دیتے ہوئے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ دراہم مطلقہ اور معین موصی بہ کے مابین فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ موصی بہ کے معین ہونے کی صورت میں عین موصی بہ سے موصی لہ کا حق متعلق ہوتا ہے اور چوں کہ موصی کی موت کے بعد وہ موصی بہ بھی اس کے ترکہ میں شامل ہوگی اور مقدار ثلث سے زائد حصہ ورثاء کا حق ہو جائے گا اور ظاہر ہے کہ اگر ورثاء ثلث سے زائد میں اجازت نہ دیں تو مقدار زائد میں وصیت نافذ نہیں ہوگی تو گویا موصی بہ معین ہونے کی صورت میں موصی لہ اور ورثاء کا حق ایک ہی چیز سے متعلق ہے اس لیے موصی لہ کو صرف مقدار متعین یعنی ثلث ملے گا اور اگر وہ معین موصی بہ ہلاک ہو جائے تو موصی لہ کا حق ساقط ہو جائے گا اگرچہ بعد میں موصی کو دوسرا مال مل جائے۔

اس کے برخلاف دراہم مرسلہ کا معاملہ اور مسئلہ ہے تو چوں کہ اس میں کسی متعین مال کے ساتھ موصی لہ کا حق متعلق نہیں ہوتا، اس لیے موصی لہ اور ورثاء کا حق بھی ایک معین مال سے متعلق نہیں ہوگا اور اگر موصی کا مال ہلاک ہو جائے تو بھی موصی لہ کا حق باطل نہیں ہوتا بلکہ موت سے پہلے موصی کو مال مل جائے تو موصی لہ کو اس کا حق مل جائے گا اور مال مستفاد اگر ثلث سے دو گنا زیادہ ہو تو پھر ثلث سے زائد میں بھی موصی کی وصیت نافذ کر دی جائے گی۔ الحاصل موصی بہ معین اور دراہم مرسلہ میں فرق ہے، اسی لیے دونوں کے احکام بھی جدا جدا ہیں۔

قَالَ وَإِذَا أَوْصَى بِنَصِيبِ ابْنِهِ فَلَا وَصِيَّةَ بَاطِلَةً، وَلَوْ أَوْصَى بِمِثْلِ نَصِيبِ ابْنِهِ جَازًا، لِأَنَّ الْأَوَّلَ وَصِيَّةٌ بِمَالٍ الْغَيْرِ، لِأَنَّ نَصِيبَ ابْنِهِ مَا يَصِيبُهُ بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالثَّانِي وَصِيَّةٌ بِمِثْلِ نَصِيبِ ابْنِهِ وَمِثْلُ الشَّيْءِ غَيْرُهُ وَإِنْ كَانَ يَتَقَدَّرُ بِهِ فَيَجُوزُ، وَقَالَ زُفَرٌ رَحِمَهُ اللَّهُ تَجُوزُ فِي الْأَوَّلِ أَيْضًا نَظَرًا إِلَى الْحَالِ، وَالْكُلُّ مَالُهُ فِيهِ وَجَوَابُهُ مَا قُلْنَا.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر موصی نے اپنے بیٹے کے حصے کی وصیت کی تو وصیت باطل ہے۔ اور اگر اپنے بیٹے کے حصے کے مثل کی وصیت کی تو جائز ہے، کیونکہ اول مال غیر کی وصیت ہے اس لیے کہ بیٹے کا حصہ وہ ہے جو موت کے بعد اسے ملے گا۔ اور ثانی بیٹے کے حصے کے مثل کی وصیت ہے اور ثانی کا مثل اس کا غیر ہوا کرتا ہے اگرچہ اس کا اندازہ اسی شئی کے ساتھ ہوتا ہے اس لیے یہ صورت جائز ہے۔ امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حال کا اعتبار کرتے ہوئے پہلی صورت میں بھی وصیت جائز ہے اور فی الحال پورا مال موصی کا ہے اور اس کا جواب وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

اللغات:

﴿نصيب﴾ حصہ۔ ﴿بصیب﴾ پہنچے گا۔ ﴿یتقدر﴾ اندازہ ہوتا ہے۔ ﴿حال﴾ موجودہ حالت میں۔

کسی کے لیے اپنے بیٹے کے حصے کی وصیت کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر موصی نے کسی شخص کے لیے اپنے بیٹے کے حصے کی وصیت کر دی اور یہ کہا کہ میرے بیٹے کو جو ملے گا وہ فلاں کے لیے وصیت ہے تو یہ وصیت باطل ہے، کیونکہ موصی کے مال سے بیٹے کا حصہ اسے موصی کی موت کے بعد ملے گا اور موت کے بعد وہ بیٹے کی ملکیت میں داخل ہو جائے گا اور قاعدہ یہ ہے کہ التصرف فی ملک الغیر لایجوز دوسرے کی ملکیت میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے اس لیے موصی کی یہ وصیت جائز نہیں ہے۔

اور اگر موصی نے یہ وصیت کی کہ فلاں کو اتنا مال دیا جائے جتنا میرے بیٹے کو ملے گا تو یہ وصیت جائز ہے اور اگر وہ مال ثلث سے کم ہو یا ثلث ہو تو اس وصیت کا نفاذ بھی ہو جائے گا، اس لیے کہ یہاں موصی نے موصی لہ کے حصے کو اپنے بیٹے کے حصے کا مثل اور مساوی قرار دیا ہے اور بیٹے کے حصے سے موصی لہ کے حصے کا موازنہ کیا ہے اور بیٹے کے حصے کی وصیت نہیں کی ہے اور یہ بات تو ہر کسی کو معلوم ہے کہ ثلث اس کا غیر ہوتا ہے اس لیے وصیت درست اور جائز ہے۔

وقال زفر رحمہ اللہ الخ: امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلی صورت میں بھی وصیت درست اور جائز ہے یعنی جب موصی نے اپنے بیٹے کے حصے کی وصیت کی ہو تو بھی وصیت درست ہے، اس لیے کہ بوقت وصیت موصی بہ موصی کا مال ہے اور یہ مال غیر کی وصیت نہیں ہے، اس لیے درست ہے، لیکن ہماری طرف سے امام زفر رحمہ اللہ کو جواب یہ ہے کہ وصیت کا مال تو موصی کی موت کے بعد ہی ملے گا اور جب ملنے کا وقت آئے گا تو وہ مال موصی کے بیٹے کا ہو چکا ہوگا، اس لیے مال غیر کی وصیت ہونے کی وجہ سے یہ وصیت درست نہیں ہوگی۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصَى بِسَهْمٍ مِنْ مَالِهِ فَلَهُ أَحْسُ سِهَامٍ الْوَرَثَةِ إِلَّا أَنْ يَنْقُصَ عَنِ السُّدُسِ فَيَتِمُّ لَهُ السُّدُسُ وَلَا يَزَادُ عَلَيْهِ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ، وَقَالَ لَهُ مِثْلُ نَصِيبِ أَحَدِ الْوَرَثَةِ وَلَا يَزَادُ عَلَى الثَّلَاثِ إِلَّا أَنْ تُجِيزَ الْوَرَثَةُ، لِأَنَّ السَّهْمَ يُرَادُ بِهِ أَحَدُ سِهَامِ الْوَرَثَةِ عُرْفًا لَا سِمًا فِي الْوَصِيَّةِ، وَالْأَقْلُ مُتَيَقِّنٌ بِهِ فَيُصَرَّفُ إِلَيْهِ إِلَّا إِذَا زَادَ عَلَى الثَّلَاثِ فَيُرَدُّ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ لَا مَزِيدَ عَلَيْهِ عِنْدَ عَدَمِ إِجَارَةِ الْوَرَثَةِ، وَلَهُ أَنَّ السَّهْمَ هُوَ السُّدُسُ هُوَ

الْمَرْوِيُّ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ ❶ وَقَدْ رَفَعَهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فِيمَا يَرَوِي، وَلَئِنَّهُ يُذَكِّرُ وَيُرَادُّ بِهِ السُّدُسُ فَإِنَّ إِيَّاسًا قَالَ السَّهْمُ فِي اللُّغَةِ عِبَارَةٌ عَنِ السُّدُسِ وَيُذَكِّرُ وَيُرَادُّ بِهِ سَهْمٌ مِنْ سِهَامٍ الْوَرَثَةِ فَيُعْطَى مَا ذَكَرْنَا، قَالُوا هَذَا كَانَ فِي عُرْفِهِمْ وَفِي عُرْفِنَا السَّهْمُ كَالْجُزْءِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنے مال سے ایک سہم کی وصیت کی تو موصیٰ لہ ورثاء کے احسن سہام میں سے لے گا الا یہ کہ وہ احسن سدس سے کم ہو جائے تو اس کے لیے سدس پورا کیا جائے گا اور اس پر بڑھایا نہیں جائے گا۔ اور یہ حکم حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے یہاں ہے۔ حضرات صاحبین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ موصیٰ کو احد الورثاء کے حصہ کے مثل حصہ دیا جائے گا اور ثلث سے بڑھایا نہیں جائے گا، الا یہ کہ ورثاء اس کی اجازت دے دیں، کیونکہ سہم سے عرفا ورثاء کا ایک سہام مراد لیا جاتا ہے خاص کر وصیت میں۔ اور اقل متعین ہوتا ہے، لہذا اسی کی طرف پھیرا جائے گا الا یہ کہ ثلث پر بڑھ جائے تو زیادتی کو ورثاء پر پھیر دیا جائے گا، کیونکہ ورثاء کی اجازت نہ ہونے کی صورت میں ثلث پر اضافہ نہیں کیا جاتا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ سہم ہی سدس ہے اور یہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع کیا ہے۔ اور اس لیے کہ سہم ذکر کر کے اس سے سدس مراد لیا جاتا ہے، اس لیے کہ ایاس نے فرمایا ہے کہ لغت میں سہم سدس سے عبارت ہے اور سہم ذکر کر کے اس سے ورثاء کے سہام میں سے ایک سہم مراد لیا جاتا ہے لہذا موصیٰ لہ کو وہی دیا جائے گا جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

حضرات مشائخ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اہل کوفہ کے عرف میں تھا اور ہمارے عرف میں سہم جزء کے مثل ہے۔

اللغات:

﴿سہم﴾ حصہ۔ ﴿احسن﴾ سب سے سستا۔ ﴿سدس﴾ چھٹا حصہ۔ ﴿ینقص﴾ کم ہو جائے۔ ﴿یتم﴾ پورا کیا جائے گا۔ ﴿لا یزاد﴾ اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ ﴿تجیز﴾ اجازت دے دیں۔ ﴿لا سیما﴾ خاص طور پر۔ ﴿اقل﴾ سب سے کم۔ ﴿یصرف﴾ پھیرا جائے گا۔

تخریج:

❶ ذکر الہیثمی فی مجمع الزوائد ۲۱۳/۴ انظر تحقیق نصب الرایہ ج ۵ ص ۲۲۸.

ایک "سہم" کی وصیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے مال میں سے ایک سہم کی وصیت کی تو حضرت امام اعظم رحمہم اللہ کے یہاں موصیٰ لہ کو ورثاء کے سہام میں سے جو احسن سہام ہے یعنی سدس وہی ملے گا اور اگر وہ سدس سے کم ہو جائے تو اسے ورثاء کے سہام سے لے کر پورا کیا جائے گا، لیکن کسی بھی حال میں اسے سدس سے بڑھایا نہیں جائے گا۔

حضرات صاحبین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ صورت مسئلہ میں موصیٰ لہ کا وہی حصہ ہوگا جو ورثاء میں سے ایک وارث کا ہوگا یعنی

جتنا ایک وارث کو ملے گا اتنا ہی موسیٰ لہ کو بھی ملے گا، لیکن موسیٰ لہ کا حصہ ثلث سے بڑھایا نہیں جائے گا۔ ہاں اگر ورثاء اس کی اجازت دے دیں تو پھر اسے ثلث سے بڑھایا جاسکتا ہے۔ حضرات صاحبین رحمہم اللہ کی دلیل یہ ہے کہ عرف میں سہام سے ایک وارث کا حصہ مراد ہوتا ہے اور وصیت میراث کی بہن ہے، اس لیے وصیت میں تو بدرجہ اولیٰ سہام سے ایک وارث کا حصہ مراد ہوگا اور چوں کہ موسیٰ نے سہم واحد کی وصیت کی ہے، اس لیے اس سے بھی ایک وارث کا حصہ مراد لیا جائے گا اور سہام نصف، ثلث اور ربع وغیرہ میں مشترک ہوتا ہے، اس لیے سہم سے اقل السہام مراد لیا جائے گا اور اقل کے متعین اور متیقن ہونے کی وجہ سے وہی موسیٰ لہ کو دیا جائے گا۔ لیکن اگر احد الورثاء کا حصہ ثلث سے بڑھ جائے تو موسیٰ لہ کو ثلث کے برابر دیا جائے گا اور اس سے زائد مقدار ورثاء کو دے دی جائے گی۔

وله ان السہم الخ: حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ سہم سے سدس مراد لیا جاتا ہے، کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوف اور مرفوعاً دونوں طرح کی حدیث مروی ہے اور دونوں جگہ سہم سے سدس مراد لیا گیا ہے، مسند بزار میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یہ حدیث مروی ہے ان رجلا أو صلی لرجل بسہم من مالہ فجعل لہ النبی ﷺ السدس کہ ایک شخص نے کسی کے لیے اپنے مال سے ایک سہم کی وصیت کی تو حضرت نبی کریم ﷺ نے اس شخص کے لیے سدس مقرر فرمایا۔ (بیہ: ۵۲۵/۱۲) معلوم ہوا کہ سہم سے سدس مراد لیا جاتا ہے، اس کی تائید تقویت قاضی بصرہ حضرت ایاس بن معاویہ علیہ الرحمہ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے جس میں انھوں نے السہم فی اللغة عبارة عن السدس کہ لغت میں سہم سے سدس مراد ہے، لہذا اس حوالے سے بھی صورت مسئلہ میں موسیٰ لہ بالسہم کو سدس دیا جائے گا۔

قالوا الخ: حضرات مشائخ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ سہم بول کر اس سے سدس مراد لینا اہل کوفہ کا عرف اور ان کی اصطلاح ہے، اسی لیے امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں بھی اس سے سدس مراد ہے لیکن ہمارے عرف میں سہم بمعنی جزء ہے اور جزء چوں کہ مجہول ہے جو قلیل و کثیر دونوں کو شامل ہے، لہذا اب مقدار سہم کی تعیین موسیٰ کے ورثاء کریں گے اور ورثاء جو مقدار متعین کریں گے وہی موسیٰ لہ کو دی جائے گی۔

قَالَ وَلَوْ أَوْصَى بِجُزْءٍ مِنْ مَالِهِ قَبْلَ لِلْوَرَثَةِ أَعْطَوْهُ مَا شِئْتُمْ، لِأَنَّهُ مَجْهُولٌ يَتَنَاوَلُ الْقَلِيلَ وَالْكَثِيرَ غَيْرَ أَنَّ الْجَهَالَ لَا تَمْنَعُ صِحَّةَ الْوَصِيَّةِ، وَالْوَرَثَةُ قَانِمُونَ مَقَامَ الْمُوصِي فَاِلَيْهِمُ الْبَيَانُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر موسیٰ نے اپنے مال میں سے ایک جزء کی وصیت کی تو ورثاء سے کہا جائے گا جو تم چاہو موسیٰ لہ کو دے دو، اس لیے کہ جزء مجہول ہے جو قلیل و کثیر سب کو شامل ہے نیز جہالت وصیت سے مانع بھی نہیں ہے۔ اور ورثاء موسیٰ کے قائم مقام ہیں، لہذا وضاحت انھی کے سپرد ہوگی۔

اللغات:

﴿اعطوه﴾ اس کو دے دو۔ ﴿يتناول﴾ شامل ہوتا ہے۔ ﴿موصی﴾ وصیت کرنے والا۔

مال کے ایک جز کی وصیت:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ سہم اور جزء ہم معنی ہیں، لہذا جس طرح سہم کی وصیت کرنے سے ورثاء اپنی صواب دید کے

مطابق موصیٰ لہ کو دیں گے اسی طرح جزء کی وصیت کی صورت میں بھی لین دین کا معاملہ ورثاء کی صواب دید پر موقوف ہوگا اور ورثاء چوں کہ مورث کے نائب اور خلیفہ ہیں اس لیے جو مناسب ہوگا وہ موصیٰ لہ کو دے دیں گے۔

قَالَ وَمَنْ قَالَ سُدُسُ مَالِي لِفُلَانٍ ثُمَّ قَالَ فِي ذَلِكَ الْمَجْلِسِ أَوْ فِي مَجْلِسٍ آخَرَ لَهُ ثَلَاثُ مَالِي وَأَجَارَتْ الْوَرَقَةَ فَلَهُ ثَلَاثُ الْمَالِ وَيَدْخُلُ السُّدُسُ فِيهِ، وَمَنْ قَالَ سُدُسُ مَالِي لِفُلَانٍ ثُمَّ قَالَ فِي ذَلِكَ الْمَجْلِسِ أَوْ فِي غَيْرِهِ سُدُسُ مَالِي لِفُلَانٍ فَلَهُ سُدُسٌ وَاحِدٌ، لِأَنَّ السُّدُسَ ذِكْرٌ مَعْرُوفٌ بِالْإِضَافَةِ إِلَى الْمَالِ، وَالْمَعْرِفَةُ إِذَا أُعِيدَتْ يُرَادُ بِالثَّانِي عَيْنَ الْأَوَّلِ هُوَ الْمَعْنَى فِي اللَّغَةِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کہا میرا سدس مال فلاں کے لیے ہے پھر اسی مجلس میں یا دوسری مجلس میں کہا فلاں کے لیے میرا ثلث مال ہے اور ورثاء نے اس کی اجازت دے دی تو فلاں کو ثلث مال ملے گا اور سدس اسی ثلث میں داخل ہو جائے گا۔ اور جس شخص نے کہا کہ میرا سدس مال فلاں کے لیے ہے پھر اسی مجلس میں یا دوسری مجلس میں کہا میرا سدس مال فلاں کے لیے ہے تو اسے ایک سدس ملے گا، کیونکہ مال کی جانب اضافت کے ذریعے سدس کو معرفہ ذکر کر لیا گیا ہے۔ اور معرفہ کا جب اعادہ کیا جاتا ہے تو ثانی سے اول کا عین مراد لیا جاتا ہے، یہی لغت میں معبود ہے۔

اللغات:

﴿سدس﴾ چھ حصہ۔ ﴿ثلث﴾ تیسرا حصہ، ایک تہائی۔ ﴿معرف﴾ معرفہ، معبود۔ ﴿اعیدت﴾ دہرایا جائے، لوٹایا جائے۔ ﴿یراد﴾ مراد ہوتا ہے۔

ایک ہی آدمی کے لیے دو وصیتیں کرنے کا ایک طریقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کہا کہ میرا سدس مال نعمان کے لیے ہے پھر اسی مجلس میں یا کسی اور مجلس میں دوبارہ اس نے کہا کہ میرا ثلث مال نعمان کے لیے ہے تو اب موصیٰ لہ کو صرف ثلث ملے گا۔ اور ثلث و سدس کا مجموعہ یعنی نصف نہیں ملے گا، بلکہ صرف ثلث موصیٰ لہ کو دیا جائے گا اور پہلے والا سدس اسی ثلث میں داخل اور شامل ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی نے کہا کہ میرا سدس مال نعمان کے لیے ہے پھر اسی مجلس میں یا کسی اور مجلس میں کہا کہ میرا سدس مال نعمان کے لیے ہے یعنی دونوں صورتوں میں موصیٰ لہ ایک ہی ہے تو اس صورت میں موصیٰ لہ کو صرف ایک سدس ملے گا اور اسے دو سدس نہیں دیا جائے گا اگرچہ موصیٰ نے یہاں دو مرتبہ اس کا تذکرہ کیا ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے اپنے مشیر کار سے کہا کہ بھائی فلاں کو ایک ہزار دے دو۔ پھر کچھ دیر یا کچھ دن کے بعد کہا کہ یا رتم نے دیا نہیں انھیں، ارے بھائی ایک ہزار دیدو تو یہاں ایک ہی ہزار دیا جائے گا، نہ کہ دو ہزار اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی موصیٰ لہ کو سدس واحد ہی ملے گا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہاں سدس معرفہ ہے اس لیے کہ سدس مال کی صفت ہے اور مال کی متکلم کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے معرفہ ہے لہذا سدس بھی معرفہ ہوگا اور معرفہ کا ضابطہ یہ ہے کہ جب اس کو مکرر ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے پہلے کا عین یعنی بعینہ پہلا ہی مراد ہوتا ہے، اس لیے گویا موصیٰ نے دوبارہ سدس مالی لفلان کہہ کر پہلے کی تاکید

اور یاد دہانی کی ہے اور پہلے اس نے سدس کی وصیت کی ہے اس لیے موصیٰ لہ کو سدس ہی ملے گا۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصَى بِثُلُثٍ دَرَاهِمٍ أَوْ بِثُلُثٍ غَنَمٍ فَهَلَكَ ثُلُثَا ذَلِكَ وَبَقِيَ ثُلُثُهُ وَهُوَ يَخْرُجُ مِنْ ثُلُثِ مَا بَقِيَ مِنْ مَالِهِ فَلَهُ جَمِيعُ مَا بَقِيَ، وَقَالَ زُفَرٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَهُ ثُلُثُ مَا بَقِيَ، لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مُشْتَرِكٌ بَيْنَهُمَا، وَالْمَالُ الْمُشْتَرَكُ يُتَوَى مَا تَوَى مِنْهُ عَلَى الشَّرَكَةِ، وَيَبْقَى مَا بَقِيَ عَلَيْهَا، وَصَارَ كَمَا إِذَا كَانَتِ التَّرَكَةُ أَجْنَاسًا مُخْتَلِفَةً، وَلَنَا أَنَّ فِي الْجِنْسِ الْوَاحِدِ يُمَكِّنُ جَمْعَ حَقِّ أَحَدِهِمْ فِي الْوَاحِدِ، وَلِهَذَا يَجْرِي فِيهِ الْجَبَرُ عَلَى الْقِسْمَةِ وَفِيهِ جَمْعٌ، وَالْوَصِيَّةُ مُقَدَّمَةٌ فَجَمَعْنَاهَا فِي الْوَاحِدِ الْبَاقِي، وَصَارَتِ الدَّرَاهِمُ كَالدَّرَاهِمِ، بِخِلَافِ الْأَجْنَاسِ الْمُخْتَلِفَةِ، لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ الْجَمْعُ فِيهَا جَبْرًا فَكَذَا تَقْدِيمًا.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنے تہائی دراہم کی یا اپنی تہائی بکریوں کی وصیت کی اور اس کے دوثلث ہلاک ہو گئے اور ایک ثلث باقی رہا اور یہ باقی رہا ثلث موصیٰ کے باقی ثلث سے نکل جاتا ہے تو موصیٰ لہ کو پورا باقی ملے گا۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسے باقی کا ثلث ملے گا، کیونکہ ان میں سے ہر ایک ان کے مابین مشترک ہے اور مال مشترک سے جو ہلاک ہوتا ہے وہ شرکت پر ہلاک ہوتا ہے اور جو باقی رہتا ہے وہ بھی شرکت پر باقی رہتا ہے اور یہ ایسا ہو گیا جیسے ترکہ مختلف الاجناس ہو۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جس واحد میں ان میں سے ہر ایک کے حق کو ایک میں جمع کرنا ممکن ہے، اسی لیے اس میں تقسیم پر جبر ہو سکتا ہے، اور تقسیم میں جمع کرنا ہے۔ اور وصیت مقدم ہے، لہذا ہم نے اسے ایک باقی میں جمع کر دیا اور یہ ایسا ہو گیا جیسے دراہم درہم کے مثل۔ برخلاف اجناس مختلف کے، کیونکہ ان میں جبراً جمع کرنا ممکن نہیں ہے، لہذا تقدیم کے اعتبار سے بھی جمع ممکن نہیں ہوگا۔

اللغات:

﴿اَوْصَى﴾ وصیت کی۔ ﴿غَنَمٍ﴾ بکریاں۔ ﴿يَتَوَى﴾ ہلاک ہوتا ہے۔ ﴿تَوَى﴾ ہلاک ہوا۔

ثلث کی وصیت کرنے والے کے دوثلث مال ضائع ہو جانے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس دراہم بھی ہیں اور بکریاں بھی ہیں اور ان کے علاوہ اس کے پاس اتنا مال بھی ہے جو دراہم اور بکریوں کا دوثلث ہے۔ اب اس شخص نے وصیت کی کہ میرے دراہم میں سے یا میری بکریوں میں سے ایک ثلث فلاں شخص کے لیے ہے۔ بعد وصیت یہ ہوا کہ پورے دراہم یا پوری بکریوں میں سے دوثلث ہلاک ہو گیا اور صرف ایک ثلث باقی رہ گیا مثلاً ۹۰۰ بکریاں تھیں یا نو سو ۹۰۰ دراہم تھے اور ان میں سے دوثلث یعنی ۶۰۰ ہلاک ہو گئے اور صرف ۳۰۰ کی تعداد رہ گئی اور موصیٰ نے اسی تعداد کی وصیت بھی کی تھی تو ہمارے یہاں یہ پورا ثلث موصیٰ لہ کو دے دیا جائے گا، لیکن امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ موصیٰ لہ کو باقی یعنی ۳۰۰ کا ثلث دیا جائے جو ۱۰۰ ہے۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ موصیٰ کا پورا مال موصیٰ لہ اور ورثاء کے مابین مشترک ہے اور مال مشترک کے متعلق اصول یہ

ہے کہ اس کی ہلاکت اور بقاء دونوں مشترک ہوتی ہے، لہذا جس طرح ہلاکت سے پہلے ۹۰۰ کی مقدار موصلی لہ اور ورثاء کے مابین مشترک تھی اور موصلی لہ اس میں سے تین ۳۰۰/ کا حق دار تھا، اسی طرح اس مشترک مال سے جو مقدار ہلاک ہوئی ہے اور جو باقی بچی وہ بھی مشترک ہوگی اور چوں کہ باقی کی مقدار ۳۰۰/ ہے لہذا یہ مقدار موصلی لہ اور ورثاء کے مابین مشترک ہوگی اور اس کا جو ٹکٹ ہوگا یعنی ۱۰۰/ وہ موصلی لہ کو دیا جائے گا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے اگر میت کا ترکہ اجناس مختلفہ ہوتا مثلاً کچھ بکریاں ہوتیں، کچھ اونٹ ہوتے اور کچھ گھوڑے ہوتے اور پھر موصلی ان کے ٹکٹ کی وصیت کرتا اور ان میں سے دو ٹکٹ ہلاک ہو گیا ہوتا تو اس صورت میں موصلی لہ کو ہر جنس میں سے ٹکٹ دیا جاتا، اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی اسے باقی کا ٹکٹ دیا جائے گا۔

ولنا ان فی الخ: یہ ہماری دلیل بھی ہے اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے قیاس کا جواب بھی ہے۔ ہماری دلیل تو اس طرح ہے کہ صورت مسئلہ جنس واحد سے متعلق ہے، خواہ وہ بکریاں ہوں یا دراہم ہوں اور جنس واحد میں ایک چیز کے چند شرکاء کو جمع کیا جاسکتا ہے اور اس میں اگر کوئی شریک ہٹا دے تو اس کی درخواست پر قاضی جبراً تقسیم بھی کر سکتا ہے، لہذا صورت مسئلہ میں تمام شرکاء یعنی موصلی لہ اور ورثاء ۹۰۰/ دراہم یا بکریوں میں شریک ہیں۔ مگر موصلی لہ کا حق اصلاً ثابت ہے اور ورثاء کا حق تابع بن کر ثابت ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ جب کوئی مال اصل اور تابع کے مابین مشترک ہو اور اس میں سے کچھ مال ہلاک ہو جائے تو ہلاک شدہ مقدار کو تابع کی طرف پھیرا جاتا ہے، لہذا صورت مسئلہ میں جو دو ٹکٹ مال ہلاک ہوا ہے وہ گویا ورثاء کا حصہ ہلاک ہوا ہے اور باقی ایک ٹکٹ موصلی لہ کا ہے، لہذا وہ صحیح سالم اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے موصلی دراہم کی جگہ درہم کی وصیت کرتا اور یوں کہتا کہ میں نے فلاں کو ایک درہم دے دیا ہے اور اس کے پاس کل تین درہم ہی تھے تو اس صورت میں اگر دو درہم ہلاک ہو جائیں اور صرف ایک درہم بچے تو وہ پورا درہم موصلی لہ کو دے دیا جائے گا اور اس میں کوئی نہیں ہوگی کہ اس کا ٹکٹ دیا جائے۔ اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی موصلی لہ کو باقی پورا ٹکٹ دے دیا جائے گا۔

اس کے برخلاف اجناس مختلفہ کا مسئلہ ہے تو نہ تو ان میں جبر ہو سکتا ہے اور نہ ہی ان میں موصلی لہ کو ورثاء پر تقدم حاصل ہوتا ہے، لہذا یہاں اصل اور تابع والا مسئلہ جاری نہیں ہوگا اور جو مقدار ہلاک ہوگی وہ مشترک ہلاک ہوگی اور جو باقی بچے گی وہ بھی مشترک ہوگی، اسی لیے اجناس مختلفہ کی صورت میں موصلی لہ کو باقی کا ٹکٹ دیا جائے گا۔

قَالَ وَلَوْ اَوْصَى بِعُلَّتِ ثِيَابِهِ فَهَلَكَتْ ثُلُثُهَا وَبَقِيَ ثُلُثُهَا وَهُوَ يَخْرُجُ مِنْ ثُلُثِ مَا بَقِيَ مِنْ مَالِهِ لَمْ يَسْتَحِقَّ اِلَّا ثُلُثَ مَا بَقِيَ مِنَ الثِّيَابِ، قَالُوا هَذَا اِذَا كَانَتِ الثِّيَابُ مِنْ اَجْناسٍ مُخْتَلِفَةٍ، وَلَوْ كَانَتْ مِنْ جِنْسٍ وَاحِدٍ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الدَّرَاهِمِ، وَكَذَلِكَ الْمَكِيلُ وَالْمَوْزُونُ بِمَنْزِلَتِهَا، لِأَنَّهُ يَخْرُجُ فِيهِ الْجَمْعُ جَبْرًا بِالْقِسْمَةِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنے تہائی کپڑوں کی وصیت کی اور اس کے دو ٹکٹ ہلاک ہو گئے اور ایک ٹکٹ باقی رہ گیا اور یہ ٹکٹ موصلی کے باقی مال سے خارج ہو جاتا ہے تو موصلی لہ باقی کپڑوں کے ٹکٹ ہی کا مستحق ہوگا۔ حضرات مشائخ رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ یہ اس صورت میں ہے جب کپڑے مختلف الاجناس ہوں اور اگر کپڑے ایک جنس کے ہوں تو وہ دراہم کے درجے میں ہیں، نیز

مکمل و موزون بھی دراہم کے درجے میں ہیں کیونکہ ان میں جبر بالقسمت کے حوالے سے جمع جاری ہے۔

اللَّغَاتُ:

﴿ثياب﴾ واحد ثوب؛ کپڑا۔ ﴿مکیل﴾ وہ چیز جس کو ماپ کر بیچا خریداجاتا ہو۔ ﴿یجری﴾ چلتا ہے۔

ثلث کی وصیت کرنے والے کے دو ثلث مال ضائع ہو جانے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے تہائی کپڑے کی وصیت کی اور کپڑوں کے دو ثلث ہلاک اور ضائع ہو گئے اور صرف ایک ثلث باقی رہ گیا، لیکن اس کے علاوہ موسیٰ کے پاس دوسرا بھی مال ہے اور وہ مال باقی بچے کپڑے سے دو گنا زیادہ ہے تو موسیٰ لہ کو کتنا ملے گا؟ اس صورت میں حضرات مشائخ رحمہم کی رائے یہ ہے کہ اگر کپڑے مختلف الاجناس ہوں تو موسیٰ لہ کو باقی کپڑوں کا ثلث ملے گا۔ اور اگر کپڑے متحد الجنس ہوں تو یہ دراہم کے درجے میں ہوں گے یعنی اس صورت میں موسیٰ لہ کو پورے کپڑے ملیں گے۔ ایسے ہی اگر مکلی یا موزونی چیز ہو تو وہ بھی دراہم کے درجے میں ہے یعنی اس صورت میں بھی موسیٰ لہ کو باقی ماندہ پوری چیز ملے گی، کیونکہ جس طرح دراہم وغیرہ میں جبراً تقسیم جائز ہے اور ورثاء اور موسیٰ لہ کے حصص کو جمع کرنا ممکن ہے، اسی طرح مکلی اور موزونی اشیاء میں بھی جبراً تقسیم جائز ہے اور موسیٰ لہ اور ورثاء کے حصص کو جمع کرنا ممکن ہے۔

وَلَوْ أَوْصَى بِثَلَاثَةِ ثَلَاثَةٍ مِّن رَّفِيقِهِ فَمَاتَ اِثْنَانِ لَمْ يَكُنْ لَهُ إِلَّا ثُلُثُ الْبَاقِي، وَكَذَا الدُّورُ الْمُخْتَلِفَةُ، وَقِيلَ هَذَا عَلَى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمَا وَحَدَّثَهُ، لِأَنَّهُ لَا يَرَى الْجَبْرَ عَلَى التَّسْمَةِ فِيهَا، وَقِيلَ هُوَ قَوْلُ الْكَلِّ، لِأَنَّ عِنْدَهُمَا لِلْقَاضِي أَنْ يَجْتَهِدَ وَيَجْمَعَ، وَيَدُونَ ذَلِكَ يَتَعَذَّرُ الْجَمْعُ، وَالْأَوَّلُ أَشْبَهُ لِلْفَقْهِ الْمَذْكُورِ.

ترجمہ: اور اگر موسیٰ نے اپنے تین غلاموں میں سے ثلث کی وصیت کی اور دو غلام مر گئے تو موسیٰ لہ کے لیے باقی کا ثلث ہوگا اور یہی حکم مختلف گھروں کا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ صرف امام اعظم رحمہم کے قول پر ہے، کیونکہ حضرت الامام غلاموں اور دور مختلف میں جبر کو رد نہیں سمجھتے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سب کا قول ہے، کیونکہ حضرات صاحبین رحمہم کے یہاں قاضی کو یہ حق ہے کہ وہ ایسا اجتہاد کرے اور جمع کر دے اور بدون اجتہاد جمع معذور ہے۔ اور پہلا قول فقہ مذکور کے زیادہ مشابہ ہے۔

اللَّغَاتُ:

﴿رفیق﴾ غلام۔ ﴿دور﴾ واحد دار؛ مکانات۔ ﴿یتعذر﴾ مشکل ہوتا ہے۔

ثلث کی وصیت کرنے والے کے دو ثلث مال ضائع ہو جانے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ سلمان کے تین غلام ہیں اور اس نے ان میں سے ثلث یعنی ایک غلام کی وصیت نعمان کے لیے کر دی پھر دو غلام مر گئے یا چند مکانات تھے اور موسیٰ نے کسی کے لیے ان کے ثلث کی وصیت کی اور پھر سب مکان گر گئے اور ثلث کے بقدر مکانات باقی بچے تو ان دونوں صورتوں میں حضرت امام اعظم رحمہم کے یہاں موسیٰ لہ کو باقی کا ثلث ملے گا اور پورا باقی نہیں ملے گا جب کہ حضرات صاحبین رحمہم سے اس سلسلے میں دو قول منقول ہیں (۱) پہلا قول امام صاحب کے موافق ہے یعنی موسیٰ لہ کو ان کے

یہاں بھی ٹکٹ باقی ملے گا (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ اسے پورا ملے گا۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ آپ غلاموں اور مختلف مکانوں کی اجناس مختلف قرار دیتے ہیں اور ان میں جبراً تقسیم کو درست نہیں مانتے۔ اور اجناس مختلفہ کی صورت میں موصلیٰ لہ کو باقی کا ٹکٹ ملتا ہے، لہذا ان صورتوں میں بھی موصلیٰ لہ کو باقی کا ٹکٹ ملے گا، اور مختلف فیہ مسئلے میں حضرات صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ یہ جنس واحد ہیں اور جنس واحد میں جبراً تقسیم ہو سکتی ہے اور جہاں جبراً تقسیم ہو سکتی ہے، وہاں موصلیٰ لہ کو پورا باقی ملتا ہے۔ اس لیے ان صورتوں میں موصلیٰ لہ کو پورا حق ملے گا۔ اور متفق علیہ مسئلے میں ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ ان حضرات کے یہاں قاضی کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے اجتہاد سے ان میں شرکاء کے حصص جمع کر دے اور جب تک قاضی اجتہاد نہیں کرے گا اس وقت جمع ممکن نہیں ہوگا بہر حال قاضی کے اجتہاد سے یہاں جمع ممکن ہے لیکن بدون جمع یہ مال ہلاک ہوا ہے، اس لیے یہ ہلاکت اور بقاء دونوں شرکت پر ہوگی اور موصلیٰ لہ کو باقی کا ٹکٹ ہی ملے گا۔

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام صاحب اور حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں مختلف فیہ مسئلہ ہی زیادہ صحیح اور فقہ کے

مشابہ ہے۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصَىٰ لِرَجُلٍ بِأَلْفٍ دِرْهَمٍ وَلَهُ مَالٌ عَيْنٌ وَدَيْنٌ فَإِنَّ خَرَجَ الْأَلْفِ مِنْ ثَلَاثِ الْعَيْنِ دُفِعَ إِلَى الْمُوَصَّلِيِّ لَهُ، لِأَنَّهُ أَمْكَنُ إِيْفَاءِ كُلِّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ مِنْ غَيْرِ بَخْسٍ فَيُصَارُ إِلَيْهِ وَإِنْ لَمْ يَخْرُجْ دُفِعَ إِلَيْهِ ثَلَاثُ الْعَيْنِ، وَكُلُّ مَا خَرَجَ شَيْءٌ مِنَ الدَّيْنِ أَخَذَ ثُلُثُهُ حَتَّى يَسْتَوْفَى الْأَلْفَ، لِأَنَّ الْمُوَصَّلِيَّ لَهُ شَرِيكُ الْوَارِثِ وَفِي تَخْصِيصِهِ بِالْعَيْنِ بَخْسٌ فِي حَقِّ الْوَرَثَةِ، لِأَنَّ لِلْعَيْنِ فَضْلًا عَلَى الدَّيْنِ، وَلِأَنَّ الدَّيْنَ لَيْسَ بِمَالٍ فِي مُطْلَقِ الْحَالِ، وَإِنَّمَا يَصِيرُ مَالًا عِنْدَ الْإِسْتِيفَاءِ فَإِنَّمَا يَعْتَدِلُ النَّظَرُ بِمَا ذَكَرْنَاهُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس نے کسی شخص کے لیے ایک ہزار درہم کی وصیت کی اور موصلیٰ کے پاس نقد مال بھی ہے اور قرض بھی ہے تو اگر الف نقدی ٹکٹ سے نکل جائے تو موصلیٰ لہ کو ایک ہزار درہم دیئے جائیں گے، کیونکہ بغیر کی کے ہر صاحب حق کو اس کا حق دینا ہے، لہذا اسی کی جانب رجوع کیا جائے گا۔ اور اگر الف نقدی ٹکٹ سے نہیں نکلتا ہے تو موصلیٰ لہ کو نقدی کا ٹکٹ دیا جائے گا اور قرض سے جو مقدار نکلتی رہے موصلیٰ لہ اس کا ٹکٹ لیتا رہے یہاں تک الف پورا کر لے، اس لیے کہ موصلیٰ لہ وارث کا شریک ہے اور نقدی کے ساتھ اسے خاص کرنے سے وراثت کے حق میں کمی لازم آئے گی، کیونکہ نقدی کو قرض پر فوقیت حاصل ہے اور اس لیے کہ دین فی الحال مال نہیں ہے وہ تو وصولیابی کے وقت مال ہوتا ہے، لہذا نظر اسی صورت میں معتدل ہوگی جو ہم نے بیان کی ہے۔

اللغات:

﴿اَوْصَى﴾ وصیت کی۔ ﴿أَلْف﴾ ہزار۔ ﴿عَيْن﴾ متعین شے/نقد مال۔ ﴿دُفِعَ﴾ دیا جائے گا۔ ﴿مُوصَلِيٌّ لَهُ﴾ جس کے حق میں وصیت کی گئی ہے۔ ﴿إِيْفَاءٌ﴾ ادائیگی۔ ﴿يَسْتَوْفَى﴾ پوری وصولی کرے۔

معین عدد کی وصیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ نعمان نے یہ وصیت کی کہ میرے مال میں سے نعیم کو ایک ہزار روپے دے دیئے جائیں اور نعمان کے پاس اس موصلی بہ یعنی الف کے علاوہ بھی کچھ مال ہے جس میں کچھ نقد ہے اور کچھ ادھار ہے اب یہ دیکھا جائے گا کہ اس کے پاس نقد کتنا مال ہے؟ اگر نقد مال اتنا ہو کہ موصلی بہ یعنی الف اس کا ثلث ہو (اور نقد تین ہزار ہو) تو اس صورت میں موصلی بہ کو ایک ہزار نقد دے دیا جائے گا، کیونکہ اس کے علاوہ موصلی کے پاس مزید دو گنی رقم ہے، اور کسی کمی کے بغیر اس سے ورثاء کا حق دیا جاسکتا ہے۔ اور اگر موصلی کے پاس موصلی بہ کے علاوہ نقد رقم زیادہ نہ ہو بلکہ صرف ایک ہی ہزار ہو تو اس صورت میں موصلی لہ کو پورا ایک ہزار نہیں دیا جائے گا بلکہ جو رقم نقد موجود ہے اس کا ثلث دیا جائے گا اور باقی ادھار کر دیا جائے گا اور موصلی لہ سے یہ کہا جائے گا کہ بھائی جیسے جیسے موصلی کی بقایا رقم ملے گی ویسے ویسے تم اس میں سے ثلث لے لے کر اپنا ایک ہزار مکمل کر لینا۔ اس صورت میں موصلی لہ کو پورا الف نہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ موصلی لہ اور ورثاء دونوں میت کے ترکے میں شریک ہیں اور نقد مال چوں کہ ادھار سے افضل اور عمدہ ہوتا ہے، اس لیے اگر پورا نقد مال موصلی لہ کو دے دیا جائے تو ورثاء کے ساتھ ظلم و زیادتی ہوگی اور ان کے حق میں کمی لازم آئے گی، لہذا ورثاء اور موصلی لہ جس طرح استحقاق میں شریک ہیں اسی طرح مال کی وصولیابی میں بھی شریک ہوں گے اور شرکت اسی صورت میں متحقق ہوگی جب موصلی لہ کو نقد مال کا ثلث دیا جائے گا۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصَى لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو بِثُلْثٍ مَالِهِ فَإِذَا عَمِرُوا مِيتَ فَالْثُلُثُ كُلُّهُ لَزَيْدٍ، لِأَنَّ الْمِيتَ لَيْسَ بِأَهْلٍ لِلْوَصِيَّةِ فَلَا يَزَاحِمُ الْحَيَّ الَّذِي هُوَ مِنْ أَهْلِهَا كَمَا إِذَا أَوْصَى لِزَيْدٍ وَجِدَارٍ، وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ إِذَا لَمْ يَعْلَمْ بِمَوْتِهِ فَلَهُ نِصْفُ الثُّلُثِ، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ عِنْدَهُ صَحِيحَةٌ لِعَمْرٍو فَلَمْ يَرْضَ لِلْحَيِّ إِلَّا نِصْفَ الثُّلُثِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا عَلِمَ بِمَوْتِهِ، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ لِلْمِيتِ لَفَوْ فَكَانَ رَاضِيًا بِكُلِّ الثُّلُثِ لِلْحَيِّ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے زید اور عمرو کے لیے اپنے تہائی مال کی وصیت کی اور عمرو میت ہے تو پورا ثلث زید کے لیے ہے، کیونکہ میت وصیت کا اہل نہیں ہے لہذا میت اس زندہ شخص کا مزاحم نہیں ہوگا جو وصیت کا اہل ہے جیسے کسی نے زید اور دیوار کے لیے وصیت کی ہو۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اگر موصلی عمرو کی موت سے واقف نہ ہو تو زید کو ثلث کا نصف ملے گا، کیونکہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں عمرو کے لیے وصیت صحیح ہے لہذا موصلی زندہ کے لیے صرف نصف ثلث پر راضی ہوگا۔ برخلاف اس صورت کے جب موصلی عمرو کی موت سے باخبر ہو، کیونکہ میت کے لیے وصیت کرنا بے کار ہے، لہذا وہ زندہ (زید) کے لیے پورے ثلث پر راضی ہوگا۔

اللغات:

﴿ثلث﴾ ایک تہائی، تیسرا حصہ۔ ﴿لا یزاحم﴾ مزاحمت نہیں کرے گا، مقابل نہیں ہوگا۔ ﴿حتی﴾ زندہ۔ ﴿جدار﴾ دیوار۔ ﴿لفو﴾ بے نتیجہ۔

دو آدمیوں کے لیے ثلث مال کی وصیت کرنے کی ایک صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے زید اور عمرو دونوں کے لیے اپنے تہائی مال کی وصیت کی لیکن عمرو مردہ ہے تو اس صورت میں پوری وصیت زید کو ملے گی اور وہی اکیلا پورے ثلث کا مستحق ہوگا، اس لیے کہ میت وصیت قبول کرنے کا اہل نہیں ہے، لہذا مراہوا شخص اس زندہ شخص کا مزاحم نہیں ہو سکتا جو وصیت قبول کرنے کے قابل ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے زید اور دیوار کے لیے وصیت کی تو ظاہر ہے کہ دیوار میں وصیت قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، اس لیے پوری وصیت زید کے لیے ہوگی، اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی عمرو چوں کہ مردہ ہے اور اس میں وصیت قبول کرنے کی صلاحیت اور اہلیت نہیں ہے، لہذا زید ہی پورے ثلث کا مستحق ہوگا۔

وعن ابی یوسف الخ: حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اگر موصی کو عمرو کی موت کا علم نہ ہو اور وہ عمرو کے لیے وصیت کر دے تو اس صورت میں زید کو صرف ثلث کا نصف ملے گا اور پورا ثلث نہیں ملے گا، اس لیے کہ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں عمرو کے لیے وصیت درست ہے لہذا وہ زید کو صرف نصف ثلث ہی دینے پر راضی ہوگا اور اسے وہی ملے گا۔
بخلاف الخ: ہاں اگر موصی کو عمرو کی موت کا علم ہو تو اس صورت میں زندہ شخص کو پوری وصیت ملے گی، اس لیے کہ میت کے لیے وصیت کرنا لغو اور بے کار ہے، لہذا موصی زندہ شخص کو پوری وصیت دینے پر راضی ہے اس لیے زندہ یعنی زید ہی کو پورا موصی بہ ملے گا۔

وَأِنْ قَالَ ثُلُثُ مَالِي بَيْنَ زَيْدٍ وَعَمْرٍو وَزَيْدٌ مَيِّتٌ كَانَ لِعَمْرٍو نِصْفُ الثُّلُثِ، لِأَنَّ قَضِيَّةَ هَذَا اللَّفْظِ أَنْ يَكُونَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِصْفُ الثُّلُثِ، بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ، أَلَا تَرَى أَنَّ مَنْ قَالَ ثُلُثُ مَالِي لَزَيْدٍ وَسَكَتَ كَانَ لَهُ كُلُّ الثُّلُثِ، وَأَوْ قَالَ ثُلُثُ مَالِي بَيْنَ فُلَانٍ وَسَكَتَ لَمْ يَسْتَحِقَّ الثُّلُثُ.

ترجمہ: اور اگر موصی نے کہا کہ میرا تہائی مال زید اور عمرو کے درمیان ہے اور زید مردہ ہے تو عمرو کے لیے نصف ثلث ہوگا، اس لیے کہ اس جملے کا تقاضہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے لیے نصف ثلث ہو۔ بخلاف پہلے مسئلے کے۔ کیا دیکھتے نہیں جس شخص نے کہا میرا تہائی مال زید کے لیے ہے اور وہ خاموش ہو گیا تو زید کے لیے پورا ثلث ہوگا۔ اور اگر یوں کہا میرا ثلث مال فلاں کے درمیان ہے اور خاموش ہو گیا تو فلاں مستحق ثلث نہیں ہوگا۔

اللغات:

﴿بین﴾ درمیان۔ ﴿قضیۃ﴾ تقاضا۔ ﴿سکت﴾ خاموش ہو گیا۔

دو آدمیوں کے لیے ثلث مال کی وصیت کرنے کی ایک صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر موصی نے یوں کہا ثلث مالی بین زید وعمرو کہ میرا ثلث مال زید اور عمرو کے درمیان ہے یعنی لزید وعمرو کے بجائے بین زید وعمرو کہا اور عمرو مردہ ہے تو اس صورت میں زید کو ثلث کا نصف ملے گا اور پورا ثلث نہیں

ملے گا، کیونکہ لفظ بین شرکت کا متقاضی ہے اور شرکت اسی صورت میں متحقق ہوگی جب زید زندہ کو ثلث کا نصف ملے۔ اس کے برخلاف پہلی صورت میں یعنی جب موسیٰ نے لزید و عمرو کہا ہو تو وہاں ل صرف استحقاق پر دلالت کرتا ہے، شرکت پر دلالت نہیں کرتا، لہذا اس صورت میں عمرو کے نہ ہونے پر زید پورے ثلث کا مستحق ہوگا لیکن صورت مسئلہ میں زید کو نصف ثلث پر ہی اکتفاء کرنا پڑے گا۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے اگر کسی نے کہا ثلث مالی لزید اور خاموش ہو گیا تو زید پورے ثلث کا مستحق ہوگا اور اگر کہا ثلث مالی بین زید اور خاموش ہو گیا تو زید پورے ثلث کا مستحق نہیں ہوگا، کیونکہ لفظ بین استحقاق مع شرکت پر دلالت کرتا ہے جب کہ ل صرف استحقاق پر دلالت ہے۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصَىٰ بِثُلَّةٍ مَّالِهِ وَلَا مَالَ لَهُ وَاکْتَسَبَ مَالًا اسْتَحَقَّ الْمُوَصَّىٰ لَهُ ثُلَّةٌ مَا يَمْلِكُهُ عِنْدَ الْمَوْتِ، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ عَقْدٌ اسْتِخْلَافٍ مُّضَافٌ إِلَىٰ مَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَيَنْبُتُ حُكْمُهُ بَعْدَهُ فَيَشْتَرِطُ وَجُودُ الْمَالِ عِنْدَ الْمَوْتِ، لَا قَبْلَهُ، وَكَذَا إِذَا كَانَ لَهُ مَالٌ فَهَلْكَ ثُمَّ اكْتَسَبَ مَالًا لِمَا بَيَّنَّا.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنے ثلث مال کی وصیت کی اور اس کے مال نہیں ہے پھر اس نے مال کمایا تو موسیٰ لہ اس مال کے ثلث کا مالک ہوگا جس کا بوقت موت موسیٰ مالک ہے، کیونکہ وصیت عقد استخلاف ہے جو مابعد الموت کی طرف مضاف ہے اور موت کے بعد اس عقد کا حکم ثابت ہوتا ہے، لہذا بوقت موت مال کا موجود ہونا شرط ہے نہ کہ اس سے پہلے، ایسے ہی اگر موسیٰ کے پاس مال ہو پھر وہ ہلاک ہو جائے اور موسیٰ دوبارہ مال حاصل کرے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

اللغات:

﴿اکتسب﴾ کمالیا۔ ﴿موصیٰ لہ﴾ جس کے حق میں وصیت کی گئی۔ ﴿استخلاف﴾ خلیفہ بنانا، نائب/ قائم مقام بنانا۔

وصیت کے وقت فقیر کی وصیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی کے لیے اپنے تہائی مال کی وصیت کی لیکن اس وقت اس کے پاس مال نہیں تھا پھر بعد میں اس نے مال کمایا تو موسیٰ کی موت کے وقت اس کے پاس جتنا مال ہوگا اس پورے مال کا ثلث موسیٰ لہ کو ملے گا اور بوقت وصیت موسیٰ کے پاس مال نہ ہونے سے وصیت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، کیونکہ وصیت عقد استخلاف ہے جو مابعد الموت والی حالت کی طرف مضاف ہے اور اس کا حکم بھی موت کے بعد ہی ثابت ہوتا ہے، لہذا بوقت موت اگر موسیٰ کے پاس مال ہوگا تو اس کی وصیت صحیح ہے، ورنہ نہیں۔

و كذلك الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس مال موجود ہے اور اس نے اس مال میں سے کسی کے لیے ثلث کی وصیت کی پھر وہ مال ہلاک ہو گیا، لیکن مرنے سے پہلے موسیٰ نے مال کمالیا تو اس صورت میں بھی اس کی وصیت درست اور جائز ہے، کیونکہ وصیت صحیح بوقت موت موسیٰ کے پاس مال موجود ہونا شرط ہے اور یہاں موت کے وقت اس کے پاس مال ہے لہذا اس کی وصیت بھی درست ہے۔

وَلَوْ أَوْصَى بِثُلُثِ غَنَمِهِ فَهَلْكَ الْغَنَمُ قَبْلَ مَوْتِهِ أَوْ لَمْ يَكُنْ لَهُ غَنَمٌ فِي الْأَصْلِ فَاَلْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّهُ يُجَابُ بَعْدَ الْمَوْتِ فَيَعْتَبَرُ قِيَامُهُ حِينَئِذٍ، وَهَذِهِ الْوَصِيَّةُ تَعَلَّقَتْ بِالْعَيْنِ فَتَبْطُلُ بِفَوَاتِهَا عِنْدَ الْمَوْتِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ غَنَمٌ فَاسْتَفَادَهُ ثُمَّ مَاتَ فَالصَّحِيحُ أَنَّ الْوَصِيَّةَ تَصَحُّحٌ، لِأَنَّهَا لَوْ كَانَتْ بِلَفْظِ الْمَالِ تَصَحُّحٌ فَكَذَا إِذَا كَانَتْ بِاسْمِ نَوْعِهِ، وَهَذَا لِأَنَّ وُجُودَهُ قَبْلَ الْمَوْتِ فَضْلٌ وَالْمُعْتَبَرُ قِيَامُهُ عِنْدَ الْمَوْتِ.

ترجمہ: اور اگر موصلی نے کسی کے لیے اپنی ثلث بکریوں کی وصیت کی اور اس کی موت سے پہلے بکریاں ہلاک ہو گئیں یا اصل میں موصلی کے پاس بکریاں نہیں تھیں تو وصیت باطل ہے، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں، کہ یہ موت کے بعد ایجاب ہے، لہذا بوقت موت غنم کا موجود ہونا شرط ہے۔ اور یہ وصیت عین کے ساتھ متعلق ہے لہذا بوقت موت عین کے فوت ہونے سے وصیت باطل ہو جائے گی۔ اور اگر موصلی کے پاس غنم نہ ہوں پھر موصلی نے غنم حاصل کر لیا اس کے بعد وہ مر گیا تو صحیح یہ ہے کہ وصیت درست ہے، کیوں کہ اگر لفظ مال سے وصیت ہوتی تو صحیح ہوتی، لہذا جب مال کی ایک نوع کے نام سے ہے تو بھی وصیت درست ہے۔ اور یہ اس لیے ہے کہ موت سے پہلے موصلی بہ کا وجود فضل ہے اور بوقت موت موصلی بہ کا وجود معتبر ہے۔

اللغات:

﴿غنم﴾ بکریاں۔ ﴿ایجاب﴾ ثابت کرنا۔ ﴿فوات﴾ فوت ہو جانا۔ ﴿استفاد﴾ حاصل کر لیا۔

ثلث کی وصیت کرنے والے کا مال ضائع ہو جانے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی تہائی بکریوں کی وصیت کی اور موصلی کی موت سے پہلے بکریاں ہلاک ہو گئیں یا بوقت وصیت بھی اس کے پاس بکریاں نہیں تھیں اور بوقت موت بھی یعنی اس کے پاس کبھی بکریاں تھیں ہی نہیں تو اس کی وصیت صحیح نہیں ہے، کیونکہ ما قبل میں یہ بات آپچی ہے کہ صحت وصیت کے لیے بوقت موت مال اور موصلی بہ کا ہونا شرط ہے اور یہاں دونوں صورتوں میں موصلی بہ معدوم ہے اس لیے وصیت درست نہیں ہے۔ اور پھر یہاں موصلی بہ عین یعنی غنم ہے اور بوقت موت وہ عین معدوم اور مفقود ہے حالانکہ صحت وصیت کے لیے بوقت موت عین کا قیام اور وجود ضروری ہے، اس لیے اس حوالے سے بھی یہاں وصیت باطل ہے۔

وإن لم يكن له غنم فاستفاده الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ بوقت وصیت موصلی کے پاس موصلی بہ یعنی غنم نہیں ہے، لیکن بوقت موت اس کے پاس مال موجود ہے تو اس صورت میں وصیت درست اور جائز ہے، کیونکہ اگر لفظ مال کی وصیت ہوتی تو بوقت موت مال موجود ہونے کی صورت میں وصیت درست ہوتی اور غنم مال کی ایک نوع اور قسم ہے، لہذا اگر بوقت موت مال کی یہ قسم موجود ہو تو اس کی وصیت بھی درست ہے، کیونکہ موت سے پہلے مال کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہے اور موت کے وقت اس کا ہونا ضروری ہے۔

وَلَوْ قَالَ لَهُ شَاةٌ مِنْ مَالِي وَلَيْسَ لَهُ غَنَمٌ يُعْطَى قِيمَةُ شَاةٍ، لِأَنَّهُ لَمَّا أَضَافَهُ إِلَى الْمَالِ عَلِمْنَا أَنَّ مُرَادَهُ الْوَصِيَّةَ بِمَالِيَةِ الشَّاةِ، إِذْ مَالِيَّتُهَا تَوْجَدُ فِي مُطْلَقِ الْمَالِ، وَلَوْ أَوْصَى بِشَاةٍ وَلَمْ يُضِفْهُ إِلَى مَالِهِ وَلَا غَنَمَ لَهُ قِيلَ لَا يَصِحُّ،

لَاَنَّ الْمُصْطَحَّ إِضَافَتُهُ إِلَى الْمَالِ وَبِدُونِهَا تُعْتَبَرُ صُورَةُ الشَّاةِ وَمَعْنَاهَا، وَقِيلَ تَصِحُّ، لِأَنَّهُ لَمَّا ذَكَرَ الشَّاةَ وَلَيْسَ فِيهِ مِلْكُهُ شَاةٌ عَلِمَ أَنَّ مُرَادَهُ الْمَالِيَّةَ.

ترجمہ: اور اگر موصلی نے کہا کہ موصلی لہ کے لیے میرے مال سے ایک بکری ہے حالانکہ اس کے پاس بکریاں نہیں ہیں تو موصلی لہ کو ایک بکری کی قیمت دی جائے گی، کیونکہ جب موصلی نے موصلی بہ کی اضافت مال کی طرف کر دی تو ہم نے جان لیا کہ اس کی مراد بکری کی مالیت ہے، اس لیے کہ اس کی مالیت مطلق مال میں پائی جاتی ہے۔

اور اگر اس نے صرف شاة کی وصیت کی اور اپنے مال کی طرف اسے منسوب نہیں کیا اور اس کے پاس غنم نہ ہوں تو ایک قول یہ ہے کہ وصیت صحیح نہیں ہے، کیونکہ صحیح کرنے والی چیز مال کی طرف موصلی بہ کی اضافت ہے اور بدون اضافت شاة کی صورت اور اس کے معنی کا اعتبار کیا جائے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وصیت صحیح ہے، اس لیے کہ جب موصلی نے شاة کا ذکر کیا ہے اور اس کی ملکیت شاة نہیں ہے تو یہ واضح ہو گیا کہ اس کی مراد مالیت ہے۔

اللغات:

﴿شاة﴾ بکری۔ ﴿غنم﴾ بکری۔ ﴿مصطح﴾ درست کرنے والا۔

”ایک بکری“ کی وصیت کرنا:

اس عبارت میں دو مسئلے بیان کئے گئے ہیں:

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ موصلی نے کہا فلاں کے لیے ”میرے مال“ سے ایک بکری ہے، حالانکہ اس کے پاس ایک بھی بکری نہیں ہے تو اس کی وصیت درست ہے اور موصلی لہ کو اس کے مال سے ایک بکری کی قیمت دی جائے گی، اس لیے کہ اس کے یہاں موصلی نے موصلی بہ کو متعین کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے مال کی طرف اس کی اضافت کر دی ہے اور یہ اضافت یہ بتا رہی ہے کہ موصلی کا مقصد بکری کی مالیت دینا ہے اور مالیت ہر قسم کے مال میں موجود ہے، لہذا یہاں موصلی لہ ایک بکری کی مالیت کا مستحق ہوگا۔

دوسرا مسئلہ اس کے برعکس ہے یعنی اس میں موصلی نے صرف شاة کی وصیت کرتے ہوئے یوں کہا لہ شاة یا اوصی لفلان بشاة اور من مالی وغیرہ کہہ کر مال کی طرف اس کی اضافت نہیں کی۔

تو اس سلسلے میں وصیت کے متعلق حضرات مشائخ رحمہم کے دو قول ہیں:

پہلا قول یہ ہے کہ وصیت صحیح نہیں ہے، کیونکہ وصیت کے لیے شاة اور موصلی بہ کو مال کی طرف منسوب کرنا ضروری تھا اور یہ نسبت یہاں معدوم ہے تو گویا موصلی بہ عین شاة ہے اور وہ مفقود ہے، اس لیے وصیت باطل ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ وصیت صحیح ہے، اس لیے کہ جب موصلی نے شاة ذکر کی ہے اور اس کے پاس شاة کا نام و نشان بھی نہیں ہے تو یہ واضح ہو گیا کہ وہ شاة کی مالیت کی وصیت کرنا چاہتا ہے اور مالیت ہر مال میں مل سکتی ہے اس لیے ماقبل والے مسئلے کی طرح یہاں بھی وصیت درست ہے۔

وَلَوْ قَالَ شَاةٌ مِنْ غَنَمِي وَلَا غَنَمَ لَهُ فَالْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ، لِأَنَّهُ لَمَّا أَضَافَهُ إِلَى الْغَنَمِ عَلِمْنَا أَنَّ مُرَادَهُ عَيْنُ الشَّاةِ حَيْثُ جَعَلَهَا جُزْءًا مِنَ الْغَنَمِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا أَضَافَهَا إِلَى الْمَالِ، وَعَلَى هَذَا يُخْرَجُ كَثِيرٌ مِنَ الْمَسَائِلِ.

ترجمہ: اور اگر موصی نے کہا میری بکریوں میں ایک بکری (فلاں کے لیے ہے) اور اس کے پاس بکریاں نہ ہو تو وصیت باطل ہے، کیونکہ جب موصی نے موصی بہ کو غنم کی طرف منسوب کر دیا تو ہم نے جان لیا کہ اس کی مراد عین شاة ہے اس لیے کہ موصی نے اسے غنم کا ایک جزء قرار دیا ہے، برخلاف اس صورت کے جب اس نے مال کی طرف اضافت کی ہو۔ اور اس اصل پر بہت سے مسائل کی تخریج ہوتی ہے۔

اللَّغَاتُ:

﴿عین﴾ متعین۔ ﴿یخرج﴾ تخریج کی جاتی ہے۔

”ایک بکری“ کی وصیت کرنا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر موصی نے کہا لا شاة من غنمی کہ فلاں کے لیے میری بکریوں میں سے ایک بکری ہے حالانکہ اس کے پاس ایک بھی بکری نہیں ہے تو وصیت باطل ہے، کیونکہ موصی نے یہاں موصی بہ کو غنم کی طرف منسوب کیا ہے اور غنم معدوم ہے اور غنم کی طرف مالیت کی اور عین شاة مفقود ہے لہذا وصیت بھی مفقود اور معدوم ہوگی۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اس اصل پر بہت سے مسائل کی تخریج ہو سکتی ہے۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصَى بِثُلْثِ مَالِهِ لِأُمَّهَاتٍ أَوْ لِأَوْدِهِ وَهِنَّ ثَلَاثٌ وَلِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ فَلَهُنَّ ثَلَاثَةُ أَسْهُمٍ مِنْ خَمْسَةِ أَسْهُمٍ، قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَأَبِي يُوسُفَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ يُقَسَّمُ عَلَى سَبْعَةِ أَسْهُمٍ لَهُنَّ ثَلَاثَةٌ وَلِكُلِّ فَرِيقٍ سَهْمَانِ، وَأَصْلُهُ أَنَّ الْوَصِيَّةَ لِأُمَّهَاتِ الْأَوْلَادِ جَائِزَةٌ، وَالْفُقَرَاءُ وَالْمَسَاكِينُ جُنْسَانِ وَفَسَّرْنَا هُمَا فِي الزَّكَاةِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس نے اپنی امہات اولاد کے لیے اپنے ثلث مال کی وصیت کی اور وہ تین ہیں اور فقراء و مساکین کے لیے وصیت کی تو امہات کے لیے پانچ حصوں میں سے تین حصے ہوں گے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم حضرات شیخین کے یہاں ہے، امام محمد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ثلث سات حصوں پر تقسیم کیا جائے گا امہات کو تین حصے ملیں گے اور ہر فریق کو دو حصے ملیں گے۔ اور اس کی اصل یہ ہے کہ امہات اولاد کے لیے وصیت جائز ہے۔ اور فقراء و مساکین دو جنس ہیں اور کتاب الزکوٰۃ میں ہم ان کی وضاحت کر چکے ہیں۔

اللَّغَاتُ:

﴿أسهم﴾ واحد سهم؛ حصے۔ ﴿فسرنا﴾ ہم نے وضاحت کی ہے۔

امہات اولاد اور فقراء مساکین کے لیے وصیت کا ایک مخصوص طریقہ:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی تین ام ولد ہوں اور وہ یوں وصیت کرے کہ میرے مال کا تہائی حصہ امہات اولاد اور فقراء و مساکین کے لیے ہے تو اس صورت میں حضرات شیخینؒ کے یہاں ثلث کے کل پانچ حصے کئے جائیں گے، جن میں سے تین حصے امہات اولاد کے لیے ہوں گے اور دو حصے فقراء و مساکین کے ہوں گے۔ حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں ثلث کو سات حصوں پر تقسیم کیا جائے گا جن میں سے ۳/ حصے امہات اولاد کے لیے ہوں گے اور فقراء و مساکین میں سے ہر ایک کو دو دو حصے دیئے جائیں گے۔ یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ امہات اولاد کے لیے وصیت جائز ہے حالانکہ قیاس ان کے لیے جواز وصیت کا منکر ہے، اس لیے کہ وصیت مابعد الموت کی طرف مضاف ہوتی ہے اور یہ حالت ام ولد میں عتق حلول کرنے کی ہوتی ہے اور اسی حالت میں اس کے لیے وصیت بھی ثابت ہوتی ہے تو ثبوت وصیت کے وقت ایک درجے میں وہ باندی رہتی ہے اور باندی کے لیے وصیت باطل ہے، اس لیے قیاساً ام ولد کے لیے وصیت باطل ہے مگر استحساناً اسے جائز قرار دیا گیا ہے، کیونکہ وہ عتق کے بعد مستحق وصیت ہوگی نہ کہ حلول عتق کے وقت، اس لیے کہ جب مولیٰ اس کے لیے وصیت کر رہا ہے تو ظاہر یہی ہے کہ وہ صحیح وصیت کر رہا ہے، لہذا اس کے کلام کو حتی الامکان صحت اور درستگی پر محمول کیا جائے گا اور استحساناً اس کی وصیت ام ولد کے حق میں جائز ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ فقراء اور مساکین دونوں الگ الگ دو جنسیں ہیں، اسی لیے ان کے حصے بھی الگ الگ لگائے گئے ہیں، جیسا کہ کتاب الزکوٰۃ میں ان پر سیر حاصل بحث ہو چکی ہے۔

لِمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ الْمَذْكُورَ لَفْظُ الْجَمْعِ وَأَدْنَاهُ فِي الْمِيرَاثِ اثْنَانِ نَجْدٌ ذَلِكَ فِي الْقُرْآنِ فَكَانَ مِنْ كُلِّ فَرِيقٍ اثْنَانِ، وَأُمَهَاتُ الْأَوْلَادِ ثَلَاثٌ فَلِهَذَا يُقَسَّمُ عَلَى سَبْعَةٍ، وَلَهُمَا أَنَّ الْجَمْعَ الْمُحَلِّيَ بِالْأَلْفِ وَاللَّامِ يُرَادُ بِهِ الْجِنْسُ وَأَنَّهُ يَتَنَاوَلُ الْأَدْنَى مَعَ احْتِمَالِ الْكُلِّ لَا سِيَّمَا عِنْدَ تَعَذُّرِ صَرْفِهِ إِلَى الْكُلِّ فَيُعْتَبَرُ مِنْ كُلِّ فَرِيقٍ وَاحِدٌ فَبَلَغَ الْحِسَابُ خُمُسَةً وَالثَّلَاثَةُ لِلثَّلَاثِ.

ترجمہ: حضرت امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ لفظ جمع مذکور ہے اور میراث میں جمع کا ادنیٰ دو ہے جسے ہم قرآن کریم میں پاتے ہیں، لہذا ہر ہر فریق میں سے دو دو ہوں گے اور امہات اولاد میں تین ہیں، اسی لیے ثلث سات پر تقسیم کیا جائے گا۔ حضرات شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ وہ جمع جو الف لام کے ساتھ ہو اس سے جنس مراد ہوتی ہے اور وہ کل کے احتمال کے ساتھ ادنیٰ کو شامل ہوتی ہے خاص کر اس وقت جب اسے کل کی طرف پھیرنا تعذر ہو لہذا ہر فریق سے ایک کا اعتبار کیا جائے گا اور پانچ تک حساب پہنچے گا اور تین امہات کے لیے تین حصے ہوں گے۔

اللغات:

﴿ادناہ﴾ اس کا کم ترین۔ ﴿نجد﴾ ہمیں ملتا ہے۔ ﴿یقسم﴾ تقسیم کیا جائے گا۔ ﴿محلی﴾ لگا ہوا، مزین، جزا ہوا۔ ﴿یتناول﴾ مشتمل ہوتا ہے۔ ﴿لا سیما﴾ خاص طور پر۔ ﴿صرف﴾ پھیرنا۔

ائمہ کے دلائل:

یہاں سے حضرات ائمہ کی دلیل بیان کی گئی ہے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں موسیٰ نے فقراء اور مساکین کو لفظ جمع کے ساتھ بیان کیا ہے اور میراث میں جمع کا اقل فرد دو ہے جیسا کہ قرآن کریم میں فان كان له اخوة فلائمه السدس میں بھی اخوة سے کم از کم دو مراد ہے، لہذا فقراء اور مساکین دونوں جنس کے دو دو فریق ہوں گے جن کا مجموعہ چار ہوگا اور تین امہات اولاد ہیں تو کل ملا کر سات حصے ہوئے، اسی لیے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ثلث کو سات پر تقسیم کیا ہے۔

حضرات شیخین کی دلیل یہ ہے کہ موسیٰ نے الفقراء والمساكين دونوں کو الف لام کے ساتھ جمع ذکر کیا ہے اور اس جمع سے جنس مراد ہوتی ہے، لہذا فقراء و مساکین سے ان کی جنس مراد ہوگی اور یہ جنس احتمال کل کے ساتھ ادنیٰ کو شامل ہوگی، لیکن چون کہ یہاں کل کی طرف جمع کو پھیرنا اور تمام فقراء و مساکین کو وصیت میں سے حصہ دینا ناممکن اور دشوار ہے، اس لیے فقراء و مساکین سے ادنیٰ یعنی واحد مراد لیا جائے گا اور دونوں کے دو حصے ہوں گے اور امہات اولاد بھی تین ہیں، لہذا کل ملا کر پانچ حصے ہوں گے اور ثلث کی تقسیم پانچ سے ہوگی۔

قَالَ وَلَوْ أَوْصَى بِثُلَاثِهِ لِفُلَانٍ وَلِلْمَسَاكِينِ فَنِصْفُهُ لِفُلَانٍ وَنِصْفُهُ لِلْمَسَاكِينِ عِنْدَهُمَا وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمُ اللَّهُ ثَلَاثُهُ لِفُلَانٍ وَثَلَاثُهُ لِلْمَسَاكِينِ، وَلَوْ أَوْصَى لِلْمَسَاكِينِ لَهُ صَرْفُهُ إِلَى مُسْكِينٍ وَاحِدٍ عِنْدَهُمَا وَعِنْدَهُ لَا يَصْرِفُ إِلَّا إِلَى مُسْكِينٍ بِنَاءً عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر موسیٰ نے فلاں کے لیے اور مساکین کے لیے ثلث مال کی وصیت کی تو حضرات شیخین کے یہاں اس کا نصف فلاں کے لیے ہوگا اور اس کا نصف مساکین کے لیے ہوگا۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کا ثلث فلاں کے لیے ہوگا اور دو ثلث مساکین کے لیے ہوں گے۔ اور اگر موسیٰ نے مساکین کے لیے ثلث کی وصیت کی تو حضرات شیخین کے یہاں موسیٰ کو ایک ہی مسکین پر صرف کرنے کا حق ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اسے دو مسکینوں پر صرف کرنا ضروری ہوگا اس قاعدے کے مطابق جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔

اللغات:

﴿نصف﴾ آدھا۔ ﴿صرف﴾ خرچ کرنا، پھیرنا۔ ﴿لا یصرف﴾ نہ خرچ کرے، مت پھیرے۔

ایک سے زیادہ لوگوں کے لیے وصیت کرنے کی ایک مخصوص صورت:

یہ مسئلہ حضرات شیخین اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے سابقہ اختلاف پر مبنی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے فلاں کے لیے اور مساکین کے لیے اپنے ثلث مال کی وصیت کی تو حضرات شیخین رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس ثلث کے دو حصے ہوں گے، ایک فلاں کو ملے گا اور دوسرا مساکین کو، کیونکہ ان کے یہاں مساکین فریق واحد کی طرح ہیں اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مساکین دو فریق ہیں، اس لیے ان کے نزدیک ثلث کے تین حصے ہوں گے اور ایک حصہ فلاں کو ملے گا اور دو حصے مساکین کو دیئے جائیں گے۔

ولو أوصى الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر موصی نے صرف مساکین کے لیے ثلث مال کی وصیت کی تو حضرات شیخین کے یہاں مساکین چوں کہ ایک فریق کے درجے میں ہیں، اس لیے ان کے یہاں موصی پورا مال ایک ہی مسکین کو دے سکتا ہے، لیکن امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں مساکین کا اقل فرد دو ہے لہذا موصی کے لیے کم از کم دو مسکینوں کو وہ مال دینا ضروری ہے۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصَى لِزَجَلٍ بِمِائَةِ دِرْهَمٍ وَ لِآخَرَ بِمِائَةِ ثَمَّ قَالَ لِآخَرَ قَدْ أَشْرَكَتْكَ مَعَهُمَا فَلَهُ ثُلُثُ كُلِّ مِائَةٍ، بِخِلَافٍ مَا إِذَا أَوْصَى لِزَجَلٍ بِأَرْبَعِ مِائَةٍ وَ لِآخَرَ بِمِائَتَيْنِ ثَمَّ كَانَ الْإِشْرَاقُ، لِأَنَّهُ لَا يُمَكِّنُ تَحْقِيقُ الْمَسَاوَاةِ بَيْنَ الْكُلِّ لِتَفَاوُتِ الْمَالَيْنِ فَحَمَلْنَاهُ عَلَى مَسَاوَاتِهِ كُلِّ وَاحِدٍ بِتَنْصِيفِ نَصِيبِهِ عَمَلًا بِاللَّفْظِ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس نے کسی کے لیے سو درہم کی وصیت کی اور دوسرے کے لیے بھی سو درہم کی وصیت کی پھر تیسرے سے کہا میں نے ان دونوں کے ساتھ تمہیں شریک کر دیا تو اس تیسرے کو ہر سو کا ثلث ملے گا۔ اس لیے کہ شرکت لغوی اعتبار سے مساوات کے لیے ہے اور ان تینوں کے مابین مساوات کو ثابت کرنا ممکن بھی ہے اس طریقے پر جو ہم بیان کر چکے ہیں، کیونکہ مال ایک ہے اور ان میں سے ہر ایک کو سو کا دو ثلث ملے گا۔

برخلاف اس صورت کے جب کسی نے ایک شخص کے لیے چار سو کی وصیت کی اور دوسرے کے لیے دو سو کی وصیت کی پھر شرکت کرنا ہوا، کیونکہ دونوں مالوں کے متفاوت ہونے کی وجہ سے سب کے درمیان مساوات ثابت کرنا ممکن نہیں ہے، لہذا ہم نے اسے تیسرے شخص کی مساوات پر محمول کیا ہر ایک سے اس کے حصے کی تنصیف کر کے تاکہ بقدر امکان لفظ پر عمل ہو جائے۔

اللغات:

﴿مِائَةٍ﴾ ایک سو، یک صد۔ ﴿أَشْرَكَتْ﴾ میں نے شریک کر دیا۔ ﴿مَسَاوَاةٍ﴾ برابری۔ ﴿تَفَاوُتٍ﴾ فرق، امتیاز۔ ﴿نَصِيبٍ﴾ حصہ۔

ایک سے زیادہ لوگوں کے لیے وصیت کرنے کی ایک مخصوص صورت:

عبارت میں دو مسئلے ہیں:

(۱) نعمان نے سلیم کے لیے سو روپے کی وصیت کی، پھر سلمان کے لیے بھی سو روپے کی وصیت کی، اس کے بعد سعد سے کہا کہ میں نے سلیم اور سلمان کے ساتھ وصیت میں تمہیں شریک کر دیا ہے تو اس صورت میں یہ تینوں دو سو روپے میں شریک ہوں گے اور سب کو ۶۶/۶۶/۶۶ روپے ملیں گے، کیونکہ شرکت کا لغوی معنی مساوات ہے اور مال بھی متحد ہے یعنی دونوں موصی لہ کے لیے سو سو روپے کی وصیت کی گئی ہے، اس لیے اس مقدار میں تینوں لوگ برابر شریک ہو جائیں گے۔

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ نعمان نے سلیم کے لیے چار سو کی وصیت کی اور سلمان کے لیے دو سو کی وصیت کی پھر سعد سے کہا کہ تم ان دونوں کے ساتھ وصیت میں شریک ہو تو یہاں تینوں کے درمیان برابری نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ سلیم اور سلمان کے لیے موصی نے جس مقدار کی وصیت کی ہے وہ ایک دوسرے سے متفاوت ہیں، لہذا اس صورت میں شریک کی مساوات پر عمل ہوگا اور اسے دونوں

موصیٰ لہ کے حصوں سے نصف نصف دیا جائے گا، چنانچہ موصیٰ لہ بالاربع سے وہ دو سولے گا تاکہ اس کے ساتھ شرکت اور مساوات ہو جائے اور موصیٰ لہ بمائتین سے وہ سولے گا تاکہ اس کے ساتھ بھی مساوات اور شرکت ہو جائے اور لفظ اشر کثک پر بقدر امکان عمل بھی ہو جائے۔

قَالَ وَمَنْ قَالَ لِفُلَانٍ عَلَى دَيْنٍ فَصَدَّقُوهُ مَعَهُ قَالَ ذَلِكَ لَوَرَّثْتَهُ فَإِنَّهُ يُصَدَّقُ إِلَى الثَّلَاثِ، وَهَذَا إِسْتِحْسَانٌ، وَفِي الْقِيَاسِ لَا يُصَدَّقُ، لِأَنَّ الْإِقْرَارَ بِالْمَجْهُولِ وَإِنْ كَانَ صَحِيحًا، لَكِنَّهُ لَا يُحْكَمُ بِهِ إِلَّا بِالْبَيَانِ، وَقَوْلُهُ فَصَدَّقُوهُ صَدَرَ مُخَالَفًا لِلشَّرْعِ، لِأَنَّ الْمُدَّعِيَ لَا يُصَدَّقُ إِلَّا بِحُجَّةٍ فَتَعَدَّرَ إِثْبَاتُهُ إِقْرَارًا مُطْلَقًا فَلَا يُعْتَبَرُ، وَجْهُ الْإِسْتِحْسَانِ أَنَّا نَعْلَمُ أَنَّ مِنْ قَصْدِهِ تَقْدِيمَهُ عَلَى الْوَرَثَةِ وَقَدْ أُمِّكَنَ تَنْفِذُ قَصْدِهِ بِطَرِيقِ الْوَصِيَّةِ وَقَدْ يَحْتَاجُ إِلَيْهِ مَنْ يَعْلَمُ بِأَصْلِ الْحَقِّ عَلَيْهِ دُونَ مَقْدَارِهِ سَعْيًا مِنْهُ فِي تَفْرِيعِ ذِمَّتِهِ فَيَجْعَلُهَا وَصِيَّةً جَعَلَ التَّقْدِيرُ فِيهَا إِلَى الْمُوصِي لَه كَأَنَّهُ قَالَ إِذَا جَاءَكُمْ فُلَانٌ وَادَّعَى شَيْئًا فَأَعْطُوهُ مِنْ مَالِي مَا شَاءَ، وَهَذِهِ مُعْتَبَرَةٌ مِنَ الثَّلَاثِ فَلِهَذَا يُصَدَّقُ عَلَى الثَّلَاثِ دُونَ الزِّيَادَةِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کہا فلاں کا مجھ پر قرض ہے، لہذا تم اس کی تصدیق کر لینا اس کے معنی ہیں موصیٰ نے اپنے ورثاء سے کہا تو ثلث تک اس کی تصدیق کی جائے گی اور یہ استحسان ہے اور قیاساً اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، اس لیے کہ مجہول چیز کا اقرار اگر صحیح ہے، لیکن بیان کے بغیر اس پر حکم نہیں لگایا جائے گا۔ اور ماتن کا قول ”فصدقوہ“ شریعت کے مخالف صادر ہوا ہے، کیونکہ حجت کے بغیر مدعی کی تصدیق نہیں کی جاتی، لہذا اقرار مطلق کے طریقے پر اس کا اثبات معذر ہے، اس لیے اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

استحسان کی دلیل یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ اس کا ارادہ مدعی کو ورثاء پر مقدم کرنے کا ہے اور بطریق وصیت اس کے ارادے کو عملی جامہ پہنانا ممکن بھی ہے اور کبھی وہ شخص اس اقرار کا ضرورت مند ہوتا ہے جو اپنے اوپر اصل حق سے واقف ہوتا ہے، لیکن اس کی مقدار نہیں جانتا اور وہ شخص اپنا ذمہ فارغ کرنے کے لیے اس کی کوشش کرتا ہے اس لیے وہ اسے ایسی وصیت قرار دے دیتا ہے جس میں مقدار بیان کرنا موصیٰ لہ کے سپرد ہوتا ہے گویا موصیٰ نے یوں کہا جب فلاں شخص تمہارے پاس آئے اور کسی چیز کی تصدیق کرے تو اسے میرے مال سے اتنا دے دینا جتنا وہ چاہے۔ اور یہ وصیت ثلث تک معتبر ہوتی ہے لہذا ثلث پر مدعی کی تصدیق کی جائے گی نہ کہ زیادتی پر۔

اللَّغَاتُ:

﴿دین﴾ قرض۔ ﴿صدقوہ﴾ تم سب اس کی تصدیق کرنا۔ ﴿بصدق﴾ تصدیق کی جائے گی۔ ﴿صدر﴾ صادر ہوا ہے۔ ﴿حجۃ﴾ دلیل، ثبوت۔ ﴿قصد﴾ ارادہ۔ ﴿تقدیم﴾ آگے کرنا، بڑھانا۔ ﴿تنفیذ﴾ پورا کرنا، نافذ کرنا۔ ﴿سعی﴾ کوشش کرنا۔

﴿تفریع﴾ فارغ کرنا۔ ﴿موصیٰ لہ﴾ جس کے لیے وصیت کی جائے۔ ﴿ادّعی﴾ دعویٰ کرے۔

میت کا اقرار مجہول:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے ورثاء سے کہا کہ دیکھو فلاں کا میرے اوپر قرض ہے لہذا جب وہ تم لوگوں کے پاس آئے اور قرض کا مطالبہ کرے تو جو مقدار وہ بتائے تم اسے تسلیم کر کے دے دینا۔ اب اگر وہ فلاں آکر ورثاء سے اپنے دین کا مطالبہ کرتا ہے تو قیاساً اس کی بات نہیں مانی جائے گی اور دو طمانچہ مار کر بھگا دیا جائے گا، لیکن استحساناً تہائی مال تک اس کی تصدیق کر لی جائے گی۔ قیاس کی دلیل یہ ہے کہ یہاں قرض اور رقم کی مقدار نہیں بیان کی گئی ہے، اس لیے یہ مجہول ہے اور مجہول کا اقرار اگرچہ صحیح ہے لیکن مجہول کی وضاحت کے بغیر اس پر کوئی حکم نہیں لگایا جاتا اور صورت مسئلہ میں موصیٰ وضاحت اور تفصیل کے بغیر مرچکا ہے، اس لیے یہ اقرار مجہول ہی باقی رہا لہذا اس پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوگا۔

وقوله فصدقه الخ: صاحب ہدایہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ متن میں فصدقه سے ورثاء کو جو تصدیق کرنے کا پابند بنایا گیا ہے وہ شریعت کے خلاف ہے، کیونکہ حجت اور دلیل کے بغیر کسی مدعی کی تصدیق نہیں کی جاتی اور یہاں حجت معدوم ہے، لہذا اقرار مطلق کے طور پر مذکورہ مدعی کی تصدیق محذور ہے، اس لیے نہ تو اس کے اقرار کا اعتبار ہوگا اور نہ ہی اس کی تصدیق معتبر ہوگی۔

وجه الاستحسان الخ: یہ استحسان کی دلیل ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں موصیٰ کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ فلاں کو ورثاء سے مقدم رکھنا چاہتا ہے اور اسے اس بات کا پورا پورا حق ہے کیونکہ وہ اپنی پراپرٹی اور جائیداد کا مالک ہے، لیکن چوں کہ وہ فلاں کے حق کی مقدار سے ناواقف ہے اس لیے اسے اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ فلاں کے لیے اس طرح کی وصیت کرے جس سے اس کے حق سے فارغ اور سبکدوش ہو جائے، لہذا صورت مسئلہ میں ہم نے موصیٰ کی بات کو وصیت قرار دے دیا اور موصیٰ کے قول کا مطلب یہ ہوا کہ جب تمہارے پاس فلاں شخص آکر کسی چیز کا دعویٰ کرے تو اسے میرے مال سے جتنا وہ کہے دے دینا۔ اس وصیت کی مقدار بیان کرنا موصیٰ لہ کے حوالے کر دیا، لیکن ساتھ میں یہ شرط بھی لگا دی کہ موصیٰ لہ ثلث سے آگے نہ بڑھنے پائے یعنی ثلث تک ہی اس کی بات معتبر ہوگی اور اس سے زیادہ میں اس کا اعتبار نہیں ہوگا، کیونکہ ثلث سے زائد ورثاء کا حق ہے اور اس میں کسی کی دال نہیں گلنے والی ہے۔

قَالَ وَإِنْ أَوْصَىٰ بِوَصَايَا غَيْرِ ذَلِكَ يُعْزَلُ الثَّلَاثُ لِأَصْحَابِ الْوَصَايَا وَالثَّلَاثَانِ لِلْوَرَثَةِ، لِأَنَّ مِيرَاثَهُمْ مَعْلُومٌ وَكَذَا الْوَصَايَا مَعْلُومَةٌ، وَهَذَا مَجْهُولٌ فَلَا يَزِاجُهُمُ الْمَعْلُومُ فَيَقْدَمُ عَزْلُ الْمَعْلُومِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر موصیٰ نے اس کے علاوہ وصیت کی تو اصحاب وصایا کے لیے ثلث علاحدہ کر لیا جائے گا اور دو ثلث ورثاء کے ہوں گے، کیونکہ ورثاء کی میراث معلوم ہے نیز وصایا بھی معلوم ہیں اور یہ مجہول ہے لہذا معلوم کا مزاحم نہیں ہوگا اور معلوم کو الگ کرنا مقدم ہوگا۔

اللغات:

﴿وصایا﴾ وصیتیں۔ ﴿یُعزل﴾ علیحدہ کر لیا جائے گا۔ ﴿لا یزاحم﴾ نہیں مقابل ہوگا۔

اقرار مجہول اور وصیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر موصی نے فلاں کے علاوہ اور لوگوں کے لیے بھی وصیت کر رکھی ہو اور پھر ورثاء سے کہا ہو کہ علی لفلان دین الخ تو اس صورت میں اس کے ترکے سے سب سے پہلے اصحاب وصایا یعنی فلاں کے علاوہ دیگر موصی لہم کے لیے ثلث علاحدہ کیا جائے گا اور باقی دو ثلث ورثاء کو دے دیئے جائیں گے، کیونکہ ورثاء کا حق بھی معلوم ہے اور موصی لہم کا حق بھی معلوم ہے جب کہ فلاں کا حق مجہول ہے اور حق مجہول حق معلوم کا مزاحم اور مقابل نہیں ہو سکتا، اس لیے حق معلوم اس کے مستحقین کو دے دیا جائے گا اور حق مجہول کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں ہوگا۔

وَفِي الْإِفْرَازِ فَائِدَةٌ أُخْرَى وَهُوَ أَنَّ أَحَدَ الْفَرِيقَيْنِ قَدْ يَكُونُ أَعْلَمُ بِمِقْدَارِ هَذَا الْحَقِّ وَأَبْصَرَ بِهِ، وَالْأَخَرُ أَلَدَّ حِصَامًا وَعَسَاهُمْ يَخْتَلِفُونَ فِي الْفَضْلِ إِذَا ادَّعَاهُ الْخَصْمُ وَبَعْدَ الْإِفْرَازِ يَصِحُّ إِقْرَارُ كُلِّ وَاحِدٍ فِيمَا فِي يَدِهِ مِنْ غَيْرِ مُنَازَعَةٍ.

ترجمہ: اور علاحدہ کرنے میں ایک دوسرا فائدہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ دو فریقوں میں سے ایک فریق کبھی اس حق کی مقدار سے زیادہ باخبر اور زیادہ بصیرت والا ہوتا ہے اور دوسرا فریق بہت جھگڑا لو ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے دونوں فریق زیادتی کے متعلق اختلاف کریں جب خصم زیادتی کا دعویٰ کرے، اور علاحدہ کرنے کے بعد ہر شخص کا اقرار بغیر منازعت کے اس مقدار کے حق میں صحیح ہوگا جو اس کے قبضے میں ہے۔

اللغات:

﴿إفراز﴾ علیحدہ کرنا، جدا کرنا۔ ﴿أبصر﴾ زیادہ نگاہ رکھنے والا۔ ﴿اللد﴾ جھگڑا۔ ﴿خصام﴾ جھگڑا۔ ﴿فضل﴾ اضافہ، زیادتی۔

حصے علیحدہ کرنے کا فائدہ:

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہاں ورثاء اور اصحاب وصایا کے حصوں کو الگ کرنے میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ورثاء اصحاب وصایا میں سے کوئی ایک فریق فلاں کے حق سے زیادہ واقف اور باخبر ہوتا ہے اور دوسرا فریق بہت سخت مزاج اور جھگڑا لو ہوتا ہے اور اگر مدعی یعنی فلاں شخص زیادہ مال کا دعویٰ کرے تو ایک فریق اس کی تصدیق کر دے اور دوسرا فریق جھگڑا پڑے، لیکن اگر دونوں فریق کا حصہ الگ الگ کر دیا جائے تو اس صورت میں جو بھی اقرار کرے گا یا انکار وہ اس کے اپنے مال میں ہوگا اور اس میں دوسرا فریق لڑائی اور جھگڑا نہیں کرے گا۔

وَإِذَا عَزَلَ يَقَالُ لِأَصْحَابِ الْوَصَايَا صَدَقُوهُ فِيمَا سَنَنْتُمْ وَيَقَالُ لِلْوَرَثَةِ صَدَقُوهُ فِيمَا سَنَنْتُمْ، لِأَنَّ هَذَا دَيْنٌ فِي حَقِّ الْمُسْتَحِقِّ وَصِيَّةٌ فِي حَقِّ التَّنْفِيزِ فَإِذَا أَقْرَأَ كُلُّ فَرِيقٍ بِشَيْءٍ ظَهَرَ أَنَّ فِي التَّرِكَةِ دَيْنًا شَانِعًا فِي النَّصِيبَيْنِ.

فَيُؤْخَذُ اَصْحَابُ الثَّلَاثِ بِثَلَاثٍ مَا اَقْرَؤْا وَالْوَرَثَةُ بِثَلَاثِي مَا اَقْرَؤْا تَنْفِيْذًا لِاَقْرَارِ كُلِّ فَرِيْقٍ فِيْ قَدْرِ حَقِّهٖ، وَعَلٰى كُلِّ فَرِيْقٍ مِنْهُمَا اَلْيَمِيْنُ عَلٰى الْعِلْمِ اِنْ اَدْعٰى الْمُقَرَّلُ زِيَادَةً عَلٰى ذٰلِكَ، لِاَنَّهُ يُحْلَفُ عَلٰى مَا جَرٰى بَيْنَهُ وَبَيْنَ غَيْرِهِ.

ترجمہ: اور الگ کرنے کے بعد اصحاب وصایا سے کہا جائے گا جتنی مقدار میں چاہو اس کی تصدیق کر دو اور وراثہ سے بھی یہی کہا جائے گا کہ جتنی مقدار میں چاہو اس کی تصدیق کر دو، کیونکہ یہ مستحق کے حق میں دین ہے اور تنفیذ کے حق میں وصیت ہے پھر جب ہر فریق نے کسی مقدار کا اقرار کر لیا تو یہ واضح ہو گیا کہ دونوں حصوں کے ترکہ میں دین پھیلا ہوا ہے لہذا اصحاب الثلث اپنے اقرار کے ثلث میں ماخوذ ہوں گے اور وراثہ اپنے اقرار کے دو ثلث میں ماخوذ ہوں گے تاکہ ہر فریق کا اقرار اس کے حق کی مقدار میں نافذ کر دیا جائے۔ اور ان دونوں میں سے ہر فریق پر علم پر قسم کھانا لازم ہے اگر مقررہ اس اقرار سے زیادہ کا دعویٰ کرے، کیونکہ ہر فریق سے اس فعل پر قسم لی جا رہی ہے جو اس کے اور اس کے غیر کے درمیان جاری ہوا ہے۔

اللغات:

﴿عَزَلَ﴾ علیحدہ کر دیا گیا۔ ﴿صَدَّقُوهُ﴾ اس کی تصدیق کرو۔ ﴿تَنْفِيْذٌ﴾ برآوری، پورا کرنا، نافذ کرنا۔ ﴿دِيْنٌ﴾ قرض۔ ﴿شَانِعٌ﴾ پھیلا ہوا۔ ﴿نَصِيْبٌ﴾ حصہ۔ ﴿يَمِيْنٌ﴾ قسم۔

اقرار مجہول کا اثر:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب اصحاب الوصایا اور وراثہ میں سے ہر ایک کے حصے الگ الگ کر دیئے گئے تو اب ان دونوں فریقوں سے کہا جائے گا کہ بھائی جس مقدار میں چاہو مدعی کی تصدیق کر دو اور تصدیق کے بعد ہر فریق اپنے اقرار اور تصدیق میں ماخوذ ہوگا، لہذا اصحاب وصایا سے ان کے اقرار کا ثلث لیا جائے گا اور وراثہ سے اُن کے اقرار کا دو ثلث لیا جائے گا یعنی اگر اصحاب ثلث نے تین سو کا اقرار کیا تو ان سے اس کا ایک ثلث یعنی سو روپے لیے جائیں گے اور یہی اقرار اگر وراثہ کریں تو ان سے دو ثلث یعنی دو سو روپے لیے جائیں گے۔

صورت مسئلہ میں اصحاب الوصایا کے ساتھ ساتھ وراثہ کو اس لیے ماخوذ کیا گیا ہے کہ مدعی کا جو دعویٰ ہے وہ درحقیقت دین ہے، کیونکہ مدعی سے دین کہہ کر ہی لے رہا ہے لیکن ہم نے اسے وصیت قرار دیا تھا تاکہ اس کا نفاذ آسان ہو جائے، اسی لیے اصحاب وصایا کے ساتھ وراثہ کو بھی اقرار کا پابند بنایا گیا ہے اور یہ اقرار چونکہ دین کے مشابہ ہے اس لیے پورے ترکہ میں شائع ہوگا اور دونوں فریقوں سے ان کے اقرار کے بقدر علی الترتیب ثلث اور دو ثلث لیا جائے گا۔

وعلى كل فريق منهم الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مدعی کا دعویٰ دونوں فریقوں کے اقرار کردہ رقم سے زیادہ ہو تو اس صورت میں اصحاب الوصایا اور وراثہ دونوں سے قسم لی جائے گی اور وہ لوگ اس بات پر قسم کھائیں گے کہ بخدا جو ہم نے اقرار کیا ہے ہمیں اس سے زیادہ کا علم نہیں ہے اور یہ قسم علم ہی پر ہوگی یقینی اور قطعی نہیں ہوگی کہ بخدا مدعی کا اس سے زیادہ ہے ہی نہیں، کیونکہ یہ دوسرے کے فعل اور دعوے پر قسم ہے اور دوسرے کے فعل پر کھائی جانے والی قسم علم اور واقعیت پر ہوتی ہے قطعاً نہیں ہوتی۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصَى لِأَجْنَبِيٍّ وَلَوَارِثِهِ فَلِلْأَجْنَبِيِّ نِصْفُ الْوَصِيَّةِ وَتَبْطُلُ وَصِيَّةُ الْوَارِثِ، لِأَنَّهُ أَوْصَى بِمَا يَمْلِكُ الْإِبْصَاءَ وَبِمَا لَا يَمْلِكُ فَصَحَّ فِي الْأَوَّلِ وَبَطَلَ فِي الثَّانِي، بِخِلَافِ مَا إِذَا أَوْصَى لِحَيٍّ وَمَيِّتٍ، لِأَنَّ الْمَيِّتَ لَيْسَ بِأَهْلٍ لِلْوَصِيَّةِ فَلَا يَصِحُّ مُزَاحِمًا فَيَكُونُ الْكُلُّ لِلْحَيِّ، وَالْوَارِثُ مِنْ أَهْلِهَا وَلِهَذَا تَصَحُّ بِإِجَازَةِ الْوَرَثَةِ فَافْتَرَقَا وَعَلَى هَذَا إِذَا أَوْصَى لِلْقَاتِلِ وَلِلْأَجْنَبِيِّ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کسی اجنبی اور اپنے وارث کے لیے وصیت کی تو اجنبی کے لیے نصف دیت ہے اور وارث کے لیے وصیت باطل ہے، کیونکہ موصی نے اس چیز کی وصیت کی ہے جس کا وہ مالک ہے اور اس چیز کی بھی وصیت کی ہے جس کا وہ مالک نہیں ہے، لہذا اول میں وصیت صحیح ہے اور ثانی میں باطل ہے۔

برخلاف اس صورت کے جب اس نے زندہ اور مردہ کے لیے وصیت کی کیونکہ میت وصیت کا اہل نہیں ہے لہذا وہ مزاحم نہیں ہو سکتا اور پورا مال زندہ شخص کے لیے ہوگا اور وارث وصیت کا اہل ہے، اسی لیے ورثاء کی اجازت سے وصیت صحیح ہوگی، لہذا یہ دونوں مسئلے الگ الگ ہو گئے اور اسی پر ہے جب موصی قاتل اور اجنبی کے لیے وصیت کرے۔

اللغات:

﴿ایصاء﴾ وصیت کرنا۔ ﴿حتی﴾ زندہ۔ ﴿مزاحم﴾ مقابل۔ ﴿افترقا﴾ دونوں علیحدہ علیحدہ ٹھہرے۔

وارث اور غیر وارث دونوں کے لیے وصیت کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اجنبی اور وارث دونوں کے لیے وصیت کی تو اجنبی کے حق میں وصیت درست ہے اور وارث کے حق میں وصیت باطل ہے، اس لیے کہ وہ اجنبی کے لیے وصیت کرنے کا مالک ہے اور وارث کے لیے وصیت کا مالک نہیں ہے لہذا اجنبی کے حق میں وصیت صحیح ہے اور وارث کے حق میں صحیح نہیں ہے اور اجنبی کو نصف وصیت یعنی موصی بہ کا نصف ملے گا۔ اس کے برخلاف اگر موصی نے زندہ اور مردہ شخص کے لیے وصیت کی تو اس صورت میں زندہ شخص کو پورا موصی بہ ملے گا، کیونکہ میت وصیت کا اہل نہیں ہے، لہذا وہ زندہ شخص کا مزاحم نہیں ہوگا اور بدون مزاحمت پورا موصی بہ زندہ شخص کو ملے گا، لیکن وارث تو وصیت کا اہل ہے، اس لیے کہ اگر ورثاء اس کے لیے اجازت دے دیں تو اس کے حق میں وصیت صحیح ہو جائے گی اور یہی چیز میت اور وارث میں وجہ فرق ہے۔ ایسے ہی اگر کسی نے اجنبی اور قاتل کے لیے وصیت کی تو اس صورت میں بھی قاتل کے حق میں وصیت باطل ہے اور اجنبی کو موصی بہ کا نصف ملے گا۔

وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا أَقَرَّ بَعَيْنٍ أَوْ ذَيْنِ لَوَارِثِهِ وَلِلْأَجْنَبِيِّ حَيْثُ لَا يَصِحُّ فِي حَقِّ الْأَجْنَبِيِّ إِيضًا، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ إِنْشَاءً تَصَرُّفٍ، وَالشَّرْكَةُ تَثْبُتُ حُكْمًا لَهُ فَتَصَحُّ فِي حَقِّ مَنْ يَسْتَحِقُّهُ مِنْهُمَا، أَمَّا الْإِقْرَارُ إِنْخِبَارٌ عَنْ كَائِنٍ وَقَدْ أَخْبَرَ بِوَصْفِ الشَّرْكَةِ فِي الْمَاضِي، وَلَا وَجْهَ إِلَى إِثْبَاتِهِ بِدُونِ هَذَا الْوَصْفِ، لِأَنَّهُ خِلَافُ مَا أَخْبَرَ بِهِ، وَلَا

إِلَىٰ إثْبَاتِ الْوُصْفِ، لِأَنَّهُ يَصِيرُ الْوَارِثُ فِيهِ شَرِيكًا، وَلِأَنَّهُ لَوْ قَبِضَ الْأَجْنَبِيُّ شَيْئًا كَانَ لِلْوَارِثِ أَنْ يُشَارِكَهُ فَيَبْطُلَ فِي ذَلِكَ الْقَدَرِ ثُمَّ لَا يَزَالُ يَقْبِضُ وَيُشَارِكُهُ الْوَارِثُ حَتَّىٰ يَبْطُلَ الْكُلُّ فَلَا يَكُونُ مُفِيدًا، وَفِي الْإِنْشَاءِ حِصَّةٌ أَحَدِهِمَا مُمْتَازَةٌ عَنْ حِصَّةِ الْآخَرِ بَقَاءً وَبُطْلَانًا.

ترجمہ: اور یہ اس صورت کے برخلاف ہے جب موصل اپنے وارث اور اجنبی کے لیے کسی عین یا دین کا اقرار کرے چنانچہ اجنبی کے حق میں بھی یہ اقرار صحیح نہیں ہوگا، اس لیے کہ وصیت تصرف کا انشاء ہے اور شرکت انشاء کا حکم بن کر ثابت ہوتی ہے تو اس شخص کے حق میں وصیت صحیح ہوگی جو ان میں سے وصیت کا مستحق ہے۔ رہا اقرار تو وہ گذرے ہوئے امر کی خبر دینا ہے حالانکہ مقرر گذشتہ زمانہ میں وصف شرکت کی خبر دے چکا ہے۔ اور اس اقرار کو وصف شرکت کے بغیر ثابت کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے، کیونکہ یہ مقرر کی دی ہوئی خبر کے خلاف ہے اور اس وصف کو ثابت کرنے کی بھی کوئی صورت نہیں ہے، اس لیے کہ وارث اس میں شریک ہو جائے گا اور اس لیے کہ اگر اجنبی نے کسی چیز پر قبضہ کیا تو وارث کو اس میں شریک ہو جائے گا اور اس لیے کہ اگر اجنبی نے کسی چیز پر قبضہ کیا تو وارث کو اس میں شریک ہونے کا حق ہوگا اور اس مقدار میں اقرار باطل ہو جائے گا پھر برابر اجنبی قبضہ کرتا رہے گا اور وارث اس میں شریک ہوتا رہے گا یہاں تک کہ پورا اقرار باطل ہو جائے گا لہذا یہ اقرار مفید نہیں ہوگا۔ اور انشاء میں ان میں سے ایک کا حصہ بقاء اور بطلان دونوں اعتبار سے دوسرے سے ممتاز ہے۔

اللغات:

﴿عین﴾ معین چیز۔ ﴿دین﴾ قرض۔ ﴿انشاء﴾ پیدا کرنا، ایجاد کرنا۔ ﴿کائن﴾ جو ہو چکا ہے۔ ﴿یشارک﴾ ساجھا کر لے، شریک بنا لے۔ ﴿قدر﴾ مقدار۔ ﴿ممتاز﴾ علیحدہ، جدا۔
مذکورہ بالا صورت میں کسی دین یا کسی چیز کا اقرار کرنا:

صورت مسئلہ کو آپ یوں سمجھیں کہ اگر کوئی شخص کسی اجنبی کے لیے اور اپنے وارث کے لیے کچھ مال کی وصیت کرتا ہے تو اجنبی کے حق میں وصیت صحیح ہے اگرچہ وارث کے حق میں وصیت باطل ہے، لیکن اگر کوئی شخص اجنبی کے لیے اور اپنے کسی وارث کے لیے کسی سامان یا دین کا اقرار کرتا ہے تو یہ اقرار مطلقاً باطل ہے یعنی نہ تو وارث کے لیے درست ہے اور نہ ہی اجنبی کے لیے۔ معلوم ہوا کہ وصیت اور اقرار دونوں میں فرق ہے۔

اور وہ فرق یہ ہے کہ وصیت ایک نئے تصرف کا نام ہے اور وصیت میں جو شرکت ہوتی ہے وہ اصلاً نہیں ہوتی بلکہ تصرف جدید کا حکم بن کر ثابت ہوتی ہے یعنی جہاں جہاں تصرف صحیح ہے وہاں وہاں شرکت بھی صحیح ہوتی ہے اور اپنے وارث کے لیے موصل کی وصیت صحیح نہیں ہے، اس لیے وہاں شرکت بھی صحیح ہوتی ہے اور جب شرکت صحیح نہیں ہوگی تو اجنبی کو موصلیہ کا نصف ملے گا، کیوں کہ اس کے حق میں وصیت درست اور جائز ہے، اسی کو صاحب کتاب نے فتصح فیہم حق من يستحقہ الخ: سے بیان کیا ہے۔

اس کے برخلاف اقرار کا معاملہ ہے تو اس میں اگر مقرر کی طرف سے شرکت کی وضاحت کر دی گئی تو وہ شرکت نفس اقرار میں

ثابت اور شامل ہوگی اور اصلاً واقع ہوگی، کیونکہ اقرار زمانہ ماضی میں کسی معاملے کی خبر دینے کا نام ہے اور جب ماضی میں اقرار میں اشتراک ہے تو حال میں بھی وہ اقرار مشترک ہی رہے گا، اور اگر حال میں اقرار کو وصف شرکت سے خالی کر دیا جائے تو یہ مقرر کے اقرار اور اس کی خبر کے خلاف ہوگا اور اگر اقرار میں شرکت کو باقی رکھا جائے تو یہ بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ وصیت کی طرح وارث کے لیے اقرار بھی صحیح نہیں ہے اور اس صورت میں ایک خرابی یہ لازم آئے گی کہ اجنبی جب بھی کسی چیز پر قبضہ کرے گا تو اقرار مشترک ہونے کی وجہ سے وارث اس کا شریک ہوگا اور اقرار باطل ہوگا اور جب تک سرے سے اقرار کو دونوں کے حق میں باطل نہیں قرار دیں گے، اس وقت تک یہ خرابی لازم آتی رہے گی، اس لیے صورت مسئلہ میں ہم نے وارث اور اجنبی دونوں کے حق میں اقرار کو باطل قرار دے دیا ہے۔ اس کے برخلاف انشاء تصرف یعنی وصیت میں شرکت وصیت اصل اور حقیقت میں داخل نہیں ہے اور دونوں میں سے ہر ایک کا حصہ دوسرے سے علاحدہ اور ممتاز ہے، اس لیے ایک یعنی وارث کے حصے کا بطلان دوسرے یعنی اجنبی کے حصے کے بطلان کو تسلیم نہیں ہوگا۔ اور اجنبی کو موصی بہ کا نصف ملے گا۔

قَالَ وَمَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثَةُ اَثْوَابٍ جَيِّدٍ وَوَسْطٍ وَرَدِّيٍّ فَارْصِيْ بِكُلِّ وَاحِدٍ لِّوَجَلٍ فَضَاعَ ثَوْبٌ وَلَا يُدْرَى اَيُّهَا هُوَ وَالْوَرَثَةُ تَجَحَّدُ ذَلِكَ فَارْصِيْهُ بِاطْلَةٍ، وَمَعْنَى جُحُوْدِهِمْ اَنْ يَقُوْلَ الْوَارِثُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ بَعِيْنِهِ الْثَوْبُ الَّذِيْ هُوَ حَقُّكَ قَدْ هَلَكَ فَكَانَ الْمُسْتَحِقُّ مَجْهُوْلًا وَجَهَالَتُهُ تَمْنَعُ صِحَّةَ الْقَضَاءِ وَتَحْصِيْلُ الْمَقْصُوْدِ فَبَطَلَ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس شخص کے پاس تین کپڑے ہوں عمدہ، اوسط اور خراب اور اس نے ایک ایک آدمی کے لیے ان میں سے ہر ایک کپڑے کی وصیت کی اور ایک کپڑا ضائع ہو گیا اور یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ کون سا ہے اور ورثاء اس کا انکار کر رہے ہوں تو وصیت باطل ہے اور ان کے انکار کا مطلب یہ ہے کہ وارث ان میں سے معین طریقے پر کہے کہ وہ کپڑا جو تیرا حق تھا ہلاک ہو گیا ہے تو مستحق مجہول ہو گیا اور اس کی جہالت قضاء کی صحت اور مقصود کی تحصیل سے مانع ہے اس لیے وصیت باطل ہو جائے گی۔

اللغات:

﴿اثواب﴾ واحد ثوب؛ کپڑا۔ ﴿جید﴾ عمدہ۔ ﴿ادی﴾ ناکارہ۔ ﴿اوصی﴾ وصیت کی۔ ﴿ضاع﴾ ضائع ہو گیا۔ ﴿لا یدری﴾ علم نہیں ہوا۔ ﴿تجحد﴾ انکار کرتے ہیں۔

تین کپڑوں کی وصیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس تین کپڑے کے تین تھان ہوں، ان میں سے ایک عمدہ کو الٹی کا ہو، دوسرا میڈیم ہو اور تیسرا تھڑا کو الٹی کا ہو اور مالک نے وہ تینوں تھان تین لوگوں کو وصیت کر دیئے ہوں اس کے بعد ان میں سے ایک کپڑا ہلاک ہو گیا ہو اور یہ نہ معلوم ہو کہ کون سا کپڑا ہلاک ہوا ہے اور ورثاء تینوں موصیٰ لہم میں سے ہر ایک سے یہ کہتے ہوں کہ جو تمہارا حق تھا وہ ہلاک ہو گیا ہے اور چوں کہ یہ معلوم نہیں ہے کہ کون سا کپڑا ہلاک ہوا ہے اس لیے مستحق مجہول ہے اور مستحق کی جہالت صحت قضاء سے بھی مانع ہے اور موصیٰ کے مقصد کی تحصیل سے بھی مانع ہے، اس لیے وصیت ہی باطل ہو جائے گی۔

قَالَ إِلَّا أَنْ يُسَلِّمَ الْوَرَثَةُ الْقَوْبَيْنِ الْبَاقِيَيْنِ، فَإِنْ سَلَّمُوا زَالَ الْمَنْعُ وَهُوَ الْجُحُودُ فَيَكُونُ لِصَاحِبِ الْجَبَدِ ثُلَاثُ الْقَوْبِ الْأَجُودِ وَلِصَاحِبِ الْأَوْسَطِ ثُلَاثُ الْجَبَدِ وَثُلَاثُ الْأَدُونِ وَلِصَاحِبِ الْأَدُونِ ثُلَاثُ الْقَوْبِ الْأَدُونِ، لِأَنَّ صَاحِبَ الْجَبَدِ لَاحِقٌ لَهُ فِي الرَّدِّيِّ بَيَقِينٍ، لِأَنَّهُ إِمَّا أَنْ يَكُونَ جَبَدًا أَوْ وَسْطًا أَوْ رَدِيًّا وَلَا حَقَّ لَهُ فِيهِمَا وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ الرَّدِّيُّ هُوَ الرَّدِّيُّ الْأَصْلِيُّ فَيُعْطَى مِنْ مَحَلِّ الْإِحْتِمَالِ وَإِذَا ذَهَبَ ثُلَاثُ الْجَبَدِ وَثُلَاثُ الْأَدُونِ لَمْ يَبْقَ إِلَّا ثُلَاثُ الْجَبَدِ وَثُلَاثُ الرَّدِّيِّ فَيُتَعَيَّنُ حَقُّ صَاحِبِ الْوَسْطِ فِيهِ بَعِيْنُهُ ضَرُورَةً.

ترجمہ: فرماتے ہیں اللہ یہ کہ ورثاء باقی دونوں تھان سپرد کردیں سوا اگر انھوں نے سپرد کر دیا تو مانع زائل ہو گیا اور وہ ان کا انکار کرنا تھا لہذا صاحب جید کے لیے عمدہ کپڑے کے دو ٹکٹ ہوں گے اور اوسط والے کے لیے جید اور ادنیٰ دونوں کا ٹکٹ ہوگا اور صاحب ادنیٰ کے لیے ادنیٰ کپڑے کے دو ٹکٹ ہوں گے، کیونکہ ردی میں یقینی طور پر صاحب جید کا کوئی حق نہیں ہے، اس لیے کہ ردی یا تو اوسط ہوگا یا گھٹیا ہوگا اور صاحب جید کا ان دونوں میں کوئی حق نہیں ہے۔ اور گھٹیا والے کا ماقہی جید میں یقیناً کوئی حق نہیں ہے، اس لیے کہ جید یا تو عمدہ ہوگا یا اوسط ہوگا اور صاحب ردی کا ان دونوں میں کوئی حق نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ موجودہ ردی ہی اصلی ردی ہو، لہذا ردی والے کو محل احتمال سے دیا جائے گا اور جب جید کے دو ٹکٹ اور ردی کے دو ٹکٹ ختم ہو گئے تو صرف جید کا ٹکٹ باقی بچا اور ردی کا ٹکٹ باقی بچا لہذا اوسط والے کا حق بدلہ اس میں متعین ہو جائے گا۔

اللغات:

﴿یسلم﴾ سپرد کردیں۔ ﴿زال﴾ دور ہو گیا۔ ﴿جحود﴾ انکار کرنا، جھٹلانا۔ ﴿اجود﴾ سب سے عمدہ۔ ﴿ادون﴾ سب سے ہلکا، گھٹیا۔ ﴿ردی﴾ ناکارہ، ہلکا، گھٹیا۔

تین کپڑوں کی وصیت:

ماقبل میں ورثاء کے انکار کی وجہ سے وصیت باطل قرار دی گئی ہے لیکن اگر ورثاء انکار نہ کریں اور ماقہی دونوں تھان موصیٰ لہم کے حوالے کر دیں تو وصیت بطلان سے بچ جائے گی اور مانع یعنی ورثاء کے انکار ختم ہونے سے صحت وصیت کا راستہ صاف ہو جائے گا۔ اور جب وصیت درست ہوگی تو ماقہی دونوں تھانوں میں سے جو عمدہ ہوگا اس میں سے ایک ایک ٹکٹ دیئے جائیں گے اور صاحب ادنیٰ کو ادنیٰ تھان میں سے دو ٹکٹ دیئے جائیں گے۔ اور اس طرح تقسیم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ صاحب جید کا حق تو جید میں ہے اور نہ تو اوسط میں ہے اور نہ ہی ردی میں ہے اور ہو سکتا ہے کہ ہلاک ہونے والا تھان ردی ہو یا اوسط ہو اور جو بھی ہو بہر صورت اس میں صاحب جید کا حق نہیں ہے، اس لیے ماقہی تھانوں میں سے جو جید ہے اس کے دو ٹکٹ صاحب جید کو دے دیئے جائیں گے۔

اور صاحب ردی کا نہ تو موجودہ جید میں کوئی حق ہے اور نہ ہی اوسط میں ہے اور جو فی الحال ردی ہے ہو سکتا ہے کہ یہی اصلی ردی ہو اور اوسط درجے والا تھان ہلاک ہوا ہو، اس لیے محل احتمال سے صاحب ردی کو ردی میں سے دو ٹکٹ دیئے جائیں گے۔ اور اس تقسیم کے بعد موجودہ تھانوں میں سے جید کا ایک ٹکٹ بچا ہے اور ردی کا ایک ٹکٹ بچا ہے اس لیے یہ دونوں ٹکٹ اٹھا کر صاحب

اوسط کو دے دیئے جائیں گے۔

قَالَ وَإِذَا كَانَتِ الدَّارُ بَيْنَ رَجُلَيْنِ أَوْصَى أَحَدُهُمَا بِنَيْتٍ بَعِيْنِهِ لِرَجُلٍ فَإِنَّهَا تُقَسَّمُ فَإِنْ وَقَعَ الْبَيْتُ فِي نَصِيبِ الْمُوصِي فَهُوَ لِلْمُوصِي لَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ مِثْلُ ذَرْعٍ نَصِيبِ الْبَيْتِ، لَهُ أَنَّهُ أَوْصَى بِمِلْكِهِ وَبِمِلْكِ غَيْرِهِ، لِأَنَّ الدَّارَ بِجَمِيعِ أَجْزَائِهَا مُشْتَرَكَةٌ فَتَقْدَرُ الْأَوَّلُ وَتَوَقَّفُ الثَّانِي وَهُوَ إِنْ مَلَكَهُ بَعْدَ ذَلِكَ بِالْقِسْمَةِ الَّتِي هِيَ مُبَادَلَةٌ لَا تَنْفُذُ الْوَصِيَّةُ السَّابِقَةُ كَمَا إِذَا أَوْصَى بِمِلْكِ الْغَيْرِ ثُمَّ اشْتَرَاهُ، ثُمَّ إِذَا اقْتَسَمُوهَا وَوَقَعَ الْبَيْتُ فِي نَصِيبِ الْمُوصِي تَنْفُذُ الْوَصِيَّةُ فِي عَيْنِ الْمُوصِي بِهِ وَهُوَ نَصِيبُ الْبَيْتِ، وَإِنْ وَقَعَ فِي نَصِيبِ صَاحِبِهِ لَهُ مِثْلُ نَصِيبِ ذَرْعِ الْبَيْتِ تَنْفِذًا لِلْوَصِيَّةِ فِي بَدَلِ الْمُوصِي بِهِ عِنْدَ قَوَاتِهِ كَالْجَارِيَةِ الْمُوصِي بِهَا إِذَا قُبِلَتْ خَطَأً تَنْفُذُ الْوَصِيَّةُ فِي بَدَلِهَا، بِخِلَافِ مَا إِذَا بَاعَ الْعَبْدُ الْمُوصِي بِهِ حَيْثُ لَا تَتَعَلَّقُ الْوَصِيَّةُ بِشَيْئِهِ، لِأَنَّهُ الْوَصِيَّةُ تَبْطُلُ بِالْإِقْدَامِ عَلَى الْبَيْعِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ وَلَا تَبْطُلُ بِالْقِسْمَةِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر گھر دو آدمیوں کے مابین مشترک ہو اور ان میں سے ایک نے کسی شخص کے لیے معین کرے کی وصیت کر دی تو گھر کو تقسیم کیا جائے گا اور اگر وہ کمرہ موصی کے حصے میں آئے تو حضرات شیخین کے یہاں وہ موصی لہ کو ملے گا۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں موصی لہ کو اس کا نصف ملے گا۔ اور اگر وہ کمرے دوسرے شریک کے حصے میں پڑے تو موصی لہ کو کمرے کی پیمائش کے بقدر زمین ملے گی اور یہ حضرات شیخین کے یہاں ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسے نصف بیت کے بقدر جگہ ملے گی۔ حضرت امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ موصی نے اپنی ملکیت اور اپنے غیر کی ملکیت وصیت کی ہے، کیونکہ دار اپنے تمام اجزاء کے ساتھ مشترک ہے لہذا اول (میں وصیت) نافذ ہوگی اور دوسرے (میں) موقوف ہوگی۔ اور موصی اگرچہ اس تقسیم کے ذریعہ بیت کا مالک ہو گیا ہے جو مبادلہ ہے، لیکن پھر بھی سابقہ وصیت نافذ نہیں ہوگی جیسے کسی نے دوسرے کی ملکیت کی وصیت کر دی پھر اسے خرید لیا۔ پھر جب انھوں نے دار کو تقسیم کیا اور بیت کو موصی کے حصے میں آیا تو عین موصی بہ میں وصیت نافذ ہوگی اور وہ نصف بیت ہے۔ اور اگر بیت موصی کے شریک کے حصے میں گیا تو موصی لہ کو نصف بیت کے مثل جگہ ملے گی تاکہ موصی بہ فوت ہونے کے وقت موصی بہ کے بدل میں وصیت نافذ ہوگی۔ برخلاف اس صورت کے جب موصی بہ غلام فروخت کر دیا جائے تو اس کے ثمن سے وصیت متعلق نہیں ہوگی، کیونکہ بیع پر اقدام کرنے سے وصیت باطل ہو جاتی ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور تقسیم سے وصیت باطل نہیں ہوتی۔

اللغات:

﴿تقسم﴾ تقسیم کیا جائے گا۔ ﴿نصيب﴾ حصہ۔ ﴿موصی﴾ وصیت کرنے والا۔ ﴿موصی لہ﴾ جس کے لیے وصیت کی گئی ہو۔ ﴿ذرع﴾ پیمائش۔ ﴿موصی بہ﴾ جس چیز کی وصیت کی گئی ہو۔

مشترک جائیداد کے ایک معین حصے کی وصیت کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی حویلی اور کوٹھی دو لوگوں کے درمیان مشترک ہو اور ان میں سے ایک شریک کسی شخص کے لیے ایک متعین کمرے کی وصیت کر دے تو موسیٰ کے انتقال کے بعد اس حویلی کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ اب اگر وصیت کیا ہوا کمرہ موسیٰ کے حصے میں آئے تو موسیٰ لہ کو وہ پورا کمرہ دے دیا جائے گا اور اگر وہ کمرہ موسیٰ کے شریک کے حصے میں آئے تو اس کمرے کے برابر موسیٰ لہ کو جگہ دی جائے گی۔ یہ حکم حضراتِ شیخین رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں ہے۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر وصیت کردہ کمرہ موسیٰ کے حصے میں آئے تو اسے کمرے کا نصف حصہ دیا جائے گا اور اگر وہ کمرہ اس کے ساتھی کے حصے میں آئے تو اسے کمرہ کے نصف حصہ کے برابر جگہ دی جائے گی۔

لہ الخ: حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ بوقت وصیت وہ کمرہ موسیٰ اور اس کے ساتھ کے مابین مشترک تھا، کیونکہ وہ دار کا جزء ہے اور دار اپنے تمام اجزاء کے ساتھ دونوں کے درمیان مشترک ہے تو گویا موسیٰ نے اپنی اور اپنے غیر کی ملکیت وصیت کر دی ہے، اس لیے یہ وصیت صرف اس کے اپنے حصے یعنی نصف بیت میں نافذ ہوگی اور اس کے ساتھی کے حصے میں موقوف رہے گی، اسی لیے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس صورت میں موسیٰ لہ کو نصف بیت ہی کا حق دار ٹھہرایا ہے۔

وہو إن ملکہ الخ: یہاں سے ایک سوالِ مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ موسیٰ اگرچہ بوقت وصیت اس بیت کا مالک نہیں ہے لیکن تقسیم کر کے جب وہ بیت اس کے حصے میں آ گیا تو وہ اس کا مالک ہو گیا، لہذا اب پورے بیت میں وصیت نافذ ہونی چاہئے؟ لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس صورت میں بھی موسیٰ لہ کو صرف گھر ہی مل رہا ہے آخر ایسا کیوں ہے؟

اس کا جواب دیتے ہوئے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بوقت وصیت موسیٰ اس بیت کا مالک نہیں ہے بل کہ قسمت کے بعد قسمت سے وہ اس گھر کا مالک ہوا ہے اور تقسیم من وجہ مبادلہ ہے اور مبادلہ یعنی بیع و شراء کے بعد اگر کوئی شخص موسیٰ لہ کا مالک ہو تو اس میں سابقہ وصیت نافذ نہیں ہوتی، اسی طرح صورتِ مسئلہ میں بھی اس پورے بیت میں موسیٰ کی وصیت نافذ نہیں ہوگی، بلکہ بیت کے جس حصے میں اول دن وصیت نافذ ہوئی تھی اسی حصے میں اب بھی وصیت نافذ ہوگی یعنی نصف بیت میں اور اگر وہ بیت موسیٰ کے ساتھی کے حصے میں پڑے تو موسیٰ لہ کو نصف بیت کے بقدر ہی جگہ ملے گی۔ کیونکہ موسیٰ لہ کے فوت ہونے سے اس کے بدل میں وصیت نافذ ہوتی ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بیت کے دوسرے حصے میں جانے سے چوں کہ عین موسیٰ لہ فوت ہو گیا ہے اس لیے اس کے بدل یعنی دار کے دوسرے حصے میں وصیت نافذ ہوگی اور اس میں سے نصف بیت کے بقدر موسیٰ لہ کو حصہ دیا جائے گا۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے ایک باندی وصیت کی پھر وہ باندی خطا قتل کر دی گئی تو چوں کہ موسیٰ لہ فوت ہو گیا ہے لہذا اس کے بدل میں وصیت نافذ ہوگی، اسی طرح صورتِ مسئلہ میں بھی موسیٰ لہ کے بدل میں وصیت کا نفاذ ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر موسیٰ عبد موسیٰ لہ کو فروخت کر دے تو وصیت ہی باطل ہو جائے گی اور اس کے ثمن میں وصیت نافذ نہیں ہوگی، کیونکہ بیع پر پیش قدمی کرنا رجوع عن الوصیت کی دلیل ہے اور تقسیم اور ہوا نہ تو رجوع ہے اور نہ ہی رجوع کی دلیل ہے۔

وَلَهُمَا أَنَّهُ أَوْصَىٰ بِمَا يَسْتَقِرُّ مِلْكُهُ فِيهِ بِالْقِسْمَةِ، لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّهُ يَقْصِدُ الْإِصْصَاءَ بِمِلْكٍ مُنْفَعٍ بِهِ مِمَّنْ سَكَلَ وَجْهَهُ

وَذَلِكَ يَكُونُ بِالْقِسْمَةِ، لِأَنَّ الْإِنْتِفَاعَ بِالْمُشَاعِ قَاصِرٌ، وَقَدْ اسْتَقَرَّ مِلْكُهُ فِي جَمِيعِ الْبَيْتِ إِذَا وَقَعَ فِي نَصِيْبِهِ فَتَنْفُذُ الْوَصِيَّةِ فِيهِ، وَمَعْنَى الْمُبَادَلَةِ فِي هَذِهِ الْقِسْمَةِ تَابِعٌ، وَإِنَّمَا الْمَقْصُودُ الْإِفْرَازُ تَكْمِيْلًا لِلْمَنْفَعَةِ، وَلِهَذَا يَجْبُرُ عَلَى الْقِسْمَةِ فِيهِ، وَعَلَى اعْتِبَارِ الْإِفْرَازِ يَصِيرُ كَأَنَّ الْبَيْتَ مِلْكُهُ مِنَ الْإِبْتِدَاءِ.

ترجمہ: حضرات شیخین رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ موصی نے اس چیز کی وصیت کی ہے جس میں تقسیم سے اس کی ملکیت پختہ ہو جائے گی، اس لیے کہ ظاہری یہی ہے کہ موصی ایسی ملکیت کی وصیت کرنا چاہتا ہے جس سے ہر طرح سے فائدہ حاصل کیا جاسکے اور یہ مقصد تقسیم سے حاصل ہوگا، کیونکہ مشترک چیز سے نفع اٹھانا ادھورا رہتا ہے اور جب کمرہ موصی کے حصے میں آگیا تو پورے کمرے میں اس کی ملکیت پختہ ہوگی لہذا اس میں وصیت نافذ ہوگی۔ اور اس تقسیم میں مبادلہ کے معنی تابع ہیں۔ اور مقصود اصلی علاحدہ کرنا ہے تاکہ منفعت کی تکمیل ہو جائے، اسی لیے اس میں تقسیم پر جبر جائز ہے اور افراز کے اعتبار سے ایسا ہو جائے گا گویا کہ وہ کمرہ شروع ہی سے موصی کی ملکیت ہے۔

اللغات:

﴿یستقر﴾ پختہ ہو جائے گی، ثابت ہو جائے گی۔ ﴿ایصاء﴾ وصیت کرنا۔ ﴿منفع﴾ جس سے نفع حاصل کیا جاتا ہو۔ ﴿مشاع﴾ پھیلا ہوا، بکھرا ہوا۔ ﴿نصیب﴾ حصہ۔ ﴿افراز﴾ جدا کرنا، علیحدہ کرنا۔

ائمہ کے دلائل:

یہاں سے حضرات شیخین رحمہ اللہ کی دلیل بیان کی گئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ موصی نے جس کمرے کی وصیت کی ہے اس کے متعلق اسے غالب گمان یہی ہے کہ وہ کمرہ تقسیم کے بعد میرے حصے میں آجائے گا اور اس میں میری ملکیت مکمل ہو جائے گی، اس لیے کہ موصی کا وصیت پر اقدام کرنا اس امر کی بین دلیل ہے کہ وہ ایسی وصیت کرنا چاہتا ہے جس سے کما حقہ موصی لہ کوفائدہ ہو اور موصی لہ موصی بہ سے اسی وقت کما حقہ فائدہ اٹھا سکے گا جب تقسیم کے بعد وہ کمرہ موصی کے حصے میں چلا جائے، کیونکہ بدون اس کے وہ کمرہ مشترک رہے گا اور مشترک چیز سے مکمل طور پر فائدہ اٹھانا ناممکن ہے اور پھر جب موصی کے شریک کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ میرے دوست نے فلاں کمرہ وصیت کر دیا ہے تو تقسیم میں وہ اس کی رعایت کرے گا اور ہر ممکن یہ چاہے گا کہ وصیت کردہ کمرہ اس کے ساتھی ہی کے حصے میں آئے، اس حوالے سے بھی اس کمرے میں بعد از قسمت موصی کی ملکیت نکلی ہے، لہذا اس پورے کمرے میں وصیت نافذ ہوگی۔

ومعنى المبادلة النخ: امام محمد رحمہ اللہ نے تقسیم کو مبادلہ قرار دے کر جو نصف کمرے میں ہی وصیت کو صحیح قرار دیا ہے وہ ہمیں تسلیم نہیں ہے، کیونکہ تقسیم میں اگرچہ مبادلہ کے معنی ہوتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس میں افراز کا پہلو بھی ہوتا ہے اور جنس واحد میں افراز کا پہلو غالب رہتا ہے اور چوں کہ دار اور بیت دونوں متحدہ جنس ہیں، اس لیے یہاں افراز کا پہلو غالب رہے گا اور مبادلہ کی جہت مغلوب رہے گی، اسی لیے صورت مسئلہ میں قسمت اور ہزارے پر جبر جائز ہے حالانکہ اگر مبادلہ کے معنی غالب ہوتے تو تقسیم پر

جبر جائز نہ ہوتا، لیکن جبر کا جواز یہ بتا رہا ہے کہ یہاں افراز کے معنی غالب ہیں اور وصیت کردہ کرہ شروع یعنی وصیت کے وقت سے ہی مووی کی ملکیت ہے اور اس پورے کمرے میں وصیت درست اور صحیح ہے۔

وَإِنْ وَقَعَ فِي نَصِيبِ الْآخِرِ تَنْفُذُ فِي قَدْرِ ذَرْعَانِ جَمِيعِهِ مِمَّا وَقَعَ فِي نَصِيبِهِ إِمَّا لِأَنَّهُ عَوَضُهُ كَمَا ذَكَرْنَاهُ أَوْ لِأَنَّ مَرَادَ الْمُوصِي مِنْ ذِكْرِ الْبَيْتِ التَّقْدِيرُ بِهِ تَحْصِيلًا لِمَقْصُودِهِ مَا أَمْكَنَ إِلَّا أَنَّهُ يَتَعَيَّنُ الْبَيْتُ إِذَا وَقَعَ فِي نَصِيبِهِ جَمْعًا بَيْنَ الْجِهَتَيْنِ الْقَدِيرُ وَالتَّمْلِيكُ، وَإِنْ وَقَعَ فِي نَصِيبِ الْآخِرِ عَمِلْنَا بِالتَّقْدِيرِ، أَوْ لِأَنَّهُ أَرَادَ التَّقْدِيرَ عَلَى إِعْتِبَارِ أَحَدِ الْجُوهَيْنِ وَالتَّمْلِيكُ بَعْنِهِ عَلَى إِعْتِبَارِ الْجُوهِ الْآخِرِ، كَمَا إِذَا عَلَّقَ عِنَقَ الْوَلَدِ وَطَلَّقَ الْمَرْأَةَ بِأَوَّلِ وَلَدٍ تَلِدُهُ أُمَّتُهُ فَالْمُرَادُ فِي جَزَاءِ الطَّلَاقِ مُطْلَقُ الْوَلَدِ وَفِي الْعِنَقِ وَلَدٌ حَيٌّ.

ترجمہ: اور اگر وصیت کردہ کرہ دوسرے کے حصے میں پڑا تو کمرے کے تمام گزروں کے بقدر مووی کے حصے میں وصیت نافذ کی جائے گی یا تو اس لیے کہ وہ حصہ کمرے کا عوض ہے جیسا کہ ہم اسے بیان کر چکے ہیں، یا اس وجہ سے کہ بیت کے ذکر سے مووی کی مراد اس کے ذریعہ اندازہ کرنا ہے تاکہ حتی الامکان اس کے مقصود کو حاصل کیا جاسکے، لیکن جب وہ کرہ اس کے حصے میں آجائے گا تو وہی متعین ہوگا تاکہ تقدیر اور تملیک دونوں جہتوں میں جمع ہو جائے۔ اور اگر وہ کرہ دوسرے کے حصے میں پڑا تو ہم نے تقدیر پر عمل کیا۔ یا اس لیے کہ مووی نے دو وجہوں میں سے ایک کے اعتبار پر تقدیر کا ارادہ کیا ہے اور دوسری وجہ کے اعتبار پر بعینہ تملیک کا ارادہ کیا ہے۔ جیسے اس نے لڑکے کے علق کو اور بیوی کی طلاق کو اس پہلے بچے پر معلق کیا ہو جسے اس کی باندی جنے تو طلاق کی جزاء میں مطلق لڑکا مراد ہوگا اور علق کے حق میں زندہ لڑکا ہوگا۔

اللغات:

﴿نصيب﴾ حصہ۔ ﴿تنفذ﴾ نافذ کیا جائے گا۔ ﴿ذرعان﴾ پیمائش، لمبائی چوڑائی۔ ﴿موصی﴾ وصیت کرنے والا۔ ﴿تملیک﴾ مالک بنانا۔ ﴿علق﴾ معلق کیا ہے، مشروط کیا ہے۔ ﴿علق﴾ آزادی۔ ﴿تلد﴾ جنے گی، پیدا کرے گی۔ ﴿حی﴾ زندہ۔

ائمہ کے دلائل:

یہ عبارت بھی حضرات شیخین رحمہم اللہ کی دلیل سے متعلق ہے اور یہ اس کا دوسرا رخ ہے وہ یہ کہ اگر وصیت کردہ کرہ مووی کے بجائے اس کے ساتھی کے حصہ میں آئے تو اس صورت میں کمرے کی زمین کے برابر مووی کے حصے میں سے مووی لہ کو زمین دی جائے گی، اس لیے کہ یہ زمین مذکورہ کمرے کا عوض اور بدل ہے اور چوں کہ اصل کی تسلیم محذور ہے لہذا اب بدل کو اس کی جگہ سپرد کیا جائے گا۔
أو لأن النخ: یا اس کی تقدیر اس طرح ہوگی کہ مووی کا اصل مقصد مووی لہ کو زمین دینا ہے اور اس زمین کا طول و عرض بیت کے بقدر ہوگا، اسی لیے اس نے بیت کا تذکرہ کیا ہے تاکہ اس کے حساب سے ناپ کر مووی لہ کو زمین دے دے اور اس کا مقصد حاصل ہو جائے یا ہو سکتا ہے کہ اس کی مراد بعینہ کرہ دینا ہو، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ کرہ اس کے حصے میں پڑتا ہے تب تو مووی لہ بعینہ کمرے کا حق دار ہوگا اور اس طرح تقدیر بالبیت اور عین بیت دونوں کی رعایت ہو جائے گی اور مووی کے مقصد میں دونوں چیزیں جمع

ہو جائیں گی، اسی کو صاحب ہدایہ نے جمعا بین الجہتین سے تعبیر کیا ہے۔

اور اگر وہ کمرہ دوسرے ساتھی کے حصے میں جائے گا تو وہاں تقدیر پر عمل ہوگا اور مذکورہ کمرے کے برابر اسے موسیٰ کے حصے سے زمین دی جائے گی۔

یا اس کی تاویل یہ کی جائے کہ موسیٰ نے دو چیزوں کا ارادہ کیا ہے (۱) اگر اس کے ساتھی کے حصے میں وہ کمرہ پڑے تو تقدیر پر عمل ہوگا (۲) اور اگر آخر خود موسیٰ کے حصے میں پڑے تو تعین پر عمل ہوگا۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کی ایک باندی ہے جس کا اس نے دوسرے کے ساتھ نکاح کر رکھا ہے اور اس کی بیوی بھی ہے اور اس نے یہ کہا کہ میری باندی جب پہلا بچہ جنے گی تو وہ بچہ آزاد ہے اور میری بیوی کو طلاق ہے تو اس مثال میں بھی اس شخص نے بچہ کی پیدائش سے دو چیزیں مراد لی ہیں (۱) بچہ کا عتق (۲) بیوی کی طلاق۔ لیکن یہ دونوں چیزیں الگ الگ مراد ہیں چنانچہ بیوی کی طلاق میں تو مطلق بچے کی ولادت مؤثر ہوگی خواہ وہ بچہ زندہ پیدا ہو یا مردہ لیکن خود بچے کے عتق میں زندہ بچہ کی ولادت معتبر ہوگی اور اگر بچہ مردہ پیدا ہوگا تو آزاد نہیں ہوگا، کیونکہ میت عتق کا محل نہیں ہے۔ الحاصل جس طرح اس نظیر میں بچے کی زندہ اور مردہ ولادت سے دو الگ الگ چیزیں مراد لی گئی ہیں اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی ”بیت“ کے ذکر سے موسیٰ دو الگ الگ چیزوں کو مراد لے گا (۱) تقدیر (۲) تعین۔

ثُمَّ إِذَا وَقَعَ الْبَيْتُ فِي نَصِيبِ غَيْرِ الْمُوصِي وَالْذَّارُ مِائَةُ ذِرَاعٍ، وَالْبَيْتُ عَشْرَةُ أَذْرُعٍ يُقَسَّمُ نَصِيبُهُ بَيْنَ الْمُوصِي لَهُ وَبَيْنَ الْوَرَثَةِ عَلَى عَشْرَةِ أَشْهُمٍ سَعَةً مِنْهَا لِلْوَرَثَةِ وَسَهْمٌ لِلْمُوصِي لَهُ، وَهَذَا عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ فَيَضْرِبُ الْمُوصِي لَهُ بِخَمْسَةِ أَذْرُعٍ نَصْفَ الْبَيْتِ وَلَهُمْ بِنَصْفِ الذَّارِ سِوَى الْبَيْتِ وَهُوَ خَمْسَةٌ وَأَرْبَعُونَ فَيَجْعَلُ كُلَّ خَمْسَةِ سَهْمًا فَيَصِيرُ عَشْرَةً، وَعِنْدَهُمَا يُقَسَّمُ عَلَى أَحَدِ عَشَرَ سَهْمًا، لِأَنَّ الْمُوصِي لَهُ يَضْرِبُ بِالْعَشْرَةِ وَهُمْ بِخَمْسَةِ وَأَرْبَعِينَ فَتَصِيرُ السِّهَامُ أَحَدَ عَشَرَ، لِلْمُوصِي لَهُ سَهْمَانِ وَلَهُمْ تِسْعَةٌ.

ترجمہ: پھر جب وہ کمرہ غیر موسیٰ کے حصے میں آئے اور گھر سو گز ہو اور کمرہ دس گز ہو تو موسیٰ کا حصہ موسیٰ لہ اور ورثاء کے مابین دس سہام پر تقسیم کیا جائے گا جن میں نو سہام ورثاء کے ہوں گے اور ایک سہم موسیٰ لہ کا ہوگا اور یہ حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں ہے لہذا موسیٰ لہ نصف کمرہ کے حساب سے پانچ گز لے گا اور ورثاء کو کمرہ کے علاوہ نصف دار ملے گا اور وہ ۴۵ پینتالیس گز ہیں اور ہر پانچ گز کو ایک حصہ قرار دیا جائے گا اور (کل) دس حصے ہوں گے۔

اور حضرات شیخین رحمہم اللہ کے یہاں موسیٰ کا حصہ گیارہ سہام پر تقسیم ہوگا، کیونکہ موسیٰ لہ دس گز کے حساب سے لے گا اور ورثاء پینتالیس کے حساب سے لیں گے تو کل سہام گیارہ ۱۱ ہوں گے، موسیٰ لہ کے دو سہام اور ورثاء کے نو سہام۔

اللغات:

﴿دار﴾ گھر۔ ﴿مائة﴾ ایک سو، یک صد۔ ﴿ذراع﴾ گز۔ ﴿بقسم﴾ تقسیم کیا جائے گا۔ ﴿موصیٰ لہ﴾ جس کے حق

میں وصیت کی گئی ہو۔ ﴿اسہم﴾ واحد سہم؛ حصے۔ ﴿تصیر﴾ ہو جائے گا۔

ائمہ کے دلائل:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر وصیت کردہ کمرہ موسیٰ کے بجائے اس کے ساتھی کے حصے میں آئے اور پورا پورا سواگزر کا ہو جب کہ کمرہ دس گز کا ہو تو اس صورت میں موسیٰ کو پورے دار کے پچاس گز ملیں گے اور امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں موسیٰ نہ نصف بیت کا مستحق ہے، اس لیے پانچ پانچ کے حساب سے پچاس گز کے دس سہام بنائے جائیں گے اور موسیٰ لہ کو پانچ گز دیئے جائیں گے جو مجموعہ سہام کا ایک سہم ہے اور باقی نو سہام یعنی پینتالیس گز موسیٰ کے ورثاء کو دیئے جائیں گے۔

وعندہما یقسم الخ: امام محمد رحمہ اللہ کے برخلاف حضرات شیخین رحمہما موسیٰ لہ کو پورا کمرہ یا کمرے کے برابر زمین دینے کے حق میں ہیں لہذا ان کے یہاں موسیٰ کے حصے میں جو پچاس گز دار آیا ہے اس کو اگیارہ حصوں پر تقسیم کیا جائے گا جن میں سے دو حصے موسیٰ لہ کے اور ماہی نو حصے ورثاء کے ہوں گے، لیکن اس اعتبار سے پچاس گز کو ۵۵ گز قرار دینا اور فنا پڑے گا اور بہت زیادہ دماغ پر زور دینا ہوگا، لہذا بہتر طریقہ تقسیم یہ ہے کہ حضرات شیخین رحمہما کے یہاں موسیٰ کو ملے ہوئے دار کے پچاس گز کو پانچ حصوں پر تقسیم کر دیا جائے اور موسیٰ لہ کو ایک حصہ یعنی دس سہام دے دیا جائے اور ماہی لہ سہام یعنی چالیس حصے ورثاء کو دے دیئے جائیں اور زیادہ مغز ماری نہ کی جائے۔

وَلَوْ كَانَ مَكَانَ الْوَصِيَّةِ إِقْرَارٌ قِيلَ هُوَ عَلَى الْخِلَافِ وَقِيلَ لَا خِلَافَ فِيهِ لِمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَالْفَرْقُ لَهُ أَنَّ الْإِقْرَارَ بِمِلْكِ الْغَيْرِ صَحِيحٌ حَتَّىٰ أَنْ مَنْ أَقَرَّ بِمِلْكِ الْغَيْرِ لِغَيْرِهِ ثُمَّ مَلَكَهُ يَوْمَ رُفْعِ السَّلِيمِ إِلَى الْمَقَرِّ لَهُ، وَالْوَصِيَّةُ بِمِلْكِ الْغَيْرِ لَا تَصِحُّ حَتَّىٰ لَوْ مَلَكَهُ بِوَجْهِ مِنَ الْوُجُوهِ ثُمَّ مَاتَ لَا تَصِحُّ وَصِيَّتُهُ وَلَا تَنْفُذُ.

ترجمہ: اور اگر وصیت کی جگہ اقرار ہو تو ایک قول یہ ہے کہ یہ بھی اختلاف پر ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں حضرت امام محمد رحمہ اللہ کا اختلاف نہیں ہے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کے لیے وجہ فرق یہ ہے کہ ملک غیر کا اقرار صحیح ہے حتیٰ کہ جس شخص نے ملک غیر کا دوسرے کے لیے اقرار کیا پھر مقرر اس کا مالک ہو گیا تو اسے حکم دیا جائے گا کہ مقرر بہ مقررہ کو سپرد کر دے۔ اور ملک غیر کی وصیت صحیح نہیں ہے یہاں تک کہ اگر موسیٰ کسی طرح موسیٰ بہ کا مالک ہو جائے تب بھی نہ تو اس کی وصیت صحیح ہوگی اور نہ نافذ ہوگی۔

اللغات:

﴿اقر﴾ اقرار کیا۔ ﴿یومر﴾ حکم دیا جائے گا۔ ﴿تسلیم﴾ سپرد کرنا، سونپنا۔ ﴿مقرلہ﴾ جس کے لیے اقرار کیا گیا ہو۔ ﴿لا تنفذ﴾ نافذ نہیں ہوگی۔

مذکورہ بالا صورت میں اقرار کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر دار مشترک کے دو شریکوں میں سے ایک شریک نے کسی کے لیے ایک کمرے کا اقرار کیا تو حضرات شیخین رحمہما کے یہاں مقرلہ کو پورا کمرہ ملے گا اور امام محمد رحمہ اللہ سے اس سلسلے میں دو قول منقول ہیں۔ (۱) مقرلہ کو نصف بیت

ملے گا۔ (۲) اس مسئلے میں وہ حضرات شیخین رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں اور اس میں ان کا اختلاف نہیں ہے۔ اور عدم اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ مالک غیر کا اقرار صحیح ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے مالک غیر کا اقرار کیا اور پھر وہ مقربہ کا مالک ہو گیا تو اس سے کہا جائے گا کہ مقربہ مقربہ کے حوالے کر دو۔ اس کے برخلاف وصیت کا معاملہ ہے تو مالک غیر کی وصیت درست نہیں ہے حتیٰ کہ اگر موصیٰ کسی طرح موصیٰ بہ کا مالک ہو جائے تو بھی اس کی ہوئی سابقہ وصیت نہ تو صحیح ہوگی اور نہ ہی نافذ ہوگی اس لیے وصیت اور اقرار میں امام محمد رحمہ اللہ کی رائے الگ الگ ہے۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصَىٰ مِنْ مَّالٍ رَجُلٍ لِأَخَرٍ بِالْفِ بَعْنِهِ فَأَجَازَ صَاحِبُ الْمَالِ بَعْدَ مَوْتِ الْمُوصِي فَإِنْ دَفَعَهُ فَهُوَ جَائِزٌ وَلَهُ أَنْ يَمْنَعَ، لِأَنَّ هَذَا تَبَرُّعٌ بِمَالِ الْغَيْرِ فَيَتَوَقَّفُ عَلَىٰ إِجَازَتِهِ، وَإِذَا أَجَازَ يَكُونُ تَبَرُّعًا مِنْهُ أَيْضًا فَلَهُ أَنْ يَمْتَنِعَ مِنَ التَّسْلِيمِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا أَوْصَىٰ بِالزِّيَادَةِ عَلَى الثَّلَاثِ وَأَجَازَتِ الْوَرَثَةُ، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ فِي مَخْرَجِهَا صَحِيحَةٌ لِمُصَادَقَتِهَا مِلْكَ نَفْسِهِ وَالْإِمْتِنَاعُ لِحَقِّ الْوَرَثَةِ لِإِذَا أَجَازَ وَهِيَ سَقَطَ حَقُّهُمْ فَتَفَدَّ مِنْ جِهَةِ الْمُوصِي.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس شخص نے دوسرے کے مال میں سے کسی کے لیے ایک ہزار معین کی وصیت کی اور موصیٰ کی موت کے بعد صاحب مال نے اجازت دے دی تو اگر اس نے موصیٰ لہ کو وہ مال دے دیا ہو تو جائز ہے اور صاحب مال کو دینے سے انکار کا بھی حق ہے، کیونکہ یہ مالی غیر سے تبرع ہے لہذا غیر کی اجازت پر موقوف ہوگا اور جب وہ اجازت دے گا تو اس کی طرف سے بھی تبرع ہوگا، اس لیے صاحب مال کو یہ حق ہے کہ وہ دینے سے منع کر دے۔

برخلاف اس صورت کے جب موصیٰ نے تنہائی مال سے زائد کی وصیت کی اور ورثاء نے اجازت دے دی، اس لیے کہ وصیت اپنے مخرج میں درست ہے، کیونکہ وہ موصیٰ کی ملکیت سے ملی ہوئی ہے اور اس وصیت کا امتناع ہونا حق ورثاء کی وجہ سے تھا لیکن جب ورثاء نے اجازت دے دی تو اس کا حق ساقط ہو گیا، لہذا موصیٰ کی طرف سے وصیت نافذ ہوگی۔

اللَّغَاتُ:

﴿اَوْصَى﴾ وصیت کی۔ ﴿الْف﴾ ایک ہزار۔ ﴿اَجَازَ﴾ اجازت دے دی۔ ﴿مَوْصِي﴾ وصیت کرنے والا۔ ﴿دَفَعَ﴾ ادا کر دیا۔ ﴿تَبَرُّعٌ﴾ نفلی خرچ، غیر واجب عمل۔ ﴿يَتَوَقَّفُ﴾ موقوف ہوگا۔ ﴿مُصَادَقَةٌ﴾ برابر واقع ہونا۔ ﴿إِمْتِنَاعٌ﴾ روک، ممانعت۔

کسی دوسرے کے مال سے وصیت کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ نعمان کے پاس امانت کے طور پر مثلاً سلیم کی کچھ رقم رکھی ہوئی تھی اب نعمان نے سلیم سے اجازت لئے بغیر اس میں سے ایک ہزار روپے کی سلمانی کو وصیت کر دی تو یہ وصیت مالک مال یعنی سلیم کی اجازت پر موقوف رہے گی اب اگر موصیٰ کی موت کے بعد مالک اس کی اجازت دے کر موصیٰ بہ یعنی الف موصیٰ لہ کے حوالے کر دیتا ہے تو یہ وصیت درست اور نافذ ہوگی اور جب تک مالک مال موصیٰ بہ موصیٰ لہ کے حوالے نہیں کرے گا اس وقت تک وصیت صحیح اور نافذ نہیں ہوگی، کیونکہ موصیٰ کا یہ فعل بہہ کے درجے میں ہے اور بہہ کی تمامیت اور تکمیل کے لیے موهوب پر موهوب لہ کا قبضہ ضروری ہے، اسی طرح صورت مسئلہ میں تکمیل

وصیت کے لیے موصی بہ پر موصی لہ کا قبضہ ضروری ہے اور جب تک مالک مال موصی بہ موصی لہ کے سپرد نہیں کر دیتا اس وقت تک اسے وصیت مسترد اور ختم کرنے کا پورا حق ہے، اس لیے کہ یہ اس کے مال سے بہہ ہے اس لیے اس کی اجازت پر موقوف ہوگا اور اسے اجازت دینے اور نہ دینے دونوں کا حق ہوگا اور جب وہ اجازت دے دے گا تو یہ فعل اس کی طرف سے بھی تبرع ہوگا اور خود اسے بھی اس کا ثواب ملے گا۔

بخلاف ما إذا الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر خود مالک مال نے اپنے مال میں سے تہائی سے زائد مال کی وصیت کی اور ورثاء نے اجازت دے کر اسے ہری جھنڈی دکھا دی تو درست ہے، اس لیے کہ وصیت یہاں صحیح ہے، کیونکہ موصی نے اپنی ملکیت میں وصیت کی ہے لیکن چوں کہ اس نے موصی بہ کی مقدار بڑھا دی ہے اور وہ زائد مقدار ورثاء کا حق ہے۔ اس لیے یہ وصیت ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگی اور جب ورثاء اجازت دے دیں گے تو درست ہو جائے گی، کیونکہ اس کا امتناع حق ورثاء کی وجہ سے ہے اور اجازت دے کر ورثاء نے اپنا یہ حق ساقط کر دیا ہے۔

قَالَ وَإِذَا اقْتَسَمَ الْإِبْنَانِ تَرَكَةَ الْآبِ أَلْفًا ثُمَّ أَقَرَّ أَحَدُهُمَا لِرَجُلٍ أَنَّ الْآبَ أَوْصَى لَهُ بِثُلْثٍ مَالِهِ فَإِنَّ الْمُقَرَّرَ يُعْطِيهِ ثُلْثَ مَا فِي يَدِهِ وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ، وَالْقِيَاسُ أَنْ يُعْطِيَهُ نِصْفَ مَا فِي يَدِهِ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرٍ رَحِمَهُ اللَّهُ، لِأَنَّ إِقْرَارَهُ بِالثُلْثِ لَهُ تَضَمَّنٌ إِقْرَارِهِ بِمَسَاوَاتِهِ إِيَّاهُ، وَالتَّسْوِيَةُ فِي إِعْطَاءِ النِّصْفِ لِبَقِيٍّ لَهُ النِّصْفُ، وَجْهُ الْإِسْتِحْسَانِ أَنَّهُ أَقَرَّ بِثُلْثٍ شَائِعٍ فِي التَّرَكَةِ وَهِيَ فِي أَيْدِيهِمَا فَيَكُونُ مُقَرَّرًا بِثُلْثِ مَا فِي يَدِهِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا أَقَرَّ أَحَدُهُمَا بِدَيْنٍ لِغَيْرِهِ، لِأَنَّ الدَّيْنَ مُقَدَّمٌ عَلَى الْمِيرَاثِ فَيَكُونُ مُقَرَّرًا بِتَقَدُّمِهِ فَيُقَدَّمُ عَلَيْهِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جب دو بیٹوں نے باپ کا ترکہ ایک ہزار تقسیم کر لیا پھر ان میں سے ایک نے کسی شخص کے لیے یہ اقرار کیا کہ والد محترم نے اس کے لیے تہائی مال کی وصیت کی ہے تو مقرر مقررہ کو اس مال کا ثلث دے گا جو اس کے قبضے میں ہے اور یہ استحسان ہے اور قیاس یہ ہے کہ مقرر اسے اپنا نصف مال دے اور یہی امام زفر رحمہ اللہ کا قول ہے، کیونکہ مقرر کا موصی لہ کے لیے ثلث کا اقرار کرنا اس کے ساتھ مساوات کے اقرار کو متضمن ہے اور مساوات نصف دینے میں ہے تاکہ مقرر کے لیے نصف باقی رہے۔

استحسان کی دلیل یہ ہے کہ مقرر نے ایسے ثلث کا اقرار کیا ہے جو ترکہ میں شائع ہے اور ترکہ ان دونوں کے قبضہ میں ہے، لہذا وہ اپنے قبضہ کیے ہوئے مال میں ثلث کا اقرار کرنے والا ہوگا۔ برخلاف اس صورت کے جب ان میں سے ایک نے اپنے علاوہ کے لیے دین کا اقرار کیا ہو، کیونکہ دین میراث پر مقدم ہوتا ہے، لہذا وہ غیر کے تقدم کا اقرار کرنے والا ہوگا اس لیے غیر کو اس پر مقدم کیا جائے گا۔

اللغات:

﴿اقتسم﴾ تقسیم کر لیا۔ ﴿الف﴾ ہزار۔ ﴿اقر﴾ اقرار کیا۔ ﴿اوصى﴾ وصیت کی تھی۔ ﴿مقرر﴾ اقرار کرنے والا۔ ﴿مساوات﴾ برابر ہونا۔ ﴿تسوية﴾ برابر کرنا۔ ﴿اعطاء﴾ دینا۔ ﴿دین﴾ قرض۔

میراث کی تقسیم کے بعد کسی وارث کے وصیت کا اقرار کرنے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ نعمان کے دولڑکے ہیں، سلیم اور سلمان، نعمان کا انتقال ہوا اور اس نے ایک ہزار روپے ترکہ چھوڑا جسے اس کے دونوں بیٹوں نے آپس میں تقسیم کر لیا اور تقسیم کے بعد ایک لڑکا کہنے لگا کہ والد محترم نے سعدان کے لیے تہائی مال کی وصیت کی تھی تو اس صورت میں امتحان اور قیاس دونوں کے الگ الگ نظریے ہیں۔ امتحان کا تقاضہ یہ ہے کہ جس لڑکے نے سعدان کے لیے وصیت کا اقرار کیا ہے وہ اپنے حصے کے پانچ سو میں سے ثلث مقررہ اور موصیٰ لہ کو دے دے اور جس نے اقرار نہیں کیا ہے وہ بری الذمہ ہے یعنی وہ کچھ بھی نہیں دے گا، بل کہ صرف مقررہ دے گا، کیونکہ ضابطہ یہ ہے کہ مقررہ اپنے اقرار میں ماخوذ ہوتا ہے اور ایک کا اقرار دوسرے کے حق میں معتبر نہیں ہوتا۔

قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ مقررہ کو اپنے حصے کا نصف مال دے گا، یہی امام زفر رحمہ اللہ کی بھی رائے ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ مقررہ کے لیے مقررہ کی جانب سے مال کا اقرار اس بات کو متضمن ہے کہ مقررہ اور مقرر کا حصہ برابر ہے اور برابری اسی صورت میں متحقق ہوگی جب مقررہ مقرر کو اپنے حصے کا نصف دے۔ لیکن صورت مسئلہ میں قیاس چھوڑ کر امتحان پر عمل کیا گیا ہے اور امتحان کی دلیل یہ ہے کہ مقرر نے مقررہ کے لیے ایسے ثلث کا اقرار کیا ہے جو پورے ترکہ میں شائع ہے اور باپ کا ترکہ تقسیم ہو کر ان دونوں بھائیوں کے قبضے میں ہے اور ایک بھائی اقرار نہ کرنے کی وجہ سے بری الذمہ ہے، اس لیے مقرر صاحب اپنے حصے کا ثلث مقررہ کو دیں گے۔

بخلاف ما إذا الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مقرر نے کسی کے لیے باپ پر لازم شدہ دین کا اقرار کیا تو اس صورت میں مقرر کے حصے سے اس دین کی ادائیگی ہوگی اگرچہ مقرر کا پورا حصہ اس میں ختم ہو جائے، کیونکہ دین میراث سے مقدم ہوتا ہے اور میت کے ترکہ سے سب سے پہلے اس کے قرضے ہی ادا کئے جاتے ہیں، لہذا مقرر کا کسی کے لیے دین کا اقرار کرنا درحقیقت، اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ مقررہ مرحوم کے ترکہ کا سب سے پہلا اور بڑا حق دار ہے لہذا مرحوم کے ترکہ میں اسے مقدم کیا جائے گا اور اس کا حق دیا جائے گا۔

أَمَّا الْمُوصِي لَهُ بِالثُلُثِ شَرِيكَ الْوَارِثِ فَلَا يُسَلَّمُ لَهُ شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يُسَلَّمَ لِلْوَرِثَةِ ثُلَاثًا، وَإِلَّا فَهُوَ أَخَذَ مِنْهُ نِصْفَ مَا فِي يَدِهِ قَرَبًا يُقَرُّ الْإِبْنُ الْأَخْرَبُ بِهِ أَيْضًا فَيَأْخُذُ نِصْفَ مَا فِي يَدِهِ فَيَصِيرُ نِصْفُ التَّرِكَةِ فَيَزِدُّهُ عَلَى الثُّلُثِ.

ترجمہ: رہا موصیٰ لہ بالثلث تو وہ وارث کا شریک ہے اس لیے شریک کو کوئی چیز نہیں دی جائے گی الا یہ کہ ورثاء کے لیے دو ثلث سالم رہے۔ اور اس لیے کہ اگر موصیٰ لہ مقرر سے اس کے قبضے کا نصف مال لے لے تو ہو سکتا ہے کہ دوسرا بیٹا بھی اس کا اقرار کر لے اور موصیٰ لہ اس کے قبضے کا بھی نصف مال لے لے اور یہ نصف ترکہ ہو کر ثلث سے بڑھ جائے۔

اللغات:

﴿موصیٰ لہ﴾ جس کے لیے وصیت کی گئی ہو۔ ﴿ثلث﴾ ایک تہائی، تیسرا حصہ۔ ﴿لا یسلم﴾ نہیں سپرد کیا جائے گا۔ ﴿یسلم﴾ سپرد کر دے۔ ﴿یزاد﴾ اضافہ ہو جائے گا، بڑھ جائے گا۔

میراث کی تقسیم کے بعد کسی وارث کے وصیت کا اقرار کرنے کی صورت:

فرماتے ہیں کہ اگر مقررہ قرض خواہ ہو تو اسے مقدم کیا جاتا ہے لیکن اگر مقررہ موصیٰ لہ ہو تو اس صورت میں اسے مقدم نہیں کیا جائے گا بل کہ ورثاء کے لیے دو ثلث محفوظ رکھ کر ہی اسے کچھ دیا جائے گا، کیونکہ موصیٰ لہ صرف ثلث کا مستحق ہے اور اگر ہم اسے مقرر سے نصف دلادیں اور پھر مرحوم کا دوسرا بیٹا بھی اس کے حق میں اقرار کر دے تو اس سے بھی نصف دلائیں اور یہ بڑھ کر نصف ترکہ ہو جائے حالانکہ اس کا حق صرف ثلث ہے نہ کہ نصف، اس لیے موصیٰ لہ کے لیے صرف ثلث تک دیئے جانے کی اجازت ہوگی اور اسے ثلث سے زائد نہیں ملے گا۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصَىٰ لِرَجُلٍ بِجَارِيَةٍ قَوْلَتْ بَعْدَ مَوْتِ الْمُوصِي وَلَدًا وَكِلَاهُمَا يَخْرُجَانِ مِنَ الثَّلَاثِ فَهُمَا لِلْمُوصِي لَهُ، لِأَنَّ الْأُمَّ دَخَلَتْ فِي الْوَصِيَّةِ أَصَالَةً وَالْوَلَدُ تَبَعًا حِينَ كَانَ مُتَّصِلًا بِالْأُمِّ فَإِذَا وَلَدَتْ قَبْلَ الْقِسْمَةِ، وَالتَّرِكَهَ قَبْلَهَا مَبْقَاةً عَلَىٰ مِلْكِ الْمَيِّتِ حَتَّىٰ يُقْضَىٰ بِهَا دْيُونُهُ دَخَلَ فِي الْوَصِيَّةِ فَيَكُونَانِ لِلْمُوصِي لَهُ، وَإِنْ لَمْ يَخْرُجَا مِنَ الثَّلَاثِ ضَرَبَ بِالثَّلَاثِ وَأَخَذَ مَا يَخْصُهُ مِنْهُمَا جَمِيعًا فِي قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَمُحَمَّدٌ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ، وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ يَأْخُذُ ذَلِكَ مِنَ الْأُمِّ فَإِنْ فَضَلَ شَيْءٌ أَخَذَهُ مِنَ الْوَلَدِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس نے کسی شخص کے لیے باندی کی وصیت کی اور موصیٰ کی موت کے بعد باندی نے ایک بچہ جنا اور زچہ بچہ دونوں ثلث حصے نکل جاتے ہوں تو وہ دونوں موصیٰ لہ کے ہیں، کیونکہ ام اصلا وصیت میں داخل ہے اور ولد تبعاً داخل ہے، کیونکہ وہ ماں کے ساتھ متصل تھا پھر جب باندی نے تقسیم سے پہلے بچہ جنا اور تقسیم سے پہلے ترکہ میت کی ملکیت پر باقی رہتا ہے حتیٰ کہ اس سے میت کے قرضے ادا کئے جاتے ہیں تو بچہ وصیت میں داخل ہوگا اور دونوں موصیٰ لہ کے لیے ہوں گے۔ اور اگر وہ دونوں ثلث سے نہ نکلیں تو موصیٰ لہ ثلث لے گا اور ان میں سے جو اس کے حصے میں آئے اسے لے گا۔ حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے قول میں۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ موصیٰ لہ ماں سے ثلث وصول کرے گا اور اگر کچھ بچ جائے تو اسے بچہ سے لے گا۔

اللغات:

﴿اوصی﴾ وصیت کی۔ ﴿جاریہ﴾ باندی، لونڈی۔ ﴿ولدت﴾ بچہ جنا۔ ﴿مبقاة﴾ باقی رکھا جاتا ہے۔ ﴿بقضی﴾ ادا کیا جاتا ہے۔ ﴿دیون﴾ واحد دین، قرضے۔ ﴿موصیٰ لہ﴾ جس کے لیے وصیت کی گئی ہو۔ ﴿فضل﴾ بڑھ گیا، زیادہ ہوا۔

موصیٰ بہ باندی کے بچہ جننے کی صورت:

مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی کے لیے اپنی باندی کی وصیت کی اور یہ کہا کہ میری موت کے بعد فلاں باندی فلاں شخص کو دے دی جائے اب موصیٰ کی موت کے بعد موصیٰ بہا باندی نے ایک بچہ جنا تو سب سے پہلے یہ دیکھا جائے گا کہ باندی اور بچہ کے علاوہ موصیٰ کے ترکہ میں دو ثلث یا اس سے زائد مال ہے یا نہیں؟ اگر ان کے علاوہ موصیٰ کے ترکہ میں دو ثلث مال ہو تو موصیٰ لہ کو

باندی اور بچہ دونوں دیئے جائیں گے اور باندی اصلۃً وصیت میں داخل ہوگی جب کہ بچہ تبعاً داخل ہوگا، اس لیے کہ بچہ وصیت کے وقت ماں سے متصل تھا، لہذا ماں کے تابع ہو کر وہ بھی وصیت میں داخل ہو جائے گا، اور تقسیم سے پہلے میت کا ترکہ اسی کی ملکیت میں شمار ہوتا ہے، اسی لیے اس ترکہ سے سب سے پہلے میت کے قرضے ادا کئے جاتے ہیں، لہذا وصیت کے بعد پیدا ہونے والا بچہ بھی میت کے ترکہ میں شامل ہوگا اور ماں کے ساتھ وصیت میں داخل ہوگا۔

وإن لم یخرج الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ماں اور بچہ دونوں ثلث سے نہ نکلیں یعنی ان کے علاوہ موصی کے ترکہ میں دو ثلث یا اس سے زائد مال نہ ہو تو اس صورت میں حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے یہاں موصی لہ باندی اور بچہ دونوں سے ثلث وصول کرے گا جب کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں موصی لہ اپنا حق یعنی ثلث باندی سے وصول کرے گا اور اگر اس سے ثلث مکمل ہو جاتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ باقی کی تکمیل وہ بچہ سے کرے گا۔ امام محمد رحمہ اللہ نے اسے ایک مثال سے سمجھایا ہے وہ بھی ملاحظہ کر لیں۔

وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ عَيْنَ صُورَةٍ وَقَالَ رَجُلٌ لَهُ سِتُّ مِائَةِ دَرَاهِمَ وَامَةٌ تُسَاوِي ثَلَاثَ مِائَةِ دِرْهَمٍ فَأَوْصَى بِالْجَارِيَةِ لِرَجُلٍ ثُمَّ مَاتَ فَوَلَدَتْ وَلَدًا يُسَاوِي ثَلَاثَ مِائَةِ دِرْهَمٍ قَبْلَ الْقِسْمَةِ فَلِلْمَوْصِي لَهُ الْأُمُّ وَثُلُثُ الْوَلَدِ عِنْدَهُ وَعِنْدَهُمَا لَهُ ثُلُثَا كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا.

ترجمہ: اور جامع صغیر میں امام محمد رحمہ اللہ نے ایک صورت متعین کی ہے اور فرمایا کہ ایک شخص کے پاس چھ سو درہم ہیں اور ایک باندی ہے جس کی قیمت تین سو درہم ہے اور اس شخص نے کسی کے لیے باندی کی وصیت کی پھر موصی کا انتقال ہو گیا اور باندی نے تقسیم سے پہلے ایک بچہ جنا جو تین سو درہم کے مساوی ہے تو حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں موصی لہ کو باندی اور لڑکے کا ثلث ملے گا اور حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے یہاں موصی لہ کو دونوں کے دو ثلث ملیں گے۔

اللغات:

﴿عین﴾ معین کیا، متعین کیا۔ ﴿جاریہ﴾ باندی، لونڈی۔ ﴿یسوی﴾ برابر ہو۔ ﴿موصی لہ﴾ جس کے لیے وصیت کی گئی ہو۔

موصی بہ باندی کے بچہ جننے کی صورت:

ما قبل میں حضرت امام اعظم رحمہ اللہ اور حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے مابین جو مختلف فیہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے یہ اس کی مثال ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس چھ سو درہم ہیں اور ایک باندی ہے جو تین سو مالیت کی ہے اور اس نے اپنی باندی کی کسی کے لیے وصیت کی پھر موصی کے انتقال کے بعد ترکہ کی تقسیم سے پہلے اس باندی نے ایک بچہ جنا اور وہ بچہ تین سو کی مالیت کا ہے تو اب میت کا کل ترکہ ۱۲۰۰ ہو گیا جس کا ثلث ۴۰۰ چار سو ہے تو امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں موصی لہ کو تین سو کی باندی ملے گی اور بچہ جو تین سو کی مالیت کا ہے اس کا ایک ثلث ملے گا اور کل ملا کر ترکہ کے ثلث (۴۰۰) کے برابر رقم ہوگی۔ اور حضرات صاحبین کے یہاں موصی لہ کو باندی اور بچہ دونوں کے دو ثلث ملیں گے اور ان میں سے ہر ایک کے دو ثلث دو سو روپے ہیں لہذا دونوں کے دو دو ثلث ملا کر چار سو

ہو جائیں گے جو میت کے ترکہ کا ایک ثلث ہے۔

لَهُمَا مَا ذَكَرْنَا أَنَّ الْوَلَدَ دَخَلَ فِي الْوَصِيَّةِ تَبَعًا حَالَةَ الْإِتِّصَالِ فَلَا يَخْرُجُ عَنْهَا بِالْإِنْفِصَالِ كَمَا فِي الْبَيْعِ وَالْعَتَقِ فَتَنْفُذُ الْوَصِيَّةِ فِيهِمَا عَلَى السَّوَاءِ مِنْ غَيْرِ تَقْدِيمِ الْأُمِّ وَلَكِنَّ الْأُمَّ أَصْلُ وَالْوَلَدُ تَبَعٌ فِيهِ، وَالْبَيْعُ لَا يَزِيحُ الْأَصْلَ فَلَوْ نَفَذْنَا الْوَصِيَّةَ فِيهِمَا جَمِيعًا تَنْقِصُ الْوَصِيَّةَ فِي بَعْضِ الْأَهْلِ وَذَلِكَ لَا يَجُوزُ، بِخِلَافِ الْبَيْعِ، لِأَنَّ تَقْيِيدَ الْبَيْعِ فِي التَّبَعِ لَا يُؤَدِّي إِلَى نَقْصِهِ فِي الْأَصْلِ، بَلْ يَبْقَى تَامًا صَحِيحًا فِيهِ إِلَّا أَنَّهُ لَا يَقَابِلُهُ بَعْضُ الثَّمَنِ صَرُورَةً مُقَابَلَتِهِ بِالْوَلَدِ إِذَا اتَّصَلَ بِهِ الْقَبْضُ وَلَكِنَّ الثَّمَنَ تَابِعٌ فِي الْبَيْعِ حَتَّى يَنْعَقِدَ الْبَيْعُ بِدُونِ ذِكْرِهِ وَإِنْ كَانَ فَاسِدًا، هَذَا إِذَا وَلَدْتُ قَبْلَ الْقِسْمَةِ، فَإِنْ وَلَدْتُ بَعْدَ الْقِسْمَةِ فَهُوَ لِلْمُوصِي لَهُ لِأَنَّهُ نَمَاءٌ خَالِصٌ مَلَكَهُ لِنَقَرِّرَ مِلْكِهِ فِيهِ بَعْدَ الْقِسْمَةِ.

ترجمہ: حضرات صاحبین رحمہم کی دلیل وہ ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ بچہ اتصال کے وقت سے جمعاً وصیت میں داخل ہے، لہذا انفصال کی وجہ سے بچہ وصیت سے خارج نہیں ہوگا جیسے بیع اور عتق میں ہے، لہذا ان میں یکساں طور پر وصیت نافذ ہوگی اور ماں کی تقدیم نہیں ہوگی۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ ماں اصل ہے اور بچہ اس میں تابع ہے اور تابع اصل کا مزاحم نہیں ہوتا سو اگر ہم ماں اور بچہ دونوں میں وصیت کو نافذ کر دیں تو کچھ اصل میں وصیت ٹوٹ جائے گی اور یہ جائز نہیں ہے۔ برخلاف بیع کے، کیونکہ تابع میں بیع کی تنفیذ اصل میں بیع توڑنے کا سبب نہیں ہے، بل کہ اصل میں بیع تام اور صحیح رہے گی لیکن اصل کے مقابلے میں ثمن کا کچھ حصہ نہیں آئے گا جیسا کہ بچہ کے ساتھ کچھ ثمن مقابل ہوتا ہے جب کہ بچہ کے ساتھ قبضہ متصل ہوتا ہے بیع میں ثمن تابع ہوتا ہے یہاں تک کہ ذکر ثمن کے بغیر بھی بیع منعقد ہو جاتی ہے اگرچہ فاسد ہوتی ہے۔

یہ اس وقت ہے جب باندی نے تقسیم سے پہلے بچہ جنا ہو لیکن اگر اس نے تقسیم کے بعد بچہ جنا تو وہ موصی لہ کا ہے کیونکہ وہ اس کی ملک خالص کی بدھوتی ہے، اس لیے کہ تقسیم کے بعد اس میں موصی لہ کی ملکیت بچہ ہو گئی ہے۔

اللَّغَاتُ:

﴿اتصال﴾ ساتھ جڑا ہونا، ملا ہوا ہونا۔ ﴿انفصال﴾ جدا ہونا، علیحدہ ہونا۔ ﴿عتق﴾ آزادی۔ ﴿تقدیم﴾ آگے کرنا۔ ﴿لا یزاحم﴾ نہیں مقابلہ کرتا۔ ﴿نفذنا﴾ ہم نافذ کر دیں۔ ﴿نماء﴾ اضافہ، بدھوتی۔

ائمہ کے دلائل:

یہاں سے دونوں فریق کی دلیل بیان کی گئی ہے چنانچہ حضرات صاحبین رحمہم کی دلیل بیان کرتے ہوئے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ بچہ بوقت وصیت ماں کے ساتھ متصل ہے اور وصیت میں داخل ہے اگرچہ جمعاً داخل ہے، لہذا جب بچہ اتصال کی حالت

میں وصیت میں داخل ہے تو بحالت انفصال وصیت سے خارج نہیں ہوگا جیسے کسی نے حاملہ باندی خریدی یا بیچی تو ظاہر ہے کہ ماں کے ساتھ ساتھ بچہ بھی بیع میں داخل ہوگا، اسی طرح اگر کوئی شخص حاملہ باندی کو آزاد کرے تو ماں کے ساتھ بچہ بھی آزاد ہوگا اور ولادت کے بعد اس پر عہدیت و رقیق عود نہیں کرے گی۔ ایسے ہی صورت مسئلہ میں بھی جو بچہ بوقت وصیت ماں سے متصل تھا وہ وصیت میں داخل شمار ہوگا اور وصیت سے خارج نہیں ہوگا اور جب ماں بیٹے دونوں وصیت میں داخل ہوں گے تو موسیٰ لہ دونوں سے اپنا حق لے گا اور ماں کو بچہ پر مقدم نہیں کیا جائے گا یعنی صرف ماں سے وہ ٹکٹ نہیں لے گا۔

وله ان الام الخ: حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ وصیت میں ماں اصل ہے اور بچہ اس کے تابع ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ تابع اصل کا مزاحم نہیں ہوتا اس لیے صورت مسئلہ میں بچہ وصیت میں اپنی ماں کا مزاحم اور مقابل نہیں ہوگا اور وصیت کا اصل نفاذ ماں میں ہوگا، کیونکہ اگر صاحبین کی طرح ماں اور بچہ دونوں میں ہم وصیت نافذ کریں گے تو بچہ اصل یعنی ماں کا مزاحم ہو جائے گا اور اس کے بعض حصے میں وصیت باطل کر دے گا حالانکہ اصل میں وصیت کا بطلان خلاف اصل و اصول ہے، لہذا ہمارے یہاں اولاً اصل یعنی ماں میں وصیت نافذ ہوگی اور اگر اس سے موسیٰ لہ کے حق یعنی ٹکٹ کی تکمیل نہیں ہوگی تو پھر باقی حصہ ولد سے لیا جائے گا۔

بخلاف البیع الخ: صاحب ہدایہ امام اعظم رحمہ اللہ کی طرف سے حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے قیاس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ حضرات کا صورت مسئلہ کو بیع پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ بیع میں تابع کے اندر بیع نافذ کرنے سے اصل میں بیع کی صحت اور سلیمیت پر کوئی آنچ نہیں آتی اور اصل میں بدستور بیع درست اور صحیح رہتی ہے ہاں ثمن میں کچھ فرق پڑتا ہے کہ تابع میں بیع کی تنفیذ سے اصل سے کچھ ثمن کٹ کر اس کے مقابلے میں بھی کچھ ثمن ہو جاتا ہے، لیکن ثمن میں فرق پڑنے سے صحت بیع پر کوئی اثر نہیں ہوگا، کیونکہ بیع میں ثمن تابع ہوتا ہے اور ثمن کے تذکرے اور تعین کے بغیر بھی بیع منعقد ہو جاتی ہے اگرچہ فاسد ہوتی ہے لیکن انعقاد بیع اس امر کی دلیل ہے کہ بیع میں ثمن تابع ہوتا ہے اور تابع میں فرق آنے سے اصل بیع میں کوئی فرق نہیں ہوتا اس لیے صورت مسئلہ کو اس پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ صورت مسئلہ میں اگر ہم تابع یعنی بچہ میں وصیت نافذ کر دیں تو اصل یعنی وصیت میں فرق پڑ جائے گا اور پوری باندی کی جگہ اس کا دو ٹکٹ ہی موسیٰ بہ قرار پائے گا، اسی لیے ہم نے وصیت والی صورت میں تابع میں وصیت کی تنفیذ اور تصحیح سے گریز کیا ہے۔

هذا اذا الخ: صاحب ہدایہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ تمام تفصیلات اس صورت میں ہیں جب باندی نے موسیٰ کے ترکہ کی تقسیم سے پہلے بچہ جنا ہو لیکن اگر باندی نے بعد از تقسیم بچہ جنا ہو تو اس صورت میں ڈنکے کی چوٹ پر وہ بچہ موسیٰ لہ کا ہوگا اور اس میں کوئی ”رگرڈ اور جھگڑا“ نہیں ہوگا، اس لیے کہ وہ خالص اس کے حق اور اس کے مال کی بڑھوتری ہے لہذا اس میں کسی اور کی دال نہیں گلنے والی ہے۔



فصل فی اعتبارِ حالۃ الوصیۃ

یہ فصل وصیت کی حالت کا اعتبار کرنے کے بیان میں ہے

اس سے پہلے یہ بیان کیا گیا ہے کہ ثلث سے زائد کی وصیت کا نفاذ اور جواز و رثاء کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے، اس فصل میں یہ بیان کیا جائے گا کہ وصیت میں ایجاب وصیت کا وقت معتبر ہوتا ہے یا موت کے وقت کی حالت معتبر ہوتی ہے اور چوں کہ وصیت موصوف اور متبوع ہے اور اس کی حالت تابع اور صفت ہے اور صفت موصوف سے مؤخر ہوتی ہے، اس لیے صاحب کتاب نے اس ضابطہ کی رعایت کرتے ہوئے صفت یعنی وصیت کی حالت کو موصوف یعنی وصیت کے بعد بیان کیا ہے۔

قَالَ وَإِذَا أَقْرَّ الْمَرِيضُ لِمَرْأَةٍ بَدِينٍ أَوْ أَوْصَى لَهَا بِشَيْءٍ أَوْ وَهَبَ لَهَا ثُمَّ تَزَوَّجَهَا ثُمَّ مَاتَ جَارَ الْإِقْرَارِ وَبَطَلَتِ الْوَصِيَّةُ وَالْهَبَةُ لِأَنَّ الْإِقْرَارَ مُلْزِمٌ بِنَفْسِهِ وَهِيَ أَجْنَبِيَّةٌ عِنْدَ صُدُورِهِ وَلِهَذَا يُعْتَبَرُ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ وَلَا يَبْطُلُ بِالَّذِينَ إِذَا كَانَ فِي حَالَةِ الصَّحَّةِ أَوْ فِي حَالَةِ الْمَرَضِ إِلَّا أَنَّ الثَّانِي يُؤْخَرُ عَنْهُ، بِخِلَافِ الْوَصِيَّةِ لِأَنَّهَا إِيْجَابٌ عِنْدَ الْمَوْتِ وَهِيَ وَارِثَةٌ عِنْدَ ذَلِكَ وَلَا وَصِيَّةٌ لِلْوَارِثِ، وَالْهَبَةُ وَإِنْ كَانَتْ مُنْجَزَةً صَوْرَةً فَهِيَ كَالْمُضَافِ إِلَى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ حُكْمًا، لِأَنَّ حُكْمَهَا يَتَقَرَّرُ عِنْدَ الْمَوْتِ، أَلَا تَرَى أَنَّهَا تَبْطُلُ بِالَّذِينَ الْمُسْتَعْرِقِ وَعِنْدَ عَدَمِ الدِّينِ تُعْتَبَرُ مِنَ الثَّلَاثِ .

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جب مریض نے کسی عورت کے لیے قرض کا اقرار کیا یا اس کے لیے کسی چیز کی وصیت کی یا اسے کچھ ہبہ کیا پھر اس سے نکاح کر لیا اس کے بعد مرگئی تو اقرار جائز ہے اور وصیت اور ہبہ باطل ہے، کیونکہ اقرار بذات خود ملزم ہے اور صدور اقرار کے وقت وہ عورت اجنبی ہے، اسی لیے پورے مال سے اقرار معتبر ہوگا اور قرض کی وجہ سے اقرار باطل نہیں ہوگا جب کہ وہ بحالت صحت ہو یا بحالت مرض ہو لیکن دوسرا پہلے سے مؤخر کیا جائے گا۔

برخلاف وصیت کے، کیونکہ وصیت موت کے وقت ایجاب ہے اور عورت موت کے وقت وارث ہے اور وارث کے لیے وصیت درست نہیں ہے، اور ہبہ اگرچہ صورتاً منجر ہوتا ہے، لیکن وہ ایسا ہے جیسے حکماً مابعد الموت کی طرف مضاف ہو، اس لیے کہ ہبہ کا حکم موت کے وقت مقرر ہوتا ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ دین مستغرق کی وجہ سے ہبہ باطل ہو جاتا ہے اور دین نہ ہونے کی صورت میں تہائی مال سے ہبہ معتبر ہوتا ہے۔

اللغات:

﴿اقر﴾ اقرار کیا۔ ﴿امراة﴾ عورت، بیوی۔ ﴿ذین﴾ قرضہ۔ ﴿وہب﴾ ہبہ کیا، ہدیہ دیا۔ ﴿ملزم﴾ لازم کرنے والا ہے۔ ﴿منجزة﴾ فوری، غیر مشروط، غیر معلق۔ ﴿الدین المستغرق﴾ وہ قرض جو کل ترکے کے بقدر ہو۔

حالت مرض میں کسی عورت کے لیے اقرار وصیت اور ہبہ کرنے کے بعد اس سے نکاح کرنے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک مریض شخص نے کسی اجنبیہ عورت کے لیے کچھ مال کا اقرار کیا یا اس کے لیے کسی چیز کی وصیت کی یا اسے کوئی چیز ہبہ کی اس کے بعد خود اس عورت سے نکاح کر لیا اور پھر اس شخص کا انتقال ہوا تو مذکورہ عورت کے حق میں صرف اس کا اقرار صحیح ہوگا اور ہبہ اور وصیت دونوں چیزیں باطل ہوں گی۔ صحت اقرار کی دلیل یہ ہے کہ اقرار بذات خود ملزم یعنی مقرر پر مال لازم کرنے والا ہے اور یہ لزوم علی الفور ہوتا ہے اور بعد الموت کی طرف مضاف نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ جس وقت اس شخص نے اقرار کیا ہے اس وقت اس نے مقررہا عورت سے نکاح نہیں کیا تھا اور وہ عورت اجنبیہ تھی اور اجنبیہ کے لیے اقرار درست ہے، لہذا یہ اقرار صحیح ہے اور مقرر کے پورے مال سے معتبر ہے۔

اور اگر مقر میت پر دین ہو تو اس دین کی وجہ سے یہ اقرار باطل نہیں ہوگا خواہ حالت صحت کا ہو یا حالت مرض بہر دو صورت اقرار صحیح ہے البتہ حالت صحت والے دین کو اداء میں حالت مرض والے دین سے مقدم رکھا جائے گا۔

بخلاف الوصیۃ الخ: صورت مسئلہ میں وصیت باطل ہے اور اس کے بطلان کی وجہ یہ ہے کہ وصیت میں جو تملیک ہے وہ مابعد الموت کی جانب مضاف ہوتی ہے اور مابعد الموت اور عند الموت وہ عورت موصی کی بیوی اور اس کی وارث ہے اور وارث کے لیے وصیت جائز نہیں ہے اس لیے صورت مسئلہ میں وصیت باطل ہے۔ اور وصیت کے ساتھ اگر ہبہ ہو تو وہ بھی باطل ہے، کیونکہ یہ مریض مرض الموت کا ہبہ ہے اور مریض مرض الموت کا ہبہ اگرچہ صورتاً اور ظاہراً منجز ہوتا ہے، لیکن حکم اور معنی کے اعتبار سے یہ مابعد الموت کی طرف مضاف ہوتا ہے، اس لیے اس کا استحکام اور تقرر موت کے وقت ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر میت پر دین محیط ہو تو ہبہ باطل ہو جاتا ہے اور اگر دین نہ ہو تو وصیت کی طرح ہبہ بھی تہائی مال سے معتبر ہوتا ہے، لہذا ان حوالوں سے ہبہ وصیت کے درجے میں ہوگا اور مذکورہ عورت کے لیے وصیت باطل ہے لہذا ہبہ بھی باطل ہوگا۔

قَالَ وَإِذَا أَقَرَّ الْمَرِيضُ لِإِنِّهِ بَدَيْنَ وَابْنَهُ نَصْرَانِيٍّ أَوْ وَهَبَ لَهُ أَوْ أَوْصَى لَهُ فَأَسْلَمَ الْإِبْنُ قَبْلَ مَوْتِهِ بَطَلَ ذَلِكَ كُلُّهُ، أَمَّا الْهَبَةُ وَالْوَصِيَّةُ فَلَمَّا قُلْنَا إِنَّهُ وَارِثٌ عِنْدَ الْمَوْتِ وَهَمَّا ابْنُ حَبَابٍ عِنْدَهُ أَوْ بَعْدَهُ، وَالْإِقْرَارُ وَإِنْ كَانَ مُلْزِمًا بِنَفْسِهِ وَلَكِنْ سَبَبَ الْإِرْثِ وَهُوَ الْبُتُوَّةُ قَائِمٌ وَقَدْ الْإِقْرَارُ فَيُعْتَبَرُ فِي إِثْرَاتِ تَهْمَةِ الْإِثَارِ، بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ، لِأَنَّ سَبَبَ الْإِرْثِ (الزَّوْجِيَّةُ) وَهِيَ طَارِئَةٌ حَتَّى لَوْ كَانَتْ الزَّوْجِيَّةُ قَائِمَةً وَقَدْ الْإِقْرَارُ وَهِيَ نَصْرَانِيَّةٌ ثُمَّ أَسْلَمَتْ قَبْلَ مَوْتِهِ لَا يَصِحُّ الْإِقْرَارُ لِقِيَامِ السَّبَبِ حَالِ صُدُورِهِ وَكَذَا لَوْ كَانَ الْإِبْنُ عَبْدًا أَوْ مُكَاتَبًا فَأَعْتَقَ لَمَّا ذَكَرْنَا.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر مریض نے اپنے بیٹے کے لیے دین کا اقرار کیا اور اس کا بیٹا نصرانی ہے یا اس کے لیے ہبہ کیا یا وصیت

کی اور اس کی موت سے پہلے بیٹا مسلمان ہو گیا تو یہ سب باطل ہو جائے گا، رہا بہہ اور وصیت تو اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ بیٹا بوقت موت وارث ہوگا، اور بہہ اور وصیت دونوں موت کے وقت یا موت کے بعد ایجاب ہیں۔ اور اقرار اگرچہ بذات خود ملزم ہے لیکن سبب ارث یعنی بنوت بوقت اقرار موجود ہے، لہذا ایثار کی تہمت پیدا کرنے میں سبب ارث معتبر ہوگا، برخلاف پہلے والے مسئلے کے۔ اس لیے سبب ارث یعنی زوجیت طاری ہے حتیٰ کہ اگر بوقت اقرار زوجیت موجود ہوتی اور عورت نصرانیہ ہوتی پھر مقرر کی موت سے پہلے مسلمان ہو جاتی تو اقرار صحیح نہیں ہوتا، کیونکہ صدور اقرار کے وقت سبب ارث موجود ہے۔ اور ایسے ہی اگر بیٹا غلام یا مکاتب ہو پھر آزاد کر دیا جائے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

اللغاث:

﴿دین﴾ قرضہ۔ ﴿اسلم﴾ مسلمان ہو گیا۔ ﴿ایجاب﴾ واجب کرنا۔ ﴿ملزم﴾ لازم کرنے والا۔ ﴿بنوۃ﴾ بیٹا ہونا۔

کافر بیٹے کے لیے وصیت کی اور وہ موت سے پہلے مسلمان ہو گیا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص مرض الموت میں مبتلا ہے اور اس کا ایک لڑکا ہے جو نصرانی ہے، اس نے اپنے اس لڑکے کے لیے قرض کی وصیت کی یا اسے کچھ بہہ کیا یا اس کے لیے کسی چیز کی وصیت کی اور باپ کی موت سے پہلے اس کا نصرانی بیٹا مسلمان ہو گیا تو چوں کہ اب وہ لڑکا اپنے باپ کا وارث ہو چکا ہے اس لیے اس کے حق میں باپ کا اقرار، بہہ اور وصیت سب کچھ باطل ہے۔ بہہ اور وصیت کے بطلان کی دلیل وہی ہے اور موت سے پہلے اسلام لانے سے وہ بیٹا اپنے باپ کا وارث ہو چکا ہے لہذا لا وصیۃ للوارث کی رو سے اس کے حق میں وصیت اور بہہ دونوں باطل ہیں، صاحب کتاب نے وہما ایجابان عندہ او بعده کہا ہے اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ بہہ اور وصیت میں ایسا ایجاب ہوتا ہے جس میں بوقت موت تملیک ہوتی ہے یعنی تملیک مضاف عند الموت اور بعده کی وضاحت یہ ہے الترتیبا مبقاة علی ملک المیت بعد الموت۔

والإقرار الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ ماقبل والے مسئلے میں شوہر کی طرف سے عورت کے حق میں کیا گیا اقرار معتبر اور صحیح تھا لیکن اس لڑکے کے حق میں اقرار بھی باطل ہے، کیونکہ اس لڑکے کو جو میراث مل رہی ہے وہ اس کے مسلمان ہونے کی وجہ سے نہیں مل رہی ہے، بلکہ اس کے مورث کا بیٹا ہونے کی وجہ سے مل رہی ہے اور بوقت اقرار بھی وہ لڑکا مورث کا بیٹا تھا اور اس وقت وہ اس کے حق میں اقرار کر کے اسے اپنے دوسرے ورثاء پر ترجیح دینا چاہ رہا تھا، لہذا اس ترجیح کی تہمت کو ختم کرنے کے لیے اس لڑکے کے حق میں اقرار کو بھی باطل قرار دیا گیا ہے۔

اس کے برخلاف عورت والے مسئلے میں اس عورت کے حق میں مقرر کا اقرار صحیح تھا، کیونکہ بوقت اقرار وہ عورت اجنبیہ تھی اور اب وہ رشتہ زوجیت کی وجہ سے اپنے شوہر کی وارث ہو رہی ہے اور بوقت اقرار رشتہ زوجیت معدوم تھا یہی وجہ ہے کہ اگر یہ عورت بوقت اقرار مقرر کی بیوی ہو اگرچہ نصرانی ہو اور بعد میں مسلمان ہو گئی ہو تو اس کے حق میں بھی اقرار باطل ہوگا، اس لیے کہ اب اس کے حق میں بھی سبب ارث اور تہمت ایراث موجود ہے۔

و کذا لو کان الخ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کا بیٹا غلام ہو یا مکاتب ہو اور باپ نے اس کے لیے اقرار یا وصیت یا بہہ کیا اور پھر وہ لڑکا آزاد کر دیا گیا تو اس کے حق میں بھی یہ سب باطل ہے، کیوں کہ بوقت اقرار سبب ارث یعنی بنوت موجود ہے۔ لہذا

ذکرنا سے صاحب کتاب نے اسی دلیل اور علت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَذَكَرَ فِي كِتَابِ الْإِقْرَارِ إِنْ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ ذَنْبٌ يَصِحُّ، لِأَنَّهُ أَقْرَأَ لِمَوْلَاهُ وَهُوَ أَجْنَبِيٌّ، وَإِنْ كَانَ عَلَيْهِ ذَنْبٌ لَا يَصِحُّ، لِأَنَّهُ إِقْرَارٌ لَهُ وَهُوَ ابْنُهُ، وَالْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّ الْمُعْتَبَرُ فِيهَا وَقْتُ الْمَوْتِ، وَأَمَّا الْهَبَةُ فَيُرْوَى أَنَّهَا تَصِحُّ لِأَنَّهَا تَمْلِكُ فِي الْحَالِ وَهُوَ رَقِيقٌ، وَفِي عَامَّةِ الرِّوَايَاتِ هِيَ فِي مَرَضِ الْمَوْتِ بِمَنْزِلَةِ الْوَصِيَّةِ فَلَا تَصِحُّ.

ترجمہ: اور مبسوط کی کتاب الاقرار میں ہے کہ اگر غلام پر دین نہ ہو تو اقرار صحیح ہے اس لیے کہ مقرر نے اس غلام کے آقا کے لیے اقرار کیا ہے اور آقا اجنبی ہے۔ اور اگر غلام پر قرض ہو تو اقرار صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ اسی کے لیے اقرار ہے اور وہ مقرر کا بیٹا ہے۔ اور وصیت باطل ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس میں موت کے وقت کا اعتبار ہے۔ رہا ہبہ تو ایک روایت یہ ہے کہ ہبہ صحیح ہے کیونکہ وہ فی الحال تملیک ہے اور وہ غلام ہے اور اکثر روایات میں یہ ہے کہ مرض الموت میں ہبہ وصیت کے درجے میں ہے اس لیے صحیح نہیں ہے۔

اللغات:

﴿بیرونی﴾ روایت کیا گیا ہے۔ ﴿تملیک﴾ مالک بنانا۔ ﴿دقیق﴾ غلام۔

غلام بیٹے کے لیے وصیت کرنا:

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ جامع صغیر میں تو اقرار اور ہبہ وغیرہ کا حکم ایک ہے یعنی سب کے سب باطل ہیں، لیکن مبسوط کی کتاب الاقرار میں یہ صراحت ہے کہ اگر غلام پر قرض نہ ہو اور اس کا باپ اس کے لیے اقرار کرے تو صحیح ہے، کیونکہ غلام کے مدیون نہ ہونے کی صورت میں اس کا اقرار غلام کے لیے نہیں ہوگا بلکہ اس کے آقا کے لیے ہوگا اور آقا اس کے مقرر باپ سے اجنبی ہے اور اجنبی کے حق میں اقرار درست ہے۔ لیکن اگر غلام مقرض ہو تو چونکہ مقرر کا اقرار خود اسی غلام کے لیے ہوگا اور غلام مقرر کا بیٹا ہے اس لیے اب اس کے حق میں اقرار صحیح نہیں ہے۔

والوصیۃ النخ: فرماتے ہیں کہ غلام اور مکاتب بیٹے کے لیے وصیت بھی باطل ہے، کیونکہ وصیت میں موت کے وقت کا اعتبار ہے اور بوقت موت اعتناق کی وجہ سے موصی لہ موصی کا وارث ہے، اس لیے اس کے حق میں وصیت باطل ہے۔ رہا ہبہ تو اس کے متعلق دو روایتیں ہیں (۱) غلام اور مکاتب کے لیے ہبہ جائز ہے، کیونکہ ہبہ میں تملیک مغل اور فوری ہوتی ہے اور چونکہ فی الحال موصوب لہ غلام ہے اور واہب کا وارث نہیں ہے، اس لیے اس کے حق میں ہبہ صحیح ہے (۲) دوسری روایت یہ ہے کہ اس کے حق میں ہبہ بھی صحیح نہیں ہے، کیوں کہ یہ مرض الموت کا ہبہ ہے اور مرض الموت کا ہبہ وصیت کے درجے میں ہوتا ہے اور غلام یا مکاتب بیٹے کے حق میں باپ کی وصیت باطل ہے، لہذا اس کا ہبہ بھی ان کے حق میں باطل ہوگا۔ یہی عامۃ الروایات ہے۔

قَالَ وَالْمَقْعَدُ وَالْمَفْلُوجُ وَالْأَشْلُ وَالْمَسْلُورُ إِذَا تَطَاوَلَ ذَلِكَ وَلَمْ يُخَفْ مِنْهُ الْمَوْتُ فَهَبْتُهُ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ، لِأَنَّهُ إِذَا تَقَادَّمَ الْعَهْدُ صَارَ طَبْعًا مِنْ طَبَاعِهِ وَلِهَذَا لَا يَشْتَغِلُ بِالتَّدَاوِي، وَلَوْ صَارَ صَاحِبَ فِرَاشٍ بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ كَمَرَضٍ حَدِيثٍ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اپانچ، فالج زدہ، مشلول البید والرجل اور مریض مرض سل کا ہبہ پورے مال سے معتبر ہوگا بشرطیکہ یہ امراض

طول پکڑ لیں لیکن اس سے موت کا خوف نہ ہو، کیونکہ زیادہ دن ہو جانے سے یہ مرض مریض کی طبیعتوں میں سے ایک طبیعت کی شکل اختیار کر گیا، اسی لیے وہ مریض دوا نہیں کرتا۔ اور اگر وہ اس کے بعد صاحب فراش ہو جائے تو وہ مرض جدید کی طرح ہوگا۔

اللغات:

﴿مُقْعَد﴾ معذور، اپانج۔ ﴿أَشْلَّ﴾ نڈا، جس کا ہاتھ یا پاؤں کام نہ کرتا ہو۔ ﴿مَسْلُولُ الرَّجُلِ وَالْيَدِ﴾ ایضاً۔ ﴿تَطَاوَلَ﴾ وقت گزر گیا ہو۔ ﴿لَمْ يُخَفْ﴾ خدشہ نہیں ہوتا۔ ﴿تَدَاوَى﴾ دوا دارو کرنا۔

معتبر الوصیہ مریض کا بیان:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپانج ہو اور کھڑے ہونے پر قادر نہ ہو یا اس کے ہاتھ پاؤں شل ہوں یا اس کا پیچھڑا خراب ہو گیا ہو اور ان امراض کو لمبا عرصہ گزر گیا ہو لیکن اس سے موت کا خطرہ نہ ہو اور وہ کسی کے لیے بہہ کرے تو اس کا بہہ پورے مال سے نافذ اور معتبر ہوگا اور وہ شخص تندرست شمار کیا جائے گا، اس لیے کہ جب کوئی مرض پرانا ہو جاتا ہے تو مریض کو اسے برداشت کرنے کی عادت ہو جاتی ہے اور وہ ان کی فطرت میں داخل ہو جاتا ہے، اسی لیے پرانے امراض کا علاج و معالجہ بھی نہیں کرایا جاتا اور اس طرح کا مریض مریض ہی نہیں کہلاتا، لہذا اس کا تصرف اس کے پورے مال سے معتبر ہوتا ہے۔ اور اگر اس مرض کے بعد وہ شخص صاحب فراش ہو جائے اور بستر پکڑ لے تو اسے نیا مرض شمار کیا جائے گا اور اس وقت اس کا تصرف صرف تہائی مال سے معتبر ہوگا۔

وَإِنْ وَهَبَ عِنْدَ مَا أَصَابَهُ ذَلِكَ وَمَاتَ مِنْ أَيَّامِهِ فَهُوَ مِنَ الثَّلَاثِ إِذَا صَارَ صَاحِبَ فِرَاشٍ، لِأَنَّهُ يُخَافُ مِنْهُ الْمَوْتُ، وَلِهَذَا يَتَدَاوَى فَيَكُونُ مَرَضُ الْمَوْتِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ: اور اگر مریض نے ان امراض میں سے کسی مرض کے لاحق ہونے کے وقت بہہ کیا اور انھیں ایام میں مر گیا، سو اگر وہ صاحب فراش ہو گیا ہو تو تہائی مال سے معتبر ہوگا، کیوں کہ اس سے موت کا خوف ہے اسی لیے وہ علاج بھی کرتا ہے لہذا یہ مرض الموت ہوگا۔ واللہ اعلم۔

اللغات:

﴿أَصَابَ﴾ پہنچا، مصیبت آئی۔ ﴿صَاحِبَ فِرَاشٍ﴾ بستر نشین، معذور۔ ﴿يَتَدَاوَى﴾ علاج معالجہ کرتا ہے، دوا استعمال کرتا ہے۔

غیر معتبر الوصیہ مریض:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپانج یا مشلول الید وغیرہ ہو اور اسی دوران اس نے کسی کے لیے کوئی چیز بہہ کر دی اور پھر مر گیا تو اگر وہ شخص صاحب فراش ہو کر مرا ہو تو اس کا بہہ تہائی مال سے نافذ ہوگا، کیونکہ صاحب فراش ہو جانے سے اس مرض سے موت کا خطرہ لاحق ہو چکا ہے اور وہ مرض الموت بن گیا ہے، اسی لیے انسان اس مرض کے علاج و معالجہ میں بھی مشغول ہو جاتا ہے اور مرض الموت میں انسان کا تصرف صرف ثلث سے معتبر ہوتا ہے لہذا اس شخص کا تصرف بھی ثلث مال سے ہی معتبر ہوگا۔

بَابُ الْعِتْقِ فِي مَرَضِ الْمَوْتِ

یہ باب مرض الموت میں آزاد کرنے کے بیان میں ہے

مرض الموت میں آزاد کرنا وصیت کے درجے میں ہے، اس لیے کہ مرض الموت کے وقت کا تبرع اس زمانہ میں ہوتا ہے جس میں اس کے مال کے ساتھ ورثاء کا حق متعلق ہو چکا ہوتا ہے اور وارث اور وراثت کی بحث کتاب الوصایا میں ہے، اسی لیے صاحب کتاب نے اس باب کو کتاب الوصایا میں بیان کیا ہے، لیکن چون کہ صریح وصیت اصل ہے اور عتق یہاں فرع ہے اس لیے صریح کے بیان کو فرع سے مقدم کیا گیا ہے۔

قَالَ وَمَنْ أَعْتَقَ فِي مَرَضِهِ عَبْدًا أَوْ بَاعَ وَحَابِي أَوْ وَهَبَ فَذَلِكَ كُفْلُهُ جَائِزٌ وَهُوَ مُعْتَبَرٌ مِنَ الثَّلَاثِ، وَيَضْرِبُ بِهِ مَعَ أَصْحَابِ الْوَصَايَا، وَفِي بَعْضِ النُّسخِ فَهُوَ وَصِيَّةٌ مَكَانَ قَوْلِهِ جَائِزٌ، وَالْمُرَادُ الْإِعْتِبَارُ مِنَ الثَّلَاثِ، وَالضَّرْبُ مَعَ أَصْحَابِ الْوَصَايَا لِاحْتِقَاقِ الْوَصِيَّةِ، لِأَنَّهَا إِجْبَابٌ بَعْدَ الْمَوْتِ وَهَذَا مُنَجَّزٌ غَيْرُ مُضَافٍ، وَإِعْتِبَارُهُ مِنَ الثَّلَاثِ لِتَعَلُّقِ حَقِّ الْوَرِثَةِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس شخص نے مرض الموت میں غلام آزاد کیا یا بیع کر کے اس میں محابات کیا یا ہبہ کیا تو یہ سب جائز ہے اور ثلث سے معتبر ہے اور وہ شخص ثلث میں اصحاب الوصایا کے ساتھ شریک ہوگا اور قدوری کے بعض نسخوں میں جائز کی جگہ وصیہ ہے اور اس سے ثلث سے معتبر ہونا مراد ہے اور اس شخص کا اصحاب الوصایا کے ساتھ شریک ہونا مراد ہے نہ کہ اصلی وصیت مراد ہے، اس لیے کہ وصیت بعد الموت والی ایجاب ہے اور اعتاق منجز ہے اور بعد الموت کی طرف مضاف نہیں ہے اور یہ ثلث سے معتبر ہے، کیونکہ اس کے ساتھ ورثاء کا حق متعلق ہوتا ہے۔

الْغَاثُ:

﴿اعتق﴾ آزاد کیا۔ ﴿حابی﴾ تبرعاً اپنے مال کو کم قیمت میں فروخت کیا، محابات فی البیع کی۔ ﴿منجز﴾ فوری، غیر مشروط، غیر معلق۔

مرض الموت میں غلام آزاد کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مرض الموت میں اپنا غلام آزاد کرے یا کسی کے لیے بیع کر کے محابات کر لے یعنی گراں

قیمت مال انتہائی سستے دام میں فروخت کر دے یا کسی کے لیے کچھ ہبہ کر دے تو ان میں سے ہر ہر تصرف درست اور جائز ہے اور اس کا نفاذ متصرف کے تہائی مال سے ہوگا اور جس کے لیے تصرف کیا ہے وہ شخص ثلث مال تک ورثاء کا شریک ہوگا۔

وفي بعض النسخ الخ: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ قدوری کے بعض نسخوں میں فذلک کلمہ جائز کے بجائے فہو وصیۃ کی عبارت درج ہے اور دونوں کا مطلب ایک ہے یعنی مریض کے یہ تصرفات جائز ہیں اور وصیت کی طرح ثلث مال سے ان کا نفاذ ہوگا۔

والضرب الخ: فرماتے ہیں کہ یہاں جو یہ کہا گیا ہے کہ مویوب لہ یا مشتری اصحاب الوصایا کے ساتھ شریک ہوگا یا فہو فہو وصیۃ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مذکورہ تصرف وصیت ہے، اس لیے کہ وصیت ایسی تملیک ہے جو مابعد الموت کی طرف مضاف ہوتی ہے جب کہ ہبہ اور بیع وغیرہ فوری طور پر نافذ ہونے والے تصرف ہیں، اس لیے فہو وصیۃ کا مطلب ہے فہو کالوصیۃ باعتبار النفاذ من ثلث المال یعنی تہائی مال سے نافذ ہونے میں یہ وصیت کی طرح ہیں اور تہائی مال سے ان کے معتبر اور صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مرض الموت میں مریض کے مال سے ورثاء کا حق متعلق ہو جاتا ہے اور جس مال سے ورثاء کا حق متعلق ہو جاتا ہے اس میں مالک صرف تہائی مال سے تبرع کر سکتا ہے۔

وَكَذَلِكَ مَا ابْتَدَأَ الْمَرِيضُ إِيْجَابَةً عَلَى نَفْسِهِ كَالضَّمَانِ وَالْكَفَالَةِ فِي حُكْمِ الْوَصِيَّةِ، لِأَنَّهُ يَتَّهَمُ فِيهِ كَمَا فِي الْهَبَةِ، وَكُلُّ مَا أَوْجَبَهُ بَعْدَ الْمَوْتِ فَهُوَ مِنَ الثُّلُثِ، وَإِنْ أَوْجَبَهُ فِي حَالِ صِحَّتِهِ إِعْتِبَارًا بِحَالِ الْإِضَافَةِ دُونَ حَالِ الْعَقْدِ وَمَا نَفَّذَهُ مِنَ التَّصَرُّفِ فَالْمُعْتَبَرُ فِيهِ حَالَةُ الْعَقْدِ، فَإِنْ كَانَ صَحِيحًا فَهُوَ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ وَإِنْ كَانَ مَرِيضًا فَمِنْ الثُّلُثِ، وَكُلُّ مَرَضٍ صَحَّ مِنْهُ فَهُوَ كَحَالِ الصَّحِيحَةِ، لِأَنَّ بِالْبُرْءِ تَبَيَّنَ أَنَّهُ لَا حَقَّ لِأَحَدٍ فِي مَالِهِ.

ترجمہ: اور ایسے ہی ہر وہ تصرف جس کی مریض نے اپنے آپ پر واجب کرنے کی ابتداء کی ہو جیسے ضمان اور کفالہ وہ وصیت کے حکم میں ہے، کیونکہ ہبہ کی طرح مریض اس میں بھی متہم ہوگا۔

اور ہر وہ عقد جسے مریض نے موت کے بعد واجب کیا ہو وہ ثلث سے معتبر ہوگا اگرچہ اس نے اپنی صحت کے دوران اس کا ایجاب کیا ہو اضافت کی حالت کا اعتبار کرتے ہوئے نہ کہ حالت عقد کا اعتبار کرتے ہوئے۔ اور مریض نے جس تصرف کو نافذ کر دیا ہو تو اس میں حالت عقد کا اعتبار ہے سوا اگر صحیح ہو تو وہ پورے مال سے معتبر ہوگا اور اگر وہ شخص مریض ہو تو تہائی مال سے معتبر ہوگا۔ اور ہر وہ مرض جس سے مریض صحت یاب ہو جائے وہ حالت صحت کی طرح ہے، کیونکہ اچھا ہونے سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس کے مال میں کسی کا حق نہیں ہے۔

اللغات:

﴿ابتداء﴾ پہل کی ہو۔ ﴿ایجاب﴾ واجب کرنا۔ ﴿برء﴾ تکلیف کا دور ہو جانا، مرض صحیح ہونا۔ ﴿تبیّن﴾ واضح ہو گیا۔

مرض الموت کے تصرفات:

اس عبارت میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) پہلی بات یہ ہے کہ اگر مریض ابتداء اپنے نفس پر کوئی چیز واجب کرے مثلاً وہ کسی کا ضامن بن جائے یا کفیل بن جائے تو یہ دونوں چیزیں بھی ثلث سے معتبر ہوں گی، جیسا کہ مریض کی وصیت ثلث مال سے معتبر ہوتی ہے۔ کیونکہ ثلث سے زائد ضامن یا کفالت واجب کرنے میں اسی طرح وہ مہتمم ہوگا جس طرح ہبہ وغیرہ میں وہ مہتمم ہوگا۔

(۲) عبارت کی دوسری کڑی یہ ہے کہ ہر وہ تصرف جسے مریض موت کے بعد واجب کرے جیسے وصیت ہے وہ تہائی مال سے معتبر ہوگا، خواہ مریض نے اسے بحالت صحت انجام دیا ہو یا بحالت مرض، کیونکہ اس میں حالت اضافت کا اعتبار ہے، حالت عقد کا اعتبار نہیں ہے اور وصیت چوبی کہ بعد الموت کی طرف مضاف ہو کر تملیک ثابت ہوتی ہے اور بعد الموت میت کے مال سے ورثاء کا حق متعلق ہو جاتا ہے، اس لیے اس کا نفاذ تہائی مال سے ہوگا۔

اور وہ تصرف جسے مریض منجز اور فوری طور پر انجام دے اور اسے موت کی طرف مضاف نہ کرے اس میں حالت عقد کا اعتبار ہوگا جیسے اعتاق اور ہبہ وغیرہ ہے چنانچہ اگر بوقت تصرف وہ شخص تندرست ہو تو یہ تصرف پورے مال سے معتبر ہوگا اور اگر بوقت عقد متصرف مریض ہو تو اس کا تصرف تہائی مال سے معتبر ہوگا۔

و کل مرض الخ: یہ ایک دوسرا ضابطہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس مرض سے مریض کو صحت اور شفا حاصل ہو جائے وہ صحت ہے مرض نہیں ہے چنانچہ اگر بحالت مرض مریض کوئی تصرف کرے اور پھر شفا یاب ہو جائے تو اس کا تصرف پورے مال سے معتبر ہوگا، کیونکہ صحت کے بعد یہ بات واضح ہوگئی کہ اس کے مال سے کسی کا حق وابستہ نہیں ہوا ہے۔

قَالَ وَإِنْ حَابَىٰ ثُمَّ أَعْتَقَ وَصَاقَ الثَّلْثُ عَنْهُمَا فَالْمَحَابَاةُ أُولَىٰ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمَا عَلَيْهِ، وَإِنْ أَعْتَقَ ثُمَّ حَابَىٰ فَهُمَا سَوَاءٌ، وَقَالَا الْعِتْقُ أُولَىٰ فِي الْمَسْأَلَتَيْنِ، وَالْأَصْلُ فِيهِ أَنَّ الْوَصَايَا إِذَا لَمْ يَكُنْ فِيهَا مَا جَاوَزَ الثَّلْثَ فَكُلُّ مِنْ أَصْحَابِهَا يَضْرِبُ بِجَمِيعِ وَصِيَّتِهِ فِي الثَّلْثِ لَا يُقَدِّمُ الْبَعْضُ عَلَى الْبَعْضِ إِلَّا الْعِتْقُ الْمَوْقَعُ فِي الْمَرَضِ وَالْعِتْقُ الْمَعْلُوقُ بِمَوْتِ الْمُوصِي كَالْتَدْبِيرِ الصَّحِيحِ وَالْمَحَابَاةُ فِي الْبَيْعِ إِذَا وَقَعَتْ فِي الْمَرَضِ، لِأَنَّ الْوَصَايَا قَدْ تَسَاوَتْ، وَالتَّسَاوِي فِي سَبَبِ الْإِسْتِحْقَاقِ يُوجِبُ التَّسَاوِي فِي نَفْسِ الْإِسْتِحْقَاقِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر مریض نے محابات کرنے کے بعد آزاد کیا اور ثلث ان دونوں سے کم ہو گیا تو امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں محابات اولیٰ ہے۔ اور اگر مریض نے اعتاق کے بعد محابات کیا تو دونوں برابر ہیں۔ حضرات صاحبین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں مسئلوں میں عتق اولیٰ ہے۔ اور اس سلسلے میں ضابطہ یہ ہے کہ وصایا میں سے اگر کوئی وصیت ثلث سے زائد نہ ہو تو اصحاب وصایا میں سے ہر شخص ثلث میں اپنی تمام وصیت کے ساتھ شریک ہوگا اور کسی کو کسی پر مقدم نہیں کیا جائے گا سوائے اس عتق کے جسے مرض الموت میں واقع کیا گیا ہو اور وہ عتق جو موصی کی موت پر معلق ہو جیسے تدبیر صحیح اور محابات فی البیع جب کہ مرض الموت میں واقع ہو، کیوں کہ

تمام وصایا برابر ہیں اور سب استحقاق کی مساوات نفس استحقاق کی مساوات کو مستلزم ہے۔

اللغات:

﴿حابلی﴾ بیع محابات کی۔ ﴿اعتق﴾ آزاد کیا۔ ﴿صاق﴾ تنگ پڑ گیا۔ ﴿جاوز﴾ بڑھ گیا۔ ﴿تساوی﴾ برابری۔

محابات اور عتق جمع ہو جانے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مریض نے مرض الموت میں پہلے محابات کی اور پھر آزاد کیا اور ترکہ کا ثلث دونوں کی ادائیگی اور نفاذ کے لیے ناکافی ہے تو حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں اس صورت میں محابات اولیٰ ہے یعنی ثلث میں پہلے محابات کو جاری کیا جائے گا اور اگر کچھ بچتا ہے تو پھر اس میں عتق کا نفاذ ہوگا اور اگر مریض نے پہلے آزاد کیا پھر محابات کی تو حضرت الامام کے یہاں دونوں برابر ہیں اور غلام اور مشتری دونوں یکساں طور پر ثلث میں شریک ہوں گے۔ حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے یہاں دونوں صورتوں میں عتق اولیٰ ہے اور ثلث میں پہلے عتق کا نفاذ ہوگا اس کے بعد محابات کا نمبر آئے گا۔

والأصل فیہ الخ: صاحب ہدایہ یہاں سے ایک ضابطہ اور جمل فارمولہ بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنے مال میں چند لوگوں کے لیے وصیتیں کر رکھی ہوں، لیکن کوئی بھی وصیت اس کے ترکہ کے ثلث سے متجاوز نہ ہو تو تمام موصیٰ لہم اور تمام اصحاب الوصایا ثلث میں برابر کے شریک ہوں گے اور کوئی کسی سے فائق اور برتر نہیں ہوگا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے موصیٰ کا کل ترکہ مثلاً بارہ ہزار درہم ہے اور موصیٰ نے اس میں سے نعمان کے لیے ایک ہزار کی وصیت کی ہے۔ سعدان کے لیے دو ہزار کی وصیت کی ہے، سلمان کے لیے بھی دو ہزار کی وصیت کی ہے اور سلیم کے لیے تین ہزار کی وصیت کی ہے اور ان سب کا مجموعہ آٹھ ہزار ہے اور ترکہ کا ثلث چار ہزار ہے، لیکن ان میں سے کوئی بھی وصیت ثلث سے زائد نہیں ہے، اس لیے ضابطے کے تحت تمام شرکا ثلث یعنی چار ہزار میں شریک ہوں گے اور تقسیم کا طریقہ یہ ہوگا کہ ہر موصیٰ لہ کے لیے جتنے مال کی وصیت کی گئی ہے اسے اس کا نصف اور آدھا دیا جائے چنانچہ جن دو لوگوں کے لیے دو دو ہزار کی وصیت کی گئی ہے انھیں ایک ایک ہزار دیا جائے، جس کے لیے تین ہزار کی وصیت کی گئی ہے اسے پندرہ سو دیا جائے اور جس کے لیے ایک ہزار کی وصیت کی گئی ہے اسے پانچ سو دیا جائے تاکہ یہ کل ملا کر چار ہزار ہو جائے جو ترکہ کا ثلث ہے۔

إلا العتق الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ وصایا کے متعلق تو یہی حکم ہے جو ہم نے بیان کیا، لیکن اگر وصیت کے ساتھ تین چیزوں میں سے کوئی ایک چیز جمع ہو جائے تو پھر وہی چیز مقدم ہوگی اور اس کا حساب کتاب کرنے کے بعد جو بچے گا اس میں وصیت جاری ہوگی (۱) مرض الموت کا اعتاق (۲) مرض الموت کی تدبیر (۳) مرض الموت کی محابات۔ چنانچہ اگر مرض الموت میں مریض نے کسی کو آزاد کیا ہو تو ترکہ سے پہلے وہ غلام خارج کر دیا جائے گا پھر وصایا کا نفاذ ہوگا یا موصیٰ اور مریض نے غلام کی آزادی کو اپنے انتقال پر معلق کیا ہو اور تدبیر صحیح کی ہو تو پہلے اس تدبیر کا نفاذ ہوگا۔ تدبیر صحیح یہ ہے کہ عتق کو صرف موت پر معلق کیا جائے اور تدبیر فاسد یہ ہے کہ موصیٰ یہ کہے کہ میری موت کے ایک سال بعد میرا غلام آزاد ہے تو ایک سال کی قید لگانے سے تدبیر فاسد ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر مریض نے بیع میں محابات کر رکھی ہو تو ثلث میں پہلے محابات جاری ہوگی اس کے بعد بچے ہوئے مال میں اصحاب وصایا کا حق ہوگا۔

اس کے علاوہ اگر موسیٰ نے عتق اور محابات دونوں کو جمع کر دیا ہو تو اس صورت میں تقدیم کے حوالے سے حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے جو شروع میں بیان کیا گیا ہے۔

وَإِنَّمَا قَدِمَ الْعِتْقُ الَّذِي ذَكَرْنَاهُ إِنْفَاءً، لِأَنَّهُ أَقْوَى فَإِنَّهُ لَا يُلْحَقُهُ الْفُسْخُ مِنْ جِهَةِ الْمُوصِي وَغَيْرِهِ يُلْحَقُهُ، وَكَذَلِكَ الْمُحَابَاةُ لَا يُلْحَقُهُ الْفُسْخُ مِنْ جِهَةِ الْمُوصِي، وَإِذَا قَدِمَ ذَلِكَ فَمَا بَقِيَ مِنَ الثَّلَاثِ بَعْدَ ذَلِكَ يَسْتَوِي فِيهِ مَنْ سِوَاهُمَا مِنْ أَهْلِ الْوَصَايَا وَلَا يَقْدَمُ الْبَعْضُ عَلَى الْبَعْضِ.

ترجمہ: اور عتق کو مقدم کیا گیا ہے جسے ہم نے ابھی بیان کیا، کیونکہ عتق اقویٰ ہے اس لیے کہ اسے موسیٰ کی طرف سے فسخ نہیں لاحق ہو سکتا اور عتق کے علاوہ کو فسخ لاحق ہو سکتا ہے، نیز محابات کو بھی موسیٰ کی طرف سے فسخ نہیں لاحق ہو سکتا، اور جب انھیں مقدم کر دیا جائے تو ان کے بعد بچے ہوئے مال میں ان کے علاوہ دیگر اہل وصایا برابر کے شریک ہوں گے اور کسی کو کسی پر مقدم نہیں کیا جائے گا۔

اللغات:

﴿قدم﴾ مقدم کیا گیا ہے۔ ﴿موصی﴾ وصیت کرنے والا۔ ﴿یستوی﴾ برابر ہوں گے۔

مذکورہ بالا مسئلہ کی دلیل:

یہاں سے عتق اور محابات فی المیع کو دیگر وصایا پر مقدم کرنے کی دلیل بیان کی گئی ہے اور اس دلیل کا حاصل یہ ہے کہ یہ دونوں (عتق اور محابات) تمام وصایا سے اقویٰ ہیں، کیوں کہ انھیں موسیٰ کی طرف سے فسخ نہیں لاحق ہو سکتا اور موسیٰ چاہ کر بھی ان میں فسخ نہیں کر سکتا جب کہ وصایا کو وہ جب چاہے فسخ کر سکتا ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ فسخ نہ ہونے والا فسخ ہو سکنے والے سے اقویٰ ہوتا ہے، اسی لیے عتق اور محابات تمام وصایا سے مقدم ہوں گے اور ان کے بعد ثلث سے جو مال بچے گا اس میں تمام اصحاب وصایا برابر کے شریک ہوں گے، اور کوئی کسی سے مقدم نہیں ہوگا۔

لَهُمَا فِي الْخِلَافَةِ أَنَّ الْعِتْقَ أَقْوَى، لِأَنَّهُ لَا يُلْحَقُهُ الْفُسْخُ وَالْمُحَابَاةُ يُلْحَقُهَا، وَلَا مُعْتَبَرٌ بِالتَّقْدِيمِ فِي الذِّكْرِ لِأَنَّهُ لَا يُوجِبُ التَّقْدِيمَ فِي الثُّبُوتِ، وَلَكِنَّهُ أَنَّ الْمُحَابَاةَ أَقْوَى لِأَنَّهَا تَثْبُتُ فِي ضَمَنِ عَقْدِ الْمَعَاوَضَةِ فَكَانَ تَبَرُّعًا بِمَعْنَاهُ لَا بِصِغَتِهِ، وَالْإِعْتَاقُ تَبَرُّعٌ صِغَةً وَمَعْنَى فَإِذَا وَجَدَتِ الْمُحَابَاةُ أَوَّلًا دَفَعَ الْأَضْعَفَ، وَإِذَا وَجَدَ الْعِتْقُ أَوَّلًا وَثَبَتَ وَهُوَ لَا يَحْتَمِلُ الدَّفْعَ كَانَ مِنْ ضَرُورَتِهِ الْمُزَاحِمَةُ.

ترجمہ: مختلف فیہ مسئلے میں حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ عتق اقویٰ ہے کیونکہ اسے فسخ نہیں لاحق ہو سکتا جب کہ محابات کو فسخ لاحق ہو سکتا ہے اور بیان میں مقدم ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ تقدیم فی الذکر تقدیم فی الثبوت کو واجب نہیں کرتی۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ محابات اقویٰ ہے، کیونکہ محابات عقد معاوضہ کے ضمن میں ثابت ہوتی ہے لہذا محابات اپنے معنی کے اعتبار سے تبرع ہوگا نہ کہ صیغہ کے اعتبار سے اور اعتاق صیغہ اور معنی دونوں اعتبار سے تبرع ہے، لہذا جب پہلے

محابات پائی گئی تو محابات اضعف (حق) کو دور کر دے گی۔ اور جب پہلے حق پایا گیا اور وہ ثابت ہو گیا نیز وہ دفع محابات کا احتمال نہیں رکھتا تو اس کی ضروریات میں سے مزاحمت ہوگی۔

اللغات:

﴿عق﴾ آزادی۔ ﴿تقدیم﴾ مقدم کرنا۔ ﴿محابة﴾ اپنے مال کو احسان اور تبرع کے طور پر کم قیمت میں فروخت کرنا۔ ﴿اعتاق﴾ آزاد کرنا۔ ﴿مزا حمة﴾ مقابل ہونا۔

ائمہ کے دلائل:

اگر موصی اعتاق اور محابات دونوں کو جمع کر دے تو امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں محابات اولیٰ اور مقدم ہوگی جب کہ حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے یہاں حق اولیٰ اور مقدم ہوگا۔ اس پر حضرات صاحبین رحمہم اللہ کی دلیل یہ ہے کہ حق محابات سے اولیٰ ہے، کیونکہ یہ نہ تو معتق کی طرف سے فسخ قبول کرتا ہے اور نہ ہی معتق کی طرف سے اور محابات موصی کی طرف سے بھلے فسخ قبول نہ کرے لیکن مشتری کی طرف سے اس میں فسخ ہو سکتا ہے، چنانچہ اگر موصی اور میت کے در ثاء محابات کی اجازت نہ دیں اور وہ میت کے مشتری سے فسخ عقد کے لیے کہیں تو مشتری کو فسخ کرنا پڑے گا۔ معلوم ہوا کہ محابات میں فسخ ہو سکتا ہے اور جب فسخ ہو سکتا ہے تو اس کے مقابلے میں حق یقیناً اقویٰ اور اولیٰ ہوگا کیونکہ اس میں کسی بھی طرح فسخ نہیں ہو سکتا۔

ولامعتبر الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر موصی اور میت پہلے محابات کرے اور پھر اعتاق اور محابات کو اعتاق سے مقدم رکھے تو بھی حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے یہاں محابات اعتاق سے مقدم نہیں ہوگی، کیونکہ تقدیم و تاخیر میں حقیقی معنی اور اندرونی قوت کا اعتبار ہوتا ہے اور ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ باطنی معنی کے حوالے سے اعتاق محابات سے اقویٰ ہے اس لیے تقدیم بیانی کی بنیاد پر بھی محابات اعتاق سے مقدم نہیں ہوگی، اسی لیے فرمایا ہے: العتق اولیٰ فی المسئلین ای سواء کان العتق مقدماً فی الذکر أو مؤخراً۔

ولہ الخ: حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ فسخ ہونا اور نہ ہونا یہ بہت دور کی بات اور سوچ ہے اور محابات حق سے اقویٰ ہے، کیونکہ محابات عقد بیع کے ضمن میں ثابت ہو جاتی ہے اور یہ صرف معنا تبرع ہے، لفظ اور صیغہ کے اعتبار سے تبرع نہیں ہے جب کہ حق اور اعتاق لفظ اور معنی دونوں اعتبار سے تبرع ہے اور ظاہر ہے کہ جو صرف ایک اعتبار سے تبرع ہو وہ اس چیز سے یقیناً اقویٰ ہوگا جو دونوں اعتبار سے تبرع ہو، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ محابات اعتاق سے اقویٰ ہے اور اگر محابات اعتاق سے پہلے ہو تو سونے پہ سہاگا ہے یعنی اس صورت میں اعتاق کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ ہاں اگر اعتاق محابات سے پہلے ہو تو اعتاق سے محابات کا ایک بال بھی نیڑہا نہیں ہوگا، البتہ تقدیم فی الذکر کی وجہ سے دونوں کے مابین مزاحمت متحقق ہو جائے گی، اسی لیے اس صورت میں ہم نے فہما سواء کا حکم لگا دیا ہے۔

وَعَلَىٰ هَذَا قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ إِذَا حَابَىٰ ثُمَّ أَعْتَقَ ثُمَّ حَابَىٰ فَسَمِ الثُّلُثُ بَيْنَ الْمُحَابَاتَيْنِ نَصْفَيْنِ لَتَسَاوِيَهُمَا ثُمَّ مَا أَصَابَ الْمُحَابَاةَ الْآخِرَةَ فَسَمِ بَيْنَهُمَا وَبَيْنَ الْعِتْقِ، لِأَنَّ الْعِتْقَ مُقَدَّمٌ عَلَيْهَا فَيَسْتَوِيَانِ، وَلَوْ أَعْتَقَ ثُمَّ

حَابِي ثُمَّ اُعْتَقَ قُسْمَ الثَّلْثِ بَيْنَ الْعَتَقِ الْاَوَّلِ وَالْمَحَابَاةِ، وَمَا اَصَابَ الْعَتَقَ قُسْمَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْعَتَقِ الثَّانِي، وَعِنْدَهُمَا الْعَتَقُ اُولَىٰ بِكُلِّ حَالٍ.

ترجمہ: اور اسی پر حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا اگر مریض نے محابات کیا پھر آزاد کیا اس کے بعد پھر محابات کیا تو ثلث دونوں محاباتوں کے مابین نصف نصف تقسیم کر دیا جائے۔ پھر محاباتِ ثانیہ کے حصے میں جو مال آئے اسے اس محابات اور عتق کے مابین تقسیم کر دیا جائے، کیونکہ عتق اس سے مقدم ہے لہذا دونوں مساوی ہوں گے۔

اور اگر مریض نے آزاد کیا پھر محابات کی پھر آزاد کیا تو ثلث عتق اول اور محابات کے درمیان تقسیم کر دیا جائے اور عتق کے حصے میں جو مال آئے اسے عتق اول اور عتق ثانی کے مابین تقسیم کیا جائے۔ اور حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے یہاں ہر حال میں عتق اولیٰ ہے۔

اللغات:

﴿اعتق﴾ آزادی کیا۔ ﴿حابی﴾ بیع محابات کی۔ ﴿قسم﴾ تقسیم کیا جائے گا۔ ﴿یستویان﴾ دونوں برابر ہوں گے۔

امام ابوحنیفہؒ کا مذہب:

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے یہاں محابات اگر مقدم ہے تو وہ عتق سے اولیٰ ہوگا اور اگر عتق مقدم ہے تو دونوں میں مساوات ہوگی۔ اسی پر متفرع کر کے صاحب ہدایہ امام اعظمؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ اگر مریض نے محابات کیا پھر اعتاق کیا اور پھر محابات کیا تو اس صورت میں چوں کہ دو محابات جمع ہیں اس لیے ترک کا ثلث دونوں محاباتوں میں نصف نصف تقسیم کر دیا جائے گا۔ پھر دوسری محابات سے پہلے عتق ہے، اس لیے عتق میں اور محاباتِ ثانیہ میں مساوات ہوگی اور محاباتِ ثانیہ کے حصے میں جو نصف ثلث ہے اسے ان دونوں کے مابین تقسیم کیا جائے گا۔

ولو اعتق الخ: یہ دوسرا مسئلہ ہے جو امام صاحب علیہ الرحمہ کے مسلک پر متفرع ہے۔ مریض نے آزاد کیا پھر محابات کی پھر آزاد کیا تو ثلث عتق اول اور محابات میں تقسیم کیا جائے گا اور عتق اول کے حصے میں جو آئے گا اسے عتق اول اور عتق ثانی کے مابین تقسیم کیا جائے گا، کیونکہ دونوں عتق مساوی ہیں۔

صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ یہ تفصیل اور تقسیم حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول کے موافق اور مطابق ہے ورنہ حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے یہاں ہر حال میں ایک ہی حکم ہے یعنی عتق ہی اولیٰ اور مقدم ہوگا۔

قَالَ وَمَنْ اَوْصَىٰ بِاَنَّ يُعْتَقَ عَنْهُ بِهَذِهِ الْاِمَانَةِ عَبْدٌ فَهَلْكَ مِنْهَا دِرْهَمٌ لَمْ يُعْتَقَ عَنْهُ بِمَا بَقِيَ عِنْدَ اَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ، وَاِنْ كَانَتْ وَصِيَّتُهُ بِحَجَّةٍ يُحَجُّ عَنْهُ بِمَا بَقِيَ مِنْ حَيْثُ يَبْلُغُ وَاِنْ لَمْ يَهْلِكْ مِنْهَا وَبَقِيَ شَيْءٌ مِنَ الْحَجَّةِ يَرُدُّ عَلَى الْوَرِثَةِ، وَقَالَ لَا يُعْتَقُ عَنْهُ بِمَا بَقِيَ، لِاَنَّهُ وَصِيَّةٌ بِنَوْعِ قُرْبَةٍ فَيَجِبُ تَنْفِيذُهَا مَا اَمْكَنَ اِعْتِبَارًا بِالْوَصِيَّةِ بِالْحَجِّ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس شخص نے یہ وصیت کی کہ اس کی طرف سے ان سو درہم کے عوض ایک غلام آزاد کر دیا جائے لیکن ان سو میں سے ایک درہم ہلاک ہو گیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ماقی درہم سے موصی کی طرف سے غلام نہیں آزاد کیا جائے گا۔ اور اگر اس کی وصیت حج کی تھی تو ماقی سے موصی کی طرف سے حج کیا جائے گا جہاں پہنچا جاسکے۔ اور اگر ان درہم میں سے کچھ نہ ہلاک ہوا ہو اور حج سے کچھ درہم بچ جائیں تو ماقی و رثاء کو واپس دے دیا جائے گا۔ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ موصی کی جانب سے ماقی سے غلام آزاد کیا جائے گا، کیونکہ یہ ایک طرح کی قربت کی وصیت ہے، لہذا وصیت حج پر قیاس کرتے ہوئے حتی الامکان اسے نافذ کرنا ضروری ہے۔

اللغات:

﴿اوصی﴾ وصیت کی۔ ﴿مائۃ﴾ ایک سو، یک صد۔ ﴿لم یعق﴾ نہیں آزاد کیا جائے گا۔ ﴿یحج﴾ حج کیا جائے گا۔ ﴿تنفذ﴾ نافذ کرنا، بجا آوری۔

معین مالیت کی وصیت کرنا کہ اس سے غلام آزاد کیا جائے، یا یہ کہ اس سے حج کیا جائے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے رثاء کو سو درہم دیئے اور ان سے وصیت کر دی کہ ان درہم کے عوض میری طرف سے ایک غلام خرید کر آزاد کر دینا۔ اب اگر ان درہم میں سے ایک درہم ہلاک اور ضائع ہو جائے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ماقی ۹۹ درہم سے غلام خرید کر موصی کی طرف سے آزاد نہیں کیا جائے گا۔ اس کے برخلاف اگر موصی نے سو درہم میں اپنی طرف سے حج کیے جانے کی وصیت کی تھی، لیکن ان میں سے ایک درہم ہلاک ہو گیا تو ماقی ۹۹ درہم میں جہاں سے حج ممکن ہو ادا کیا جائے گا اور حج کی صورت میں اگر کوئی درہم ہلاک نہ ہو اور حج کی ادائیگی کے بعد کچھ درہم بچ جائیں تو وہ رثاء کو واپس کر دیئے جائیں گے۔ الحاصل امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اعتاق اور حج دونوں کی وصیتوں میں فرق ہے جب کہ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں ان دونوں وصیتوں میں کوئی فرق نہیں ہے، بلکہ جس طرح ایک درہم کے ہلاک ہونے کے بعد وصیت حج باقی رہے گی اور موصی کی طرف سے ۹۹ درہم میں حج کیا جائے گا اسی طرح ایک درہم ہلاک ہونے کے باوجود وصیت اعتاق باقی رہے گی اور اس کی طرف سے ماقی ۹۹ درہم میں غلام خرید کر آزاد کیا جائے گا۔ اس لیے کہ جس طرح حج قربت ہے اسی طرح غلام آزاد کرنا بھی ایک قربت اور عبادت ہے اور اس حوالے سے دونوں میں یکسانیت ہے، لہذا تنفیذ وصیت میں بھی دونوں مساوی اور برابر ہوں گے۔

وَلَهُ أَنَّهُ وَصِيَّةٌ بِالْعَبْدِ يُشْتَرَى بِمَائَةٍ، وَتَنْفِذُهَا فِيمَنْ يُشْتَرَى بِأَقَلِّ مِنْهُ تَنْفِذٌ لِغَيْرِ الْمُوصِي لَهُ، وَذَلِكَ لَا يَجُوزُ، بِخِلَافِ الْوَصِيَّةِ بِالْحَجِّ، لِأَنَّهَا قُرْبَةٌ مَحْضَةٌ هِيَ حَقُّ اللَّهِ تَعَالَى، وَالْمُسْتَحَقُّ لَمْ يَتَبَدَّلْ وَصَارَ كَمَا إِذَا أَوْصَى لِرَجُلٍ بِمَائَةٍ فَهَلَكَ بَعْضُهَا يُدْفَعُ الْبَاقِي إِلَيْهِ، وَقِيلَ هَذِهِ الْمَسْأَلَةُ بِنَاءً عَلَى أَصْلِ آخَرَ مُخْتَلَفٍ فِيهِ وَهُوَ أَنَّ الْعَبْدَ حَقُّ اللَّهِ تَعَالَى عِنْدَهُمَا حَتَّى تَقْبَلَ الشَّهَادَةُ عَلَيْهِ مِنْ غَيْرِ دَعْوَى فَلَمْ يَتَبَدَّلِ الْمُسْتَحَقُّ، وَعِنْدَهُ حَقُّ الْعَبْدِ حَتَّى لَا تَقْبَلَ الْبَيِّنَةُ عَلَيْهِ مِنْ غَيْرِ دَعْوَى فَاخْتَلَفَ الْمُسْتَحَقُّ، وَهَذَا أَشْبَهُ.

ترجمہ: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ ایسے غلام کو خریدنے کی وصیت ہے جسے سودرہم میں خریدا جائے اور اس غلام میں وصیت نافذ کرنا جسے سو سے کم میں خریدا گیا ہو موصیٰ لہ کے غیر کے لیے وصیت کو نافذ کرنا ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔ برخلاف حج کی وصیت کے، کیونکہ یہ خالص عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور مستحق میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ اور یہ ایسا ہو گیا جیسے کسی نے کسی شخص کے لیے سو کی وصیت کی اور اس میں سے کچھ ہلاک ہو گیا تو باقی بچا موصیٰ لہ کو دیا جائے گا۔ اور کہا گیا کہ یہ مسئلہ ایک دوسری اصل پر مبنی ہے اور وہ بھی مختلف فیہ ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں عتق اللہ تعالیٰ کا حق ہے حتیٰ کہ اس پر دعوے کے بغیر بھی شہادت قبول کر لی جاتی ہے، لہذا مستحق نہیں بدلا۔ اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں عتق بندے کا حق ہے یہاں تک کہ دعوے کے بغیر اس پر بینہ قبول نہیں کیا جائے گا اور یہ صحت کے زیادہ مشابہ ہے۔

اللغات:

﴿عتق﴾ آزادی۔ ﴿بیشتری﴾ خریدا جائے۔ ﴿تنفیذ﴾ بجا آوری، نافذ کرنا۔ ﴿قربة محضہ﴾ خالص نیکی۔ ﴿بدفع﴾ ادا کیا جائے گا۔

امام صاحب کی دلیل:

یہاں سے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل بیان کی جا رہی ہے اور اس دلیل کا حاصل یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں موصیٰ نے ایسے غلام کو خرید کر آزاد کرنے کی وصیت ہے جس کی قیمت سودرہم ہو لہذا اگر ہم ۹۹/ درہم والے غلام میں وصیت کو نافذ کریں تو موصیٰ کا مقصد فوت ہو جائے گا اور اس نے جو موصیٰ لہ متعین کیا ہے اس میں تبدیلی ہو جائے گی حالانکہ وراثت کو اس میں رد و بدل کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، اس لیے سو میں اگر ایک درہم بھی کم ہوتا ہے تو ہم موصیٰ کی طرف سے اعتاق عبد کی اجازت نہیں دیں گے۔ اس کے برخلاف حج کا مسئلہ ہے تو حج میں مستحق یعنی حج کسی بھی صورت میں نہیں بدلتا، کیونکہ حج خالص قربت ہے اور اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور اللہ کی ذات میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، لہذا وصیت کو حج پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، اور حج کی وصیت ایسی ہے جیسے کسی مریض نے یہ وصیت کی کہ میرے مال سے فلاں کو سودرہم دے دیئے جائیں، اور جس مال کی اس نے نشان دہی کی تھی وہ سو درہم تھا مگر اس میں سے کچھ درہم ہلاک ہو گئے تو واقعی درہم موصیٰ لہ کو دے دیئے جائیں گے اور وصیت نافذ ہوگی، کیونکہ یہاں موصیٰ لہ فلاں ہی ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے اسی طرح حج میں بھی مستحق میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، لہذا درہم کے کم زیادہ ہونے کی صورت میں حج میں بھی وصیت نافذ ہوگی، لیکن اعتاق عبد میں وصیت نافذ نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس میں مستحق کی تبدیلی لازم آتی ہے جو مراد موصیٰ کے خلاف ہے۔

وقیل هذه المسألة الخ: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات کی رائے میں یہ مسئلہ درحقیقت اس اصول پر مبنی اور متفرع ہے جو حضرات صاحبین اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مابین مختلف فیہ ہے اور وہ اصل یہ ہے کہ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں عتق حق اللہ ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ عتق کے حوالے سے اگر غلام دعویٰ کرے تو ان حضرات کے یہاں دلیل اور بینہ کے بغیر اس کا دعویٰ مقبول ہے، لہذا جب عتق ان کے یہاں حق اللہ ہے اور حق اللہ میں مستحق کے اندر تبدیلی ہوتی ہے، اس لیے ۹۹ روالے

غلام کو خرید کر آزاد کرنے سے ان حضرات کے یہاں وصیت نافذ ہو جائے گی، اسی لیے انھوں نے اسے حج پر قیاس کیا ہے۔ کیونکہ حج میں بھی مستحق نہیں بدلتا۔

اس کے برخلاف حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں عتق حق العبد ہے، کیونکہ اگر غلام عتق کا دعویٰ کرے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بدون بینہ وہ دعویٰ مقبول نہیں ہوگا۔ اور حق العبد میں موصی لہ کی تبدیلی ہو سکتی ہے لہذا ۹۹ در راہم والا غلام ۱۰۰ در راہم والے غلام سے الگ ہوگا اور امام صاحب کے یہاں اس غلام کو خرید کر آزاد کرنے سے موصی کی وصیت اور اس کی چاہت پوری نہیں ہوگی۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس اصل پر ان حضرات کے اختلاف کو متفرع کرنا زیادہ بہتر اور صحیح ہے۔

قَالَ وَمَنْ تَرَكَ ابْنَيْنِ وَمِائَةَ دِرْهَمٍ وَعَبْدًا فِيمَتُهُ مِائَةٌ وَقَدْ كَانَ أَعْتَقَهُ فِي مَرَضِهِ فَأَجَازَ الْوَارِثَانِ ذَلِكَ لَمْ يَسْعُ فِي شَيْءٍ، لِأَنَّ الْعِتْقَ فِي مَرَضِ الْمَوْتِ وَإِنْ كَانَ فِي حُكْمِ الْوَصِيَّةِ وَقَدْ وَقَعَتْ بِإِكْفَرٍ مِنَ الْغُلَّتِ إِلَّا أَنَّهَا تَجُوزُ بِإِجَازَةِ الْوَرِثَةِ، لِأَنَّ الْإِمْتِنَاعَ لِحَقِّهِمْ وَقَدْ أَسْقَطُوهُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس شخص نے دو بیٹے، سو درہم اور ایک ایسا غلام ترکہ میں چھوڑا جس کی قیمت سو درہم ہے حالانکہ میت نے اسے اپنے مرض الموت میں آزاد کر دیا تھا اور دونوں وارثوں نے اس کی اجازت دے دی تو غلام کچھ بھی کمائی نہیں کرے گا، اس لیے کہ مرض الموت کا عتق اگرچہ وصیت کے حکم میں ہے اور ثلث سے زائد مال میں وصیت واقع ہوئی ہے، لیکن وہ وصیت وراثہ کی اجازت سے جائز ہے، کیونکہ وصیت سے امتناع حق وراثہ کی وجہ سے تھا اور وراثہ نے اسے ساقط کر دیا ہے۔

اللَّغَاتُ:

﴿ترک﴾ چھوڑا۔ ﴿اعتق﴾ آزاد کیا تھا۔ ﴿اجاز﴾ اجازت دی۔ ﴿لم یسع﴾ نہیں گنجائش ہوگی۔ ﴿ثلث﴾ ایک تہائی، تیسرا حصہ۔ ﴿امتناع﴾ روک، ممانعت۔

مرض الموت میں اعتاق کی ایک صورت:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ اگر میت کے دو بیٹے وارث ہوں اور اس کا ترکہ سو درہم نقد ہو اور سو درہم کی مالیت کا ایک غلام ہو لیکن میت نے اپنے مرض الموت میں اسے آزاد کر دیا ہو تو اس صورت میں قاعدے کے مطابق ترکہ کے تہائی حصے یعنی ۶۶ درہم میں اس غلام کی آزادی نافذ ہوگی اور باقی حصہ کی آزادی کے لیے غلام کما کر دونوں وارثوں کو ۳۳ روپے دے گا۔ اس لیے کہ یہاں عتق ثلث سے زائد میں واجب کیا گیا ہے اور ثلث سے زائد مقدور وراثہ کا حق ہے۔ ہاں اگر وراثہ پورے غلام میں عتق کے نفاذ کو ہری جھنڈی دکھادیں تو اب مکمل غلام آزاد ہو جائے گا اور وہ وراثہ کے لیے ایک روپے کا کام نہیں کرے گا، کیونکہ ثلث سے زائد حصہ میں عتق کا نفاذ وراثہ کے حق کی وجہ سے ممتنع تھا اور وراثہ نے اپنی اجازت سے وہ حق ساقط کر دیا ہے، لہذا غلام بدون سعایہ آزاد ہو جائے گا۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصَى بِعَتَقِ عَبْدِهِ ثُمَّ مَاتَ فَجَنَى جَنَائَةً وَدَفَعَ بِهَا بِطَلَّتِ الْوَصِيَّةُ، لِأَنَّ الدَّفْعَ قَدْ صَحَّ لِمَا أَنَّ حَقَّ

وَلِيَّ الْجَنَائَةِ مُقَدَّمٌ عَلَى حَقِّ الْمُوصِيِّ فَكَذَلِكَ عَلَى حَقِّ الْمُوصَى لَهُ، لِأَنَّهُ يَتَلَقَّى الْمِلْكَ مِنْ جِهَتِهِ إِلَّا أَنَّ مِلْكَهُ فِيهِ بَاقٍ وَإِنَّمَا يَزُولُ بِالذَّفْعِ، فَإِذَا خَرَجَ بِهِ عَنْ مِلْكِهِ بَطَلَتِ الْوَصِيَّةُ كَمَا إِذَا بَاعَهُ الْمُوصِيُّ أَوْ وَارِثُهُ بَعْدَ مَوْتِهِ، فَإِنَّ فِدَاهُ الْوَرِثَةُ كَانَ الْفِدَاءُ فِي مَالِهِمْ، لِأَنَّهُمْ هُمُ الَّذِينَ التَزَمُوهُ، وَجَازَتِ الْوَصِيَّةُ، لِأَنَّ الْعَبْدَ طَهَرَ عَنِ الْجَنَائَةِ بِالْفِدَاءِ كَأَنَّهُ لَمْ يَجْنِ فَتَنَفَّذَ الْوَصِيَّةُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنے غلام کے عتق کی وصیت کی پھر مر گیا اور غلام نے جنایت کی اور غلام اس جنایت کی پاداش میں دے دیا گیا تو وصیت باطل ہو جائے گی، کیونکہ غلام دینا صحیح ہے، اس لیے کہ ولی جنایت کا حق موصی کے حق پر مقدم ہے، لہذا موصی لہ کے حق پر بھی مقدم ہوگا، کیونکہ موصی لہ موصی کی طرف سے ملکیت حاصل کرتا ہے لیکن غلام میں موصی کی ملکیت باقی ہے اور غلام دینے سے ختم ہو جاتی ہے لہذا جب دفع سے غلام موصی کی ملکیت سے خارج ہو گیا تو وصیت باطل ہو جائے گی جیسے جب موصی کی موت کے بعد موصی نے یا اس کے وارث نے غلام بیچ دیا ہو۔ پھر اگر ورثاء نے غلام کا فدیہ دے دیا تو یہ فدیہ ان کے مال میں ہوگا، کیونکہ انھوں نے ہی اس کا التزام کیا ہے اور وصیت جائز ہے، اس لیے کہ فدیہ کی وجہ سے غلام جنایت سے پاک ہو گیا ہے گویا کہ اس نے جنایت نہیں کی، لہذا وصیت نافذ ہو جائے گی۔

اللغات:

﴿جنی﴾ جرم کیا۔ ﴿جنایۃ﴾ جرم، قصور۔ ﴿دفع﴾ سپرد کیا گیا۔ ﴿موصی﴾ وصیت کرنے والا۔ ﴿یتلقی﴾ حاصل کرتا ہے، ملتا ہے۔ ﴿فداه﴾ اس کا فدیہ دے دیا۔ ﴿التزموه﴾ اس کو اپنے ذمے میں لیا ہے۔ ﴿طهر﴾ پاک ہو گیا ہے۔ ﴿لم یجین﴾ جرم کیا ہی نہیں۔

موصی بالعتق غلام کا کسی جرم میں مأخوذ ہو جانا:

ایک شخص نے اپنے مرض الموت میں ورثاء سے یہ وصیت کی تھی کہ میرے فلاں غلام کو آزاد کر دینا اور موصی کی موت کے بعد اس غلام نے کوئی جنایت کر دی اور ورثاء نے اسے ولی جنایت کے حوالے کر دیا تو اب موصی نے اس غلام کے عتق کی جو وصیت کی تھی وہ باطل ہو جائے گی، کیونکہ ورثاء کا اس غلام کو ولی جنایت کے حوالے کرنا صحیح ہے، کیونکہ ولی جنایت کا حق موصی کے حق سے مقدم ہے۔ اور اس حوالگی کی وجہ سے اس غلام سے موصی کی ملکیت زائل ہو جائے گی اور جب ملکیت زائل ہو گئی تو ظاہر ہے کہ اس میں موصی کی وصیت بھی باطل ہو جائے گی اور جب موصی کی ملکیت ختم ہو گئی تو موصی لہ کا حق بھی ختم ہو جائے گا، کیونکہ موصی لہ کو موصی کی طرف سے ملکیت حاصل ہو رہی تھی، لہذا جب موصی خود ہی مالک نہیں ہے تو دوسرے کو کیا خاک مالک بنائے گا۔

إِلَّا أَنْ مَلَكَهَ الْخ: یہاں سے ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ آپ حضرات کا دفع عبد کے بعد وصیت کو باطل قرار دینا مناسب نہیں ہے، بل کہ وصیت تو جنایت کے بعد غلام کے ولی جنایت کے حوالے کرنے سے پہلے ہی باطل ہو جاتی ہے، لہذا بطلان وصیت کا حکم قبل الدفع لگانا چاہئے حالانکہ آپ نے بعد الدفع لگایا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عبد جانی سے اس وقت تک موصی کی ملکیت زائل نہیں ہوگی جب تک وہ غلام کوئی جنایت کے حوالے نہیں کر دیا جائے گا اور قبل الدفع اس میں موصی کی ملکیت باقی رہے گی، اسی لیے ہم نے قبل الدفع بطلان وصیت کا حکم نہیں لگایا ہے، ہاں جب ورثاء اس غلام کو کوئی جنایت کے حوالے کر دیں گے تو وہ موصی کی ملکیت سے خارج ہو جائے گا اور اس میں وصیت باطل ہو جائے گی۔ جیسے اگر خود موصی اس غلام کو اپنی زندگی میں فروخت کر دے یا اس کی موت کے بعد ورثاء اسے بیچ دیں تو ان صورتوں میں بھی وصیت باطل ہو جاتی ہے، کیونکہ ان صورتوں میں بھی غلام مشتری کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ دفع کے بعد ہی وہ غلام موصی کی ملکیت سے خارج ہوگا اور اسی وقت اس میں وصیت باطل ہوگی۔

فان فداہ النخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر میت کے ورثاء عبد جانی کو کوئی جنایت کے حوالے نہ کریں اور اس کی جگہ فدیہ دے دیں تو یہ فدیہ ورثاء ہی کے مال سے معتبر ہوگا اور وہ اس سلسلے میں متبرع شمار ہوں گے، کیونکہ ان پر فدیہ دینا واجب نہیں تھا، لیکن انھوں نے اپنی خوشی سے یہ کام کیا ہے اور بدو و وجوب بطیب خاطر کیا جانے والا کام تبرع ہوتا ہے، لہذا یہ فدیہ ورثاء کی طرف سے تبرع ہوگا اور فدیہ کے بعد اس غلام میں موصی کی وصیت جائز ہوگی، اس لیے کہ فدیہ سے غلام کو جنایت سے پاک صاف کر دیا ہے اور غلام اس پوزیشن میں ہو گیا ہے گویا کہ اس نے جنایت ہی نہیں کی ہے لہذا اب اس کی وصیت کا راستہ بالکل صاف ہو گیا ہے۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصَى بِثُلَّةٍ مَالِهِ لِأَخَرٍ فَأَقَرَّ الْمُوصَى لَهُ وَالْوَارِثُ أَنَّ الْمَيِّتَ أَعْتَقَ هَذَا الْعَبْدَ فَقَالَ الْمُوصَى لَهُ أَعْتَقَهُ فِي الصَّحَّةِ وَقَالَ الْوَارِثُ أَعْتَقَهُ فِي الْمَرَضِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْوَارِثِ وَلَا شَيْءَ لِلْمُوصَى لَهُ إِلَّا أَنْ يَفْضَلَ مِنَ الثَّلَاثِ شَيْءٌ أَوْ تَقُومَ لَهُ الْبَيِّنَةُ أَنَّ الْعِتْقَ فِي الصَّحَّةِ، لِأَنَّ الْمُوصَى لَهُ يَدَّعِيُ اسْتِحْقَاقَ ثُلْثِ مَا بَقِيَ مِنَ التَّرِكَةِ بَعْدَ الْعِتْقِ، لِأَنَّ الْعِتْقَ فِي الصَّحَّةِ لَيْسَ بِوَصِيَّةٍ وَلِهَذَا يَنْفَذُ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ وَالْوَارِثُ يُنْكِرُ، لِأَنَّ مُدَّعَاهُ الْعِتْقُ فِي الْمَرَضِ وَهُوَ وَصِيَّةٌ، وَالْعِتْقُ فِي الْمَرَضِ مُقَدَّمٌ عَلَى الْوَصِيَّةِ بِثُلْثِ الْمَالِ فَكَانَ مُنْكَرًا، وَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُنْكَرِ مَعَ الْيَمِينِ، وَلِأَنَّ الْعِتْقَ حَادِثٌ وَالْحَوَادِثُ تُضَافُ إِلَى أَقْرَبِ الْأَوْقَاتِ لِلتَّيَقُّنِ بِهَا فَكَانَ الظَّاهِرُ شَاهِدًا لِلْوَارِثِ فَيَكُونُ الْقَوْلُ قَوْلُهُ مَعَ الْيَمِينِ إِلَّا أَنْ يَفْضَلَ شَيْءٌ مِنَ الثَّلَاثِ عَلَى قِيَمَةِ الْعَبْدِ، لِأَنَّهُ لَا مَزَاجَ لَهُ فِيهِ أَوْ تَقُومَ لَهُ الْبَيِّنَةُ أَنَّ الْعِتْقَ فِي الصَّحَّةِ، لِأَنَّ الثَّابِتَ بِالْبَيِّنَةِ كَالثَّابِتِ مُعَايَنَةً وَهُوَ خَصْمٌ فِي إِقَامَتِهَا لِإِثْبَاتِ حَقِّهِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس شخص نے دوسرے کے لیے اپنے تہائی مال کی وصیت کی پھر موصی لہ اور وارث نے اس بات پر اتفاق اور اقرار کر لیا کہ میت نے اس غلام کو آزاد کر دیا ہے لیکن موصی لہ نے کہا کہ میت نے اسے صحت میں آزاد کیا ہے اور وارث نے کہا کہ اسے بحالت مرض آزاد کیا ہے پتے تو وارث کا قول معتبر ہوگا اور موصی لہ کے لیے کچھ نہیں ہوگا، الا یہ کہ ثلث سے کچھ بچ جائے یا موصی لہ کے لیے اس بات پر بیحد قائم ہو جائے کہ حق بحالت صحت واقع ہوا ہے، کیونکہ موصی لہ حق کے بعد باقی ترکہ کے ثلث کے استحقاق کا

دعویٰ کر رہا ہے، اس لیے کہ بحالت صحت عتق وصیت نہیں ہے، اسی لیے یہ عتق پورے مال سے نافذ ہوتا ہے اور وارث اس کا منکر ہے، کیونکہ اس کا دعویٰ عتق فی المرض کا ہے اور یہ عتق وصیت ہے اور عتق فی المرض تہائی مال کی وصیت پر مقدم ہے لہذا وارث منکر ہوگا اور منکر کا قول اس کی یمین کے ساتھ معتبر ہوتا ہے۔

اور اس لیے کہ عتق حادث ہے اور حوادث اقرب الاوقات کی طرف مضاف ہوتے ہیں، کیونکہ اقرب الاوقات میں تین ہوتا ہے، لہذا ظاہر حال وارث کے لیے شاہد ہوگا اور یمین کے ساتھ اس کا قول معتبر ہوگا، الا یہ کہ غلام کی قیمت پر ثلث میں سے کچھ بچ جائے، اس لیے کہ اس میں موصیٰ لہ کا کوئی مزاحم نہیں ہے۔ یا موصیٰ لہ کے لیے اس بات پر بینہ قائم ہو جائے کہ عتق بحالت صحت واقع ہوا ہے، کیونکہ بینہ سے ثابت ہونے والی چیز معاینہ کے طور پر ثابت شدہ چیز کے مثل ہوتی ہے۔ اور اپنے حق کو ثابت کرنے کے لیے اقامت بینہ کے حوالے سے موصیٰ لہ خصم ہوگا۔

اللغات:

﴿اوصی﴾ وصیت کی۔ ﴿اقر﴾ اقرار کیا۔ ﴿بفضل﴾ بڑھ جائے، زائد ہو۔ ﴿بینہ﴾ گواہی، ثبوت۔ ﴿ینفذ﴾ نافذ ہوگی۔ ﴿حادث﴾ بعد میں پیدا ہونے والی چیز یا صورت حال۔ ﴿خصم﴾ فریق مخالف۔
اعتاق کی ایک صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی کے لیے اپنے ثلث مال کی وصیت کی اور اس کے پاس ایک غلام بھی تھا، اس غلام کے متعلق موصیٰ لہ اور موصیٰ کے وارث نے یہ اقرار کیا کہ موصیٰ نے اسے آزاد کر دیا تھا لیکن اعتاق کے وقت میں دونوں کا اختلاف ہو گیا موصیٰ لہ کہنے لگا کہ موصیٰ نے اسے بحالت صحت آزاد کیا ہے اور وارث کہتا ہے کہ نہیں موصیٰ نے اسے بحالت مرض آزاد کیا تھا تو اس اختلاف میں وارث کا قول معتبر ہوگا اور موصیٰ لہ کے لیے کچھ بھی نہیں ہوگا۔ ہاں اگر ثلث سے کچھ مال بڑھ اور بچ جائے یا موصیٰ لہ اپنے قول پر بینہ قائم کر دے تو اس صورت میں اس کی بات مانی جاسکتی ہے۔

لأن الموصی الخ: صاحب ہدایہ موصیٰ لہ کے مقابلے وارث کے قول کے معتبر ہونے کی دلیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ موصیٰ لہ بحالت صحت عتق کا دعویٰ کر کے یہ بتانا چاہتا ہے کہ غلام کا عتق وصیت نہیں ہے، اس لیے وہ میت کے پورے ترکہ سے نافذ ہوگا اور اس کے جو مال بچے گا میں اس کے ثلث کے مستحق ہوں گے یعنی اس صورت میں اسے میت کے ترکہ سے زیادہ مال مل سکتا ہے جب کہ میت کا وارث کہتا ہے کہ میت نے اس غلام کو بحالت مرض آزاد کیا ہے اس لیے یہ عتق وصیت سے مقدم ہے اور میت کے ثلث مال سے اس کا نفاذ ہوگا اور یہ نفاذ وصیت پر مقدم ہوگا، لہذا نفاذ عتق کے بعد اگر ثلث میں سے کچھ بچتا ہے تو موصیٰ لہ کو ملے گا ورنہ اسے کچھ نہیں ملے گا۔ گویا وارث موصیٰ لہ کے حق کا منکر ہے اور موصیٰ لہ اس کا مدعی ہے، اس لیے البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر والے ضابطے کے تحت موصیٰ لہ اپنے دعویٰ پر بینہ پیش کرے ورنہ پھر منکر کی یمین کے ساتھ ہم اس کے انکار کو تسلیم کر لیں گے۔

ولأن العتق الخ: صورت مسئلہ میں منکر جو وارث ہے اس کے قول کے معتبر ہونے کی دلیلیں یہ ہیں کہ عتق حادث

اور جدید معاملہ ہے اور حادث کے متعلق ضابطہ یہ ہے کہ اسے اقرب الاوقات کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور یہاں عتق کا قریب ترین وقت میت کے مرض کا وقت ہے، کیونکہ یہ وقت اس کی صحت کے بعد کا ہے لہذا اس حوالے سے ظاہر حال وارث کے حق میں شاید ہو گیا اور فقہی ضابطہ الاصل ان من ساعدۃ الظاہر فالقول قولہ کے تحت وارث ہی کا قول معتبر ہوگا۔ ہاں اگر نفاذ عتق کے بعد ثلث میں سے کچھ مال بچ جائے یا موصلیٰ لہ جو مدعی ہے اپنے دعوے پر بینہ پیش کر دے تو ان صورتوں میں اسے اس کا حق مل جائے گا، کیونکہ باقی مال میں اس کا کوئی مزاحم نہیں ہے اس لیے ثلث سے بچا ہوا مال اسے مل جائے گا اور اگر وہ اپنے دعوے پر بینہ پیش کر دے گا تو اس کا بینہ مقبول ہوگا، کیونکہ ضابطہ ہے الثابت بالبینۃ کالثابت بالمشاہدۃ یعنی بینہ سے ثابت ہونے والی چیز مشاہدہ سے ثابت شدہ چیز کی طرح ہے۔

وہو خصم فی إقامتها الخ: یہاں سے ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں عتق حق العبد ہے اور حق العبد میں جب تک غلام کی طرف سے دعویٰ نہ ہو اس وقت تک اقامت بینہ نہیں ہو سکتا تو یہاں بینہ پیش کرنا کیسے درست ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں وارث کا خصم موصلیٰ لہ ہے اور موصلیٰ لہ کی طرف سے دعویٰ موجود ہے اس لیے اس کی طرف سے اقامت بینہ بھی درست ہے، کیونکہ اپنا حق ثابت کرنے کے لیے موصلیٰ لہ اقامت بینہ کا ضرورت مند ہے۔

قَالَ وَمَنْ تَرَكَ عَبْدًا فَقَالَ لِلْوَارِثِ أَعْتَقْ أَبُوكَ فِي الصَّحَّةِ وَقَالَ رَجُلٌ لِّي عَلَى أَبِيكَ أَلْفٌ دِرْهَمٍ فَقَالَ صَدَقْتُمَا فَإِنَّ الْعَبْدَ يَسْعَى فِي قِيَمَتِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رحمۃ اللہ علیہ، وَقَالَ لَا يَسْعَى فِي شَيْءٍ، لِأَنَّ الدَّيْنَ وَالْعِتْقَ فِي الصَّحَّةِ ظَهَرَا مَعًا بِتَصْدِيقِ الْوَارِثِ فِي كَلَامٍ وَاحِدٍ فَصَارَا كَأَنَّهُمَا كَانَا مَعًا، وَالْعِتْقُ فِي الصَّحَّةِ لَا يُوجِبُ السَّعَايَةَ وَإِنْ كَانَ عَلَى الْمُعْتَقِ دَيْنٌ، وَلَهُ أَنْ الْإِقْرَارَ بِاللَّيْنِ أَقْوَى، لِأَنَّهُ يُعْتَبَرُ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ، وَالْإِقْرَارُ بِالْعِتْقِ فِي الْمَرَضِ يُعْتَبَرُ مِنَ الثَّلَاثِ وَالْأَقْوَى يَدْفَعُ الْأَدْنَى فَقَضِيَّتُهُ أَنْ يَبْطُلَ الْعِتْقُ أَصْلًا، إِلَّا أَنَّهُ بَعْدَ وَقُوعِهِ لَا يَحْتَمِلُ الْبُطْلَانَ فَيُدْفَعُ مِنْ حَيْثُ الْمَعْنَى يَأْجِبُ السَّعَايَةَ، وَلِأَنَّ الدَّيْنَ أَسْبَقُ لِأَنَّهُ لَا مَانِعَ مِنَ الْإِسْنَادِ فَيَسْتَنْدُ إِلَى حَالَةِ الصَّحَّةِ وَلَا يُمْكِنُ إِسْنَادُ الْعِتْقِ إِلَى تِلْكَ الْحَالَةِ، لِأَنَّ الدَّيْنَ يَمْنَعُ الْعِتْقَ فِي حَالَةِ الْمَرَضِ مَجَانًا فَتَجِبُ السَّعَايَةُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کوئی غلام چھوڑا اور اس غلام نے وارث سے کہا مجھے تیرے والد نے اپنی صحت کے زمانے میں آزاد کر دیا تھا اور ایک دوسرے شخص نے کہا میرا تیرے باپ پر ایک ہزار درہم قرض ہے اور وارث نے کہا تم دونوں سچے ہو تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں غلام اپنی قیمت میں کمائی کرے گا۔ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ غلام آزاد ہو جائے گا اور کچھ بھی کمائی نہیں کرے گا، کیونکہ ایک کلام سے وارث کی تصدیق سے دین اور عتق دونوں ایک ساتھ بحالت صحت ظاہر ہوئے ہیں تو یہ ایسے ہو گئے

گویا کہ دونوں ایک ساتھ تھے اور حالتِ صحت کا عتق سعاۃ واجب نہیں کرتا اگرچہ معتق پر دین ہو۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ قرض کا اقرار اقویٰ ہے، کیونکہ قرض پورے مال سے معتبر ہوتا ہے اور حالتِ مرض کا اقرار تہائی مال سے معتبر ہوتا ہے اور اقویٰ ادنیٰ کو دور کر دیتا ہے اور اس دفع کا تقاضہ یہ ہے کہ سرے سے عتق باطل ہو جائے گا، لیکن عتق واقع ہونے کے بعد بطلان کا احتمال نہیں رکھتا، لہذا سعاۃ واجب کر کے معنا عتق کو دفع کیا جائے گا۔

اور اس لیے کہ دین مقدم ہے، کیونکہ دین کے اسناد سے کوئی چیز مانع نہیں ہے، لہذا حالتِ صحت کی طرف دین کی اسناد کی جائے گی جب کہ عتق کی حالتِ صحت کی طرف اسناد کرنا ممکن نہیں ہے، کیونکہ حالتِ مرض میں مفت عتق سے دین مانع ہوتا ہے لہذا سعاۃ واجب ہوگی۔

اللغات:

﴿ترك﴾ چھوڑا۔ ﴿عبد﴾ غلام۔ ﴿الف﴾ ایک ہزار۔ ﴿يسعى﴾ کمائی کرے گا۔ ﴿دين﴾ قرض۔ ﴿معتق﴾ آزاد کرنے والا۔ ﴿قضيتہ﴾ اس کا تقاضا ہے۔ ﴿ایجاب﴾ واجب کرنا۔ ﴿اسبق﴾ پہلے کیا۔ ﴿مَجَانًا﴾ مفت، بلا عوض۔

اعتاق کی ایک صورت:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہوا اس نے اپنے ترکہ میں ایک غلام چھوڑا اور اس غلام نے میت کے بیٹے سے کہا کہ بھائی تمہارے والد نے اپنی صحت کے زمانے میں مجھے آزاد کر دیا تھا اس کے بعد ایک دوسرے شخص نے اس بیٹے سے کہا کہ میرا تمہارے والد پر ایک ہزار درہم قرض ہے، میت کے بیٹے نے دونوں کی بات سن کر کہا صدقتما یعنی تم دونوں ٹھیک کہہ رہے ہو تو اس صورت میں غلام آزاد ہو جائے گا اور میت پر الف درہم دین ثابت ہوگا، لیکن حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں غلام پر اپنی قیمت کے بقدر کمائی کرنا واجب ہوگا جب کہ حضراتِ صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں غلام بدون سعاۃ آزاد ہوگا اور اس پر ایک روپیہ کمائی کرنا واجب نہیں ہوگا۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ جب میت کے وارث نے ایک ہی بات صدقتما سے غلام اور قرض دونوں کی تصدیق کی تو یہ واضح ہو گیا کہ عتق اور دین دونوں ایک ساتھ اور بحالتِ صحت واجب ہوئے ہیں اور حالتِ صحت میں واقع ہونے والا عتق سعاۃ اور کمائی واجب نہیں کرتا اگرچہ معتق مدیون اور مقرض ہو لہذا صورتِ مسئلہ میں غلام بدون سعاۃ آزاد ہوگا۔

وله ان الإقرار بالخ: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ دین کا اقرار اور دین عتق سے اقویٰ ہے، یہی وجہ ہے کہ حالتِ مرض کا دین پورے مال سے نافذ ہوتا ہے جب کہ حالتِ مرض کا عتق تہائی مال سے نافذ ہوتا ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ اقویٰ ادنیٰ کو دفع کر دیتا ہے اس لیے صورتِ مسئلہ میں دین جو عتق سے اقویٰ ہے اسے عتق کو یکسر ختم اور باطل کر دینا چاہئے تھا، لیکن عتق ایک مرتبہ واقع ہونے کے بعد بطلان کا احتمال نہیں رکھتا، اس لیے ظاہری اعتبار سے تو ہم اسے باطل نہیں کریں گے، لیکن معنوی اعتبار سے یہ باطل ہو جائے گا اور معنوی اعتبار سے بطلان کی صورت یہی ہے کہ عتق کو نافذ کر کے غلام پر سعاۃ واجب کر دی جائے اسی لیے ہم نے صورتِ مسئلہ میں غلام پر سعاۃ واجب کر دیا ہے۔

ولأن الدين الخ: یہ امام اعظم رحمہ اللہ کی دوسری دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دین حق سے مقدم ہے، کیونکہ دین کو حالت صحت کی طرف منسوب کرنے کا راستہ صاف ہے جب کہ حق کو حالت صحت کی طرف منسوب کرنے میں ایک خرابی تو یہ لازم آئے گی کہ بعد الاوقات کی طرف اس کی اضافت ہوگی حالانکہ امر جدید کو اقرب الاوقات کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور دوسری خرابی یہ لازم آئے گی کہ معتق مقروض ہے اور معتق کا مقروض ہونا حالت مرض میں عتق کے فری اور مفت واقع ہونے سے مانع ہے، اس لیے اس حوالے سے بھی غلام مفت آزاد نہیں ہوگا بلکہ اس پر اپنی قیمت کے بقدر کمائی کر کے وارث کو دینا لازم آئے گا۔

وَعَلَىٰ هَذَا الْخِلَافِ إِذَا مَاتَ الرَّجُلُ وَتَرَكَ أَلْفَ دِرْهَمٍ فَقَالَ رَجُلٌ لِّي عَلَى الْمَيِّتِ أَلْفُ دِرْهَمٍ دَيْنٌ، وَقَالَ الْآخَرُ كَانَ لِي عِنْدَهُ أَلْفُ دِرْهَمٍ وَدِيْعَةٌ فَعِنْدَهُ الْوَدِيْعَةُ أَقْوَىٰ وَعِنْدَهُمَا هُمَا سَوَاءٌ.

ترجمہ: اور اسی اختلاف پر ہے جب کوئی شخص مرا اور ایک ہزار درہم ترکہ چھوڑا پھر ایک شخص نے کہا میرا مرحوم پر ایک ہزار درہم قرض ہے اور دوسرے شخص نے کہا میرے مرحوم کے پاس ایک ہزار درہم ودیعت تھے۔ تو امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں ودیعت اقویٰ ہے اور حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے یہاں دونوں برابر ہیں۔

اللغات:

﴿الف﴾ ہزار۔ ﴿دین﴾ قرض۔ ﴿ودیعة﴾ امانت۔

قرض اور امانت رکھوانے کے دعووں کی صورت میں ترجیح:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہوا، اس کا ترکہ ایک ہزار درہم ہے، ایک شخص آیا اور مرحوم کے وارث سے کہنے لگا کہ میرے ایک ہزار درہم میت پر قرض ہیں، اتنے میں دوسرا شخص آیا اور کہنے لگا کہ میرے ایک ہزار درہم میت کے پاس ودیعت ہیں تو حضرت امام اعظم رحمہم اللہ کے یہاں ودیعت والے کا قول معتبر ہوگا اور وہ ایک ہزار درہم اسے دیئے جائیں گے اور حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے یہاں ودیعت اور دین دونوں کے دعوے دار الف درہم میں برابر شریک ہوں گے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ قرض خواہ اگرچہ دین کا مدعی ہے اور دین ماو جب فی الذمہ ہے، لیکن مدیون کی موت کے بعد اس کا حق عین میں منتقل ہو چکا ہے اور صاحب ودیعت بھی عین ہی کا مدعی ہے تو گویا دونوں عین کے مدعی ہوئے، اس لیے دونوں الف میں شریک ہوں گے۔

حضرت امام اعظم رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ قرض خواہ دین کا مدعی ہے اور دین ماو جب فی الذمہ ہوتا ہے اور صاحب ودیعت ودیعت کا مدعی ہے اور ودیعت کا تعلق عین سے ہوتا ہے، لہذا صورت مسئلہ میں جب عین کا مدعی موجود ہے تو وہ دین کے مدعی کو دفع کر دے گا اور پورا ترکہ میت لے گا۔



فصل

وَمَنْ أَوْصَى بِوَصَايَا مِنْ حُقُوقِ اللَّهِ تَعَالَى قُدِّمَتْ الْفَرَائِضُ مِنْهَا قَدَّمَهَا الْمُوصِي أَوْ أَخَّرَهَا، مِثْلُ الْحَجِّ وَالزَّكَاةِ وَالْكَفَّارَاتِ، لِأَنَّ الْفَرِيضَةَ أَهَمُّ مِنَ النَّافِلَةِ، وَالظَّاهِرُ مِنْهُ الْبِدَايَةُ بِمَا هُوَ الْأَهَمُّ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس شخص نے حقوق اللہ میں سے چند وصایا کی وصیت کی تو ان میں سے فرائض کو مقدم کیا جائے گا خواہ موصی نے انہیں مقدم کیا ہو یا مؤخر کیا ہو جیسے حج، زکوٰۃ اور کفارات، کیونکہ فرض نفل سے اہم ہے اور موصی کی طرف سے ظاہر یہی ہے کہ اہم چیز سے ابتداء ہو۔

اللغات:

﴿قُدِّمَتْ﴾ مقدم کیا جائے گا، پہلے کیا جائے گا۔ ﴿بِدَايَةُ﴾ ابتداء کرنا، شروع کرنا۔

حقوق اللہ کی وصیت میں ترتیب:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کا انتقال ہو جائے اور اس کے ذمہ اللہ تعالیٰ کے حقوق مثلاً نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ یا کفارات میں سے کوئی کفارہ نذر یا صدقہ فطریہ یا کفارہ یمین وغیرہ باقی اور لازم ہو اور مرنے والے نے ان کو ادا کرنے کی وصیت کی ہو تو وراثہ پر ان کی ادائیگی واجب اور لازم ہوگی اور اس بات کو ملحوظ خاطر رکھنا ہوگا کہ وہ سب سے پہلے فرائض ادا کریں اگرچہ مرحوم نے فرائض کی وصیت اور ان کے تذکرے کو نوافل سے مؤخر کیا ہو، لیکن وراثہ کو چاہئے کہ وہ پہلے فرائض ہی ادا کریں اور پھر نوافل پر دھیان دیں، کیونکہ فرائض نوافل سے اہم ہیں اور دستور یہ ہے کہ پہلے اہم کو ادا کیا جاتا ہے پھر اس کے بعد جو دوسرے اور تیسرے نمبر پر ہو اس کا نمبر آتا ہے، لہذا یہاں بھی موصی پر جو حقوق واجب ہیں ان میں سے پہلے اہم کو ادا کیا جائے گا اور بعد میں غیر اہم یعنی نوافل وغیرہ کا نمبر آئے گا۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ اگر موصی نے ان واجبات کو اداء کرنے کی وصیت نہ کی ہو تو وراثہ پر ان کی ادائیگی واجب نہیں ہوگی بلکہ انہیں کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہوگا۔

فَإِنْ تَسَاوَتْ فِي الْقُوَّةِ بُدْيَ بِمَا قَدَّمَهُ الْمُوصِي إِذَا صَاقَ عَنْهَا الثَّلَاثُ، لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّ يَتَدَيُّ بِالْأَهَمِّ، وَذَكَرَ الطَّحَاوِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَتَدَيُّ بِالزَّكَاةِ رِيقَدِمُهَا عَلَى الْحَجِّ وَهُوَ إِحْدَى الرِّوَايَتَيْنِ عَنْ أَبِي بَرْسَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ.

وَفِي رَوَايَةٍ عَنْهُ أَنَّهُ يُقَدِّمُ الْحَجَّ وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ.

ترجمہ: پھر اگر جملہ وصایا قوت میں برابر ہوں تو اس وصیت سے ابتداء کی جائے گی جسے موسیٰ نے مقدم کیا ہو جب کہ ثلث ان تمام وصایا سے تنگ ہو جائے، کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ موسیٰ اہم سے ابتداء کرے گا۔ اور امام طحاویؒ نے ذکر کیا ہے کہ وارث زکوٰۃ سے ابتداء کرے اور اسے حج پر مقدم کرے۔ اور یہی امام ابو یوسفؒ سے دو روایتوں میں سے ایک روایت ہے اور امام ابو یوسفؒ سے دوسری روایت یہ ہے کہ وارث حج کو مقدم کرے گا اور یہی امام محمدؒ کا قول ہے۔

اللغات:

﴿تساوت﴾ برابر ہو گئیں۔ ﴿ہدی﴾ شروع کیا جائے گا۔ ﴿قدمہ﴾ جس کو اس نے پہلے کیا تھا۔ ﴿ضاق﴾ تنگ پڑ جائے۔ ﴿بندی﴾ شروع کرے گا۔

ہم مرتبہ وصایا کی صورت میں ترتیب تقدیم و تاخر:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر موسیٰ کی تمام وصایا قوت اور مرتبے میں برابر ہوں مثلاً سب فرائض ہوں یا سب واجبات ہوں اور ترکے کا ثلث ان کی ادائیگی کے لیے ناکافی ہو تو اس صورت میں موسیٰ نے جسے پہلے بیان کیا ہے اسے ادا کیا جائے گا، مثلاً اس کے ذمے زکوٰۃ بھی ہو اور حج بھی ہو اور موسیٰ نے حج کو مقدم کر کے بیان کیا ہو تو حج کو زکوٰۃ پر مقدم کیا جائے گا، کیونکہ موسیٰ کا ظاہر حال یہی ہے کہ اس نے اہم چیز کو مقدم کیا ہوگا، لہذا اس صورت میں اس کی تقدیم مفید ہوگی۔

وذكر الطحاوی الخ: امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ اگر حج اور زکوٰۃ دونوں موسیٰ کے ذمہ واجب الاداء ہوں تو وارث زکوٰۃ کی ادائیگی کو حج کی ادائیگی پر مقدم کر کے پہلے زکوٰۃ ادا کرے گا اور پھر حج۔ یہی امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت ہے اور امام ابو یوسفؒ کی دوسری روایت یہ ہے کہ اس صورت میں حج کو مقدم کیا جائے گا اور یہی امام محمدؒ کا بھی قول ہے۔

وَجْهُ الْأَوَّلَى أَنَّهُمَا وَإِنْ اسْتَوَيَا فِي الْفَرِيضَةِ فَالزَّكَاةُ تَعْلَقُ بِهَا حَقُّ الْعِبَادِ فَكَانَ أَوَّلَى. وَجْهُ الْآخَرَى أَنَّ الْحَجَّ يُقَامُ بِالْمَالِ وَالنَّفْسِ، وَالزَّكَاةُ بِالْمَالِ قَصْرًا عَلَيْهِ فَكَانَ الْحَجُّ أَقْوَى، ثُمَّ تُقَدَّمُ الزَّكَاةُ وَالْحَجُّ عَلَى الْكُفَّارَاتِ لِمَزِيَّتِهِمَا عَلَيْهَا فِي الْقُوَّةِ إِذْ قَدْ جَاءَ فِيهَا مِنَ الْوَعِيدِ مَا لَمْ يَأْتِ فِي الْكُفَّارَةِ، وَالْكَفَّارَةُ بِالْقَتْلِ وَالظَّهَارِ وَالْيَمِينِ مُقَدَّمَةٌ عَلَى صَدَقَةِ الْفِطْرِ، لِأَنَّهُ عُرِفَا وَجُوبُهَا بِالْقُرْآنِ دُونَ صَدَقَةِ الْفِطْرِ، وَصَدَقَةُ الْفِطْرِ مُقَدَّمَةٌ عَلَى الْأُضْحِيَّةِ لِلِاتِّفَاقِ عَلَى وَجُوبِهَا وَالْإِخْتِلَافِ فِي الْأُضْحِيَّةِ، وَعَلَى هَذَا الْقِيَاسِ يُقَدَّمُ بَعْضُ الْوُجِبَاتِ عَلَى الْبَعْضِ، قَالَ وَمَالَيْسَ بِوَاجِبٍ قَدَّمَ مِنْهُ مَا قَدَّمَهُ الْمُوصِي لِمَا بَيَّنَّا وَصَارَ كَمَا إِذَا صَرَخَ بِذَلِكَ.

ترجمہ: پہلی روایت کی دلیل یہ ہے کہ حج اور زکوٰۃ دونوں اگرچہ فرضیت میں برابر ہیں، لیکن زکوٰۃ کے ساتھ بندوں کا حق متعلق ہے، اس لیے زکوٰۃ اولیٰ ہوگی۔ دوسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ حج مال اور جان دونوں سے ادا کیا جاتا ہے اور زکوٰۃ صرف مال پر منحصر ہو

کر مال ہی سے ادا کی جاتی ہے، لہذا حج اقویٰ ہوگا، پھر حج اور زکوٰۃ تمام کفارات سے مقدم ہوں گے، کیونکہ یہ دونوں قوت میں تمام کفارات سے افضل ہیں، اس لیے کہ ان کے متعلق وہ وعیدیں وارد ہیں جو کفارات کے متعلق نہیں وارد ہیں۔ اور کفارۃ قتل، کفارۃ ظہار اور کفارۃ یمین صدقۃ فطر پر مقدم ہوں گے، اس لیے کہ ان کا وجوب قرآن سے معلوم ہوا ہے نہ کہ صدقۃ فطر کا۔

اور صدقۃ فطر قربانی سے مقدم ہوگا، اس لیے کہ اس کے وجوب پر اتفاق ہے اور اضحیٰ میں اختلاف ہے اور اسی قیاس پر بعض واجبات کو بعض سے مقدم کیا جائے گا۔ فرماتے ہیں کہ جو واجب نہیں ہے، اس میں اسے مقدم کیا جائے گا، جسے موسیٰ نے مقدم کیا ہو اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور یہ ایسا ہو گیا جیسے موسیٰ نے اس کی صراحت کی ہو۔

اللغات:

﴿استویا﴾ دونوں برابر ہو گئے۔ ﴿یقام﴾ قائم کیا جاتا ہے۔ ﴿مزین﴾ فضیلت، قدر۔ ﴿عُرف﴾ پہچانا گیا ہے۔ ﴿اضیحة﴾ قربانی۔

مذکورہ بالا مسائل کے دلائل:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر موسیٰ پر حج اور زکوٰۃ دونوں واجب الا داء ہوں ایک روایت کے مطابق زکوٰۃ کی ادائیگی حج سے مقدم ہوگی، کیونکہ اگرچہ حج اور زکوٰۃ دونوں فرضیت میں مساوی اور برابر ہیں لیکن زکوٰۃ سے حق اللہ کے ساتھ ساتھ حق العباد بھی متعلق ہے، اس لیے حج کی بہ نسبت زکوٰۃ اولیٰ اور اقویٰ ہوگی اور اس کی ادائیگی حج سے مقدم ہوگی۔

دوسری روایت یہ ہے کہ حج کی ادائیگی زکوٰۃ سے مقدم ہوگی، کیونکہ حج مال اور جان دونوں سے ادا کیا جاتا ہے جب کہ زکوٰۃ صرف مال سے ادا کی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ جہاں مال اور جان دونوں چیزیں جمع ہوں وہ اس عبادت سے یقیناً اولیٰ ہوگی، جہاں صرف مال کا معاملہ ہو، اس لیے حج زکوٰۃ سے مقدم ہوگا۔

ثم تقدم الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ زکوٰۃ، حج اور کفارات کے اجتماع کی صورت میں حج اور زکوٰۃ کی ادائیگی کفارات سے مقدم ہوگی، کیونکہ حج اور زکوٰۃ اسلام کے ارکان میں شامل ہیں اور انھیں کفارات وغیرہ پر فوقیت حاصل ہے۔ نیز حج اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے متعلق جو وعیدات مروی ہیں وہ کفارات کے سلسلے میں نہیں وارد ہیں، اس لیے حج اور زکوٰۃ تمام کفارات سے مقدم ہوں گے، ہاں کفارات میں بعض بعض سے مقدم ہوں گے جیسے کفارۃ قتل کفارۃ ظہار اور یمین سے اقویٰ ہے، کیونکہ اس میں عبد معق کا مومن ہونا شرط ہے اور کفارۃ یمین کفارۃ ظہار سے مقدم ہوگا اس لیے کہ کفارۃ یمین اللہ کے نام کی بے حرمتی کی وجہ سے واجب ہوتا ہے جب کہ کفارۃ ظہار کا وجوب بیوی کو اپنے اوپر حرام کرنے سے ہوتا ہے۔

اور یہ تمام کفارات صدقۃ الفطر سے اقویٰ اور مقدم ہوں گے، کیونکہ ان کا وجوب کتاب اللہ سے ہے اور صدقۃ الفطر کا وجوب حدیث سے ہے اور کتاب اللہ سے ثابت شدہ چیز حدیث سے ثابت شدہ چیز کے مقابلے میں اقویٰ ہوتی ہے۔

و صدقة الفطر الخ: فرماتے ہیں کہ صدقۃ فطر اضحیٰ سے اقویٰ اور مقدم ہے، کیونکہ صدقۃ فطر کے وجوب پر فقہاء کا اتفاق ہے جب کہ اضحیٰ کے وجوب میں حضرات فقہاء کی آراء مختلف ہیں اور متفق علیہ امر، مختلف فیہ امر سے اقویٰ ہوتا ہے، و علی هذا القیاس یعنی اسی طرح ایک نوع کے جتنے بھی امور میت پر واجب ہوں گے ان میں سے حسب مراتب تقدم و تاخر ہوگا جیسا کہ

کفارات میں اس کی مثالیں آچکی ہیں۔

ومالیس بواجب الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ جو چیزیں واجب نہیں ہیں اور از قبیل نفل اور تطوع ہیں ان میں اسی چیز کو مقدم کیا جائے گا جنہیں موسیٰ نے مقدم کیا ہو مثلاً اگر موسیٰ نے اپنی طرف سے نفل حج کی وصیت کی ہو یا نفلی اعتاق کی وصیت کی ہو تو ان میں سے جسے موسیٰ نے ذکر اور وصیت میں مقدم کیا ہے، اس کے ورثاء بھی اسی کو مقدم کریں گے، کیونکہ یہ بات طے ہے کہ موسیٰ نے جسے اہم سمجھا ہوگا اسی کو مقدم کیا ہوگا، لہذا اس کی تقدیم کا خیال رکھا جائے گا، جیسا کہ اس صورت میں اس کی تقدیم کو مقدم کیا جاتا ہے جب خود موسیٰ یہ صراحت کر دیتا ہے کہ جسے میں نے پہلے بیان کیا ہے اسی کو پہلے ادا کرنا۔

قَالُوا إِنَّ الثَّلَاثَ يُقَسَّمُ عَلَى جَمِيعِ الْوَصَايَا مَا كَانَ لِلَّهِ تَعَالَى وَمَا كَانَ لِلْعَبْدِ فَمَا أَصَابَ الْقُرْبُ صُرِفَ إِلَيْهَا عَلَى التَّرْتِيبِ الَّذِي ذَكَرْنَاهُ، وَيُقَسَّمُ عَلَى عَدَدِ الْقُرْبِ وَلَا يُجْعَلُ الْجَمِيعُ كَوَصِيَّةٍ وَاحِدَةٍ، لِأَنَّهُ إِنْ كَانَ الْمَقْصُودُ بِجَمِيعِهَا رِضَا اللَّهِ تَعَالَى فَكُلُّ وَاحِدٍ فِي نَفْسِهَا مَقْصُودٌ فَيَنْفَرِدُ كَمَا يَنْفَرِدُ وَصَايَا الْأَدَمِيِّينَ.

ترجمہ: حضرات فقہاء نے فرمایا کہ ثلث کو ان تمام وصایا پر تقسیم کیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کے لیے اور بندے کے لیے ہیں اور جو قربات کے حصے میں آئے اسے قربات پر اسی طریقہ کے مطابق تقسیم کیا جائے گا جسے ہم بیان کر چکے ہیں اور قربات کے عدد پر تقسیم کیا جائے گا اور تمام قربات کو وصیت واحدہ کی طرح نہیں قرار دیا جائے گا، اس لیے کہ اگرچہ تمام سے خدا تعالیٰ کی خوشنودی مقصود ہے لیکن ہر ہر قربت بذات خود مقصود ہے لہذا ہر قربت اسی طرح منفرد ہوگی، جیسے چند لوگوں کی وصیتیں منفرد ہوتی ہیں۔

اللغات:

﴿يُقَسَّمُ﴾ تقسیم کیا جائے گا۔ ﴿أَصَابَ﴾ پہنچا، حصے میں آیا۔ ﴿صُرِفَ﴾ پھرا جائے گا۔ ﴿قُرْبُ﴾ واحد قربہ؛ نیکیاں۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد کے جمع کر دینے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر میت نے، حج، زکوٰۃ اور کفارات کی وصیت کی اور کسی شخص کے لیے ثلث مال کی وصیت کی تو ان میں سے تین حقوق اللہ ہیں اور ایک حق العبد ہے اور ترکہ ثلث ہے تو اس ثلث کے چار حصے کئے جائیں گے، جن میں سے تین حصے حقوق اللہ کے ہوں گے اور ایک حصہ حق العبد ہوگا اور پھر حقوق اللہ کے حصوں میں ثلث سے جو مال آئے گا اسے ماقبل میں بیان کردہ ہماری ترتیب کے مطابق جو حق مقدم ہے اسی میں پہلے صرف کیا جائے گا یعنی زکوٰۃ کو حج سے مقدم کیا جائے گا اور حج دیگر کفارات سے مقدم ہوگا۔

ويقسم على عدد القرب الخ: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ ثلث کو قربات کی تعداد پر تقسیم کیا جائے گا اور تمام قربات کو ایک وصیت قرار دے کر اور حق العبد کو دوسری وصیت قرار دے کر ثلث کو محض دو حصوں پر تقسیم نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اگرچہ تمام قربات کا مقصد ایک ہے یعنی اللہ کی رضا لیکن ہر ہر قربت بذات خود مقصود ہے اور مرحوم کی مطلوب ہے، اس لیے انھیں علاحدہ علاحدہ شمار کیا جائے گا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے میت نے فقراء کے لیے بھی وصیت کی اور مسافروں کے لیے بھی وصیت کی تو ان میں سے دونوں کو الگ الگ شمار کر کے ہر ایک کا حصہ الگ الگ متعین کیا جائے گا، اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی ہر ہر قربت کا حصہ الگ الگ ہوگا ہاں جو مقدم ہوگی اسے مقدم کیا جائے گا۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصَى بِحَاجَّةِ الْإِسْلَامِ أَحْبَبُوا عَنْهُ رَجُلًا مِنْ بَلَدِهِ يُحْجُّ رَاكِبًا، لِأَنَّ الْوَاجِبَ لِلَّهِ تَعَالَى الْحَجُّ مِنْ بَلَدِهِ وَلِهَذَا يُعْتَبَرُ فِيهِ مِنَ الْمَالِ وَمَا يَكْفِيهِ مِنْ بَلَدِهِ، وَالْوَصِيَّةُ لِأَدَاءِ مَا هُوَ الْوَاجِبُ عَلَيْهِ، وَإِنَّمَا قَالَ رَاكِبًا لِأَنَّهُ لَا يَلْزَمُهُ أَنْ يَحْجَّ مَاشِيًا فَانْصَرَفَ إِلَيْهِ عَلَى الْوَجْهِ الَّذِي وَجَبَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: جس شخص نے حج اسلام کی وصیت کی، اس کے ورثاء اس کی طرف سے ایک شخص کو موصی کے شہر سے حج کرائیں گے جو سوار ہو کر حج کرنے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے اس کے شہر سے حج کرنا واجب ہے، اسی لیے وجوب حج میں اتنا مال معتبر ہوگا جو موصی کے لیے اس کے شہر سے کافی ہو اور وصیت اسی چیز کی ادائیگی کے لیے ہے جو موصی پر واجب ہے، اور امام قدوری رحمہ اللہ نے راکب فرمایا ہے، اس لیے کہ موصی پر پیدل حج کرنا لازم نہیں ہے لہذا دوسرے پر اسی طرح حج پھرے گا جس طرح موصی پر واجب ہے۔

اللغات:

﴿أَحْبَبُوا﴾ حج کروائیں گے۔ ﴿رَاكِبًا﴾ سوار۔ ﴿مَاشِيًا﴾ پیدل چلنے والا۔ ﴿انْصَرَفَ﴾ پھر گیا۔

حج کی وصیت کو پورا کرنے کا طریقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص پر حج فرض تھا لیکن اپنی زندگی میں وہ حج نہ کر سکا اور مرتے وقت اس نے وصیت کی کہ میری طرف سے حج کر دیا جائے تو اس کے ورثاء پر لازم ہے کہ موصی کی طرف سے ایک شخص کو حج کرائیں اور اسے اتنی رقم دیں کہ وہ سواری کے ذریعے موصی کے شہر سے حج کر سکے، اس لیے کہ یہ حج بدل ہے اور چوں کہ موصی پر بھی اپنے شہر سے بذریعہ سواری حج کرنا لازم تھا، کیونکہ موصی کے پاس اس قدر مال موجود تھا، اسی لیے اس پر حج فرض ہوا تھا، لہذا جس طرح اصل حج فرض تھا اسی طرح حج بدل کرایا جائے گا تاکہ بدل ہر طرح سے اصل کے مماثل ہو جائے۔

قَالَ فَإِنْ لَمْ تَبْلُغِ الْوَصِيَّةُ النَّفَقَةَ أَحْبَبُوا عَنْهُ مِنْ حَيْثُ تَبْلُغُ، وَفِي الْقِيَاسِ لَا يَحْجُّ عَنْهُ، لِأَنَّهُ أَمَرَ بِالْحَجِّ عَلَى صِفَةِ عِدْمَانَهَا فِيهِ غَيْرُ أَنَا جَوَزْنَاهُ، لِأَنَّا نَعْلَمُ أَنَّ الْمُوصِي قَصَدَ تَنْفِيذَ الْوَصِيَّةِ فَيَجِبُ تَنْفِيذُهَا مَا أُمْكَنَ، وَالْمُمْكِنُ فِيهِ مَا ذَكَرْنَاهُ وَهُوَ أَوْلَى مِنْ إِبْطَالِهَا رَأْسًا وَقَدْ فَرَّقْنَا بَيْنَ هَذَا وَبَيْنَ الْوَصِيَّةِ بِالْعَتَقِ مِنْ قَبْلُ.

ترجمہ: پھر اگر وصیت نفقہ کو نہ پہنچے تو جہاں سے پہنچ سکے تو ورثاء اس کی طرف سے حج کرائیں اور قیاس میں اس کی طرف سے حج نہ کرایا جائے، کیونکہ موصی نے ایسی صفت پر حج کرنے کا حکم دیا ہے جو صفت اس کے مال میں ہم نے معدوم پائی ہے، لیکن ہم نے اسے جائز قرار دیا ہے، اس لیے کہ ہمیں معلوم ہے کہ موصی نے وصیت نافذ کرنے کا ارادہ کیا ہے لہذا حتی الامکان اس کی تنفیذ واجب ہوگی اور اس میں وہی صورت ممکن ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور یہ بالکلیہ وصیت باطل کرنے سے اولیٰ ہے۔ اور وصیت بائع اور وصیت بالعق کے مابین جو فرق ہے اسے ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔

اللغات:

﴿نَفَقَةً﴾ خرچہ، اخراجات۔ ﴿أَحْبَبُوا﴾ حج کروائیں گے۔ ﴿عِدْمَانَهَا﴾ ہمیں نہیں ملی۔ ﴿جَوَزْنَاهُ﴾ ہم نے اجازت

دی ہے۔ ﴿وَإِذَا سَأَلَ بِالسُّؤَالِ كُلِّ مَكَانٍ﴾ بالکل مکمل طور پر۔

حج کی وصیت کو پورا کرنے کا طریقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ موسیٰ نے وصیت کی کہ میرے مال سے بستی ضلع سے میری طرف سے حج کرایا جائے، لیکن اس کے مال کا ثلث بستی سے حج کے لیے ناکافی ہے اور اتنے مال میں ممیٰ سے حج ہو سکتا ہے تو استحساناً ممیٰ سے حج کرایا جائے گا، لیکن قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ موسیٰ کی طرف سے حج نہ کرایا جائے، کیونکہ موسیٰ نے بستی ضلع سے حج کرانے کی وصیت کی ہے اور ممیٰ سے حج کرانے میں یہ صفت معدوم ہے، لہذا من کل وجہ اس کی وصیت کو نافذ کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے اس کی یہ وصیت ہی باطل ہے۔ لیکن استحساناً جہاں سے ممکن ہو موسیٰ کی طرف سے حج کرا دیا جائے، اس لیے کہ موسیٰ کا مقصد فریضہ حج کی ادائیگی ہے لہذا جہاں تک اور جہاں سے ممکن ہو سکے اس کی تکمیل کی جائے اور تکمیل اسی صورت میں ہوگی جو ہم نے بیان کی ہے کہ شہر موسیٰ کے علاوہ دوسرے شہر سے حج کرا کے اس کی وصیت نافذ کر دی جائے اور وصیت کو یکسر باطل نہ کیا جائے، کیونکہ ضابطہ ہے مَا لَا يُدْرِكُ كَلَهُ لَا يُتْرَكُ كَلَهُ یعنی جس چیز کو تمام تر لوازمات کے ساتھ حاصل نہیں کیا جاسکتا اسے یکسر چھوڑا بھی نہیں جاسکتا۔

وقد فرقنا الخ: صاحب ہدایہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں وصیت بائع اور وصیت بائع میں جو فرق ہے اسے ہم ماقبل میں بیان کر چکے ہیں۔

قَالَ وَمَنْ خَرَجَ مِنْ بَلَدِهِ حَاجًّا فَمَاتَ فِي الطَّرِيقِ وَأَوْصَى أَنْ يُحَجَّ عَنْهُ يُحَجَّ عَنْهُ مِنْ بَلَدِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرٍ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَقَالَ أَبُو يُونُسَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ يُحَجَّ عَنْهُ مِنْ حَيْثُ بَلَغَ اسْتِحْسَانًا، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ إِذَا مَاتَ الْحَاجُّ عَنْ غَيْرِهِ فِي الطَّرِيقِ، لَهُمَا أَنْ السَّفَرُ بِنَيْتِ الْحَجِّ وَقَعَ قُرْبَةً وَسَقَطَ قَرْضُ قَطْعِ الْمَسَافَةِ بِقُدْرِهِ وَقَدْ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ فَيَسْتَدُ مِنْ ذَلِكَ الْمَكَانِ كَأَنَّهُ مِنْ أَهْلِهِ، بِخِلَافِ سَفَرِ التِّجَارَةِ، لِأَنَّهُ لَمْ يَقَعْ قُرْبَةً فَيَحَجَّ عَنْهُ مِنْ بَلَدِهِ، وَلَهُ أَنْ الْوَصِيَّةُ تَنْصَرِفَ إِلَى الْحَجِّ مِنْ بَلَدِهِ عَلَى مَا قَرَّرْنَاهُ إِذَا لَوْلَا جِبَ عَلَى الْوُجْهِ الَّذِي وَجَبَ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جو شخص حج کا ارادہ کر کے اپنے شہر سے نکلا اور راستے میں مر گیا اور یہ وصیت کر گیا کہ اس کی طرف سے حج کیا جائے تو حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں اس کے شہر سے حج کرایا جائے گا اور یہی امام زفر رحمہ اللہ کا قول ہے۔ حضرات صاحبین رحمہم فرماتے ہیں کہ استحساناً اس جگہ سے حج کرایا جائے گا جہاں وہ پہنچ چکا تھا۔ اور اسی اختلاف پر ہے جب دوسرے کی طرف سے حج کرنے والا راستے میں مر جائے۔

حضرات صاحبین رحمہم کی دلیل یہ ہے کہ حج کی نیت سے سفر قربت واقع ہو چکا ہے اور اس مکان کے بقدر قطع مسافت کا فریضہ ساقط ہو چکا ہے اور اللہ کے یہاں اس کا اجر ثابت ہو چکا ہے، لہذا اسی جگہ سے ابتداء کی جائے گی گویا کہ موسیٰ وہیں کا باشندہ ہے۔ برخلاف سفر تجارت کے، کیونکہ وہ قربت واقع نہیں ہوا ہے، لہذا موسیٰ کی جانب سے اس کے شہر سے حج کرایا جائے گا۔

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ موسیٰ کے شہر سے حج کرانے کی طرف وصیت لوٹ جائے گی اس تفصیل کے مطابق جسے ہم بیان کر چکے ہیں تاکہ واجب کو واجب شدہ طریقے کے مطابق ادا کیا جاسکے۔ واللہ اعلم۔

اللغات:

﴿حاج﴾ حج کرنے والا۔ ﴿طریق﴾ راستہ۔ ﴿أوصی﴾ وصیت کی۔ ﴿یحتج﴾ حج کیا جائے۔ ﴿بلدہ﴾ اس کا شہر۔ ﴿بلغ﴾ پہنچ جائے۔ ﴿قربة﴾ عبادت کا کام۔ ﴿تنصرف﴾ پھر جائے گا۔

حج کے راستے میں مرنے والے کی وصیت بالْحَج:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص اپنے گھر سے خالص حج کے ارادے سے نکلا، راستے میں وہ بیمار ہوا اور اس نے اپنی طرف سے حج کرائے جانے کی وصیت کی پھر اس کا انتقال ہو گیا تو اس کے ورثاء پر اس کی طرف سے حج کرانا لازم ہے، لیکن حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں مرحوم کے شہر سے کسی کو بھیج کر حج کرایا جائے گا امام زفر رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں جب کہ حضرات صاحبین رحمہم فرماتے ہیں کہ جس جگہ اس شخص کی وفات ہوئی ہے وہاں سے کسی کو اس کی طرف سے حج کے لیے بھیجا جائے گا اور حضرات صاحبین رحمہم کا یہ قول استحسان پر مبنی ہے۔

ایسے ہی اگر کوئی شخص کسی کی طرف سے حج بدل کے لیے جا رہا تھا اور راستے میں اس کا انتقال ہو گیا تو حضرات صاحبین رحمہم کے یہاں مقام وفات سے دوسرے کو بھیجا جائے گا جب کہ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ اور امام زفر رحمہم کے یہاں موسیٰ کے شہر سے بھیجا جائے گا۔

لہما الخ: حضرات صاحبین رحمہم کی دلیل یہ ہے کہ جب ایک شخص اپنے گھر سے بیت حج نکلا ہے تو جتنی مسافت طے کر کے وہ مرا ہے وہ سب قربت شمار ہوگی اور اس مسافت کے بقدر اس کے ذمے سے مسافت کا فریضہ ساقط ہو جائے گا اور اسے اتنی مسافت طے کرنے کا پورا ثواب ملے گا، لہذا جہاں سے مسافت باقی ہے وہاں سے کسی کو بھیج کر اس مرحوم کی طرف سے حج کرایا جائے گا اور یہ سمجھا جائے گا کہ مرحوم اسی جگہ کا باشندہ ہے اس لیے اس کی طرف سے اسی جگہ سے حج کرایا جا رہا ہے۔

اس کے برخلاف اگر کوئی شخص تجارت کی نیت سے مکہ مکرمہ جا رہا تھا اور راستے میں اس کا انتقال ہونے لگا اسی دوران وہ حج کی وصیت کر کے مر گیا تو اس کی طرف سے اس کے شہر ہی سے حج کرایا جائے گا، کیونکہ اس شخص نے جو مسافت طے کی ہے وہ قربت نہیں واقع ہوئی ہے اور نہ ہی اس مقدار میں اس کی طرف سے فریضہ ساقط ہوا ہے اس لیے اس شخص کی طرف سے تو بالاتفاق اس کے شہر سے حج کرایا جائے گا۔

وله ان الوصیۃ الخ: حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جب حاجی حج مکمل کرنے سے پہلے ہی جاں بحق ہو گیا تو اس کا سفر حج کے لیے نہیں شمار کیا جائے گا بل کہ وہ اور تاجر دونوں برابر ہوں گے اور جس طرح تاجر کی وصیت میں اس کے شہر سے حج کرایا جاتا ہے اسی طرح اس شخص کی وصیت میں بھی حج کی ابتداء اس کے شہر سے ہوگی، کیونکہ ما قبل میں یہ مسئلہ آچکا ہے کہ اگر کوئی شخص حج کی وصیت کرے تو اس کا حج اس کے شہر سے کرایا جاتا ہے تاکہ حج جن صفات کے ساتھ اصل پر واجب تھا انھی صفات کے ساتھ بدل اور نائب بھی اسے ادا کرے۔

بَابُ الْوَصِيَّةِ لِلْأَقَارِبِ وَغَيْرِهِمْ

یہ باب اقارب اور غیر اقارب کے لیے وصیت کرنے کے بیان میں ہے

اس سے پہلے عام لوگوں کے لیے وصیت کرنے کے مسائل بیان کئے گئے ہیں اور اب اس باب میں مخصوص لوگوں کے لیے وصیت کا بیان ہے اور یہ طے شدہ امر ہے کہ عام خاص سے مقدم ہوتا ہے، اسی لیے صاحب ہدایہ نے عموم والے ابواب کو پہلے بیان کیا ہے اور اب یہاں سے مخصوص ابواب کا بیان ہے۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصَى لِجِيرَانِهِ فَهُمْ الْمَلَاصِقُونَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ وَقَالَا هُمْ الْمَلَاصِقُونَ وَغَيْرُهُمْ مِمَّنْ يَسْكُنُ مَحَلَّةَ الْمُوصِي وَيَجْمَعُهُمْ مَسْجِدُ الْمَحَلَّةِ، وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ، وَقَوْلُهُ قِيَاسٌ، لِأَنَّ الْجَارَ مِنَ الْمَجَاوِرَةِ وَهِيَ الْمَلَاصِقَةُ حَقِيقَةً وَلِهَذَا يَسْتَحِقُّ الشُّفْعَةَ بِهَذَا الْجَوَارِ، وَلِأَنَّهُ لَمَّا تَعَدَّرَ صَرْفُهُ إِلَى الْجَمِيعِ يُصْرَفُ إِلَى أَحْصَى الْخُصُوصِ وَهُوَ الْمَلَاصِقُ. وَجَهُ الْإِسْتِحْسَانِ أَنَّ هَؤُلَاءِ كُلُّهُمْ يَسْمُونُ جِيرَانًا عَرَفًا، وَقَدْ تَأَيَّدَ بِقَوْلِهِ ①

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "لَا صَلَاةَ لَجَارِ الْمَسْجِدِ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ" وَقَسْرَهُ بِكُلِّ مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ، وَلِأَنَّ الْمَقْصِدَ بِرُ الْجِيرَانِ وَاسْتِحْبَابَهُ يَنْتَظِمُ الْمَلَاصِقَ وَغَيْرَهُ إِلَّا أَنَّهُ لَا بُدَّ مِنَ الْإِخْتِلَاطِ وَذَلِكَ عِنْدَ اتِّحَادِ الْمَسْجِدِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنے پڑوسیوں کے لیے وصیت کی تو امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں موصی لہم ملاصقون ہیں۔ حضرات صاحبین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ملاصقون بھی ہیں اور ان کے علاوہ وہ لوگ بھی ہیں جو موصی کے محلے میں سکونت پذیر ہیں اور جنہیں محلے کی مسجد جمع کرتی ہے اور یہ استحسان ہے اور امام اعظم رحمہم اللہ کا قول قیاس ہے۔ اس لیے کہ جار مجاورۃ سے مشتق ہے اور مجاورۃ حقیقت میں ملاصقہ ہے، اسی لیے ملاصق اسی جوار کی وجہ سے مستحق شفعہ ہوتا ہے۔ اور اس لیے کہ جب تمام پڑوسیوں کی طرف وصیت پھیرنا معتذر ہے تو اسے سب سے خاص کی طرف پھیرا جائے گا اور وہ ملاصق ہے۔

استحسان کی دلیل یہ ہے کہ یہ تمام لوگ عرف میں جیران کہے جاتے ہیں اور حضرت نبی اکرم ﷺ کے فرمان سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد ہی میں ہوتی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر ہر اس شخص کے ساتھ کی ہے جو اذان سنے۔ اور اس لیے کہ وصیت کا مقصد پڑوسیوں کے ساتھ بھلائی کرنا ہے اور بڑ کا استحباب ملاصق اور غیر ملاصق دونوں کو شامل ہے، تاہم

اختلاط ضروری ہے اور اختلاط اتحاد مسجد کی صورت میں حاصل ہو جائے گا۔

اللغات:

﴿جیران﴾ واحد جار؛ پڑوسی۔ ﴿ملاصقون﴾ ساتھ ملے ہوئے۔ ﴿یسکن﴾ رہائش پذیر ہوتا ہے۔ ﴿مجاورة﴾ ہم نشینی، ساتھ۔ ﴿ملاصقة﴾ ساتھ ملا ہوا ہونا۔ ﴿یسمون﴾ بلائے جاتے ہیں۔ ﴿تأید﴾ پکا ہو گیا۔ ﴿نداء﴾ پکار، مراد اذان۔ ﴿تبر﴾ نیکی کرنا، بھلا کرنا۔ ﴿لابد﴾ ناگزیر ہے۔

تخریج:

① أخرجه الحاكم في المستدرک فی کتاب الصلاة، حدیث: ۲۲۵/۸۹۸.

”پڑوسیوں“ کے لیے وصیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے وصیت کی کہ میرے مال کا تہائی حصہ میرے پڑوسیوں کے لیے ہے تو امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں پڑوسیوں سے وہ پڑوسی مراد ہوں گے جن کے گھر موصی کے گھر سے متصل ہوں اور قیاس بھی اسی کا مقتضی ہے جب کہ حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے یہاں جیران سے وہ پڑوسی مراد ہوں گے جن کے گھر موصی کے گھر سے ملے ہوں اور وہ پڑوسی بھی مراد ہوں گے جو موصی کے محلے میں رہتے ہوں اور وہ لوگ بھی مراد ہوں گے جو محلہ کی مسجد میں نماز پڑھتے ہوں اور یہ قول استحسان پر مبنی ہے۔ حضرت امام اعظم رحمہم اللہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ لفظ جار مجاورت سے مشتق ہے اور مجاورۃ کے حقیقی اور اصلی معنی ہیں ملاصقت اور اتصال لہذا اس معنی کے پیش نظر جن پڑوسیوں کے گھر موصی کے گھر سے متصل ہوں گے وہی لوگ وصیت کے مستحق ہوں گے یہی وجہ ہے کہ شفعہ کا مستحق بھی جار ملاصق ہی ہوتا ہے اور اس کے ہوتے ہوئے محلہ یا مسجد کے پڑوسی مستحق شفعہ نہیں ہوتے۔ لہذا جار ملاصق جس طرح دیگر پڑوسیوں کو شفعہ سے محروم کر دیتا ہے اسی طرح یہ دوسروں کو وصیت سے بھی محروم کر دے گا۔

ولأنه لما تعدد النخ: حضرت الامام کی دوسری دلیل یہ ہے کہ موصی نے مطلق جیران کے لیے وصیت کی ہے اور اس اطلاق میں اس کے تمام پڑوسی شامل ہیں، لیکن ان تمام کو ثلث میں سے حصہ دینا ناممکن اور معذر ہے، اس لیے اس وصیت کو مطلق کے فرد کامل یعنی انحصار الخاص جیران کی طرف پھیرا جائے گا اور انحصار الخاص جیران وہی لوگ ہیں جن کے گھر موصی کے گھر سے متصل اور ملاصق ہیں، لہذا اس حوالے سے بھی جیران سے ملاصقون مراد ہوں گے۔

وجه الاستحسان النخ: استحسان کی دلیل یہ ہے کہ جو لوگ ایک محلہ میں رہتے ہیں اور ایک مسجد میں نماز پڑھتے ہیں وہ سب عرفاً آپس میں پڑوسی کہلاتے ہیں۔ اس کی تائید آپ مکی رحمہم اللہ کے اس فرمان مقدس سے بھی ہوتی ہے لاصلوۃ لجار المسجد إلا فی المسجد کہ مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد ہی میں مقبول ہوتی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کی تفسیر یہ منقول ہے کہ جو شخص اذان سنے وہ جار ہے معلوم ہوا ہے کہ جار وہی نہیں ہے جس کا گھر مسجد سے متصل ہو، اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی جار اور جیران کا اطلاق ان لوگوں کے ساتھ خاص نہیں ہوگا جن کے مکانات موصی کے گھر سے متصل ہوں گے، بل کہ اس میں وہ تمام لوگ داخل ہوں گے جو موصی کے محلہ کے باشندہ ہوں گے یا اس کی مسجد کے نمازی ہوں گے۔

ولأن المقصد الخ: اس سلسلے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ موصی کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بھلائی کرے اور بھلائی جارِ ملاصق اور جارِ غیر ملاصق دونوں کو شامل ہے اور غیر ملاصق میں اختلاط مسجد سے ہوگا، اسی لیے یجمعہم مسجد المحلہ سے اسی کو آشکارا کیا گیا ہے اور اسی میل جول اور اختلاط کی نشان دہی کی گئی ہے۔

وَمَا قَالَه الشَّافِعِيُّ رحمۃ اللہ علیہ الْجَوَارُ إِلَى أَرْبَعِينَ دَارًا بَعِيدًا وَمَا يُرَوَى ① فِيهِ ضَعِيفٌ، وَقَالُوا وَيَسْتَوِي فِيهِ السَّائِكُنُ وَالْمَالِكُ وَالذَّكْرُ وَالْأُنْثَى وَالْمُسْلِمُ وَالذِّمِّيُّ، لِأَنَّ اسْمَ الْجَارِيَّةِ يَتَنَاوَلُهُمْ، وَيَدْخُلُ فِيهِ الْعَبْدُ السَّائِكُنُ عِنْدَهُ لِإِطْلَاقِهِ، وَلَا يَدْخُلُ عِنْدَهُمَا لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ لَهُ وَصِيَّةٌ لِمَوْلَاهُ وَهُوَ غَيْرُ سَائِكِنٍ.

ترجمہ: اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ پڑوس چالیس گھروں تک ہے یہ بعید ہے اور اس سلسلے میں جو حدیث روایت کی جاتی ہے وہ ضعیف ہے، حضرات مشائخ رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا کہ اس میں ساکن، مالک، مرد، عورت، مسلمان ذمی سب برابر ہیں، کیونکہ لفظ جار ان سب کو شامل ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں رہنے والا غلام بھی اس میں داخل ہوگا اور حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں وہ غلام داخل نہیں ہوگا، کیونکہ غلام کے لیے وصیت اس کے مولیٰ کی وصیت ہے حالانکہ مولیٰ ساکن نہیں ہے۔

اللغات:

﴿جوار﴾ پڑوس۔ ﴿اربعین﴾ چالیس۔ ﴿ساکن﴾ رہائش پذیر۔ ﴿ذکر﴾ مذکر۔

تخریج:

① اخرجہ البیہقی فی السنن الکبریٰ فی کتاب الوصایا، حدیث رقم: ۱۲۶۱۲۔
”جوار“ کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے:

فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے جو یہ منقول ہے کہ لفظ جار کا اطلاق چاروں طرف سے دس گھروں کو شامل ہے یہ بات بعید از فہم ہے اور اس سلسلے میں انہوں نے جس روایت سے استدلال کیا ہے وہ ضعیف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے استدلال کیا ہے جس کو بیہقی نے روایت کیا ہے: عن عائشة رضی اللہ عنہا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال أوصاني جبرئيل عليه السلام بالجار إلى أربعين دارا عشرة من ههنا وعشرة من ههنا وعشرة من ههنا وعشرة من ههنا ولكن یہ روایت ضعیف اور ناقابل استدلال ہے، کیونکہ اس میں ایک راوی منکر الحدیث ہے۔

قالوا ويستوي الخ: حضرات مشائخ رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ لفظ جار میں مالک، کرایہ دار، مرد، عورت، مسلمان اور ذمی سب داخل ہیں، اس لیے کہ لفظ جار ان سب کو شامل ہے اسی طرح اگر کوئی غلام موصی کے محلے میں کرایے پر رہتا ہو تو وہ بھی جار میں داخل ہوگا، کیونکہ لفظ جار مطلق ہے اور حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں وہ غلام اس میں داخل نہیں ہوگا، کیونکہ غلام کے لیے جو وصیت ہے وہ درحقیقت اس کے مولیٰ کی وصیت ہے اور مولیٰ اس محلے کا باشندہ نہیں ہے، اس لیے حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں عبد ساکن وصیت میں داخل نہیں ہوگا۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصَى لِأَصْهَارِهِ فَلَوْصِيَّةٌ لِكُلِّ ذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْ إِمْرَأَتِهِ لِمَا رَوَى أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا تَزَوَّجَ صَفِيَّةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَعْتَقَ كُلَّ مَنْ مَلَكَ مِنْ ذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهَا إِكْرَامًا لَهَا، وَكَانُوا يُسَمُّونَ أَصْهَارَ النَّبِيِّ ﷺ وَهَذَا التَّفْسِيرُ اخْتِيَارُ مُحَمَّدٍ وَأَبِي عُبَيْدَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے اصہار کے لیے وصیت کی تو اس کی بیوی کے ہر ذی رحم محرم کے لیے وصیت ہوگی اس واقعہ کی وجہ سے جو مروی ہے کہ آپ ﷺ نے جب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو جو بھی ان کے ذی رحم محرم کا مالک تھا اس نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے اکرام میں اسے آزاد کر دیا تھا۔ اور یہ لوگ حضرت نبی کریم ﷺ کے اصہار کے نام سے موسوم تھے اور یہ تفسیر حضرت امام محمد اور ابو عبیدہ کی اختیار کردہ ہے۔

اللَّغَاتُ:

﴿اصہار﴾ واحد صہر؛ سسرالی رشتہ دار۔ ﴿تزوج﴾ شادی کی۔

تخریج:

① أخرجه ابوداؤد في كتاب العتق باب بيع المكاتب اذا فسخت المكاتب، حديث رقم: ۳۹۳۱.

”سسرالی رشتہ داروں“ کے لیے وصیت میں کون کون داخل ہوگا:

اصہار صہر کی جمع ہے جس کے معنی ہیں خسر۔ عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے اصہار کے لیے وصیت کی تو اس وصیت میں بیوی کے تمام ذی رحم محرم لوگ داخل ہوں گے اور ان تمام لوگوں کو وصیت ملے گی، اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے جب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تھا تو اس وقت حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے جتنے بھی ذی رحم محرم حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ملکیت تھے سب نے ان تمام لوگوں کو آزاد کر دیا تھا اور یہ لوگ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصہار سے مشہور و معروف تھے۔

صاحب ہدایہ نے یہاں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ کیا ہے، لیکن یا تو یہ کاتب کا سہو ہے یا پھر مصنف علیہ الرحمہ کا تسامح ہے، کیونکہ اصہار کا یہ واقعہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا نہیں ہے، بل کہ یہ واقعہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا ہے۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا غزوہ بنو المصطلق میں قیدیوں کے ساتھ قید ہو کر آئیں اور حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصے میں پڑیں، لیکن ان سے عقد کتابت کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں بدل کتابت کے متعلق سوال کرنے کی غرض سے حاضر ہوئیں اس پر آپ ﷺ نے ان کا بدل کتابت ادا کر کے ان سے نکاح فرمالیا۔ حضرات صحابہ کو جب یہ اطلاع ملی کہ حضرت نے ان سے نکاح فرمالیا ہے تو جس صحابی کے قبضے میں بنو المصطلق کا کوئی قیدی تھی اس صحابی نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے اعزاز میں اسے آزاد کر دیا تھا اور علت یہ بیان کی گئی تھی کہ یہ لوگ اب حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصہار ہیں۔ یہ ہے اصل واقعہ، لیکن تسامح سے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کی جگہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا نام لکھ دیا گیا ہے۔

وَكَذَا يَدْخُلُ فِيهِ كُلُّ ذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْ زَوْجَةِ أَبِيهِ وَزَوْجَةِ ابْنِهِ وَزَوْجَةِ كُلِّ ذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ، لِأَنَّ الْكُلَّ أَصْهَارٌ.

ترجمہ: اسی طرح اس میں موصی کے باپ کی بیوی کا ہر ذی رحم محرم داخل ہے اور موصی کے بیٹے کی بیوی کا اور موصی کے ہر ذی رحم محرم کی بیوی کا بھی ہر ذی رحم محرم داخل ہے، اس لیے کہ یہ سب اصہار ہیں۔
”سرا لی رشتہ داروں“ کے لیے وصیت میں کون کون داخل ہوگا:

مسئلہ یہ ہے کہ لفظ اصہار عام ہے لہذا اس میں جس طرح اپنی بیوی کے ذورحم محرم داخل ہیں، اسی طرح باپ کی بیوی کے ذورحم محرم، بیٹے کی بیوی کے ذورحم محرم اور ہر ذورحم محرم کی بیوی کے ذورحم محرم داخل ہیں، کیونکہ یہ سب اصہار ہیں اور لفظ اصہار کے تحت داخل اور شامل ہیں۔

وَلَوْ مَاتَ الْمُوصِي وَالْمَرْأَةُ فِي نِكَاحِهِ أَوْ فِي عِدَّتِهِ مِنْ طَلَاقٍ رَجَعِيٍّ فَالْصَّهْرُ يَسْتَحِقُّ الْوَصِيَّةَ، وَإِنْ كَانَتْ فِي عِدَّةٍ مِنْ طَلَاقٍ بَائِنٍ لَا يَسْتَحِقُّهَا، لِأَنَّ بَقَاءَ الصَّهْرِيَّةِ بَقَاءَ النِّكَاحِ وَهُوَ شَرْطٌ عِنْدَ الْمَوْتِ.

ترجمہ: اور اگر موصی مر جائے اور بیوی اس کے نکاح میں ہو یا طلاق رجعی سے اس کی عدت میں ہو تو خسر وصیت کا مستحق ہوگا۔ اور اگر بیوی طلاق بائن کی عدت میں ہو تو صہر مستحق وصیت نہیں ہوگا، کیونکہ صہریت کی بقاء بقائے نکاح سے ہوتی ہے اور موت کے وقت نکاح کی بقاء شرط ہے۔

اللَّغَاتُ:

﴿موصی﴾ وصیت کرنے والا۔ ﴿صہر﴾ سرا لی رشتہ دار۔ ﴿صہریہ﴾ سرا لی رشتہ داری۔

مذکورہ بالا صورت میں بیوی کی حیثیت کا مسئلہ پر اثر:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ اگر موصی کے انتقال کے وقت اس کی بیوی اس کے نکاح میں ہو یا اس کی طلاق رجعی کی عدت میں ہو تو صہر مستحق وصیت ہوگا، کیونکہ بقائے نکاح سے رشتہ زوجیت قائم ہے اور صہریت اسی پر مبنی ہے، لہذا جب زوجیت قائم ہے تو صہریت بھی قائم ہوگی اور صہر مستحق وصیت ہوگا۔ لیکن اگر بیوی طلاق بائن کی عدت میں ہو تو صہر مستحق وصیت نہیں ہوگا۔ کیونکہ طلاق بائن کی وجہ سے موصی کی بیوی اس کے نکاح سے خارج ہوگئی ہے اور صہریت زوجیت کی بقاء پر موقوف تھی، اس لیے جب زوجیت معدوم ہے تو صہریت بھی معدوم ہوگی۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصَى لِأَخْتَانِهِ فَالْوَصِيَّةُ لَزَوْجٍ كُلِّ ذَاتِ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ وَكَذَا مَحَارِمُ الْأَزْوَاجِ، لِأَنَّ الْكُلَّ يَسْمَى خَتَنًا، قِيلَ هَذَا فِي عُرْفِهِمْ، وَفِي عُرْفِنَا لَا يَتَنَاولُ إِلَّا أَزْوَاجَ الْمَحَارِمِ، وَيَسْتَبْوي فِيهِ الْحُرُّ وَالْعَبْدُ وَالْأَقْرَبُ

وَالْأَبْعَدُ، لِأَنَّ اللَّفْظَ يَتَنَاوَلُ الْكُلَّ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے اختان کے لیے وصیت کی تو موصی کے ہر ذی رحم محرم کے شوہر کے لیے وصیت ہوگی نیز ازواج کے محارم بھی اس میں داخل ہوں گے اس لیے کہ سب کو ختن کہا جاتا ہے، کہا گیا ہے کہ یہ ان کے عرف میں ہے اور ہمارے عرف میں یہ صرف محارم کے ازواج کو شامل ہوگا۔ اور اس میں آزاد، غلام، اقرب اور البعد سب برابر ہیں، کیونکہ لفظ ختن سب کو شامل ہے۔
اللغات:

﴿اوصی﴾ وصیت کی۔ ﴿اختان﴾ واحد ختن: داماد وغیرہ۔ ﴿زوج﴾ شوہر۔ ﴿لا یتناول﴾ نہیں شامل ہوگا۔ ﴿حرم﴾ آزاد۔ ﴿اقرب﴾ زیادہ قریبی۔

”دامادوں“ کے لیے وصیت میں کون کون شریک ہوگا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے اختان اور دامادوں کے لیے وصیت کی تو اس وصیت میں موصی کی ہر ذی رحم محرم کے شوہر داخل ہوں گے، مثلاً بہن، بیٹی اور پھوپھی وغیرہ کے شوہروں کے لیے یہ وصیت ہوگی۔ اور اگر وصیت عورت کی طرف سے ہو تو اس کے شوہر کے ذی رحم محرم اس میں داخل ہوں گے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک ختن ہے۔

قیل هذا الخ: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ اہل کوفہ کا عرف ہے اور ہمارے عرف میں اختان سے صرف محارم عورتوں کے اختان مراد ہیں۔ اور ان ازواج میں عموم ہوگا اور آزاد، غلام موصی کے قریبی رشتے دار اور دور کے رشتے دار سب داخل ہوں گے، کیونکہ لفظ ختن ان تمام کو شامل ہے۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصَى لِأَقَارِبِهِ فَهِيَ لِلْأَقْرَبِ فَلَا اقْرَبُ مِنْ كُلِّ ذِي رَحِمٍ مَحْرُومٍ مِنْهُ، وَلَا يَدْخُلُ فِيهِ الْوَالِدَانِ وَالْوَلَدُ وَيَكُونُ ذَلِكَ لِلِاثْنَيْنِ فَصَاعِدًا وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ عَلَيْهِ، وَقَالَ صَاحِبَاهُ الْوَصِيَّةُ لِكُلِّ مَنْ يُنْسَبُ إِلَى أَقْصَى أَبٍ لَهُ فِي الْإِسْلَامِ وَهُوَ أَوَّلُ أَبٍ أَسْلَمَ أَوْ أَوَّلُ أَبٍ أَدْرَكَ الْإِسْلَامَ وَإِنْ لَمْ يُسَلِّمْ عَلَى حَسَبِ مَا اخْتَلَفَ فِيهِ الْمَشَائِخُ. وَقَائِدَةُ الْإِخْتِلَافِ تَظْهَرُ فِي أَوْلَادِ أَبِي طَالِبٍ فَإِنَّهُ أَدْرَكَ الْإِسْلَامَ وَلَمْ يُسَلِّمْ، لَهُمَا أَنَّ الْقَرِيبَ مُشْتَقٌّ مِنَ الْقَرَابَةِ فَيَكُنْ اسْمًا لِمَنْ قَامَتْ بِهِ فَيَنْتَظِمُ بِحَقِيقَتِهِ مَوَاضِعَ الْإِخْلَافِ، وَلَهُ أَنَّ الْوَصِيَّةَ أُحْتُ الْمِيرَاثِ، وَفِي الْمِيرَاثِ يُعْتَبَرُ الْأَقْرَبُ فَلَا اقْرَبُ، وَالْمُرَادُ بِالْجَمْعِ الْمَذْكُورِ فِيهِ اثْنَانِ فَكَذَا فِي الْوَصِيَّةِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے اقارب کے لیے وصیت کی تو وہ موصی کے ذی رحم محرم میں سے اقرب فالاقرب کے لیے ہوگی۔ اور اس میں والدین اور اولاد داخل نہیں ہوں گے۔ اور یہ وصیت دو یا دو سے زائد کے لیے ہوگی۔ یہ حکم حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں ہے۔ حضرات صاحبین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ وصیت ہر اس شخص کے لیے ہوگی جو اسلام میں آخری باپ کی طرف منسوب ہو اور اب آخر وہ پہلا باپ ہے جو مسلمان ہوا ہو یا وہ پہلا ہے جس نے اسلام کا زمانہ نہ پایا ہو اگرچہ وہ مسلمان نہ ہوا ہو حسب

اختلاف مشائخ۔

اور اختلاف کا فائدہ اولاد ابوطالب میں ظاہر ہوگا کہ ابوطالب نے اسلام کا زمانہ پایا لیکن مسلمان نہیں ہوئے۔
حضرات صاحبین رضی اللہ عنہما کی دلیل یہ ہے کہ قریب قرابت سے مشتق ہے، لہذا ہر اس شخص کا نام قریب ہوگا جس کے ساتھ قرابت قائم ہو لہذا اپنی حقیقت کے اعتبار سے قریب مواضع اختلاف کو شامل ہوگا۔
حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ وصیت میراث کی بہن ہے اور میراث میں اقرب فالاً قرب کا اعتبار کیا جاتا ہے اور میراث میں ذکر کرنے والی جمع سے دوسرا دہوئے ہیں، لہذا وصیت کی جمع سے بھی دوسرا دہوئے گئے۔

اللغات:

﴿اقارب﴾ قریبی رشتہ دار۔ ﴿فصاعدا﴾ اور اس سے زیادہ کے لیے۔ ﴿اقصی﴾ سب سے زیادہ دور۔

”اقارب“ کے لیے وصیت میں شامل ہونے والے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے اقربا کے لیے وصیت کی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ وصیت موسیٰ کے ذو رحم محرم میں سے اقرب فالاً قرب کے لیے ہوگی، اس میں کم از کم دو لوگ داخل ہوں گے اور موسیٰ کے والدین اور اس کی اولاد اس میں داخل نہیں ہوگی۔ حضرات صاحبین رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ وصیت ان تمام لوگوں کو شامل ہوگی جو موسیٰ کے اس آخری باپ کی طرف منسوب ہیں جس نے پہلے اسلام قبول کیا ہو جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلے اسلام قبول کیا ہے تو اگر ان کے خانوادے کا کوئی فرد اس طرح کی وصیت کرے تو حضرت علی تک ان کی ساری اولاد اس وصیت کی مستحق ہوگی۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ موسیٰ کا وہ باپ جس نے پہلے پہل اسلام کا زمانہ پایا ہو اور وہ مسلمان نہ ہوا ہو جیسے ابوطالب ہیں کہ ابتداء ہی میں اسلام کا زمانہ پایا اور مسلمان نہ ہوئے۔ اس قول کے اعتبار سے اگر کوئی علوی وصیت کرتا ہے تو اس میں حضرت علی کی اولاد بھی داخل ہوگی اور حضرت جعفر اور حضرت عقیل رضی اللہ عنہم کی اولاد بھی داخل ہوگی کیونکہ یہ سب مل کر ابوطالب کی اولاد ہیں، لیکن پہلے قول یعنی اول اب اسلم کے تحت صرف اولاد علی ہی وصیت کی مستحق ہوگی، اسی کو صاحب ہدایہ نے وفائدة الاختلاف الخ: سے بیان کیا ہے۔

لہما الخ: صورت مسئلہ میں حضرات صاحبین رضی اللہ عنہما کی دلیل یہ ہے کہ اقرباء قریب کی جمع ہے اور قریب قرابت سے مشتق ہے اور ہر وہ شخص قریب ہے جس کے ساتھ قرابت متعلق ہو اگرچہ وہ ذو رحم محرم نہ ہو، اس لیے ہر قریبی شخص اس وصیت کا مستحق ہوگا اگرچہ وہ محرم نہ ہو اسی کو صاحب کتاب فینتظم مواضع الخلاف سے بیان کیا ہے۔

ولہ الخ: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ وصیت میراث کی بہن ہے اور میراث میں اقرب فالاً قرب کے اعتبار سے استحقاق ثابت ہوتا ہے، لہذا وصیت میں بھی اقرب فالاً قرب کے اعتبار سے استحقاق ثابت ہوگا، نیز میراث میں جمع سے کم از کم دو فرد مراد ہوتے ہیں، لہذا وصیت میں بھی جمع سے کم از کم دو فرد مراد ہوں گے، اسی لیے ہم نے اقرب فالاً قرب کے اعتبار سے صورت مسئلہ میں استحقاق ثابت کیا ہے اور کم از کم دو لوگوں کو اس وصیت کا حق دار قرار دیا ہے۔

وَالْمَقْصَدُ مِنْ هَذِهِ الْوَصِيَّةِ تَكْلَافِي مَا فَرَطَ فِيْ إِقَامَةِ وَاجِبِ الصَّلَاةِ وَهُوَ يَخْتَصُّ بِذِي الرَّحِمِ الْمَحْرَمِ مِنْهُ

وَلَا يَدْخُلُ فِيهِ قَرَابَةُ الْوَلَادِ فَإِنَّهُمْ لَا يَسْتَمُونَ أَقْرَبَاءَ، وَمَنْ سَمِيَ وَالِدَهُ قَرِيبًا كَانَ مِنْهُ عَقُوقًا، وَهَذَا لِأَنَّ الْقَرِيبَ فِي عُرْفِ اللِّسَانِ مَنْ يَتَقَرَّبُ إِلَى غَيْرِهِ بِوَسِيلَةٍ غَيْرِهِ، وَتَقَرَّبُ الْوَالِدُ وَالْوَلَدُ بِنَفْسِهِ لَا بِغَيْرِهِ، وَلَا مُعْتَبَرِ بَظَاهِرِ اللَّفْظِ بَعْدَ إِنْجِمَادِ الْإِجْمَاعِ عَلَى تَرْكِهِ فَعِنْدَهُ يَقِيدُ بِمَا ذَكَرْنَاهُ، وَعِنْدَهُمَا بِأَقْصَى الْأَبِ فِي الْإِسْلَامِ، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ بِالْأَبِ الْأَذْنَى.

ترجمہ: اور اس وصیت کا مقصد اس کوتاہی کی تلافی ہے جو واجب صلہ کی ادائیگی میں موسیٰ کی طرف سے ہوئی ہے۔ اور یہ صلہ رحمی موسیٰ کے ذی رحم محرم کے ساتھ خاص ہے۔ اور اس میں ولاد کی قربت داخل نہیں ہوگی، کیونکہ انھیں اقرباء سے نہیں موسوم کیا جاتا اور جو شخص اپنے والد کو قریبی کہے وہ اپنے والد کا نافرمان ہوگا۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ عرف عام میں قریب وہ ہے جو اپنے غیر کی جانب اپنے غیر کے وسیلے سے قربت بنائے اور والد اور ولاد کی قربت بذات خود ہے نہ کہ غیر سے۔ اور ترک ظاہر پر اجماع منعقد ہونے کے بعد ظاہر لفظ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا لہذا امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں اقرباء اس قید کے ساتھ مقید ہوں گے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے یہاں اسلام میں آخری باپ کے ساتھ مقید ہوں گے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک قریبی باپ کے ساتھ مقید ہوں گے۔

اللغات:

تلافی بدل دینا۔ فوط کوتاہی کی۔ عسلہ رشتہ داری کے حقوق۔ یختص خاص ہوگا۔ عقوق والدین کی نافرمانی۔

امام صاحب رحمہ اللہ کے قول کی تعلیل:

امام اعظم رحمہ اللہ نے اقرباء سے ذرحم محرم مراد لیا ہے، اس کی ایک دلیل تو ماقبل میں بیان کی جا چکی ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اس وصیت سے موسیٰ کا مقصد یہ ہے کہ موسیٰ وصیت کر کے صلہ رحمی میں واقع شدہ کوتاہی کی تلافی کر لے اور صلہ رحمی ذرحم محرم کے ساتھ خاص ہے، اس لیے اس حوالے سے بھی اقرباء سے ذرحم محرم مراد ہوں گے۔ لیکن اس میں والدین اور ولاد داخل نہیں ہوں گے، کیونکہ انھیں اقرباء نہیں کہا جاتا اور جو بد بخت اپنے والد کو قریبی کہتا ہے اس سے بڑا احسان ناشناس اور نافرمان کوئی نہیں ہوتا۔ نیز عرف لسانی میں بھی وہی شخص قریبی کہلاتا ہے جو کسی غیر کی طرف بذریعہ غیر قربت حاصل کرے اور والد اور ولد بنفس خود موسیٰ سے قربت رکھتے ہیں، لہذا اس حوالے سے بھی والد اور ولد اقرباء کی فہرست سے خارج ہوں گے۔

ولا معتبر بظاہر اللفظ الخ: فرماتے ہیں کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں اقرباء سے ذرحم محرم مراد ہیں، لیکن اس میں تمام ذرحم شامل نہیں ہیں، کیونکہ یہاں ظاہر لفظ کا اعتبار خارج کر دیا گیا ہے اور اقرب کی موجودگی میں ابعدا کو محروم کر دیا گیا ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں اقارب سے موسیٰ کے ذرحم محرم مراد ہیں جب کہ حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے یہاں اس سے اسلام میں آخری باپ کی ولاد مراد ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں قریبی باپ کی ولاد مراد ہے۔

قَالَ وَإِذَا أَوْصَى لِأَقَارِبِهِ وَلَهُ عَمَّانٍ وَخَالَانِ فَلِلْوَصِيَّةِ لِعَمِّيهِ عِنْدَهُ إِعْتِبَارًا لِلْأَقْرَبِ كَمَا فِي الْإِرْثِ وَعِنْدَهُمَا أَرْبَاعًا إِذْ هُمَا لَا يَتَعَيَّرَانِ الْأَقْرَبُ. وَلَوْ تَرَكَ عَمًّا وَخَالَيْنِ فَلِلْعَمِّ نِصْفُ الْوَصِيَّةِ، وَالنِّصْفُ لِلْخَالَيْنِ، لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ إِعْتِبَارٍ مَعْنَى الْجَمْعِ وَهُوَ الْإِثْنَانِ فِي الْوَصِيَّةِ كَمَا فِي الْمِيرَاثِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا أَوْصَى لِذِي قَرَابَتِهِ حَيْثُ يَكُونُ لِلْعَمِّ كُلِّ الْوَصِيَّةِ، لِأَنَّ اللَّفْظَ لِلْفَرْدِ فَيَحْرُزُ الْوَاحِدُ كُلَّهَا إِذْ هُوَ الْأَقْرَبُ، وَلَوْ كَانَ لَهُ عَمٌّ وَاحِدٌ فَلَهُ نِصْفُ الثُّلُثِ لِمَا بَيَّنَّاهُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے اپنے اقارب کے لیے وصیت کی اور اس کے دو چچا اور دو ماموں ہیں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اقرب کا اعتبار کرتے ہوئے دونوں چچاؤں کے لیے وصیت ہوگی جیسے میراث میں ہوتا ہے، اور حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں چار حصوں پر وصیت تقسیم ہوگی، کیونکہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہم اقرب کا اعتبار نہیں کرتے، اور اگر موصی نے ایک چچا اور دو ماموں چھوڑے تو چچا کو نصف وصیت ملے گی اور نصف دونوں ماموں کے لیے ہے، کیونکہ معنی جمع کا اعتبار ضروری ہے اور معنی جمع وصیت میں دو ہیں جیسے میراث میں۔ برخلاف اس صورت کے جب موصی نے اپنے قرابت دار کے لیے وصیت کی ہو تو پوری وصیت چچا کے لیے ہوگی، کیونکہ یہ لفظ واحد کے لیے ہے، لہذا ایک ہی شخص پوری وصیت کو لے لے گا، اس لیے کہ اقرب یہی ہے۔ اور اگر اس کے ایک چچا ہو تو اسے ثلث کا نصف ملے گا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

اللُّغَاتُ:

﴿عم﴾ چچا۔ ﴿خال﴾ ماموں۔ ﴿قرابت﴾ رشتہ داری۔ ﴿بحرز﴾ جمع کر لے گا، روک لے گا۔

ائمہ میں اختلاف کا ثمرہ:

اس عبارت میں وصیت سے متعلق چار مسائل بیان کئے گئے ہیں:

✽ ایک شخص نے اپنے اقارب کے لیے وصیت کی اور اس کے اقرباء میں دو چچا اور دو ماموں ہوں تو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں پوری وصیت دونوں چچاؤں کو ملے گی، کیونکہ ان کے یہاں اقرب فالاً اقرب کا اعتبار ہے اور چچا ماموں سے اقرب ہے، لہذا چچا مقدم ہوگا اور دونوں مل کر پوری وصیت لے لیں گے اور ماموؤں کو کچھ نہیں ملے گا۔

اور حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں پوری وصیت کے چار حصے کئے جائیں گے اور سب کو برابر برابر حصہ دیا جائے گا، کیونکہ یہ اقارب کے لیے وصیت ہے اور اقارب میں ماموں بھی داخل ہیں، اس لیے وہ بھی وصیت میں شریک ہوں گے۔

✽ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ موصی نے اقرباء کے لیے وصیت کی ہو اور اس اقرباء میں صرف ایک چچا اور دو ماموں ہوں تو چچا نصف وصیت کا مستحق ہوگا اور دوسرا نصف دونوں ماموں کے لیے ہوگا، کیونکہ اقرباء جمع کا صیغہ ہے اور جمع کے لیے کم از کم دو افراد ہونا ضروری ہے، لہذا چچا اور ماموں سب مستحق وصیت ہوں گے جیسے میراث میں اسی طرح کی تقسیم جاری ہے۔

✽ تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ موصی نے واحد کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے اپنے قرابت دار کے لیے وصیت کی اور اقرباء یعنی جمع کا

صیغہ نہیں استعمال کیا اور اس کے ایک چچا ہو اور دو ماموں ہوں تو اس صورت میں پوری وصیت چچا لے لے گا اور ماموں محروم ہو جائیں گے، کیوں کہ چچا موسیٰ کا اقرب ہے اور اقرب کے ہوتے ہوئے بعد کو کوئی حق نہیں ملتا۔ اس لیے اس صورت میں صرف چچا کو وصیت ملے گی اور ماموں کو کچھ نہیں ملے گی۔

چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ موسیٰ نے اپنے اقرباء کے لیے وصیت کی اور اس کے اقرباء میں صرف ایک ہی چچا ہو تو وہ چچا موسیٰ بہ یعنی ثلث کا نصف لے لے گا اور باقی نصف ورثاء کا ہوگا، کیونکہ اقرباء جمع کا صیغہ ہے اور اقل جمع کی مقدار دو ہے لہذا ثلث کا نصف اقرب لے گا اور نصف ورثاء کو ملے گا تاکہ جمع کے مقتضا پر عمل ہو جائے۔

وَلَوْ تَرَكَ عَمًّا وَعَمَّةً وَخَالًَا وَخَالََةً فَالْوَصِيَّةُ لِلْعَمِّ وَالْعَمَّةِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ لَا سِتْوَاءَ قَرَابَتِهَا وَهِيَ أَقْرَبُ، وَالْعَمَّةُ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ وَارِثَةً فَهِيَ مُسْتَحِقَّةٌ لِلْوَصِيَّةِ كَمَا لَوْ كَانَ الْقَرِيبُ رَقِيقًا أَوْ كَافِرًا، وَكَذَا إِذَا أُوصِيَ لَدَوِي قَرَابَتِهِ أَوْ لِأَقْرَبَائِهِ أَوْ لِأَنْسَابِهِ فِي جَمِيعِ مَا ذَكَرْنَا، لِأَنَّ كُلَّ ذَلِكَ لَفْظُ جَمْعٍ، وَلَوْ انْعَدَمَ الْمُحْرَمُ بِطَلَّتِ الْوَصِيَّةُ لِأَنَّهَا مُقَيَّدَةٌ بِهَذَا الْوَصْفِ.

ترجمہ: اور اگر موسیٰ نے ایک چچا، ایک پھوپھی، ایک ماموں اور ایک خالہ چھوڑا ہو تو وصیت چچا اور پھوپھی کے مابین برابر برابر ہوگی، کیوں کہ ان کے قرابت مساوی ہے اور یہ اقویٰ قرابت ہے اور پھوپھی اگرچہ وارث نہیں ہے لیکن وہ مستحق وصیت ہے جیسے اگر قریب رقیق یا کافر ہو۔

اور ایسے ہی جب موسیٰ نے اپنے قرابت داروں کے لیے یا اپنے اقرباء کے لیے یا اپنے نسب والوں کے لیے وصیت کی ان تمام صورتوں میں جو ہم بیان کر چکے ہیں، اس لیے کہ ہر ایک لفظ جمع ہے اور اگر محرم معدوم ہو جائے تو وصیت باطل ہو جائے گی، کیونکہ وصیت اس وصف کے ساتھ مقید ہے۔

اللغات:

﴿عم﴾ چچا۔ ﴿عممة﴾ پھوپھی۔ ﴿خال﴾ ماموں۔ ﴿سویة﴾ برابری۔ ﴿استواء﴾ برابری ہونا۔ ﴿رقیق﴾ غلام۔ ﴿مقیدہ﴾ مشروط، معلق۔

ائمہ میں اختلاف کا ثمرہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنے اقرباء کے لیے وصیت کی اور اس کے اقرباء میں چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ موجود ہوں تو چچا اور پھوپھی کو ثلث کا نصف نصف ملے گا اور خالہ ماموں محروم ہو جائیں گے، کیونکہ چچا اور پھوپھی کی قرابت ماموں اور خالہ کی قرابت سے اقویٰ ہے اور پھوپھی اگرچہ اپنے بھتیجے کی وارث نہیں ہے، لیکن وہ اس کے اقرباء میں داخل ہے اور خالہ اور ماموں سے زیادہ قرابت والی ہے، اس لیے وہ چچا کے ساتھ وصیت کی مستحق ہوگی۔ جیسے اگر کسی نے اپنے اقرباء کے لیے وصیت کی اور اس کے اقرباء میں صرف غلام یا کافر موجود ہوں تو وہ وصیت کے مستحق ہوں گے اگرچہ وہ مورث کی وارثت کے حق دار نہیں ہیں یہی حال

پھوپھی کا بھی ہے۔

و کذا إذا أوصى الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر موصی نے ذوی قرابت کے لیے وصیت کی یا اقرباء کے لیے وصیت کی یا انباء کے لیے وصیت کی تو ان صورتوں کے وہی احکام ہوں گے جو ما قبل میں اقرباء کے لیے وصیت کرنے کے تحت بیان کئے گئے ہیں، کیونکہ ذوی قرابت اور انباء بھی اقرباء کی طرح جمع کے صیغے ہیں، لہذا جو حکم اقرباء کا ہے وہ ان کا بھی ہوگا۔ اور اگر اقرباء کے لیے وصیت کی گئی اور موصی کا کوئی محرم نہیں ہے تو امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں وصیت باطل ہوگی، کیونکہ یہ وصیت صلہ رحمی ہے اور صلہ رحمی امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں ذو رحم محرم کے ساتھ خاص ہے لہذا جب یہ وصف معدوم ہوگا تو موصوف یعنی وصیت بھی باطل ہو جائے گی۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصَى لِأَهْلِ فُلَانٍ فَهِيَ عَلَى زَوْجَتِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَالَ يَتَنَوَّلُ مَنْ يَعُولُهُمْ وَتَصْسُهُمْ نَفَقَتُهُ إِعْتِبَارًا لِلْعُرْفِ وَهُوَ مُؤَيَّدٌ بِالنِّصِّ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى "وَأَتَوْنِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ" وَلَهُ أَنَّ اسْمَ الْأَهْلِ حَقِيقَةٌ فِي الزَّوْجَةِ يَشْهَدُ بِذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى "وَسَارَ بِأَهْلِهِ" وَمِنْهُ قَوْلُهُمْ تَأَهَّلَ بِبَلَدَةٍ كَذَا وَالْمُطْلَقُ يَنْصَرِفُ إِلَى الْحَقِيقَةِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس شخص نے فلاں کے اہل کے لیے وصیت کی تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں فلاں کی زوجہ کے لیے وصیت ہوگی، حضرات صاحبین رحمہم اللہ فرماتے ہیں یہ وصیت ان لوگوں کو شامل ہوگی جو اس کی زیر پرورش ہیں اور جنہیں اس کا نفقہ شامل ہے، عرف کا اعتبار کرتے ہوئے اور یہ نص سے مؤید ہے۔ اللہ جل شانہ فرماتے ہیں اپنے اہل و عیال کے ساتھ میرے پاس آ جاؤ۔ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ لفظ اہل زوجہ کے لیے حقیقت ہے جس کی شہادت یہ ارشاد باری ہے کہ اپنی بیوی کو لے کر چلے اور اسی سے اہل عرب کا قول تَأَهَّلَ بِبَلَدَةٍ کَذَا ہے اور مطلق حقیقت کی طرف راجع ہوتا ہے۔

اللغات:

• اوصی • وصیت کی • زوجہ • بیوی • يتناول • شامل ہوگی • من يعولهم • جو ان سے خرچ وصول کرتے ہیں • سار • چلا • تأهل • شادی کر لی • ينصرف • پھرے گا، راجع ہوگا۔

”اہل فلاں“ کے لیے وصیت:

صورت یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے فلاں کے اہل کے لیے وصیت کی تو امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں فلاں کی بیوی مستحق وصیت ہوگی جب کہ حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے یہاں فلاں کی بیوی بچے اور نوکر چاکر سب اس میں داخل ہوں گے، کیوں کہ عرف عام میں اہل کے تحت یہ سب لوگ شامل اور داخل ہیں۔ اور پھر قرآن کریم سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے چنانچہ اللہ جل شانہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں و اتونني بأهلكم أجمعين فرمایا ہے اور یہاں اہل سے صرف زوجہ نہیں مراد ہے، بلکہ بچے اور خادم سب مراد ہیں، لہذا اہل کے لے جو وصیت ہے اس میں بھی بیوی بچے سب داخل ہوں گے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ لفظ اہل کا حقیقی معنی صرف زوجہ ہے جیسا کہ خود قرآن کریم اس پر شاہد عدل ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ارشاد ربانی ہے و سار باھلہ اور یہاں اہل سے ان کی زوجہ مراد ہیں اسی طرح اہل عرب کے محاورے میں بھی اہل سے زوجہ ہی مراد ہوتی ہے چنانچہ اگر اہل عرب تامل بیلدہ کذا کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فلاں نے فلاں شہر میں اہلیہ بنایا یعنی شادی کی، معلوم ہوا کہ اہل حقیقت میں زوجہ کے لیے وضع کیا گیا ہے اور کسی قرینہ کی بنیاد پر اس میں عموم ہوتا ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں اجمعین کا اضافہ یہ بتا رہا ہے کہ اہل سے زوجہ کے علاوہ دیگر لوگ بھی مراد ہیں اور اگر اہل مطلق ہو تو اس سے صرف زوجہ مراد ہوتی ہے اور بلا وجہ اس میں عموم پیدا کرنا مناسب نہیں ہے۔

وَلَوْ أَوْصَىٰ لَإِلٍ فَلَانٍ فَهُوَ لِأَهْلِ بَيْتِهِ، لِأَنَّ الْأَلَ الْقَبِيلَةَ الَّتِي يُنْسَبُ إِلَيْهَا، وَلَوْ أَوْصَىٰ لِأَهْلِ بَيْتِ فَلَانٍ يَدْخُلُ فِيهِ أَبُوهُ وَجَدُّهُ، لِأَنَّ الْأَبَ أَصْلَ الْبَيْتِ.

ترجمہ: اور اگر کسی نے آل فلاں کے لیے وصیت کی تو وہ فلاں کے اہل بیت کے لیے ہوگی، کیونکہ آل وہ قبیلہ ہے جس کی طرف فلاں کو منسوب کیا جاتا ہے۔ اور اگر کسی نے فلاں کے اہل بیت کے لیے وصیت کی تو اس میں فلاں کا باپ اور اس کا دادا دونوں داخل ہوں گے، کیونکہ اب بیت کی اصل ہے۔

اللُّغَاتُ:

﴿اَوْصَى﴾ وصیت کی۔ ﴿جَدُّ﴾ دادا۔

”آل فلاں“ کے لیے وصیت کرنا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی شخص کے آل کے لیے وصیت کی تو اس وصیت میں موصیٰ لہ کے خاندان اور پورے قبیلہ والے شامل ہوں گے، کیونکہ آل سے مراد قبیلہ اور خاندان ہے لہذا موصیٰ لہ کا خاندان اس میں شامل ہوگا۔ اور اگر موصیٰ نے کسی کے اہل بیت کے لیے وصیت کی تو اس کے اہل خانہ اور اس کے باپ دادا اس میں شامل ہوں گے، کیونکہ باپ دادا ہی بیت کے اصل اور سربراہ ہیں اور انہی کے ذریعے بیت کا وجود قائم ہے۔

وَلَوْ أَوْصَىٰ لِأَهْلِ نَسَبِهِ أَوْ لِجَنَسِهِ فَالْنَسَبُ عِبَارَةٌ عَمَّنْ يُنْسَبُ إِلَيْهِ، وَالنَّسَبُ يَكُونُ مِنْ جِهَةِ الْأَبَاءِ، وَجَنَسُهُ أَهْلُ بَيْتِ أَبِيهِ دُونَ أُمِّهِ، لِأَنَّ الْإِنْسَانَ يَتَجَنَّسُ بِأَبِيهِ، بِخِلَافِ قَرَابَتِهِ حَيْثُ يَكُونُ مِنْ جَانِبِ الْأُمِّ وَالْأَبِ.

ترجمہ: اور اگر موصیٰ نے اپنے اہل نسب یا اپنی جنس کے لیے وصیت کی تو نسب ان لوگوں سے عبارت ہوگا جن کی طرف موصیٰ منسوب کیا جاتا ہے اور نسب آباء کی طرف سے ہوتا ہے۔ اور اس کی جنس اس کے باپ کے اہل بیت ہیں نہ کہ اس کی ماں کے، کیونکہ انسان اپنے باپ کی جنس سے شمار ہوتا ہے۔ برخلاف اس کی قرابت کے اس لیے کہ قرابت ماں باپ دونوں کی طرف سے ہوتی ہے۔

اللغات:

﴿جہۃ﴾ سمت، طرف۔ ﴿آباء﴾ والد، باپ دادا وغیرہ۔

اہل نسب اور اہل جنت کے لیے وصیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر موصی نے اپنے اہل نسب کے لیے وصیت کی یا اپنی جنس کے لیے وصیت کی تو نسب اور جنس دونوں صورتوں میں اس کے باپ کا خاندان اور اس کی برادری کے لوگ مستحق وصیت ہوں گے، اس لیے کہ انسان کا نسب اور جنس دونوں چیزیں باپ کی طرف سے معتبر ہوتی ہیں، چنانچہ اگر کسی کا باپ خان اور چودھری ہے تو اس کا لڑکا بھی خان ہی ہوگا اگرچہ ماں شیخ اور انصاری ہو اس لیے نسب حسب اور جنس سب میں باپ کی حالت اور پوزیشن معتبر ہوگی۔ ہاں اگر کوئی اپنے قرابت داروں کے لیے وصیت کرے تو اس میں ماں اور باپ دونوں کے قریبی لوگ شامل ہوں گے، کیونکہ قرابت عام ہے اور ماں باپ دونوں کی طرف سے مستحق ہوتی ہے۔

وَلَوْ أَوْصَىٰ لِأَيِّتَامٍ بَنِي فُلَانٍ أَوْ لِعُمَيَّانِهِمْ أَوْ لِمَنْ مِّنْهُمْ أَوْ لِرَأْسِمِهِمْ إِنْ كَانُوا قَوْمًا يُحْصُونَ دَخَلَ فِي الْوَصِيَّةِ فَقَرَاؤُهُمْ وَأَغْنِيَاؤُهُمْ ذُكُورُهُمْ وَأُنَاثُهُمْ، لِأَنَّهُ أَمْكَنُ تَحْقِيقِ التَّمْلِيكِ فِي حَقِّهِمْ، وَالْوَصِيَّةُ تَمْلِكُ وَإِنْ كَانُوا لَا يُحْصُونَ فَالْوَصِيَّةُ فِي الْفُقَرَاءِ مِنْهُمْ، لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنَ الْوَصِيَّةِ الْقُرْبَةَ وَهِيَ فِي سَيِّدِ الْخَلَّةِ وَرَدَّ الْجُوعَةَ وَهَذِهِ الْأَسْمَى تُشْعِرُ بِتَحْقِيقِ الْحَاجَةِ فَجَازَ حَمْلُهُ عَلَى الْفُقَرَاءِ.

ترجمہ: اور اگر موصی نے بنو فلاں کے یتیموں کے لیے یا ان کے اندھوں کے لیے یا ان کے ابا بھوں کے لیے یا ان کی بیواؤں کے لیے وصیت کی تو اگر موصی لہم اس حال میں ہوں کہ انھیں شمار کیا جاسکتا ہو تو وصیت میں ان کے فقراء، ان کے مالدار اور ان کے مرد و عورتیں سب شامل ہوں گے، کیونکہ ان کے حق میں تملیک کو ثابت کرنا ممکن ہے اور وصیت تملیک ہے۔

اور اگر انھیں شمار کرنا ممکن نہ ہو تو وصیت ان کے فقراء کے لیے ہوگی، کیونکہ وصیت کا مقصد عبادت ہے اور عبادت حاجت دور کرنے اور بھوک مٹانے میں ہے اور یہ اسماء تحقق حاجت کی خبر دے رہے ہیں لہذا اسے فقراء پر محمول کرنا جائز ہے۔

اللغات:

﴿ایتام﴾ واحد یتیم۔ ﴿عمیان﴾ واحد اعمی؛ اندھے۔ ﴿ارامل﴾ واحد ارملة؛ بیوائیں۔ ﴿یحصون﴾ قابل شمار۔ ﴿تملیک﴾ مالک بنانا۔ ﴿قربۃ﴾ نیکی، عبادت۔ ﴿سد الخلة﴾ حاجت روائی۔ ﴿جوعۃ﴾ بھوک۔ ﴿اسامی﴾ واحد اسم؛ نام۔ ﴿تُشْعِرُ﴾ سمجھاتے ہیں۔

کسی قبیلے کے اندھوں یتیموں یا ابا بھوں کے لیے وصیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی قوم کے یتیموں کے لیے وصیت کی یا کسی قوم کے اندھوں یا ابا بھوں یا بیواؤں کے

لیے وصیت کی تو یہ دیکھا جائے گا کہ موصی لہم کو گنا اور شمار کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر پہلی صورت ہو یعنی انھیں گنا اور شمار کیا جاسکتا ہو تو اس صورت میں موصی لہم کا ہر ہر فرد وصیت میں داخل اور شامل ہوگا خواہ وہ محتاج اور فقیر ہو یا مالدار ہو بہر صورت سب مستحق وصیت ہوں گے، کیونکہ جب موصی لہم کا احصاء ممکن ہے تو انھیں مالک بنانا بھی ممکن ہے اس لیے سب کے سب مستحق وصیت ہوں گے اگرچہ وہ مالدار ہی کیوں نہ ہو۔

اور اگر موصی لہم کا احصاء اور شمار ممکن نہ ہو تو اس صورت میں صرف فقراء اور محتاج لوگ ہی مستحق وصیت ہوں گے اور موصی لہم میں سے جو لوگ مالدار ہوں گے وہ وصیت سے محروم رہیں گے، کیونکہ اس صورت میں موصی کا مقصد حاجت دور کرنا اور موصی لہم کی بھوک ختم کرنا ہے اور اندھے اپانچ اور فقراء کے نام ہی سے محتاج اور مفلس عیاں ہے، اس لیے انھی کو مستحق وصیت قرار دینے میں موصی کا مقصد حاصل ہوگا لہذا وصیت کو فقراء پر محمول کیا جائے گا۔

بِخِلَافِ مَا إِذَا أُوصِيَ لِشُبَّانٍ بَنِي فُلَانٍ وَهُمْ لَا يُحْصَوْنَ أَوْ لِأَيَامَى بَنِي فُلَانٍ وَهُمْ لَا يُحْصَوْنَ حَيْثُ تَبْطُلُ الْوَصِيَّةُ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي اللَّفْظِ مَا يُنْبِئُ عَنِ الْحَاجَةِ فَلَا يُمْكِنُ صَرْفُهُ إِلَى الْفُقَرَاءِ وَلَا يُمْكِنُ تَصْحِيحُهُ تَمْلِيكًا فِي حَقِّ الْكُلِّ لِلْجَهَالَةِ الْمُتَفَاحِشَةِ وَتَعَدَّرَ الصَّرْفُ إِلَيْهِمْ، وَفِي الْوَصِيَّةِ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ يَجِبُ الصَّرْفُ إِلَى اثْنَيْنِ مِنْهُمْ إِعْتِبَارًا لِمَعْنَى الْجَمْعِ، وَأَقْلَهُ إِنْسَانٍ فِي الْوَصَايَا عَلَى مَآرٍ.

ترجمہ: برخلاف اس صورت کے جب موصی نے بنو فلاں کے جوانوں کے لیے وصیت کی اور وہ شمار نہیں کئے جاسکتے یا بنو فلاں کے ایامی کے لیے وصیت کی اور وہ بھی گنے نہیں جاسکتے تو وصیت باطل ہو جائے گی، کیونکہ لفظ میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو حاجت کی خبر دے لہذا اسے فقراء کی طرف پھیرنا ممکن نہیں ہے اور سب کو مالک بنا کر وصیت کی تصحیح ممکن نہیں ہے، اس لیے کہ جہالت شدید ہے اور وصیت کو سب کی طرف پھیرنا معتذر ہے۔

اور فقراء و مساکین کے لیے وصیت کرنے میں معنی جمع کا اعتبار کرتے ہوئے ان میں سے دو کی طرف پھیرنا ضروری ہے اور وصایا میں جمع کا اقل فرد دو ہے جیسا کہ گذر چکا ہے۔

اللغات:

﴿شبان﴾ واحد شاب؛ جوان۔ ﴿ایامی﴾ واحد ایم؛ بن بیاہی لڑکیاں اور لڑکے۔ ﴿صرف﴾ خرج کرنا۔

کسی قبیلے کے نو جوانوں کے لیے وصیت کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے بنو فلاں کے جوانوں کے لیے وصیت کی یا بنو فلاں کے ایامی کے لیے وصیت کی اور ان کی تعداد کو شمار نہیں کیا جاسکتا تو وصیت باطل ہو جائے گی، کیونکہ شبان اور ایامی دونوں میں سے کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے حاجت اور ضرورت کا پتہ چل سکے اور وصیت کو فقراء کے لیے متعین کر دیا جائے اور اس وصیت کو تمام شبان اور ایامی کی طرف پھیرنا اور ان تمام میں تقسیم کر کے انھیں اس کا مالک بنانا بھی ممکن نہیں ہے، کیونکہ موصی لہم کی تعداد بے شمار ہے اور ان میں جہالت فاحشہ ہے اور

جہالت فاحشہ نفاذ وصیت سے مانع ہے۔ اسی لیے صورت مسئلہ میں ہم نے وصیت کو باطل قرار دے دیا ہے۔
وفي الوصية الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر موصی نے فقراء اور مساکین کے لیے وصیت کی تو کم از کم دو فقیر اور دو مسکین تک وصیت پہنچانا ضروری ہے، کیونکہ فقراء اور مساکین دونوں جمع کے صیغے ہیں اور جمع کا اقل فرد دو ہے، لہذا دونوں فریق کے دو دو آدمیوں کو وصیت دینا ضروری ہے۔

فائدہ: ایامی اہم کی جمع ہے جس کے معنی ہیں نوجوان لڑکیاں اور لڑکے اور یہاں اس سے شادی شدہ لڑکے بھی مراد ہو سکتے ہیں، بہر حال یہاں اس سے مذکر ہی مراد ہے، کیونکہ اس کے بعد وہم لایحصون مذکر ہی کا صیغہ ہے۔

وَلَوْ أَوْصَى لِنَبِيٍّ فَلَانَ يَدْخُلُ فِيهِ الْإِنَاثُ فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَوَّلُ قَوْلِهِ وَهُوَ قَوْلُهُمَا، لِأَنَّ جَمْعَ الذَّكُورِ يَتَنَاوَلُ الْإِنَاثَ ثُمَّ رَجَعَ وَقَالَ يَتَنَاوَلُ الذَّكُورَ خَاصَّةً، لِأَنَّ حَقِيقَةَ الْإِسْمِ لِلذَّكُورِ وَانْتِظَامُهُ لِلْإِنَاثِ تَجَوُّزٌ وَالْكَلَامُ لِحَقِيقَتِهِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ بَنُو فُلَانٍ اسْمَ قَبِيلَةٍ أَوْ فَخِذٍ حَيْثُ يَتَنَاوَلُ الذَّكُورَ وَالْإِنَاثَ، لِأَنَّهُ لَيْسَ يُرَادُ بِهَا أَعْيَانُهُمْ إِذْ هُوَ مُجَرَّدُ الْإِنْتِسَابِ كَنَبِيِّ آدَمَ وَلِهَذَا يَدْخُلُ فِيهِ مَوْلَى الْعِتَاقَةِ وَالْمَوَالِاتِ وَحَلَفَاؤُهُمْ.

ترجمہ: اور اگر موصی نے بنو فلاں کے لیے وصیت کی تو امام اعظم رحمہ اللہ کے قول اول کے مطابق اس میں عورتیں داخل ہوں گی، اور یہی حضرات صاحبین رحمہم کا قول ہے اس لیے کہ جمع مذکر عورتوں کو شامل ہوتی ہے۔ پھر امام اعظم رحمہم نے اس سے رجوع کر لیا اور یوں فرمایا کہ یہ جمع صرف مردوں کو ہی شامل ہوگی، کیونکہ لفظ کی حقیقت مردوں کے لیے ہے اور اس کا عورتوں کو شامل ہونا مجازا ہے۔ اور کا ام اپنی حقیقت پر محمول ہوتا ہے۔ برخلاف اس صورت کے جب بنو فلاں قبیلہ یا فخذ کا نام ہو چنانچہ یہ مردوں اور عورتوں کو شامل ہوگا، کیونکہ اس سے ان کے اعیان نہیں مراد لیے جاتے اس لیے کہ یہ صرف انتساب ہے جیسے بنو آدم، اسی لیے اس میں مولی العتاقہ، مولی الموالات اور ان کے حلفاء داخل ہیں۔

اللغات:

﴿إِنَاثٌ﴾ خواتین۔ ﴿فَخِذٌ﴾ بڑا قبیلہ۔ ﴿أَعْيَانٌ﴾ متعین افراد۔ ﴿حَلَفَاءُ﴾ واحد حلیف؛ اتحادی۔

”بنو فلاں“ کے لیے وصیت میں کون داخل ہوگا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے بنو فلاں کے لیے وصیت کی تو حضرات صاحبین رحمہم کے یہاں اس وصیت میں بنو فلاں کے مرد اور عورتیں سب داخل ہوں گی اور یہی امام اعظم رحمہم کا پہلا قول ہے، کیونکہ جمع مذکر مؤنث کو بھی شامل ہوتی ہے، لیکن امام اعظم رحمہم نے بعد میں اپنے اس قول سے رجوع کر لیا اور فرمانے لگے کہ بنو فلاں میں صرف مرد ہی مرد شامل ہوں گے اور عورتیں اس میں شامل نہیں ہوں گی، کیونکہ بنو کا لفظ مردوں کے لیے خاص ہے اور یہ لفظ بطور مجاز عورتوں کو شامل ہوتا ہے اور لفظ کو اس کے حقیقی معنی پر محمول کرنا مجازی معنی پر محمول کرنے سے زیادہ بہتر ہے، اس لیے یہاں بنو سے صرف مرد لوگ ہی مراد ہوں گے۔

بغلاف ما إذا كان الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ بنو فلاں کسی قبیلہ یا کسی فخذ کا نام ہو تو پھر اس میں مرد اور عورتیں سب شامل ہوں گی، کیونکہ اس صورت میں بنو سے مراد صرف مرد نہیں ہوں گے، کیونکہ یہ تو محض انتساب ہے جیسے بنو آدم سے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف نسبت ہوتی ہے اور بنو میں مولی العتاقہ، مولی الموالات اور ان کے حلیف سب داخل ہوں گے۔ یعنی اس صورت میں حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ بھی بنو میں عورتوں کو شامل اور داخل قرار دیتے ہیں۔

فائدہ: مولی العتاقہ: جس قوم نے کسی غلام کو آزاد کیا تو ان کا آزاد کردہ غلام انہی میں سے شمار ہوگا۔

مولی الموالات: جو شخص کسی خاندان اور قبیلہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا وہ ان کا مولی الموالات کہلاتا ہے۔

حلفاء: حلیف کی جمع ہے قسم اور یمنین کے ساتھ آپسی تعاون میں جمع ہونے والوں و حلیف کہا جاتا ہے۔

فخذ: عرب کے چھ قبائل میں سے ایک قبیلہ کا نام جس کے تحت کئی فصیل داخل ہوتی ہیں۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصَى لِوَلَدٍ فَلَانَ فَأَلَوْصِيَّةٌ بَيْنَهُمْ وَالذَّكَرُ وَالْأُنْثَى فِيهِ سَوَاءٌ، لِأَنَّ اسْمَهُ الْوَلَدُ يَنْتَظِمُ الْكُلَّ انْتِظَامًا وَاحِدًا، وَمَنْ أَوْصَى لَوَرَثَةٍ فَلَانَ فَأَلَوْصِيَّةٌ بَيْنَهُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ، لِأَنَّهُ لَمَّا نَصَّ عَلَى لَفْظِ الْوَرَثَةِ اذْنٌ ذَلِكَ بِأَنَّ قَصْدَهُ التَّفْصِيلُ كَمَا فِي الْمِيرَاثِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس شخص نے ولد فلاں کے لیے وصیت کی تو وصیت ان کے مابین مشترک ہوگی اور اس میں مرد و عورت برابر کے شریک ہوں گے، کیونکہ لفظ ولد انتظام واحد کے ساتھ سب کو شامل ہے۔

جس شخص نے فلاں کے ورثاء کے لیے وصیت کی تو وصیت ان کے مابین للذکر مثل حظ الأنثیین کے مطابق ہوگی، کیونکہ جب موصی نے لفظ ورثاء کی تصریح کر دی تو اس نے اس بات کی خبر دے دی کہ اس کا ارادہ تفصیل کا ہے جیسے میراث میں ہوتا ہے۔

اللغات:

﴿سواء﴾ برابر ہے۔ ﴿ينتظم﴾ شامل ہوتا ہے۔ ﴿ورثة﴾ واحد وارث۔ ﴿حظ﴾ حصہ۔ ﴿نص﴾ واضح الفاظ

میں بیان کر دیا۔ ﴿قصد﴾ ارادہ۔ ﴿تفصيل﴾ ترجیح دینا۔

”ولد فلاں“ یا ”ورثہ فلاں“ کے لیے وصیت کے شرکاء:

عبارت میں دو مسئلے بیان کئے گئے ہیں:

✽ اگر کسی نے ولد فلاں کے لیے وصیت کی تو اس میں فلاں کے بیٹے اور بیٹی سب شامل ہوں گے اور دونوں کو برابر وصیت ملے گی، اس لیے کہ لفظ ولد مطلق اولاد کو شامل ہے اور اولاد میں بیٹے بیٹی سب داخل ہیں، لہذا وصیت میں سب لوگ شریک ہوں گے۔

✽ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر موصی نے فلاں کے ورثاء کے لیے وصیت کی تو یہ وصیت ورثاء میں للذکر مثل حظ الأنثیین کے مطابق تقسیم ہوگی، یعنی ورثاء میں سے عورتوں کو جتنا مال ملے گا اس کا دو گنا مردوں کو ملے گا، کیونکہ جب موصی نے ورثاء کی تصریح کر دی تو یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ لڑکوں کو لڑکیوں پر ترجیح دینا چاہتا ہے اور ترجیح کا طریقہ یہی ہے کہ ورثاء میں للذکر مثل حظ الأنثیین کے مطابق تقسیم کی جائے۔ جیسے میراث میں یہی طریقہ جاری ہے۔

وَمَنْ أَوْصَى لِمَوْلَاهِ وَلَهُ مَوَالٍ أَعْتَقَهُمْ وَمَوَالٍ أَعْتَقُوهُ فَلَوْصِيَّةٌ بَاطِلَةٌ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي بَعْضِ كُتُبِهِ أَنَّ الْوَصِيَّةَ لَهُمْ جَمِيعًا وَذَكَرَ فِي مَوْضِعٍ آخَرَ أَنَّهُ يُوقَفُ حَتَّى تَصَالِحُوا، لَهُ أَنَّ الْإِسْمَ يَتَنَوَّلُهُمْ لِأَنَّ كُلًّا مِنْهُمْ يُسَمِّي مَوْلَى فَصَارَ كَالِإِخْوَةِ، وَلَنَا أَنَّ الْجِهَةَ مُخْتَلِفَةٌ، لِأَنَّ أَحَدَهُمَا يُسَمِّي مَوْلَى النِّعْمَةِ وَالْآخَرُ مُنْعَمٌ عَلَيْهِ فَصَارَ مُشْتَرَكًا فَلَا يَنْتَظِمُ هُمَا لَفْظًا وَاحِدًا فِي مَوْضِعِ الْإِثْبَاتِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا حَلَفَ لَا يُكَلِّمُ مَوَالِي فَلَانِ حَيْثُ يَتَنَوَّلُ الْأَعْلَى وَالْأَسْفَلَ، لِأَنَّهُ مَقَامُ النَّفْيِ، وَلَا تَنَافِي فِيهِ.

ترجمہ: جس نے اپنے موالی کے لیے وصیت کی اور موصی کے کچھ موالی ایسے ہیں جنہیں موصی نے آزاد کیا ہے اور کچھ موالی ایسے ہیں جنہوں نے موصی کو آزاد کیا ہے تو وصیت باطل ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی بعض کتابوں میں فرمایا ہے کہ وصیت ان تمام لوگوں کے لیے ہوگی اور دوسری جگہ فرمایا کہ رکا جائے گا یہاں تک کہ موالی مصالحت کر لیں۔
حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ لفظ موالی ان تمام کو شامل ہے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک کو مولیٰ کہا جاتا ہے تو یہ رِخوة کی طرح ہو گیا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جہت مختلف ہے، کیونکہ ان میں سے ایک کو مولیٰ النعمہ کہا جاتا ہے اور دوسرے کو مولیٰ منعم علیہ کہا جاتا ہے تو یہ لفظ مشترک ہو گیا، لہذا موضع اثبات میں لفظ واحد دونوں کو شامل نہیں ہوگا۔
برخلاف اس صورت کے جب کسی نے قسم کھائی کہ فلاں کے موالی سے بات نہیں کرے گا تو یہ اعلیٰ اور اسفل سب کو شامل ہوگا، کیونکہ یہ مقام نفی ہے اور اس میں کوئی منافات نہیں ہے۔

اللُّغَاتُ:

﴿موالی﴾ آزاد کرنے والے اور آزاد کردہ۔ ﴿اعتقوہ﴾ اس کو آزاد کیا ہے۔ ﴿تصالحوا﴾ آپس میں مصالحت کر لیں۔ ﴿یتناولہم﴾ ان سب کو شامل ہے۔ ﴿اسفل﴾ نچلا، پست۔
”موالی“ کے لیے وصیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے موالی کے لیے وصیت کی اور اس کے دو طرح کے موالی ہیں کچھ تو وہ ہیں جنہیں خود موصی نے آزاد کیا ہے اور کچھ وہ ہیں جن لوگوں نے موصی کو آزاد کیا ہے اور موصی نے موالی معنیق یا موالی معنیق میں سے کسی کی تصریح نہیں کی تو ہمارے یہاں موصی لہم کے مجہول ہونے کی وجہ سے وصیت باطل ہو جائے گی۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے اس سلسلے میں دو قول منقول ہیں:

(۱) ان کی بعض کتابوں میں ہے کہ وصیت صحیح ہے اور دونوں طرح کے موالی کو شامل ہے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ وصیت کے متعلق توقف کیا جائے گا اور جب دونوں موالی آپس میں نصف نصف وصیت تقسیم

کرنے پر راضی ہو جائیں گے تب اس کو صحیح اور نافذ کیا جائے گا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ لفظ موالی ہر قسم کے موالی کو شامل ہے جیسے لفظ راجوۃ ہر طرح کے بھائیوں کو شامل ہے لہذا اس میں معتق اور معتق دونوں طرح کے موالی شامل اور داخل ہوں گے اور سب وصیت کے حق دار ہوں گے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اگرچہ لفظ موالی دونوں طرح کے موالیوں کو لفظاً شامل ہے لیکن معنایہ سب کو شامل نہیں ہے، کیونکہ اس کی جہت مختلف ہے اس لیے کہ موالی معتق من حیث النعمہ ہے اور موالی معتق من حیث المنعم علیہ ہے لہذا لفظ موالی من حیث الجہت مشترک ہے اور مشترک مواضع اثبات میں سب کو شامل نہیں ہوتا اور ایک قسم اور ایک نوع کو شامل کرنے میں ترجیح بلا مرجح ہے جب کہ دونوں کو شامل کرنے میں جہالت ہے اور موصی کے مقصد کا اظہار نہیں ہے، اس لیے بطلان وصیت کے علاوہ یہاں کوئی اور راستہ نہیں ہے۔

اس کے برخلاف مشترک اگر مواضع نفی میں ہو تو وہاں عموم ہوتا ہے جیسے اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں فلاں کے موالی سے بات نہیں کروں گا تو اس میں ہر طرح کے موالی شامل ہوں گے، کیونکہ لفظ مشترک مقام نفی میں عموم کا فائدہ دیتا ہے اور برسبیل عموم اعلیٰ اور اسفل سب کو شامل ہوتا ہے۔

وَيَدْخُلُ فِي هَذِهِ الْوَصِيَّةِ مَنْ أَعْتَقَهُ فِي الصَّحَّةِ وَالْمَرَضِ، وَلَا يَدْخُلُ مَدْبَرُوهُ وَأَمَهَاتُ أَوْلَادِهِ، لِأَنَّ عِتْقَ هَؤُلَاءِ يَثْبُتُ بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْوَصِيَّةُ تُضَافُ إِلَى حَالَةِ الْمَوْتِ فَلَا بُدَّ مِنْ تَحْقِيقِ الْإِسْمِ قَبْلَهُ، وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ عَلَيْهِ أَنَّهُمْ يَدْخُلُونَ، لِأَنَّ سَبَبَ الْإِسْتِحْقَاقِ لَزِمٌ، وَيَدْخُلُ فِيهِ عَبْدٌ قَالَ لَهُ مَوْلَاهُ إِنَّ لَمْ أَضْرِبْكَ فَأَنْتَ حُرٌّ، لِأَنَّ الْعِتْقَ يَثْبُتُ قُبَيْلَ الْمَوْتِ عِنْدَ تَحْقِيقِ عَجْزِهِ.

ترجمہ: اور اس وصیت میں وہ موالی داخل ہوں گے، جنہیں موصی نے بحالتِ صحت اور بحالتِ مرض آزاد کیا ہو اور موصی کے مدبر اور اس کی امہات اولاد داخل نہیں ہوں گے، کیونکہ ان کا عتق موت کے بعد ثابت ہوگا اور وصیت حالتِ موت کی طرف مضاف ہوتی ہے، لہذا تحقق ضروری ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ یہ لوگ بھی (وصیت میں) داخل ہوں گے، کیونکہ سبب استحقاق لازم ہے۔ اور اس میں وہ غلام بھی داخل ہوگا جسے اس کے مولیٰ نے کہہ دیا ہو کہ اگر میں تجھے نہ ماروں تو تو آزاد ہے، کیونکہ موت سے کچھ پہلے جب مولیٰ ضرب سے عاجز ہو جائے گا تو اس کے عتق ثابت ہو جائے گا۔

اللغات:

﴿مدبر﴾ مالک کے مرنے کے بعد خود بخود آزاد ہونے والا غلام۔ ﴿حر﴾ آزاد ہے۔ ﴿عجز﴾ لا چاری۔

”موالی“ کے لیے وصیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے موالی کے لیے وصیت کی تو اس وصیت میں اس کے وہ تمام موالی شامل اور داخل ہوں گے، جن کو موصی نے صحت اور مرض دونوں حالتوں میں آزاد کیا ہے، کیونکہ وہ سب موالی ہیں اور موالی کے تحت داخل ہیں، اس لیے سب مستحق وصیت ہوں گے، ہاں موصی کے مدبر اور اس کی امہات اولاد اس وصیت سے مستثنیٰ ہیں اور یہ سب اس میں شامل اور داخل نہیں ہوں گے، کیونکہ مدبر اور امہات اولاد کا عتق موصی کی موت کے بعد ثابت ہوگا جب کہ وصیت حالتِ موت کی طرف

مضاف ہوتی ہے، اس لیے مستحق وصیت ہونے کے لیے ان کا حالت موت کے وقت آزاد ہونا ضروری ہے حالانکہ موسیٰ کی موت کے وقت یہ آزاد نہیں ہیں لہذا یہ مستحق وصیت بھی نہیں ہوں گے۔

وعن أبي يوسف رحمه الله الخ: فرماتے ہیں کہ مدبرونہ کے متعلق حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ منقول ہے کہ یہ لوگ وصیت میں داخل ہوں گے، کیونکہ اگرچہ فی الوقت یہ آزاد نہیں ہیں لیکن ان کی آزادی کا سبب اتنا پختہ اور قوی ہے کہ موسیٰ کی موت کے بعد انھیں آزاد ہونے سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روکتی۔

ویدخل فیہ الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے غلام سے کہا اگر میں نے تجھے نہ مارا تو تو آزاد ہے اور مارنے سے پہلے موسیٰ مر گیا تو یہ غلام آزاد ہو جائے گا، کیونکہ جب موسیٰ موت کے وقت تک اسے نہیں مار سکا تو موت کے وقت ضرب سے اس کا بختر محقق ہو گیا اس لیے موت سے پہلے وہ آزاد ہو گیا، لہذا وہ موسیٰ کی وصیت کا مستحق ہوگا، اس لیے استحقاق وصیت کے لیے جو چیز شرط تھی وہ پائی گئی۔

وَلَوْ كَانَ لَهُ مَوَالٍ وَأَوْلَادُ مَوَالٍ وَمَوَالِي مَوَالٍ يَدْخُلُ فِيهَا مُعْتَقُوهُ وَأَوْلَادُهُمْ دُونَ مَوَالِي الْمَوَالِي، وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُمْ يَدْخُلُونَ أَيْضًا، وَالْكُلُّ شُرُكَاءُ، لِأَنَّ الْإِسْمَ يَتَنَاءَوِلُهُمْ عَلَى السَّوَاءِ، وَمُحَمَّدٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ الْجَهَّةُ مُخْتَلِفَةٌ فِي الْمُعْتَقِ الْإِنْعَامُ وَفِي الْمَوَالِي عَقْدُ الْإِتِزَامِ، وَالْإِعْتَاقُ لَا زِمَ فَكَانَ الْإِسْمُ لَهُ أَحَقُّ، وَلَا يَدْخُلُ فِيهِمْ مَوَالِي الْمَوَالِي، لِأَنَّهُمْ مَوَالِي غَيْرِهِ حَقِيقَةً، بِخِلَافِ مَوَالِيهِ وَأَوْلَادِهِمْ لِأَنَّهُمْ يُنْسَبُونَ إِلَيْهِ بِإِعْتَاقٍ وَجَدَ مِنْهُ، وَبِخِلَافِ مَا إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ مَوَالٍ وَلَا أَوْلَادُ الْمَوَالِي، لِأَنَّ اللَّفْظَ لَهُمْ مَجَازٌ فَيُصْرَفُ إِلَيْهِ عِنْدَ تَعَذُّرِ اِعْتِبَارِ الْحَقِيقَةِ.

ترجمہ: اور اگر موسیٰ کے موالی ہوں اور موالی کی اولاد ہوں اور موالی موالیات ہو تو موسیٰ کے معتقین اور ان کی اولاد وصیت میں داخل ہوں گے اور موالی موالیات داخل نہیں ہوں گے، حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ موالی موالیات بھی داخل ہوں گے اور سب شریک ہوں گے کیونکہ لفظ موالی سب کو یکساں طور پر شامل ہے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جہت مختلف ہے معتق میں انعام کی جہت ہے اور موالی میں عقد التزام کی جہت ہے اور اعتاق لازم ہے، لہذا یہ لفظ معتق کے لیے زیادہ مناسب ہوگا۔ اور ان میں موالی کے موالی داخل نہیں ہوں گے کیونکہ یہ حقیقتاً موسیٰ کے علاوہ کے موالی ہیں۔ برخلاف موسیٰ کے موالی اور ان کی اولاد کے، کیونکہ یہ موسیٰ کی طرف ایسے اعتاق کی وجہ سے منسوب ہیں جو موسیٰ کی طرف سے پایا گیا ہے۔

برخلاف اس صورت کے جب موسیٰ کے نہ تو موالی ہوں اور نہ ہی موالی کی اولاد ہوں، کیونکہ ان کے لیے موالی کا لفظ مجاز ہے لہذا حقیقت کا اعتبار معذور ہونے کی صورت میں مجاز کی طرف پھیرا جائے گا۔

اللغات:

﴿معتقوہ﴾ اس کو آزاد کرنے والے۔ ﴿على السواء﴾ برابری کے ساتھ۔ ﴿معتق﴾ آزاد کرنے والا۔

”موالی“ کے لیے وصیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے موالی کے لیے وصیت کی اور موصی کے موالی بھی ہیں، موالی کی اولاد بھی ہیں اور موالی الموالات بھی ہیں تو قولِ جمہور کے مطابق موصی کے موالی اور ان کی اولاد وصیت میں داخل ہوں گے، لیکن موالی الموالات یعنی جن لوگوں نے موصی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہے وہ مستحق وصیت نہیں ہوں گے۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ موالی الموالات بھی وصیت میں داخل ہوں گے اور موالی اور ان کی اولاد کے ساتھ ثلث میں شریک ہوں گے، کیونکہ موالی کا لفظ ان سب کو یکساں طور پر شامل ہے اور سب کو موالی کہا جاتا ہے اور چوں کہ موصی نے مطلق موالی کا لفظ استعمال کیا ہے، اس لیے ہر طرح سے موالی اس میں شامل اور داخل ہوں گے۔

لیکن جمہور کی طرف سے امام محمد علیہ الرحمہ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ لفظ موالی اگرچہ عام ہے، لیکن اس کی جہات مختلف ہیں چنانچہ ایک قوم معق اور منعم علیہم ہونے کی وجہ سے موالی ہے اور دوسری قوم معتد الموالات کا التزام کرنے کی وجہ سے موالی ہے اور اختلاف جہات کے باوجود یہاں ترجیح ممکن ہے یعنی منعم علیہم کے حق میں چوں کہ اعتاق لازم ہے اور فسخ نہیں ہو سکتا، اس لیے وہی لوگ موالی بننے اور وصیت کے لائق ہونے کے زیادہ لائق ہیں، لہذا ہم نے انہی کو مستحق وصیت قرار دیا ہے اور موالی الموالات میں اعتاق بہت زیادہ پختہ نہیں ہے، لہذا یہ لوگ موصی کی وصیت میں داخل نہیں ہوں گے۔ اور نہ ہی موالی کے موالی یعنی موصی کے معتقین کے معتقین اس میں داخل ہوں گے، کیونکہ یہ لوگ موصی کے موالی نہیں ہیں، بل کہ اس کے غیر کے موالی ہیں۔

اس کے برخلاف موصی کے موالی اور ان کی اولاد سب مستحق وصیت ہوں گے، کیونکہ یہ لوگ موصی کی طرف سے اعتاق کی وجہ سے موصی کی طرف منسوب ہیں اور بلا واسطہ تو نہیں لیکن بالواسطہ یقیناً موصی کے موالی ہیں، اس لیے جو بلا واسطہ موصی کے موالی ہیں ان کا دامن پکڑ کر یہ لوگ بھی موصی کے موالیوں کی فہرست میں شامل ہو کر مستحق وصیت ہوں گے۔

اور اگر موصی کے نہ تو موالی ہوں اور نہ ہی موالی کی اولاد ہوں اور موالی الموالات ہوں تو اس صورت میں یہ لوگ مستحق وصیت ہوں گے، کیونکہ لفظ موالی موالی کے لیے حقیقت ہے اور موالی الموالات کے لیے مجاز ہے اور چوں کہ یہاں اس کے حقیقی معنی موجود نہیں ہیں اور اس پر عمل کرنا معتذر ہے اس لیے موالی کے مجازی معنی پر عمل ہوگا اور موالی الموالات مستحق وصیت ہوں گے، کیونکہ فتنہ کا یہ مشہور قاعدہ ہے: إِذَا تَعَذَّرَ الْعَمَلُ عَلَى الْحَقِيقَةِ بَصَارَ إِلَى الْمَجَازِ کہ جب حقیقت پر عمل کرنا معتذر ہو تو مجاز کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور یہاں چوں کہ لفظ موالی کے حقیقی معنی پر عمل کرنا معتذر ہے اس لیے مجازی معنی پر عمل ہو رہا ہے۔

وَلَهُ كَانَ لَهُ مُعْتَقٌ وَاحِدٌ وَمَوَالِي الْمَوَالِي فَالْنِّصْفُ لِمُعْتَقِهِ وَالْبَاقِي لِلْوَرَثَةِ لَتَعَذَّرَ الْجَمْعُ بَيْنَ الْحَقِيقَةِ وَالْمَجَازِ .

ترجمہ: اور اگر موصی کا ایک معتق ہو اور موالی الموالات ہوں تو ثلث کا نصف اس کے معتق کا ہے اور باقی ورثاء کا ہے، اس لیے کہ حقیقت اور مجاز میں جمع معتذر ہے۔

اللَّغَاتُ:

﴿معتق﴾ آزاد کرنے والا۔ ﴿تعتذر﴾ ناممکن ہونا۔

”موالی“ کے لیے وصیت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر موسیٰ نے موالی کے لیے وصیت کی اور اس کے موالی میں صرف ایک ہی شخص ہے اور باقی موالی الموالی ہیں تو اس صورت میں موسیٰ بہ یعنی ثلث کا نصف معق لے گا اور باقی ورثاء کو دے دیا جائے گا، کیونکہ اگر ہم باقی مال موالی الموالی کو دیں تو ایک ہی چیز میں حقیقت اور مجاز یعنی معق اور موالی دونوں کا اجتماع لازم آئے گا، حالانکہ حقیقت اور مجاز کا اجتماع دشوار ہے۔ اس لیے اس صورت میں حقیقت پر عمل کرنے کے بعد بچا ہوا مال ورثاء کو دے دیا جائے گا تاکہ حقیقت اور مجاز کے اجتماع سے بچا جاسکے۔

وَلَا يَدْخُلُ فِيهِ مَوَالٍ اُعْتَقَهُمُ ابْنُهُ اَوْ اَبُوهُ، لِاَنَّهُمْ لَيَسُوْا بِمَوَالِيْهِ لَا حَقِيْقَةً وَلَا مَجَازًا، وَاِنَّمَا يَحْرُزُ مِيْرَانَهُمْ بِالْعَصُوْبَةِ، بِخِلَافِ مُعْتَقِ الْمُعْتَقِ لِاَنَّهُ يُنْسَبُ اِلَيْهِ بِالْوَلَاةِ. وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ترجمہ: اور اس میں وہ موالی داخل نہیں ہوں گے جنہیں موسیٰ کے بیٹے یا باپ نے آزاد کیا ہو، کیونکہ وہ نہ تو حقیقتاً موسیٰ کے موالی ہیں اور نہ ہی مجازاً اور موسیٰ عصبوت کی وجہ سے ان کی میراث لیتا ہے۔ برخلاف معق کے معق کے، کیونکہ وہ ولاء کے ذریعے موسیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اللغات:

﴿اعْتَقَهُمْ﴾ آزاد کیا ہے۔ ﴿يَحْرُزُ﴾ لیتا ہے۔ ﴿عَصُوْبَةٌ﴾ عصبہ ہونا۔

”موالی“ کے لیے وصیت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنے موالی کے لیے وصیت کی تو اس وصیت میں وہ موالی داخل نہیں ہوں گے جنہیں موسیٰ کے باپ نے یا اس کے بیٹے نے آزاد کیا ہے، کیونکہ باپ یا بیٹے کے موالی نہ تو حقیقتاً موسیٰ کے موالی ہیں اور نہ ہی مجازاً تو آخر کس بنیاد پر ہم انہیں مستحق وصیت قرار دے دیں۔

وَاِنَّمَا يَحْرُزُ الْخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر موسیٰ کے باپ یا اس کے بیٹے میں سے کسی کے مولیٰ کا انتقال ہو جاتا ہے اور موسیٰ کا باپ یا بیٹا موجود نہ ہو تو خود موسیٰ اس کے ترکہ کا مستحق ہوگا اور یہ استحقاق سبھی عصبوت کی بنیاد پر ہوگا یعنی موسیٰ اس صورت میں ان کا وارث ہوگا، لیکن یہ لوگ کسی بھی صورت میں موسیٰ کی وصیت کے حق دار نہیں ہوں گے۔

بخلاف معق المعق الخ: یعنی موسیٰ کے معق کا معق موسیٰ کی وصیت کا مستحق ہوگا، کیونکہ موسیٰ اس کے ولاء کا مستحق ہے اور ولاء کے ذریعے وہ معق موسیٰ کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

نوٹ: ہدایہ کے نسخوں میں بخلاف معق البعض کی عبارت ہے جو غالباً کاتب کا سہو ہے اور اصل عبارت بخلاف

معق المعق ہے۔ (کفایہ، بنایہ)



بَابُ الْوَصِيَّةِ بِالسُّكْنَى وَالْخِدْمَةِ وَالشَّمْرِ

یہ باب سکنی، خدمت اور پھل کی وصیت کرنے کے بیان میں ہے

اس سے پہلے ان وصایا کا بیان تھا جو اعیان سے متعلق تھے اور اب ان وصایا کا بیان ہے جو منافع سے متعلق ہیں اور منافع ہیں جیسے باغ کے پھل، خدمت اور رہائش کی وصیت اور منافع اعیان سے موخر ہوتے ہیں، اسی لیے اس باب کو اعیان کے بعد بیان کیا جا رہا ہے۔

قَالَ وَتَجُوزُ الْوَصِيَّةُ بِخِدْمَةِ عَبْدِهِ وَسُكْنَى دَارِهِ سِنِينَ مَعْلُومَةً وَتَجُوزُ بِذَلِكَ أَبَدًا، لِأَنَّ الْمَنَافِعَ يَصِحُّ تَمْلِكُهَا فِي حَالَةِ الْحَيَاةِ بَدَلٍ وَغَيْرِ بَدَلٍ فَكَذَا بَعْدَ الْمَمَاتِ لِحَاجَتِهِ كَمَا فِي الْأَعْيَانِ وَيَكُونُ مَحْبُوسًا عَلَى مِلْكِهِ فِي حَقِّ الْمَنْفَعَةِ حَتَّى يَتَمَلَّكَهَا الْمُوصِي لَهُ عَلَى مِلْكِهِ كَمَا يَسْتَوْفِي الْمُوقُوفُ عَلَيْهِ مَنَافِعَ الْوَقْفِ عَلَى حُكْمِ مِلْكِ الْوَاقِفِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اپنے غلام کی خدمت اور اپنے گھر کی رہائش کی چند متعین سالوں کے لیے وصیت جائز ہے اور ہمیشہ کے لیے بھی ان کی وصیت جائز ہے، کیونکہ بحالتِ حیات بدل اور غیر بدل کے ساتھ منافع کی تسلیم صحیح ہے، لہذا موت کے بعد بھی صحیح ہوگا، کیونکہ موصی کو اس کی حاجت ہے جیسے اعیان میں ہے۔ اور موصی بہ منفعۃ کے حق میں موصی کی ملکیت پر محبوس ہوگا حتیٰ کہ موصی لہ موصی کی ملکیت پر منفعۃ کا مالک ہوگا جیسے موقوف علیہ وقف کے منافع کو واقف کی ملکیت کے حکم پر حاصل کرتا ہے۔

اللَّغَاتُ:

﴿عبد﴾ غلام۔ ﴿سکنی﴾ رہائش۔ ﴿سنین﴾ کئی سال۔ ﴿تملیک﴾ مالک بنانا۔ ﴿محبوس﴾ روکا گیا۔ ﴿یتملک﴾ مالک بن جاتا ہے۔ ﴿یستوفی﴾ پورا وصول کر لیتا ہے۔

منافع کی وصیت کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے منافع کی وصیت کرے مثلاً کسی کے لیے اپنے غلام کی خدمت کی وصیت کرے یا اپنے گھر میں کسی کی رہائش کی وصیت کرے یا کسی کے لیے اپنے باغ کے پھل کی وصیت کرے تو ان تمام صورتوں میں وصیت درست

اور جائز ہے بشرطیکہ منافع حاصل کرنے کی مدت معلوم اور متعین ہو یا ہمیشہ ہمیش کے لیے وصیت کی گئی ہو، اس لیے کہ جس طرح انسان اپنی زندگی میں اجرت لے کر یا بدون اجرت کسی کو منافع کا مالک بنا سکتا ہے اسی طرح اپنی موت کے بعد بھی وہ کسی کو مالک بنا سکتا ہے کیونکہ اسے اس کی حاجت ہے اور پھر جب انسان عین یعنی نفس عہد اور نفس اور وغیرہ کی وصیت کر سکتا ہے تو ان کے منافع کی ہر جہ اولیٰ وصیت کر سکتا ہے البتہ موصیٰ نہ صرف منافع کا مالک ہوگا۔ اعیان کا مالک نہیں ہوگا اور اعیان موصیٰ کی ملکیت پر برقرار رہیں گے، جیسے موقوف علیہ وقف کے منافع کو واقف کی ملکیت کے حکم پر وصول کرتا ہے اور اصل کی ملکیت واقف کی رہتی ہے اسی طرح یہاں بھی موصیٰ نہ صرف منافع کو وصول کرے گا اور اصل چیز یعنی عین موصیٰ ہی کی ملکیت ہوگی۔

وَتَجُوزُ مَوْقَاتًا وَمُؤَبَّدًا كَمَا فِي الْعَارِيَةِ فَإِنَّهَا تَمْلِكُ عَلَى أَصْلِنَا، بِخِلَافِ الْيُمِرَاتِ، لِأَنَّهُ خِلَافَةٌ فِيمَا يَتَمَلَّكُهُ الْمُوْرُثُ وَذَلِكَ فِي عَيْنِ تَقْطِي، وَالْمَنْفَعَةُ عَرُضٌ لَا يَنْقُطِي، وَكَذَا الْوَصِيَّةُ بِغَلَّةِ الْعَبْدِ وَالذَّارِ، لِأَنَّهُ بَدَلُ الْمَنْفَعَةِ فَآخَذَ حُكْمَهَا وَالْمَعْنَى يَشْمِلُهُمَا.

ترجمہ: اور یہ وصیت موقت اور مؤبد دونوں طرح جائز ہے جیسے عاریت میں ہے، کیونکہ عاریت ہماری اصل پر تملیک ہے۔ برخلاف میراث کے، کیونکہ میراث خلافت ہے اس چیز میں جس کا مورث مالک ہے اور خلافت ایسی عین میں ہوتی ہے جو باقی رہتی ہے اور منفعت عرض ہوتی جو باقی نہیں رہتی۔ ایسے ہی غلام اور گھر کی آمدنی کی وصیت کرنا اس لیے کہ یہ منفعت کا بدل ہے لہذا آمدنی منفعت کا حکم لے لے گی اور معنی ان دونوں کو شامل ہے۔

اللغات:

﴿موقت﴾ ایک خاص وقت کے لیے۔ ﴿مؤبد﴾ ہمیشہ کے لیے۔ ﴿عاریہ﴾ ادھار۔ ﴿تملیک﴾ مالک بنانا۔ ﴿عرض﴾ بذاتہ قائم نہ ہو سکے والی شے۔ ﴿غلة﴾ کمائی، آمدنی۔

منافع کی وصیت کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ منافع کی وصیت جائز ہے اور یہ جواز موقت اور مؤبد دونوں طرح سے ہے یعنی ہمیشہ کے لیے بھی منافع کی وصیت جائز ہے اور کچھ ایام کے لیے بھی جائز ہے، کیونکہ منافع عاریت کی طرح ہیں اور ہمارے یہاں۔ بہت تملیک ہے لہذا منافع بھی از قبیل تملیک ہوں گے، اس کے برخلاف میراث کا۔ عامًا ہے تو میراث تملیک نہیں بلکہ خلافت ہے اور خلافت باقی رہنے والے اعیان میں جاری ہوتی ہے حالانکہ منافع عرض ہیں اور باقی بھی نہیں رہتے، اس لیے منافع میں خلافت یعنی میراث جاری نہیں ہوگی۔

وَكَذَا الْوَصِيَّةُ الْخ: فرماتے ہیں کہ جس طرح غلام اور دار کی وصیت جائز ہے اسی طرح غلام اور دار سے حاصل ہونے والے کرایے اور آمدنی کی وصیت بھی جائز ہے، کیونکہ یہ آمدنی ان کی منفعت کا بدل ہے، لہذا جو حکم مبدل کا ہے وہی بدل کا بھی ہوگا اور چونکہ مبدل کی وصیت جائز ہے لہذا بدل کی وصیت بھی جائز ہوگی۔

قَالَ فَإِنْ خَرَجْتَ رَقَبَةُ الْعَبْدِ مِنَ الثَّلَاثِ يُسَلِّمُ إِلَيْهِ لِيُخْدِمَهُ، لِأَنَّ حَقَّ الْمُوصِي لَهُ فِي الثَّلَاثِ لَا تَزَاوِيَهُ الْوَرَثَةُ وَإِنْ كَانَ لَا مَالَ لَهُ غَيْرُهُ خَدِمَ الْوَرَثَةَ يَوْمَيْنِ وَالْمُوصِي لَهُ يَوْمًا، لِأَنَّ حَقَّهُ فِي الثَّلَاثِ وَحَقُّهُمْ فِي الثَّلَاثَيْنِ كَمَا فِي الْوَصِيَّةِ فِي الْعَيْنِ وَلَا تُمْكِنُ قِسْمَةُ الْعَبْدِ أَجْزَاءً لِأَنَّهُ لَا يَتَجَزَّى فَصَرْنَا إِلَى الْمُهَيَّاتِ إِنْفَاءً لِلْحَقِّينِ، بِخِلَافِ الْوَصِيَّةِ بِسُكْنَى الدَّارِ إِذَا كَانَتْ لَا تَخْرُجُ مِنَ الثَّلَاثِ حَيْثُ تُقَسَّمُ عَيْنُ الدَّارِ أَثْلًا لِلِانْتِفَاعِ، لِأَنَّهُ يُمْكِنُ الْقِسْمَةُ بِالْأَجْزَاءِ وَهُوَ أَعْدَلُ لِلتَّسْوِيَةِ بَيْنَهُمَا زَمَانًا وَذَاتًا، وَفِي الْمُهَيَّاتِ تَقْدِيمُ أَحَدِهِمَا.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ پھر اگر غلام کا رقبہ ثلاث سے نکل جائے تو غلام موصی لہ کے سپرد کر دیا جائے گا تاکہ غلام اس کی خدمت کرے، کیونکہ موصی لہ کا حق ثلاث میں ہے اور اس میں ورثاء اس کے مزاحم نہیں ہیں۔ اور اگر غلام کے علاوہ موصی کے پاس مال نہ ہو تو غلام دو دن ورثاء کی خدمت کرے اور ایک دن موصی لہ کی خدمت کرے، کیونکہ موصی لہ کا حق ثلاث میں ہے اور ورثاء کا حق دو ثلاث میں ہے جیسے عین کی وصیت میں اور اجزاء کر کے غلام کی تقسیم ممکن نہیں ہے، کیونکہ غلام متجزی نہیں ہے لہذا دونوں حق ثابت کرنے کے لیے ہم نے مہایات کی طرف رجوع کیا۔

برخلاف گھر کی رہائش کی وصیت کے جب دار ثلاث سے نہ نکلتا ہو، تو انتفاع کے لیے دار کا عین تین حصوں پر تقسیم کیا جائے گا، کیونکہ اجزاء کے ساتھ تقسیم ممکن ہے اور ان کے مابین زمان اور ذات کے اعتبار سے برابری کی وجہ سے یہی اعدل ہے اور مہایات میں ان میں سے ایک کی تقدیم ہے۔

اللَّغَاتُ:

﴿رقبة﴾ غلام کی ذات۔ ﴿يسلم﴾ سپرد کیا جائے گا۔ ﴿موصی لہ﴾ جس کے حق میں وصیت کی گئی ہے۔ ﴿لا تزاوہ﴾ مقابلہ نہیں کریں گے۔ ﴿خدم﴾ خدمت کرے گا۔ ﴿لا يتجزى﴾ ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہوتا۔ ﴿صرنا﴾ ہم پھر گئے۔ ﴿انفاء﴾ پوری ادائیگی کے لیے۔ ﴿مہایات﴾ باری باری منافع حاصل کرنا۔

خدمت کی وصیت اور غلام خادم کی ترکے میں حیثیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی شخص کے لیے اپنے غلام کی خدمت کی وصیت کی اور موصی کے پاس اس غلام کے علاوہ اتنا مال ہے جو دو ثلاث سے زیادہ ہے اور موصی بہ غلام ثلاث سے نکل جاتا ہے تو وہ غلام موصی لہ کے سپرد کر دیا جائے گا تاکہ وہ موصی لہ کی خدمت کرتا رہے، کیونکہ موصی لہ موصی کے مال میں ثلاث کا مستحق ہے اور اس میں موصی کے ورثاء موصی لہ کے مزاحم نہیں ہیں، اس لیے وہ غلام موصی لہ کی خدمت کرے گا۔

اور اگر اس غلام کے علاوہ موصی کے پاس دوسرا مال نہ ہو تو اب اس غلام میں تقسیم اس طرح ہوگی کہ وہ غلام ایک دن موصی لہ کی خدمت کرے گا اور دو دن ورثاء کی، اس لیے کہ ورثاء دو ثلاث کے مستحق ہیں اور موصی لہ ایک ثلاث کا، لہذا اسی حساب سے غلام کی خدمت بھی ان کے مابین تقسیم ہوگی۔ جیسے اعیان کی وصیت میں اسی طرح ایک اور دو حصے کر کے تقسیم ہوتی ہے اور چوں کہ غلام کو کاٹ

کر اور اس کے اجزاء بنا کر تقسیم ممکن نہیں ہے، اس لیے دونوں فریقوں کو ان کا حق دینے کے لیے مہایات کی طرف رجوع کیا گیا ہے تاکہ دونوں فریقوں کو ان کے حقوق مل جائیں۔

اس کے برخلاف اگر کسی نے کسی شخص کے لیے رہائش دار کی وصیت کی اور موصی کے پاس اس گھر کے علاوہ کوئی دوسرا مال نہ ہو تو اس صورت میں ورثاء اور موصی لہ کے مابین گھر کے تین حصے کر کے اسے تقسیم کر دیا جائے گا، تاکہ دونوں فریق کو ان کا حصہ مل جائے اور وہ لوگ اس سے نفع حاصل کر سکیں۔ اور ایسا کرنا ممکن بھی ہے کہ اس میں اجزاء کے حساب سے گھر کی تقسیم بھی ممکن ہے اور اس صورت میں زمان اور ذات دونوں اعتبار سے دونوں فریق نفع اندوز ہو سکیں گے، یعنی ایک ہی وقت میں مکان دونوں حصہ داروں کو مل جائے۔ ذات سے مراد مکان ہے۔

وَلَوْ اُتْسَمُوا الدَّارَ مَهَيَاةً مِنْ حَيْثُ الزَّيْمَانِ تَجُوزُ اَيْضًا، لِأَنَّ الْحَقَّ لَهُمْ إِلَّا أَنَّ الْأَوَّلَ وَهُوَ الْأَعْدَلُ أَوْلَى وَلَيْسَ لِلْوَرَثَةِ أَنْ يَسْعُوا مَا فِي أَيْدِيهِمْ مِنْ ثُلثِي الدَّارِ، وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحْمَةً عَلَيْهِ أَنْ لَهُمْ ذَلِكَ، لِأَنَّهُ خَالِصٌ مِلْكِيهِمْ، وَجَهُ الظَّاهِرِ أَنَّ حَقَّ الْمُوصِي لَهُ ثَابِتٌ فِي سَكْنَى جَمِيعِ الدَّارِ بِأَنْ ظَهَرَ لِلتَّبَتِ مَالٌ آخَرُ وَتَخْرُجُ الدَّارُ مِنَ الثَّلْثِ وَكَذَا لَهُ حَقُّ الْمَزَاحِمَةِ فِيمَا فِي أَيْدِيهِمْ إِذَا خَرَبَ مَا فِي أَيْدِيهِمْ وَالْبَيْعُ يَتَضَمَّنُ إِبْطَالَ ذَلِكَ فَمَنْعُوا عَنْهُ.

ترجمہ: اور اگر انھوں نے زمانہ کے اعتبار سے بطور مہایات گھر کو تقسیم کیا تو بھی جائز ہے، اس لیے کہ حق انہی کا ہے لیکن اول اولی ہے اور یہی اعدل ہے اور ورثاء کو یہ حق نہیں ہے کہ ان کے قبضے میں جو گھر کے دوثلث ہیں انھیں فروخت کر دیں۔ حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ورثاء کو فروخت کرنے کا حق ہے، اس لیے کہ یہ خالص ان کی ملکیت ہے۔

ظاہر الروایہ کی دلیل یہ ہے کہ موصی لہ کا حق پورے گھر کے سکنی میں ثابت ہے بایں طور کہ میت کے لیے دوسرا مال ظاہر ہو جائے اور گھر ثلث سے نکل جائے، نیز موصی لہ کو اس گھر میں جو ورثاء کے قبضے میں ہے حق مزاحمت حاصل ہے جب وہ گھر خراب ہو جائے جو موصی لہ کے قبضے میں ہے اور بیع اس حق کے ابطال کو متضمن ہے لہذا ورثاء کو اس سے روکا جائے گا۔

اللغات:

﴿مہایات﴾ باری باری منفعت حاصل کرنا۔ ﴿أعدل﴾ زیادہ عدل والا ہے۔ ﴿یسعوا﴾ بیع و ائیس۔ ﴿موصی لہ﴾ جس کے حق میں وصیت کی گئی ہے۔ ﴿یتضمن﴾ ضمناً شامل ہوتا ہے۔

بطور مہایات تقسیم کا جواز:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ دار کے حصے کر کے اس کی تقسیم بہتر اور اولیٰ ہے، لیکن اگر موصی لہ اور ورثاء مل کر آپس میں گھر کو بطور مہایات تقسیم کر لیں تو یہ بھی جائز ہے، اور ورثاء کے پاس جو دوثلث دار ہے اگر ورثاء اسے فروخت کرنا چاہیں تو ظاہر الروایہ میں انھیں

اس کا حق نہیں ہے۔ البتہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت میں ہے کہ ورثاء اپنا حصہ فروخت کر سکتے ہیں، کیونکہ یہ ان ہی کا حق ہے اور انھیں اپنے حق میں تصرف کا اختیار ہے۔

ظاہر الروایہ کی دلیل یہ ہے کہ اگر میت کے پاس اس مکان کے علاوہ دوسرا مال نکل جائے اور موسیٰ بہ مکان ثلث سے خارج ہو جائے تو موسیٰ لہ کو پورے مکان میں سکنی کا حق حاصل ہوگا اور اگر موسیٰ لہ کا حصہ خراب ہو جائے تو جو حصہ ورثاء کے قبضے میں ہے اس میں موسیٰ لہ کو حق مزاحمت بھی حاصل ہوگا اور موسیٰ لہ اپنے حصے کے برابر ورثاء سے مطالبہ کرے گا اب ظاہر ہے کہ اگر ہم ورثاء کو ان کا حق فروخت کرنے کی اجازت دے دیں تو موسیٰ لہ کا یہ حق باطل ہو جائے گا، اسی لیے ہم نے ورثاء کو بیع سے منع کر دیا ہے۔

قَالَ فَإِنْ كَانَ مَاتَ الْمُوصِي لَهُ عَادَ إِلَى الْوَرَثَةِ، لِأَنَّ الْمُوصِي أَوْجَبَ الْحَقَّ لِلْمُوصَى لَهُ يَتَوَفَّى الْمَنَافِعَ عَلَى حُكْمِ مِلْكِهِ فَلَوْ انْتَقَلَ إِلَى وَارِثِ الْمُوصَى لَهُ اسْتَحَقَّهَا ابْتِدَاءً مِنْ ذَلِكَ الْمُوصِي مِنْ غَيْرِ مَرَضَاتِهِ وَذَلِكَ لَا يَجُوزُ، وَلَوْ مَاتَ الْمُوصِي لَهُ فِي حَيَاةِ الْمُوصِي بَطَلَتْ، لِأَنَّ إِيْجَابَهَا تَعَلَّقَ بِالْمَوْتِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر موسیٰ لہ مر جائے تو موسیٰ بہ ورثاء کی طرف عود کر آئے گا، کیونکہ موسیٰ نے موسیٰ لہ کے لیے حق ثابت کر دیا ہے تاکہ وہ اس کی ملکیت کے حکم پر منافع وصول کر سکے۔ اور اگر موسیٰ بہ موسیٰ لہ کے وارث کی طرف منتقل ہو جائے تو وارث موسیٰ کی طرف سے اس کی مرضی کے بغیر ابتداء منافع کا مستحق ہوگا اور یہ جائز نہیں ہے۔
اور اگر موسیٰ لہ موسیٰ کی زندگی میں مر جائے تو وصیت باطل ہو جائے گی، کیوں کہ وصیت کا ایجاب موسیٰ کی موت پر معلق ہے جیسا کہ ہم پہلے اسے بیان کر چکے ہیں۔

اللغات:

﴿عاد﴾ لوٹ آئے گا۔ ﴿يستوفى﴾ وصول کرے۔ ﴿موصى﴾ وصیت کرنے والا۔

رہائش کی وصیت والا مکان کس کی ملک ہوگا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی کو کوئی مکان رہائش کے لیے بطور وصیت دیا ہو اور موسیٰ نے موسیٰ لہ کو اس مکان کا مالک نہ بنایا ہو تو جب تک موسیٰ لہ بقید حیات ہے اس وقت تک وہ اس سے نفع اندوز ہوگا اور جب موسیٰ لہ کا انتقال ہو جائے گا تو وہ مکان موسیٰ کے ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گا اور موسیٰ لہ کے ورثاء کو نہیں ملے گا، کیونکہ موسیٰ نے موسیٰ لہ کو اپنی ملکیت کی بقاء پر اس مکان سے فائدہ حاصل کرنے کی اجازت دی تھی۔ اب اگر ہم اسے موسیٰ لہ کے ورثاء کو دے دیں تو موسیٰ کی مرضی کے بغیر ابتداء ورثاء کا اس مکان میں استحقاق ماننا پڑے گا حالانکہ دوسرے کے مکان میں مالک مکان کے بغیر استحقاق ثابت کرنا ناجائز ہے، اسی لیے موسیٰ لہ کی موت کے بعد وہ مکان موسیٰ کے ورثاء کو ملے گا۔

ولو مات الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر موسیٰ کی زندگی میں موسیٰ لہ کا انتقال ہو جائے تو وصیت باطل ہو جائے گی، کیونکہ موسیٰ کا وصیت کرنا ایجاب ہے اور موسیٰ لہ کا قبول کرنا ”قبول“ ہے اور موسیٰ لہ کی طرف سے قبولیت کا اثر موسیٰ کی موت کے بعد ظاہر

ہوتا ہے لیکن یہاں قبول کرنے والا موصی کی موت سے پہلے ہی مر چکا ہے اس لیے قبول کا راستہ مسدود ہو گیا لہذا موصی کا ایجاب یعنی وصیت کرنا باس ہو گیا، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ما قبل میں فصل فی اعتبار حالة الوصية کے عنوان میں ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔

وَلَوْ أَوْصَى بِغَلَّةٍ عَبْدِهِ أَوْ دَارِهِ فَاسْتَحْدَمَهُ بِنَفْسِهِ أَوْ سَكَنَهَا بِنَفْسِهِ قِيلَ يَجُوزُ ذَلِكَ، لِأَنَّ قِيَمَةَ الْمَنَافِعِ كَعَيْنِهَا فِي تَحْصِيلِ الْمَقْصُودِ، وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ لَا يَجُوزُ، لِأَنَّ الْغَلَّةَ دَرَاهِمُ أَوْ ذَنَانِيرُ وَقَدْ وَجَبَتِ الْوَصِيَّةُ بِهَا، وَهَذَا اسْتِيفَاءُ الْمَنَافِعِ وَهَمَّا مُتَغَايِرَانِ وَمُتَفَاوَتَانِ فِي حَقِّ الْوَرَثَةِ، فَإِنَّهُ لَوْ ظَهَرَ دَيْنٌ يُمَكِّنُهُمْ أَدَاؤُهُ مِنَ الْغَلَّةِ بِالْإِسْتِزَادِ مِنْهُ بَعْدَ اسْتِغْلَالِهَا وَلَا يُمَكِّنُهُمْ مِنَ الْمَنَافِعِ بَعْدَ اسْتِيفَائِهَا بَعِيْنَهَا.

ترجمہ: اگر موصی نے اپنے غلام یا اپنے گھر کی آمدنی کی وصیت کی پھر موصی لہ نے خود غلام سے خدمت لے لی یا خود ہی گھر میں رہنے لگا تو ایک قول یہ ہے کہ یہ جائز ہے، کیوں کہ منافع کی قیمت مقصود حاصل کرنے میں عین منافع کی طرح ہے۔ اور اصح یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ آمدن دراہم یا دنانیر ہیں اور انھیں کی وصیت ہوئی ہے اور یہ منافع کی وصولیابی ہے حالانکہ یہ دونوں متغائر ہیں اور ورثاء کے حق میں متفاوت ہیں چنانچہ اگر میت پر قرض نکل آئے تو ورثاء کے لیے موصی لہ کے منافع سے آمدنی حاصل کرنے کے بعد اس سے آمدنی واپس لے کر قرض ادا کرنا ممکن ہے اور عین منافع کو حاصل کرنے کے بعد منافع سے قرض ادا کرنا ممکن نہیں ہے۔

اللغات:

﴿غلة﴾ آمدن، کمائی۔ ﴿عبد﴾ غلام۔ ﴿سكن﴾ رہنے لگا۔ ﴿استيفاء﴾ پوری وصولی۔

کسی ذریعہ آمدن کی کمائی کی وصیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے مثلاً نعمان کے لیے یہ وصیت کی کہ نعمان میرے غلام کی مزدوری لیا کرے یا میرے فلاں مکان کا کرایہ وصول کر کے اپنا کام چلایا کرے، لیکن بھائی نعمان خود ہی اس مکان میں رہنے لگے اور اس غلام سے ٹانگیں دبوانے لگے تو بھائی نعمان کے اس عمل کے جواز اور عدم جواز میں حضرات مشائخ رحمہم کے دو قول ہیں (۱) بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ نعمان کا یہ فعل درست اور جائز ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب موصی نے نعمان کو غلام اور مکان کی آمدنی لینے کا حق اور اختیار دے دیا ہے تو اس کے لیے عین منافع کو حاصل کرنے کا بھی حق ہوگا، اس لیے مقصود کی تحصیل میں غلہ اور منافع دونوں برابر ہیں، لہذا موصی لہ غلہ وصول کرے یا منافع دونوں اس کے لیے درست ہیں۔

(۲) والأصح الخ: فرماتے ہیں کہ دوسرے اور اصح قول کے مطابق موصی لہ کو صرف آمدنی وصول کرنے کا حق ہے اور منافع حاصل کرنے کا حق نہیں ہے، کیوں کہ موصی بہ آمدنی ہے، منافع نہیں ہیں اور آمدنی اور منافع میں کھلا ہوا تضاد اور تغایر ہے اور یہ چیزیں ورثاء کے حق میں بھی متفاوت ہیں، اس لیے کہ اگر وصیت کے بعد میت پر دین محیط نکل آئے تو ورثاء کو حق ہے کہ موصی لہ نے منافع سے جو آمدنی حاصل کی ہے اس آمدنی کو واپس لے کر قرض دیا جائے، لیکن اگر موصی لہ منافع حاصل کر لے گا تو ظاہر ہے کہ اس سے قرض کی ادائیگی نہیں ہو سکے گی، اس لیے اس حوالے سے بھی موصی لہ کے لیے موصی بہ کے علاوہ یعنی منافع کو حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

وَلَيْسَ لِلْمُوصِي لَهُ بِالْخِدْمَةِ وَالسُّكْنَى أَنْ يُؤَاجِرَ الْعَبْدَ وَالذَّارَ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ لِأَنَّهُ بِالْوَصِيَّةِ مَلَكَ الْمُنْفَعَةَ فَيَمْلِكُ تَمْلِيكُهَا مِنْ غَيْرِهِ بَدَلٍ أَوْ غَيْرِ بَدَلٍ، لِأَنَّهَا كَالْأَعْيَانِ عِنْدَهُ. بِخِلَافِ الْعَادِيَّةِ، لِأَنَّهَا إِبَاحَةٌ عَلَى أَصْلِهِ وَلَيْسَ بِتَمْلِيكٍ.

ترجمہ: اور موصی لہ بالخدمت والسكنی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ غلام اور گھرا جرت پر دیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسے یہ حق ہے، کیونکہ وصیت کی وجہ سے موصی لہ منفعت کا مالک ہو چکا ہے لہذا موصی لہ اپنے علاوہ؛ منفعت کا مالک بنانے کا مالک ہوگا، خواہ بدل کے عوض ہو یا بدون بدل ہو، کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں منفعت اعیان کی طرح ہے۔ برخلاف عاریت کے، اس لیے کہ ان کی اصل کے مطابق عاریت اباحت ہے تملیک نہیں ہے۔

اللغات:

﴿موصی لہ﴾ جس کے حق میں وصیت کی گئی ہے۔ ﴿یواجر﴾ اجارہ پر دے، کرائے پر دے۔ ﴿سکنی﴾ رہائش۔ ﴿تملیک﴾ مالک بنانا۔

خدمت اور رہائش کا موصی لہ ان چیزوں کو کرائے پر نہیں دے سکتا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے دوسرے کے لیے اپنے غلام کی خدمت یا اپنے گھر میں رہائش کی وصیت کی تو ہمارے یہاں یہ وصیت خدمت اور رہائش ہی کی ہوگی اور موصی لہ کو یہ حق نہیں ہوگا کہ وہ مذکورہ غلام یا گھر کرایے پر دے کر ان کی آمدنی حاصل کرے، جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں موصی لہ کو انھیں کرایے پر دینے کا حق حاصل ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ موصی لہ وصیت کی وجہ سے عبد اور دار کی منفعت کا مالک ہو چکا ہے لہذا وہ دوسرے کو ان کی منفعت کا مالک بنا سکتا ہے، خواہ عوض لے کر بنائے یا بدون عوض بنائے، بہر صورت اسے یہ حق حاصل ہے۔ کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں منفعت اعیان کی طرح ہے اور موصی لہ بالاعیان دوسرے کو مالک بنانے کا حق دار ہے، لہذا موصی لہ بالمنفعة بھی دوسرے کو منفعت کی تملیک کا مالک اور مستحق ہوگا۔

بخلاف العاریة الخ: فرماتے ہیں کہ عاریت کا معاملہ اور مسئلہ وصیت کے برخلاف ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص کسی سے عاریت پر کوئی چیز لے تو مستغیر دوسرے کو وہ چیز عاریت پر نہیں دے سکتا، کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں عاریت اباحت ہے تملیک نہیں ہے، لہذا جب مستغیر خود ہی اس چیز کا مالک نہیں ہے تو دوسرے کو کیا خاک وہ اس کا مالک بنائے گا، فقہ کا ضابطہ یہ ہے کہ من لا یملک شیاً لا یملکہ غیرہ یعنی جو شخص کسی چیز کا مالک نہیں ہے وہ دوسرے کو اس چیز کا مالک نہیں بنا سکتا۔

وَلَنَا أَنَّ الْوَصِيَّةَ تَمْلِيكٌ بِغَيْرِ بَدَلٍ مُضَافٌ إِلَى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ فَلَا يَمْلِكُ تَمْلِيكُهُ بَدَلٍ إِعْتِبَارًا بِالْإِعَارَةِ فَإِنَّهَا تَمْلِيكٌ بِغَيْرِ بَدَلٍ فِي حَالَةِ الْحَيَاةِ عَلَى أَصْلِنَا وَلَا يَمْلِكُ الْمُسْتَعِيرُ الْإِجَارَةَ لِأَنَّهَا تَمْلِيكٌ بَدَلٍ كَذَا هَذَا.

وَتَحْقِيقُهُ أَنَّ التَّمْلِيكَ بَدَلٍ لَّازِمٍ وَبَغَيْرِ بَدَلٍ غَيْرُ لَازِمٍ، وَلَا يُمْلِكُ الْاَقْوَى بِالْاَضْعَفِ وَالْاَكْثَرُ بِالْاَقَلِّ، وَالْوَصِيَّةُ تَبَرُّعٌ غَيْرُ لَازِمٍ، اِلَّا اَنَّ الرَّجُوعَ لِلْمُتَبَرِّعِ لَا لِغَيْرِهِ، وَالْمُتَبَرِّعُ بَعْدَ الْمَوْتِ لَا يُمْكِنُهُ الرَّجُوعُ فَلِهَذَا اِنْقَطَعَ، اَمَّا هُوَ فِي وَضْعِهِ فَغَيْرُ لَازِمٍ.

ترجمہ: ہماری دلیل یہ ہے کہ وصیت بدون بدل تملیک ہے جو مابعد الموت کی طرف مضاف ہے لہذا عاریت پر قیاس کرتے ہوئے موصیٰ لہ بدل کے ذریعے اس کی تملیک کا مالک نہیں ہوگا، اس لیے کہ ہماری اصل کے مطابق عاریت حالت حیات میں تملیک بغیر البدل ہے اور مستعیر اجارے کا مالک نہیں ہے، اس لیے کہ اجارہ بدل کے عوض تملیک ہے، ایسے ہی یہ بھی ہے۔ اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ تملیک بالبدل لازم ہے اور بغیر البدل لازم نہیں ہے اور اضعف کے ذریعے اقویٰ اور اقل کے ذریعے اکثر مملوک نہیں ہوتا اور وصیت ایک غیر لازم تبرع ہے، لیکن متبرع ہی کو حق رجوع حاصل ہے نہ کہ اس کے غیر کو، اور موت کے بعد متبرع کے لیے بھی رجوع ممکن نہیں ہے، لہذا رجوع منقطع ہو گیا۔ رہا وصیت کرنا تو وہ اپنی وضع کے اعتبار سے لازم نہیں ہے۔

اللغات:

﴿تملیک﴾ مالک بنانا۔ ﴿إعارة﴾ ادما کے طور پر دینا۔ ﴿تبرع﴾ غیر واجب نقلی عمل۔

ہماری دلیل:

یہاں سے ہماری دلیل بیان کی گئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عاریت کی طرح وصیت بھی بغیر بدل کی تملیک ہے جو مابعد الموت کی طرف مضاف ہے، لہذا جب موصیٰ نے موصیٰ لہ کو بغیر بدل اور بغیر عوض کے موصیٰ بہ کا مالک بنایا ہے تو موصیٰ لہ کو ہرگز یہ حق نہیں ہے کہ وہ عوض اور بدل لے کر دوسرے کو اس کا مالک بنائے جیسا کہ مستعیر دوسرے کو عاریت پر لی ہوئی چیز کا مالک نہیں بنا سکتا اور نہ ہی اسے کرایے پر دے سکتا ہے، اسی طرح موصیٰ لہ بھی کسی کو موصیٰ بہ کا مالک نہیں بنا سکتا اور نہ ہی اسے اجارہ اور کرایہ پر دے سکتا ہے۔ اس کی مزید تحقیق یہ ہے کہ تملیک بالبدل لازم ہوتی ہے اور تملیک بدون البدل غیر لازم ہوتی ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ اقل سے اکثر کا اور اضعف سے اقویٰ کا نہ تو مالک بنا جاسکتا ہے اور نہ ہی کسی کو بنایا جاسکتا ہے اور چون کہ وصیت غیر لازم تبرع ہے جو اجارہ سے اضعف ہے، کیونکہ اجارہ تبرع لازم ہے، اس لیے وصیت سے موصیٰ لہ اجارہ کی تملیک کا مالک نہیں ہوگا اور اس کے لیے موصیٰ بہ کو اجارہ پر دینا صحیح نہیں ہوگا، اور وصیت اگرچہ عقد غیر لازم ہے اور تبرع غیر لازم ہے، لیکن تبرع میں صرف متبرع ہی کو حق رجوع حاصل ہے، لہذا موصیٰ کی موت کے بعد یہ حق ختم ہو جائے گا اور موصیٰ کی موت کے بعد کسی کو یہ حق نہیں ہے۔

وَلَاَنَّ الْمَنْفَعَةَ لَيْسَتْ بِمَالٍ اَصْلًا وَفِي تَمْلِيكِهَا بِمَالٍ اِحْدَاثُ صِفَةِ الْمَالِيَةِ فِيهَا تَحْقِيقًا لِلْمَسَاوَاةِ فِي عَقْدِ الْمُعَاوَضَةِ فَإِنَّمَا تَثْبُتْ هَذِهِ الْوِلَايَةُ لِمَنْ يَمْلِكُهَا تَبَعًا لِمِلْكِ الرِّقَبَةِ أَوْ لِمَنْ يَمْلِكُهَا بِعَقْدِ الْمُعَاوَضَةِ حَتَّى يَكُونَ مُمْلِكًا لَهَا بِالصِّفَةِ الَّتِي تَمْلِكُهَا، اَمَّا إِذَا تَمْلِكُهَا مَقْصُودَةً بِغَيْرِ عَوَضٍ نَمَّ مَلِكُهَا بِعَوَضٍ كَانَ مُمْلِكًا

أَكْثَرَ مِمَّا تَمْلِكُهُ مَعْنَى وَهَذَا لَا يَجُوزُ.

ترجمہ: اور اس لیے کہ ہماری اصل کے مطابق منفعت مال نہیں ہے اور مال کے ذریعہ اسے مالک بنانے میں عقد معاوضہ میں مساوات ثابت کرنے کے لیے منفعت میں مالیت کی صفت پیدا کرنا ہے، لہذا یہ ولایت اسی شخص کے لیے ثابت ہوگی جو ملکِ رقبہ کی تبعیت سے اس کا مالک ہوا ہو یا اس شخص کو حاصل ہوگی جو عقد معاوضہ کی وجہ سے منفعت کا مالک ہوا ہو یہاں تک کہ یہ شخص جس صفت کے ساتھ منفعت کا مالک ہوا ہے اسی صفت کے ساتھ اس کی تملیک کا بھی مالک ہوگا۔ لیکن اگر وہ شخص مقصود بنا کر بغیر عوض منفعت کا مالک ہوا ہو پھر عوض لے کر وہ منفعت کا مالک بنائے تو معنایہ اس سے زیادہ کا مالک بنانے والا ہوگا جس کا وہ مالک ہوا ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔

اللغات:

﴿منفعة﴾ فائدہ۔ ﴿اصلنا﴾ ہمارا ضابطہ۔ ﴿احداث﴾ پیدا کرنا۔ ﴿مساواة﴾ برا: ن۔ ﴿مملک﴾ مالک بنانے والا۔ ﴿تملک﴾ مالک۔ ﴿عوض﴾ بدل، معاوضہ۔

ہماری دلیل:

یہ ہماری دوسری دلیل ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ ہماری اصل کے مطابق منفعت مال نہیں ہے، اب اگر ہم موصیٰ لہ بالخدمت والستغنیٰ کو موصیٰ بہ اجارہ پر دینے کی اجازت دے دیں تو منفعت جو مال نہیں ہے اسے مال قرار دینا پڑے گا، کیونکہ اجارہ عقد معاوضہ ہے اور اس میں جانین سے مال ضروری ہے اس لیے عقد معاوضہ میں مساوات پیدا کرنے کے لیے غیر مال کو مال بنانا پڑے گا حالانکہ موصیٰ لہ کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ غیر مال میں مال کی صفت پیدا کر دے، اس لیے اس حوالے سے بھی موصیٰ لہ کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ موصیٰ بہ اجرت پر دے۔

فانما تثبت الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ منافع میں صرف دو لوگ ہی مال کی صفت پیدا کر سکتے ہیں (۱) وہ شخص جو ملکِ رقبہ کے طور پر منفعت کا مالک ہوا ہو جیسے مشتری اور وارث (۲) اور وہ شخص جو عقد معاوضہ کی وجہ سے منفعت کا مالک ہوا ہو جیسے متاجر تو انھیں یہ حق ہے کہ جس صفت پر یہ منفعت کے مالک ہوئے ہیں یعنی عوض اور اجرت دے کر اسی صفت پر یعنی عوض اور اجرت لے کر دوسروں کو یہ اس منفعت کا مالک بنائیں، لیکن جو فری فئد اور مفت میں بدون عوض بذریعہ وصیت کسی منفعت کا مالک ہوا ہے اسے ہرگز ہرگز یہ حق نہیں ہے کہ وہ عوض لے کر کسی کو اس منفعت کا مالک بنائے ورنہ تو جس چیز کا وہ مالک ہے اس سے زائد کا وہ مالک بنانے والا ہوگا حالانکہ یہ درست اور جائز نہیں ہے، اسی لیے ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ موصیٰ لہ موصیٰ بہ کی اجرت اور عوض لے کر کسی کو اس کا مالک نہیں بنا سکتا۔

وَلَيْسَ لِلْمُوصِي لَهُ أَنْ يُخْرِجَ الْعَبْدَ مِنَ الْكُوفَةِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْمُوصِي لَهُ وَأَهْلُهُ فِي غَيْرِ الْكُوفَةِ فَيُخْرِجُهُ إِلَى أَهْلِهِ لِلْخِدْمَةِ هُنَالِكَ إِذَا كَانَ يُخْرِجُ مِنَ الثَّلَاثِ، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ إِنَّمَا تَنْفَعُ عَلَى مَا يُعْرِفُ مِنْ مَقْصُودِ الْمُوصِي

فَإِذَا كَانُوا فِي مِصْرِهِ فَمَقْصُودُهُ أَنْ يَمَكِّنَهُ مِنْ خِدْمَتِهِ فِيهِ بِدُونِ أَنْ يُلْزِمَهُ مَشَقَّةَ السَّفَرِ، وَإِذَا كَانُوا فِي غَيْرِهِ فَمَقْصُودُهُ أَنْ يَحْمِلَ الْعَبْدَ إِلَى أَهْلِهِ لِيَخْدِمَهُمْ.

ترجمہ: اور موصی لہ کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ (موصی بہ) غلام کو کوفہ سے باہر نکالے الا یہ کہ موصی لہ اور اس کے اہل خانہ کہیں اور رہائش پذیر ہوں تو وہ غلام کو وہاں اپنے اہل کی خدمت کے لیے نکال سکتا ہے بشرطیکہ غلام ثلث سے خارج ہو جاتا ہو۔ کیونکہ وصیت اسی طریقے پر نافذ ہوتی ہے جو موصی کے مقصد سے معلوم ہے پھر جب موصی لہ کے اہل موصی کے شہر میں ہوں تو موصی کا مقصد یہ ہے کہ وہ غلام پر سفر کی مشقت لازم کئے بغیر اسی شہر میں موصی لہ کو غلام سے خدمت لینے کی قدرت دینا چاہتا ہے۔ اور اگر موصی لہ کے اہل شہر موصی کے علاوہ میں ہوں تو موصی کا مقصد یہ ہے کہ موصی لہ غلام کو اپنے گھر لیجائے تاکہ غلام اس کے گھر والوں کی خدمت کر سکے۔

اللغات:

موصی لہ جس کے حق میں وصیت کی گئی ہو۔ ۱۔ یخرج نکالے۔ ۲۔ تنفذ پوری ہوگی۔ ۳۔ مصر شہر۔

خدمت کی وصیت والے غلام کو اس کے شہر سے نکالنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کے لیے اپنے غلام کی خدمت کی وصیت کی تو موصی لہ کا اس غلام کو شہر سے باہر لے جانا موصی کی چاہت اور اس کے ارادے پر موقوف ہوگا اور یہ ارادہ قرآن سے معلوم ہوگا چنانچہ اگر موصی اور موصی لہ دونوں کو فہ کے باشندے ہوں لیکن موصی لہ کے اہل کوفہ میں نہ رہتے ہوں اور غلام ثلث سے خارج ہو یعنی موصی کے پاس اس کے علاوہ دو ثلث مال ہو تو اس صورت میں موصی لہ غلام کو کوفہ سے باہر لے جاسکتا ہے تاکہ جہاں اس کے اہل ہوں وہاں وہ غلام ان کی خدمت کرے، کیونکہ موصی کا مقصد یہی ہے کہ موصی بہ یعنی غلام موصی لہ کی خدمت کرے اور ظاہر ہے کہ جہاں موصی لہ کے اہل ہوں گے وہیں خدمت کی ضرورت بھی ہوگی، اس لیے اس صورت میں موصی لہ غلام کو شہر موصی سے باہر لیجاسکتا ہے، لیکن اگر موصی لہ کے اہل خانہ موصی ہی کے شہر میں مقیم ہوں تو اس صورت میں موصی لہ غلام کو اس شہر سے باہر نہیں لے جاسکتا، کیونکہ اب موصی کا مقصد یہ ہے کہ غلام پر سفر کی مشقت نہ آئے اور وہ اسی شہر میں رہ کر موصی لہ اور اس کے اہل خانہ کی خدمت کرے لہذا اس صورت میں موصی لہ کو اخراج عہد کا حق نہیں ہوگا۔

وَلَوْ أَوْصَى بِعَلَّةٍ عَبْدِهِ أَوْ بِعَلَّةٍ دَارِهِ يَجُوزُ أَيْضًا، لِأَنَّهُ بَدَلَ الْمُنْفَعَةِ فَأَخَذَ حُكْمَ الْمُنْفَعَةِ فِي جَوَازِ الْوَصِيَّةِ بِهِ كَيْفَ وَأَنَّهُ عَيْنُ حَقِيقَةٍ، لِأَنَّهُ دَرَاهِمُ أَوْ دَنَانِيرُ فَكَانَ بِالْجَوَازِ أُولَى، وَلَوْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُ كَانَ لَهُ ثُلُثُ عِلَّةٍ تِلْكَ السَّنَةِ، لِأَنَّهُ مَالٌ عَيْنٌ يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ بِالْأَجْزَاءِ.

ترجمہ: اور اگر اپنے غلام یا اپنے دار کی آمدنی کی وصیت کی تو یہ وصیت بھی جائز ہے، کیونکہ یہ منفعت کا بدل ہے لہذا جواز وصیت

میں منفعت کا حکم لے لے گی اور کیوں نہ لے جب کہ یہ درحقیقت عین ہے، کیونکہ آمدنی یا تو درآمد میں یا دنا نیر ہیں، لہذا اس کی وصیت تو بدرجہ اولیٰ جائز ہوگی۔ اور اگر موصی کے پاس اس کے علاوہ کوئی مال نہ ہو تو موصیٰ لہ کو اس کی آمدنی کا ثلث ملے گا، کیونکہ آمدنی مال عین ہے اور اس میں تقسیم بالا جزاء کا احتمال ہے۔

اللغات:

﴿غَلَّة﴾ آمدن، کمائی۔ ﴿عبد﴾ غلام۔ ﴿منفعة﴾ فائدہ۔ ﴿عین﴾ متعین ہو جانے والی شے۔

اپنے غلام یا اپنے گھر کی آمدن کی وصیت کرنا:

یہ مسئلہ اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے لیکن صاحب کتاب آئندہ مسئلے کے لیے بطور تمہید اسے دوبارہ بیان کر رہے ہیں، بہر حال صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے غلام یا گھر کی آمدنی کی دوسرے کے لیے وصیت کرے تو یہ وصیت درست اور جائز ہے، کیونکہ یہ منافع کا بدل ہے اور جب منافع کی وصیت جائز ہے تو بدل کی وصیت بدرجہ اولیٰ جائز ہوگی اور جواز وصیت کے حوالے سے بدل مبدل یعنی منفعت کا حکم لے لے گا اور پھر بدل اور آمدنی تو درآمد و دنا نیر ہیں اور یہ حقیقتاً عین ہیں، اس لیے ان کی وصیت کے جواز کا راستہ تو بالکل کھلا اور کلیئر ہے۔

ولو لم یکن الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر موصی کے پاس موصیٰ بہ یعنی غلام یا گھر کے علاوہ دوسرا مال نہ ہو اور اس کے ورثاء اس بات پر راضی نہ ہوں کہ موصیٰ بہ کی پوری آمدنی موصیٰ لہ کو ملے تو اس صورت میں موصیٰ لہ کو آمدنی کا ثلث ملے گا، کیونکہ آمدنی عین ہے اور اجزاء اور حصہ کے ذریعے اس کی تقسیم ممکن ہے اس لیے تقسیم بالا جزاء ہی ہوگی اور تقسیم بالمہایات نہیں ہوگی۔

فَلَوْ أَرَادَ الْمُوَصِّیُّ لَهُ قِسْمَةَ الدَّارِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْوَرَثَةِ لَيَكُونُ هُوَ الَّذِي يَشْتَغِلُ ثُلُثَهَا لَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ إِلَّا فِي رِوَايَةٍ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ يَقُولُ الْمُوَصِّیُّ لَهُ شَرِيكُ الْوَارِثِ وَلِلشَّرِيكِ ذَلِكَ فَكَذَلِكَ لِلْمُوَصِّیِّ لَهُ إِلَّا أَنَا نَقُولُ الْمُطَالَبَةُ بِالْقِسْمَةِ تَبْتَنِي عَلَى ثُبُوتِ الْحَقِّ لِلْمُوَصِّیِّ لَهُ فِيمَا يَلَاقِيهِ الْقِسْمَةَ، إِذْ هُوَ الْمُطَالِبُ، وَلَا حَقَّ لَهُ فِي عَيْنِ الدَّارِ وَإِنَّمَا حَقُّهُ فِي الْغَلَّةِ فَلَا يَمْلِكُ الْمُطَالِبَةُ بِقِسْمَةِ الدَّارِ.

ترجمہ: پھر اگر موصیٰ لہ اپنے اور ورثاء کے مابین گھر تقسیم کرنا چاہے تاکہ وہی گھر کا ثلث کرایہ پردے دے تو اسے یہ حق نہیں ہوگا۔ مگر امام ابو یوسف رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ کی ایک روایت میں (حق ہوگا) چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ موصیٰ لہ وارث کا شریک ہے اور شریک کو یہ حق ہے، لہذا موصیٰ کو بھی ہوگا، لیکن ہم کہتے ہیں کہ تقسیم کا مطالبہ موصیٰ لہ کے لیے اس چیز میں ثبوت حق پر مبنی ہے جو تقسیم سے متصل ہے، کیونکہ وہی مطالب ہے اور عین دار میں موصیٰ لہ کا کوئی حق نہیں ہے، اس کا حق تو آمدنی میں ہے، لہذا وہ تقسیم دار کے مطالبہ کا حق دار نہیں ہوگا۔

اللغات:

﴿موصیٰ لہ﴾ جس کے حق میں وصیت کی گئی ہے۔ ﴿تبتنی﴾ مبنی ہوتا ہے۔

موصی بالغلۃ گھر کی ترکے میں حیثیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ موصی لہ کے لیے گھر کی آمدنی کی وصیت درست اور جائز ہے اور اس گھر کے عاودہ موصی کے پاس کوئی دوسرا مال نہ ہونے کی صورت میں اسے آمدنی کا ثلث ملے گا۔ اب اگر موصی لہ یہ چاہے کہ اس گھر کا بنوارہ کر کے ثلث لے لے اور خود ہی کرایہ پر دے کر اس کی آمدنی لیا کرے تو قول محقق اور قولی جمہور کے مطابق اسے یہ حق نہیں ہے، البتہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے مروی ایک روایت کے مطابق موصی لہ کو یہ حق ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ موصی کے ترکے میں موصی لہ وارث کا شریک ہے اور شریک کو گھر کی تقسیم کے مطالبے کا حق ہے، لہذا موصی لہ کو بھی یہ حق ہوگا کہ وہ گھر کی تقسیم کا مطالبہ کرے۔

قول جمہور کی دلیل یہ ہے کہ موصی لہ کے لیے تقسیم دار کے مطالبے کا حق اس وقت ہوتا جب دار میں اس کا حصہ ہوتا اور حالت یہ ہے کہ یہاں دار میں موصی لہ کا حق نہیں ہے، بل کہ اس کا حق فقط آمدنی میں ہے، لہذا وہ آمدنی کو تو ہر طرح سے تقسیم کر سکتا ہے، لیکن دار کی تقسیم کا نام بھی نہیں لے سکتا۔

وَلَوْ أَوْصَى لَهُ بِخِدْمَةِ عَبْدِهِ وَالْآخَرَ بِرَقَبَتِهِ وَهُوَ يَخْرُجُ مِنَ الثَّلَاثِ فَالرَّقَبَةُ لِصَاحِبِ الرَّقَبَةِ، وَالْخِدْمَةُ عَلَيْهَا لِصَاحِبِ الْخِدْمَةِ، لِأَنَّهُ أَوْجَبَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا شَيْئًا مَعْلُومًا عَطْفًا مِنْهُ لِأَحَدِهِمَا عَلَى الْآخَرِ فَتُعْتَبَرُ هَذِهِ الْحَالَةُ بِحَالَةِ الْإِنْفِرَادِ.

ترجمہ: اور اگر موصی نے کسی کے لیے اپنے غلام کی خدمت کی وصیت کی اور دوسرے کے لیے غلام کے رقبہ کی اور وہ غلام تہائی سے نکل جاتا ہے تو رقبہ صاحب رقبہ کے لیے ہوگا اور صاحب خدمت کے لیے اس پر خدمت ہوگی، کیونکہ موصی نے ان میں سے ہر ایک کے لیے شے معلوم کا ایجاب کیا ہے اپنی طرف سے ان میں ایک کا دوسرے پر عطف کرتے ہوئے، لہذا حالت عطف کو حالت انفراد پر قیاس کیا جائے گا۔

اللغات:

﴿رقبہ﴾ غلام کی ذات۔ ﴿اوجب﴾ ثابت کر دیا ہے۔ ﴿انفراد﴾ اکیلے ہونے کی صورت میں۔

خدمت اور رقبہ کی متصل وصیت کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے نعمان کے لیے اپنے غلام کی خدمت کی وصیت کی اور سلمان کے لیے اس کے رقبہ کی وصیت کی اور ایک کو دوسرے پر عطف کیا اور یوں کہا کہ میں نے نعمان کے لیے خدمت کی وصیت کی اور سلمان کے لیے رقبہ کی وصیت کی اور غلام ثلث سے خارج ہو جاتا ہے تو موصی لہ بالخدمت کے لیے خدمت ہوگی اور موصی لہ بالرقبہ کے لیے رقبہ ہوگا، اس لیے کہ موصی نے ان میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ طور پر علاحدہ علاحدہ شے یعنی خدمت اور رقبہ کا ایجاب کیا ہے، لہذا ان میں سے ہر ایک کا حصہ اسی حساب سے دیا جائے گا، جیسے اگر موصی الگ الگ اور انفرادی طور پر دونوں کے لیے وصیت کرتا تو بھی انھیں اسی حساب سے حصہ دیا جائے گا، یعنی عطف والی حالت کو انفرادی حالت پر قیاس کیا جائے گا۔

ثُمَّ لَمَّا صَحَّتِ الْوَصِيَّةُ لِصَاحِبِ الْخِدْمَةِ فَلَوْ لَمْ يُوْصِ فِي الرِّقْبَةِ بِشَيْءٍ لِّصَارَتْ الرِّقْبَةُ مِيرَاثًا لِلْوَرَثَةِ مَعَ كَوْنِ الْخِدْمَةِ لِلْمَوْصِي لَهُ فَكَذَا إِذَا أَوْصَى بِالرِّقْبَةِ لِإِنْسَانٍ آخَرَ وَهِيَ تَخْرُجُ مِنَ الثَّلَثِ أَوْ أَوْصَى لِزَجَلٍ بِخَاتَمٍ وَ لِآخَرَ بِقَصَبِهِ أَوْ قَالَ هَذِهِ الْقَوْصَرَةُ لِفُلَانٍ وَمَا فِيهَا مِنَ التَّمَرَةِ لِفُلَانٍ كَانَ كَمَا أَوْصَى، وَلَا شَيْءٌ لِصَاحِبِ الظَّرْفِ فِي الْمَظْرُوفِ فِي هَذِهِ الْمَسَائِلِ كُلِّهَا.

ترجمہ: پھر جب صاحب خدمت کے لیے وصیت صحیح ہے تو اگر رقبہ کے متعلق کوئی وصیت نہ کرتا تو رقبہ وراثت کی میراث ہو جاتا اس حال میں کہ خدمت موصی کے لیے ہوتی، تو اسی طرح جب موصی نے دوسرے شخص کے لیے رقبہ کی وصیت کی ہو (یہی حکم ہوگا) کیوں کہ وصیت میراث کی بہن ہے اس حیثیت سے کہ دونوں میں موت کے بعد ملکیت ثابت ہوتی ہے۔

اور اس کی بہت سے نظیریں ہیں مثلاً یہ کہ جب موصی نے کسی شخص کے لیے باندی کی وصیت کی اور جو باندی کے پیٹ میں ہے اس کی وصیت دوسرے کے لیے کی اور باندی ثلث سے نکل جاتی ہے۔ یا کسی شخص کے لیے انگوٹھی کی وصیت کی اور دوسرے کے لیے اس کے نگینہ کی وصیت کی یا یوں کہا یہ ٹوکری فلاں کے لیے ہے اور اس میں جو کھجوریں ہیں وہ دوسرے فلاں کے لیے ہیں تو یہ اسی طرح ہوگا جیسے اس نے وصیت کی ہے اور ان تمام مسائل میں صاحب ظرف کے لیے مظروف میں کچھ نہیں ہوگا۔

اللغات:

﴿صحت﴾ صحیح ہو چکی۔ ﴿لم یوص﴾ وصیت نہ کی۔ ﴿موصی لہ﴾ جس کے لیے وصیت کی گئی ہو۔ ﴿خاتم﴾ انگوٹھی۔ ﴿فص﴾ نگینہ۔ ﴿قوصرة﴾ ٹوکری۔ ﴿تمرة﴾ کھجور۔

مذکورہ بالا مسئلہ کی توجیہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب غلام کے رقبہ کی وصیت دوسرے کے لیے ہو اور خدمت کی وصیت دوسرے کے لیے ہو تو یہ صحیح ہے، کیونکہ اگر موصی کسی کے لیے رقبہ کی وصیت نہ کرتا اور صرف خدمت کی وصیت کرتا تو ظاہر ہے کہ رقبہ وراثت کے لیے ہوتا اور خدمت موصی لہ کے لیے اور اس صورت میں کوئی اشکال نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ وصیت میراث کی بہن ہے اس لیے کہ جس طرح میراث میں مورث کی موت کے بعد وراثت کے لیے ملکیت ثابت ہوتی ہے، اسی طرح وصیت میں بھی موصی کی موت کے بعد ہی موصی لہ کے لیے ملکیت ثابت ہوتی ہے۔ الحاصل جب ایک غلام میں موصی لہ اور وراثت مشترک ہو سکتے ہیں تو پھر اس میں دو موصی لہ بدرجہ اولیٰ مشترک ہو سکیں گے اور ایک کے لیے رقبہ کی وصیت اور دوسرے کے لیے خدمت کی وصیت صحیح ہوگی۔

ولہذا نظر ان الخ: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ ایک چیز میں دو لوگوں کا اشتراک اور اجتماع صرف صورت مسئلہ ہی میں نہیں ہے، بلکہ اس کی اور بھی بہت سے مثالیں اور نظیریں ہیں جن میں سے تین کو یہاں بیان کیا جا رہا ہے۔

(۱) ایک شخص نے وصیت کی کہ میری فلاں باندی نعمان کی ہے اور اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ سلمان کے لیے ہے اور وہ باندی موصی کے ثلث سے خارج ہو جاتی ہے تو یہ وصیت درست ہے۔

(۲) کسی نے اپنی انگوٹھی کی وصیت ایک شخص کے لیے کی اور اس کے گمینے کی وصیت دوسرے کے لیے کی تو یہاں بھی وصیت

مشترک ہے اور درست ہے۔

(۳) سلیم نے وصیت کی کہ یہ نوکری نعمان کی ہے اور اس میں جو پھل ہیں وہ سلمان کے ہیں تو حسب وصیت نوکری نعمان کی ہوگی اور پھل نعمان کے ہوں گے۔ اب دیکھئے ان تینوں نظیروں میں موصلی بہ ایک ہی چیز ہے اور وہ الگ الگ حوالوں سے دولوگوں کے درمیان مشترک ہے لہذا جس طرح ان نظائر میں مشترک وصیت صحیح ہے اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی غلام واحد کی وصیت خدمت اور رقبہ کے حوالے سے دولوگوں کے حق میں صحیح ہوگی۔

ولاشئ الخ: فرماتے ہیں کہ یہ جو تین نظیریں پیش کی گئی ہیں ان میں باندی، انگوٹھی اور نوکری طرف ہیں اور حمل، گمینہ اور پھل مظروف ہیں لہذا نہ تو صاحب ظرف کو مظروف میں حصہ ملے گا اور نہ ہی مظروف والے کو ظرف میں حصہ ملے گا۔

أَمَّا إِذَا فَصَّلَ أَحَدُ الْإِجَابَيْنِ عَنِ الْآخَرِ فِيهَا فَكَذَلِكَ الْجَوَابُ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا عَلَيْهِ، وَعَلَى قَوْلِ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا عَلَيْهِ الْأَمَةُ لِلْمُوصِي لَهُ بِهَا، وَالْوَلَدُ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ وَكَذَلِكَ فِي أَخَوَاتِهَا لِأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا عَلَيْهِ أَنَّ بَيِّنَاتِهِ فِي الْكَلَامِ الثَّانِي تَبَيَّنَ أَنَّ مَرَادَهُ مِنَ الْكَلَامِ الْأَوَّلِ إِيْجَابُ الْأَمَةِ لِلْمُوصِي لَهُ بِهَا دُونَ الْوَلَدِ، وَهَذَا الْبَيِّنَاتُ مِنْهُ صَحِيحٌ وَإِنْ كَانَ مَفْصُولًا، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ لَا تَلْزِمُ شَيْءًا فِي حَالِ حَيَاةِ الْمُوصِي فَكَانَ الْبَيِّنَاتُ الْمَفْصُولُ فِيهِ وَالْمُوصُولُ سَوَاءً كَمَا فِي وَصِيَّةِ الرَّقَبَةِ وَالْخِدْمَةِ، وَلِمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا عَلَيْهِ أَنَّ اسْمَ الْخَاتِمِ يَتَنَاوَلُ الْحَلَقَةَ وَالْفَصَّ وَكَذَلِكَ اسْمُ الْجَارِيَةِ يَتَنَاوَلُهَا وَمَا فِي بَطْنِهَا، وَاسْمُ الْقَوْصَرَةِ كَذَلِكَ وَمَنْ أَصْلُنَا أَنَّ الْعَامَّ الَّذِي مَوْجِبُهُ ثُبُوتُ الْحُكْمِ عَلَى سَبِيلِ الْإِحَاطَةِ بِمَنْزِلَةِ الْخَاصِّ.

ترجمہ: لیکن اگر موصلی نے دو ایجابوں میں سے ایک کو دوسرے سے الگ کر دیا ہو تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں یہی حکم ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر باندی اسی کی ہوگی جس کے لیے باندی کی وصیت کی گئی ہو اور بچہ ان کے مابین نصف نصف ہوگا اور ایسا ہی اس کی اخوات میں بھی ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ کلام ثانی میں موصلی کے ایجاب سے یہ واضح ہو گیا کہ کلام اول سے موصلی کی مراد اس شخص کے لیے باندی کا ایجاب ہے جس کے لیے اس نے باندی کی وصیت کی ہے اور اس کے لیے بچہ کا ایجاب مقصود نہیں ہے اور موصلی کا یہ بیان صحیح ہے اگرچہ مفصول ہے، اس لیے کہ موصلی کی زندگی میں وصیت کوئی چیز واجب نہیں کرتی، لہذا اس میں مفصول اور موصول بیان برابر ہے جیسے رقبہ اور خدمت کی وصیت میں ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ لفظ خاتم حلقہ اور گمینہ دونوں کو شامل ہے ایسے ہی لفظ جاریہ جاریہ اور اس کے پیٹ کے حمل کو شامل ہے اور یہی حال لفظ نوکری کا بھی ہے۔ اور ہماری اصل یہ ہے کہ وہ عام جس کا موجب بر سبیل احاطہ حکم کا ثبوت ہو وہ خاص کے

درجے میں ہوتا ہے۔

اللغات:

﴿فصل﴾ علیحدہ علیحدہ ذکر کیا۔ ﴿امۃ﴾ باندی۔ ﴿تبتین﴾ واضح ہو گیا۔ ﴿لا تلزم﴾ لازم نہیں کرتی۔ ﴿موصی﴾ وصیت کرنے والا۔ ﴿خاتم﴾ انگوٹھی۔ ﴿فص﴾ نگینہ۔

مذکورہ بالا مسئلہ میں دونوں وصیتوں کے مابین فصل کرنے کا حکم:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر موصی باندی اور حمل کی وصیت ایک ساتھ نہ کرے بلکہ اس میں فصل کر دے اور پہلے نعمان کے لیے باندی کی وصیت کرے اور پھر درمیان میں فصل کر دے یعنی کوئی دسری بات یا کوئی دسرا کام کرنے کے بعد سلمان کے لیے اس کے حمل کی وصیت کرے تو اس میں حضرات صاحبین رحمہم کا اختلاف ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی باقبل والے مسئلے کی طرح ہے یعنی اس صورت میں بھی باندی نعمان کی ہوگی اور بچہ سلمان کا ہوگا اور وصل ہی کی طرح فصل کا بھی حکم ہوگا۔

جب کہ امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں وصل اور فصل کا حکم الگ الگ ہے، لہذا فصل والی اس صورت میں امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں باندی نعمان کی ہوگی اور بچے میں نعمان سلمان دونوں شریک ہوں گے۔ اور دونوں کو نصف نصف ملے گا۔ ان حضرات کا یہی اختلاف انگوٹھی اور نگینہ میں اور نوکری اور پھل کی وصیت میں بھی ہے یعنی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں دونوں موصی لہ کو الگ الگ کر کے دونوں چیزیں دی جائیں گی اور امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں انگوٹھی اور نوکری موصی لہ اول کے لیے ہوگی اور نگینہ اور پھل دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں موصی کا کلام ثانی یعنی دوسرے شخص کے لیے حمل اور ولد کی وصیت کرنا بیان تغیر نہیں ہے، بل کہ وہ تفسیر محض ہے اور جب اس کا کلام ثانی تغیر نہیں ہے تو اس میں وصل ضروری نہیں ہوگا، وصل تغیر کے لیے ضروری ہے۔ اور جب موصی نے کلام ثانی سے ولد کی وصیت کی تو یہ بات واضح ہوگی کہ کلام اول سے جو اس نے باندی کے لیے وصیت کی ہے وہ وصیت صرف باندی ہی کے لیے ہے اور اسی کی ذات تک محدود ہے اور اس وصیت میں بچہ داخل نہیں ہے، بلکہ دوسری وصیت دوسرے شخص کے لیے ہے اور موصی کا یہ بیان صحیح ہے اگرچہ فصل کے بعد ہے، کیونکہ وصیت سے موصی کی زندگی میں کوئی چیز لازم نہیں ہوتی اور موصی بہ موصی کی موت کے بعد لازم اور ثابت ہوتا ہے اور چوں کہ لزوم سے پہلے یہ وضاحت آگئی ہے کہ بچہ دوسرے کے لیے ہے تو اگرچہ یہ وضاحت مفصول ہے لیکن پھر بھی صحیح ہے جیسے اگر موصی رقبہ غلام کی وصیت ایک شخص کے لیے کرے اور خدمت غلام کی وصیت دوسرے کے لیے کرے تو دونوں موصی لہ کا حق ایک دوسرے سے الگ ہوگا خواہ موصولاً یہ وصیت ہو یا مفصولاً بہر دو صورت رقبہ اور خدمت علاحدہ علاحدہ طور پر دونوں کے لیے ہوں گی اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی باندی اور بچہ دونوں کے لیے علاحدہ علاحدہ ہوں گے اور کسی میں بھی اشتراک نہیں ہوگا۔

ولمحمد أن اسم الخاتم الخ: یہاں سے حضرت امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل بیان کی گئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ خاتم، جاریہ اور قوصرة یہ تینوں الفاظ عام ہیں چنانچہ خاتم انگوٹھی اور نگینہ سب کو شامل ہے اسی طرح جاریہ باندی اور مانی بطنہا کو شامل ہے۔

تو صرہ ٹوکرہ اور مانیہا و شامل ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ جو عام بر سبیل احاطہ شمول رکھتا ہے وہ خاص کے حکم میں ہوتا ہے۔ اب جب موسیٰ نے نعمان کے لیے خاتم یا جاریہ یا تو صرہ کی وصیت کی تو عام کے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے موسیٰ لہ کے لیے خاتم کے ساتھ نگینہ، جاریہ کے ساتھ ولد اور تو صرہ کے ساتھ پھل بھی وصیت بن گیا، لیکن جب اس نے نگینہ یا ولد یا پھل کی وصیت دوسرے کے لیے کر دی تو اب اس میں تعارض ہو گیا اور چوں کہ خاتم، جاریہ یا تو صرہ کی وصیت نہیں کی ہے، اس لیے یہ چیزیں تو موسیٰ لہ اول کے لیے الم رہیں گی تعارض تو نگینہ، ولد اور پھل میں ہے۔ اور صورت مسئلہ میں عام اور خاص دونوں قطعی ہیں، عام خاتم وغیرہ کے نگینہ وغیرہ کو بر سبیل عموم شامل ہونے کی وجہ سے قطعی ہے اور نگینہ وغیرہ علاحدہ سے خاص ہیں ہی لہذا جب دونوں قطعی ہیں اور دونوں کے دعوے دار موجود ہیں تو پھر تعارض ثابت ہے اور اس تعارض کو ختم کرنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ نگینہ یا ولد یا پھل میں دونوں کا اشتراک ثابت کر دیا جائے اور دونوں کو نصف نصف دے دیا جائے۔

فَقَدْ اجْتَمَعَ فِي الْفَصِّ وَصِيَّتَانِ وَكُلُّ مِنْهُمَا وَصِيَّةٌ بِإِيجَابٍ عَلَى حِدَةٍ فَيُجْعَلُ الْفَصُّ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ، وَلَا يَكُونُ إِيجَابُ الْوَصِيَّةِ فِيهِ لِلثَّانِي رُجُوعًا عَنِ الْأَوَّلِ كَمَا إِذَا أُوصِيَ لِلثَّانِي بِالْخَاتِمِ، بِخِلَافِ الْخِدْمَةِ مَعَ الرِّقَةِ، لِأَنَّ اسْمَ الرِّقَةِ لَا يَتَنَاوَلُ الْخِدْمَةَ وَإِنَّمَا يَخْدُمُهُ الْمُوصِي لَهُ بِحُكْمٍ أَنَّ الْمُنْفَعَةَ حَصَلَتْ عَلَى مِلْكِهِ فَإِذَا أُوجِبَ الْخِدْمَةُ لِغَيْرِهِ لَا يَبْقَى لِلْمُوصِي لَهُ فِيهِ حَقٌّ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ الْكَلَامُ مُوَصُّوْلًا، لِأَنَّ ذَلِكَ دَلِيلُ التَّخْصِيصِ وَالْإِسْتِثْنَاءِ فَتَبَيَّنَ أَنَّهُ أُوجِبَ لِصَاحِبِ الْخَاتِمِ الْحَلَقَةَ خَاصَّةً دُونَ الْفَصِّ.

ترجمہ: چنانچہ نگینہ میں دو وصیتیں جمع ہو گئیں اور ان میں سے ہر ایک علاحدہ ایجاب کے ساتھ وصیت ہے، لہذا نگینہ ان کے مابین دو نصف کر دیا جائے گا اور اس میں دوسرے کے لیے وصیت کا ایجاب پہلے سے رجوع نہیں ہوگا جیسے اس صورت میں جب موسیٰ نے دوسرے کے لیے خاتم کی وصیت کی۔ برخلاف رقبہ کے ساتھ خدمت کی وصیت کے، کیونکہ لفظ رقبہ خدمت کو شامل نہیں ہے اور موسیٰ لہ اس وجہ سے خدمت لیتا ہے کہ منفعت اس کی ملکیت پر حاصل ہوئی ہے پھر جب موسیٰ نے موسیٰ لہ بالرقبہ کے علاوہ کے لیے خدمت کا ایجاب کیا تو اس میں موسیٰ لہ کا کوئی حق باقی نہیں رہا۔

برخلاف اس صورت کے جب کلام موصول ہو، کیونکہ یہ تخصیص اور استثناء کی دلیل ہے، تو یہ واضح ہو گیا کہ موسیٰ نے صاحب خاتم کے لیے خاص کر حلقہ کا ایجاب کیا ہے نہ کہ نگینہ کا۔

اللغات:

﴿فَصٌّ﴾ نگینہ۔ ﴿خَاتَمٌ﴾ انگٹھی۔ ﴿مُوصِي لَه﴾ جس کے لیے وصیت کی گئی ہے۔ ﴿مُوصُولٌ﴾ متصل ہے، ملا ہوا ہے۔ ﴿تَخْصِيصٌ﴾ خاص کرنا۔

نگینہ اور انگٹھی کی دو آدمیوں کے لیے وصیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ما قبل والی تفصیل سے یہ بات سامنے آگئی کہ انگٹھی کا حلقہ تو موسیٰ لہ اول کے لیے ہے اور اس کے

گنیمت میں دو وصیتیں جمع ہیں اور دونوں الگ الگ ایجاب سے ہیں اس لیے گنیمت کو دونوں موصیٰ لہ کے مابین آدھا آدھا تقسیم کر دیں گے اور دوسرے کے لیے جو وصیت ہے اسے اول سے رجوع نہیں قرار دیں گے، کیونکہ اول اور ثانی کے حق میں وصیت الگ الگ ہے، لہذا دونوں اس کے مستحق ہوں گے اور ایک کی وجہ سے دوسرے کا حق نہیں کٹے گا۔

بخلاف الخدمة الخ: امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے ان مسائل کو رقبہ اور خدمت کی وصیت پر قیاس کیا تھا، امام محمد رحمہ اللہ اسی کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان مسائل ثلاثہ کو رقبہ اور خدمت کی وصیت والے مسئلے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ لفظ رقبہ میں خدمت کسی طرح سے بھی داخل اور شامل نہیں ہے جب کہ خاتم میں فص داخل اور شامل ہے تو جب مقیس علیہ اور مقیس میں اس قدر تفاوت ہے تو بھلا آخر کیسے قیاس درست ہے۔

رہا سوال موصیٰ لہ بالرقبہ کے غلام سے خدمت لینے کا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ موصیٰ لہ بالرقبہ اس لیے غلام سے خدمت نہیں لیتا کہ رقبہ خدمت کو شامل ہے بل کہ وہ تو اس لیے خدمت لیتا ہے کہ خدمت کے منافع موصیٰ لہ ہی کی ملکیت پر حاصل ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اگر موصیٰ موصیٰ لہ بالرقبہ کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے خدمت کی وصیت کر دے تو پھر اس موصیٰ لہ بالرقبہ کا حق خدمت سے ختم ہو جائے گا اور اس کے لیے خدمت لینا صحیح نہیں ہوگا۔

بخلاف ما إذا كان الكلام الخ: فرماتے ہیں کہ اگر موصیٰ نے دوسرے کے لیے مصلیٰ گنیمت کی وصیت کر دی تو اس صورت میں کلام ثانی یعنی دوسری وصیت استثناء اور تخصیص کی دلیل ہوگی اور یہ سمجھا جائے گا کہ موصیٰ موصیٰ لہ اول کو صرف حلقہ دینا چاہتا ہے اور گنیمت وہ دوسرے کو دے رہا ہے، لہذا اس صورت میں گنیمت موصیٰ لہ ثانی کا ہوگا اور اس میں صاحب خاتم کی دال نہیں گلی گی۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصَىٰ لِأَخْرَجَ بِثَمَرَةٍ بُسْتَانِهِ ثُمَّ مَاتَ وَفِيهِ ثَمَرَةٌ فَلَهُ هَذِهِ الثَّمَرَةُ وَحُذَّهَا، وَإِنْ قَالَ لَهُ ثَمَرَةٌ بُسْتَانِي أَبَدًا فَلَهُ هَذِهِ الثَّمَرَةُ وَثَمَرَتُهُ فِيمَا يَسْتَقْبِلُ مَا عَاشَ، وَإِنْ أَوْصَىٰ لَهُ بِغَلَّةٍ بُسْتَانِهِ فَلَهُ الْغَلَّةُ الْقَائِمَةُ وَغَلَّتُهُ فِيمَا يَسْتَقْبِلُ، وَالْفَرْقُ أَنَّ الثَّمَرَةَ اسْمٌ لِلْمَوْجُودِ عُرْفًا فَلَا يَتَنَاوَلُ الْمَعْدُومَ إِلَّا بِدَلَالَةٍ زَائِدَةٍ مِثْلُ التَّنْصِصِ عَلَى الْأَبَدِ، لِأَنَّهُ لَا يَتَابَدُّ إِلَّا بِتَنَاوُلِ الْمَعْدُومِ، وَالْمَعْدُومُ مَذْكُورٌ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا، أَمَّا الْغَلَّةُ فَتَنْتَظِمُ الْمَوْجُودِ وَمَا يَكُونُ بَعْرُضِ الْمَوْجُودِ مَرَّةً بَعْدَ أُخْرَىٰ.

ترجمہ: جس نے دوسرے کے لیے اپنے باغ کے پھل کی وصیت کی پھر موصیٰ مر گیا اور باغ میں پھل ہیں تو موصیٰ لہ کے لیے صرف یہی پھل ہوں گے۔ اور اگر موصیٰ نے یوں کہا کہ اس کے لیے ہمیشہ میرے باغ کے پھل ہیں تو اسے یہ پھل بھی ملیں گے اور آئندہ جب تک وہ زندہ رہے گا اسے پھل ملتے رہیں گے۔ اور اگر موصیٰ نے موصیٰ لہ کے لیے اپنے باغ کی آمدنی کی وصیت کی تو اسے موجودہ آمدنی اور آئندہ حاصل ہونے والی آمدنی ملے گی۔ اور فرق یہ ہے کہ پھل عرفاً موجود کا نام ہے، لہذا دلالت زائدہ کے بغیر وہ ابدی نہیں ہوگا اور معدوم قابل ذکر ہوتا ہے اگرچہ وہ شئی نہ ہو۔ رہی آمدنی تو وہ موجود کو بھی شامل ہوتی ہے اور جو یکے بعد دیگرے معرض وجود میں آئے اسے بھی شامل ہوتی ہے۔

اللغات:

• اَوْصِي • وصیت کی۔ • ثَمَرَةٌ • پھل۔ • بستان • باغ۔ • ماعاش • جب تک زندہ رہا۔ • غَلَّةٌ • آمدن، کمائی۔
• لَا يَتَنَاولُ • نہیں مشتمل ہوگا۔

اپنے باغ کے پھلوں کی وصیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر نعمان نے مثلاً سلمان کے لیے اپنے باغ کے پھل کی وصیت کی اور یوں کہا کہ میرے باغ کے پھل سلمان کے لیے ہیں، پھر موسیٰ کا انتقال ہو گیا تو اس کے باغ میں جو پھل موجود ہوں گے، موسیٰ نے صرف انھی پھلوں کا مستحق ہوگا اور آئندہ کے پھلوں کا مستحق نہیں ہوگا۔ ہاں اگر موسیٰ یوں کہہ دے کہ سلمان کے لیے ہمیشہ میرے باغ کے پھل ہیں یعنی اس نے ابدی طور پر اس کے لیے پھلوں کی وصیت کر دی تو اس سال کے پھل بھی سلمان کے ہوں گے اور آئندہ جب تک سلمان زندہ رہے گا اس وقت تک وہ موسیٰ کے باغ سے پھل لیتا رہے گا۔

اس کے برخلاف اگر موسیٰ نے سلمان کے لیے اپنے باغ کی آمدنی کی وصیت کی تو موسیٰ نے اس سال کی بھی آمدنی لے گا اور آئندہ سالوں کی بھی لے گا اگرچہ موسیٰ نے ابدیت کی صراحت نہ کی ہو پھر بھی موسیٰ نے زندگی بھر آمدنی کا مستحق ہوگا۔

والفرق أن الثمرة الخ: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ ثمرۃ اور غلۃ یعنی پھل اور آمدنی میں فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ عرف میں ثمرۃ ان پھلوں کو کہتے ہیں جو فی الحال موجود ہوں، اس لیے پھل کی وصیت معدوم چیزوں کو شامل نہیں ہوگی، اس لیے کہ جب تک موجود کے ساتھ معدوم کی شمولیت نہیں ہوگی اس وقت تک لفظ ثمرہ میں تاہید نہیں ہوگی اور معدوم اگرچہ فی الوقت کوئی شئی نہیں ہے لیکن ذکر کے قابل ہے اس لیے تاہید کے لیے اس کی شمولیت ضروری ہے اور شمولیت کے لیے تاہید کی صراحت ضروری ہے، لہذا جہاں تاہید ہے وہاں ہم نے موسیٰ کو تاہیات مستحق قرار دے دیا ہے اور جہاں تاہید نہیں ہے وہاں موسیٰ کے لیے ہم نے صرف موجودہ پھلوں کا استحقاق ثابت کیا ہے۔

اس کے برخلاف لفظ غلہ ہے تو وہ عرف اور وضع دونوں اعتبار سے مؤبد ہے اور موجود اور معدوم دونوں کو شامل ہے کیونکہ آمدنی وہی ہے جو یومانیو ما حاصل ہوتی رہے، اس لیے لفظ غلہ سے وصیت کرنے کی صورت میں موسیٰ کے لیے دائمی طور پر آمدنی ثابت ہوگی، اگرچہ موسیٰ تاہید کی صراحت نہ کرے۔ صاحب ہدایہ اسے مثال سے واضح کر رہے ہیں دیکھئے۔

يُقَالُ فَلَانٌ يَأْكُلُ مِنْ غَلَّةِ بُسْتَانِهِ وَمِنْ غَلَّةِ أَرْضِهِ فَإِذَا أُطْلِقَتْ تَنَنَّاوَلَهُمَا عُرْفًا غَيْرَ مَوْقُوفٍ عَلَى دَلَالَةٍ أُخْرَى، أَمَّا الثَّمَرَةُ إِذَا أُطْلِقَتْ لَا يَرَادُ بِهَا إِلَّا الْمَوْجُودُ فَلِهَذَا يَفْتَقِرُ الْإِنْصِرَافُ إِلَى دَلِيلٍ زَائِدٍ.

ترجمہ: کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص اپنے باغ کی آمدنی کھاتا ہے، اپنی زمین کی آمدنی اور اپنے گھر کی آمدنی کھاتا ہے پھر جب لفظ غلہ مطلق بولا جائے تو یہ عرفاً موجود معدوم دونوں کو شامل ہوگا اور دوسری دلالت پر موقوف نہیں ہوگا، لیکن ثمرۃ جب مطلق بولا جائے تو اس سے صرف موجود مراد ہوگا، اسی لیے دلیل زائد کی طرف انصراف کی ضرورت ہوگی۔

اللَّعَاتُ:

﴿غلة﴾ آمدن، کمائی۔ ﴿بستان﴾ باغ۔ ﴿اطلقت﴾ مطلق رکھا گیا۔ ﴿تناول﴾ شامل ہوگا۔ ﴿ثمرۃ﴾ پھل۔
﴿یفتقر﴾ محتاج ہوگا۔ ﴿انصراف﴾ پھرنا۔

توجیہ مسئلہ مذکورہ بالا:

پھل اور آمدنی کا فرق اس مثال سے بھی واضح ہے چنانچہ اگر کسی شخص کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ اپنے باغ کی آمدنی کھاتا ہے یا اپنے گھریا اپنی زمین کی آمدنی سے کھاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اس سے کھاتا ہے اور پھل کے متعلق یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ پھل ہمیشہ کھایا جاتا ہے، لہذا جب غلہ مطلق بولا جائے گا تو اس سے موجود اور معدوم دونوں مراد ہوں گے اور اس کے لیے کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں ہوگی، لیکن جب لفظ ثمرۃ مطلق بولا جائے تو اس سے صرف موجود پھل مراد ہوں گے اور جب تک تاہید پر کوئی دلیل نہیں ہوگی اس وقت تک یہ معدوم کو شامل نہیں ہوگا، اسی لیے فرمایا فلہذا یفتقر الانصراف الی دلیل زائد۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصَى لِرَجُلٍ بِصُوفٍ غَنِمِهِ أَبَدًا أَوْ بِأَوْلَادِهِمْ أَوْ بِلِسَانِهَا ثُمَّ مَاتَ فَلَهُ مَا فِي بَطُونِهَا مِنَ الْوَلَدِ وَمَا فِي صُرُوعِهَا مِنَ اللَّبَنِ وَمَا عَلَى ظَهْرِهَا مِنَ الصُّوفِ يَوْمَ يَمُوتُ الْمُوصِي سَوَاءٌ قَالَ أَبَدًا أَوْ لَمْ يَقُلْ، لِأَنَّهُ يُجَابُ عِنْدَ الْمَوْتِ فَيُعْتَبَرُ قِيَامُ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ يَوْمَئِذٍ، وَهَذَا بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ، وَالْفَرْقُ أَنَّ الْقِيَاسَ يَأْبَى تَمْلِيكَ الْمَعْدُومِ، لِأَنَّهُ لَا يَقْبَلُ الْمَلِكُ إِلَّا أَنْ فِي الْقَمَرَةِ وَالْغَلَّةِ الْمَعْدُومَةِ جَاءَ الشَّرْعُ بِوَرُودِ الْعَقْدِ عَلَيْهَا كَالْمُعَامَلَةِ وَالْإِجَارَةِ فَاقْتَضَى ذَلِكَ جَوَازَهُ فِي الْوَصِيَّةِ بِالطَّرِيقِ الْأُولَى، لِأَنَّ بَابَهَا أَوْسَعُ، أَمَّا الْوَلَدُ الْمَعْدُومُ وَأَخْتَاهُ فَلَا يَجُوزُ إِيْرَادُ الْعَقْدِ عَلَيْهَا أَصْلًا، وَلَا تَسْتَحِقُّ بِعَقْدٍ مَا فَكَذَلِكَ لَا يَدْخُلُ تَحْتَ الْوَصِيَّةِ، بِخِلَافِ الْمَوْجُودِ مِنْهَا لِأَنَّهُ يَجُوزُ اسْتِحْقَاقُهَا بِعَقْدِ الْبَيْعِ تَبَعًا وَبِعَقْدِ الْخَلْعِ مَقْصُودًا فَكَذَا بِالْوَصِيَّةِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس نے کسی شخص کے لیے دائمی طور پر اپنی بکریوں کی اولاد کی وصیت کی یا بکریوں کی اولاد دیا ان کے دودھ کی وصیت کی پھر موسیٰ مر گیا تو موسیٰ لہ کے لیے وہ بچے ہوں گے جو بکریوں کے پیٹ میں ہیں اور ان کی چھاتیوں میں موجود دودھ ہوگا اور ان کی پشت پر موجود اون ہوگی جس دن موسیٰ مرے گا خواہ اس نے أبدا کہا ہو یا نہ کہا ہو، کیونکہ یہ موت کے وقت کا ایجاب ہے، لہذا اس دن ان چیزوں کا موجود ہونا معتبر ہوگا۔ اور یہ ماقبل والے مسئلے کے برخلاف ہے۔

اور فرق یہ ہے کہ قیاس معدوم کی تملیک کا منکر ہے، کیونکہ معدوم ملک کو قبول نہیں کرتا لیکن ثمرۃ معدومہ اور غلہ معدومہ پر عقد وارد ہونے کے متعلق شریعت وارد ہوئی ہے جیسے مساقات اور اجارہ لہذا یہ بدرجہ اولیٰ اس کی وصیت کے جواز کا مقتضی ہوگا، کیونکہ وصیت کا باب بہت وسیع ہے۔ رہا ولد معدوم اور اس کی اخوات تو ان پر عقد وارد کرنا سرے سے جائز ہی نہیں ہے اور نہ ہی کسی عقد سے

ان کا استحقاق ہو سکتا ہے لہذا یہ وصیت کے تحت داخل نہیں ہوں گے۔ برخلاف ان میں سے موجود کے، کیونکہ عقد بیع کے تابع کر کے ان کا استحقاق جائز ہے اور عقد خلع کے ساتھ مقصود بن کر جائز ہے تو اسی طرح وصیت کے ساتھ بھی ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اللغات:

﴿صوف﴾ اون۔ ﴿غنم﴾ بھیڑ بکریاں۔ ﴿لبن﴾ دودھ۔ ﴿بطون﴾ واحد بطن؛ پیٹ۔ ﴿ضروع﴾ واحد ضرع؛ تھن۔ ﴿ظہور﴾ واحد ظہر؛ کمر۔ ﴿یابی﴾ انکار کرتا ہے۔

بکریوں کی اون دودھ یا بچوں کی وصیت کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے دوسرے کے لیے یہ وصیت کی کہ اسے ہمیشہ میری بکریوں کی اون دی جائے یا بکریوں کے بچے دیئے جائیں یا اسے ہمیشہ میری بکریوں کا دودھ دیا جائے اور پھر موصی کا انتقال ہو جائے تو موصیٰ لہ کو وہی اون یا دودھ اور بچے ملیں گے جو بوقت وصیت بکریوں میں موجود ہوں گے، کیونکہ وصیت موت ہی کے وقت ایجاب بنے گی، لہذا موصیٰ کی موت کے وقت ان اشیاء کا موجود ہونا ضروری ہے، لہذا موصیٰ کی موت کے وقت بکریوں میں جو اون اور دودھ اور بچے موجود ہوں گے، موصیٰ لہ انہی کا مستحق ہوگا اور آئندہ کے اون اور دودھ وغیرہ کا مستحق نہیں ہوگا اگرچہ موصیٰ اس میں تابید کی شرط لگا دے۔

اس کے برخلاف ثمرہ اور غلہ کا معاملہ ہے تو ثمرہ لفظ تابید سے موبد ہو جاتا ہے اور غلہ خود ہی تابید اور دوام پر دال ہے، اس لیے ان میں تابید سے ابدیت اور دائمیت ثابت ہوگی، لیکن صوف، اولاد اور لبن میں ابدیت ثابت نہیں ہوگی۔

والفرق الخ: صاحب کتاب صوف وغیرہ میں اور ثمرہ وغلہ میں فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صوف، اولاد اور لبن سب معدوم ہیں، اسی طرح ثمرہ اور غلہ بھی معدوم ہے، اس لیے قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ معدوم کی تملیک ہی صحیح نہ ہو، کیونکہ معدوم میں تملیک مفید نہیں ہے، کیونکہ معدوم ملکیت کو قبول ہی نہیں کرتا، لہذا ان تمام اشیاء میں وصیت کی ابدیت درست نہیں ہے، لیکن ثمرہ اور غلہ میں معدوم ہونے کے باوجود شریعت نے عقد مساقات اور عقد اجارہ کے ورود کو جائز قرار دیا ہے، اس لیے ان کی وصیت بھی جائز ہوگی اور اس میں تابید بھی متحقق ہوگی۔ اور ان کے علاوہ لبن، صوف اور اولاد کے معدوم ہونے کی صورت میں شریعت نے ان پر کوئی عقد جائز نہیں قرار دیا ہے اور نہ ہی کسی عقد سے ان کا استحقاق ثابت کیا ہے، اس لیے یہ بحالت عدم کسی بھی عقد کے تحت نہیں آئیں گے اور وصیت بھی چوں کہ ایک عقد ہے، لہذا بحالت عدم یہ وصیت کے تحت بھی داخل نہیں ہوں گے اور بوقت وصیت ان کی جو پوزیشن ہوگی وہی موصیٰ لہ کو ملے گی اور آئندہ اسے کچھ نہیں ملے گا۔

بخلاف الموجود منها الخ: فرماتے ہیں کہ صوف، لبن اور اولاد میں سے جو چیزیں موجود ہیں ان میں عقد بیع کے ضمن میں جعاً عقد اور استحقاق دونوں چیزیں درست ہیں چنانچہ اگر کسی نے بکری بیچی تو بکری کے تابع ہو کر اس کا اون اور دودھ سب بیع میں داخل ہوں گے اور خلع میں تو قصداً یہ اشیاء عقد میں داخل ہوتی ہیں، چنانچہ اگر کسی بیوی نے اپنے شوہر سے یہ کہہ کر خلع کیا کہ میری بکری کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ بدل خلع ہے تو قصداً اس بچے پر خلع صحیح ہے، لہذا ان میں سے موجود پر جس طرح عقد بیع اور عقد خلع درست ہے اسی طرح وصیت بھی ان میں سے موجود پر درست ہے، لیکن معدوم پر درست نہیں ہے اور تابید کا تعلق معدوم ہی سے ہے، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ تابید کی صراحت کے باوجود ان میں تابید صحیح اور ثابت نہیں ہے۔

بَابُ وَصِيَّةِ الذِّمِّيِّ

یہ باب ذمی کی وصیت کے بیان میں ہے

اس سے پہلے مسلمانوں کی وصیت کے احکام بیان کئے گئے ہیں اور اب یہاں سے ذمیوں کی وصیت سے متعلق احکام و مسائل بیان کئے جائیں گے، کیونکہ معاملات کے حق میں ذمی مسلمانوں کے تابع ہیں اور ظاہر ہے کہ تابع کا نمبر متبوع کے بعد ہی ہوتا ہے۔

قَالَ وَإِذَا صَنَعَ يَهُودِيٌّ أَوْ نَصْرَانِيٌّ بَيْعَةً أَوْ كَيْسَةً فِي صِحَّتِهِ ثُمَّ مَاتَ فَهُوَ مِيرَاثٌ، لِأَنَّ هَذَا بِمَنْزِلَةِ الْوَقْفِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ، وَالْوَقْفُ عِنْدَهُ يُورَثُ وَلَا يَكْزَمُ فَكَذَا هَذَا، وَأَمَّا عِنْدَهُمَا فَلِأَنَّ هَذِهِ مَعْصِيَةٌ فَلَا تَصَحُّ عِنْدَهُمَا.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر یہودی یا نصرانی نے اپنی صحت کے زمانے میں بیعہ یا کئیہ بنایا پھر وہ مر گیا تو اس کی بنائی ہوئی چیز میراث ہے، کیونکہ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں یہ وقف کے درجے میں ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں وقف میراث ہوتا ہے، لازم نہیں ہوتا لہذا یہ بھی ایسے ہی ہوگا۔ رہا صاحبین رحمہم اللہ کے یہاں تو یہ معصیت ہے لہذا ان کے نزدیک صحیح نہیں ہوگا۔

اللُّغَاتُ:

﴿صنع﴾ بنایا۔ ﴿بیعۃ﴾ عیسائی عبادت گاہ۔

کافر کی بنائی ہوئی عبادت گاہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی یہودی نے کئیہ بنایا یا کسی نصرانی نے بیعہ بنایا اور صحت کی حالت میں بنایا اور پھر صانع کی موت ہو گئی تو امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں بیعہ اور کئیہ کو اس کے ورثاء کے مابین تقسیم کیا جائے گا، اس لیے کہ حضرت الامام کے یہاں یہ تعمیر وقف کے درجے میں ہے اور وقف امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں میراث میں تقسیم ہوتا ہے، لازم نہیں ہوتا، اسی لیے حضرت الامام کے یہاں یہ مرنے والے کے ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا۔ اس کے برخلاف حضرات صاحبین کے یہاں وقف لازم تو ہوتا ہے لیکن وہی وقف لازم ہوتا ہے جو معصیت نہ ہو اور کئیہ اور بیعہ معصیت ہے، اس لیے اس کا وقف ہی صحیح نہیں ہے اور جب وقف صحیح نہیں ہے تو

اسے میراث میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

قَالَ وَلَوْ أَوْصَى بِذَلِكَ لِقَوْمٍ مُّسَمِّينَ فَهُوَ مِنَ الثَّلَاثِ مَعْنَاهُ إِذَا أَوْصَى أَنْ تُبْنَى دَارُهُ بَيْعَةً أَوْ كَنِيْسَةً فَهُوَ جَائِزٌ مِنَ الثَّلَاثِ، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ فِيهَا مَعْنَى الْإِسْتِخْلَافِ وَمَعْنَى التَّمْلِيكِ، وَلَكِنَّهُ وَلَايَةُ ذَلِكَ فَأَمَّا كَنْ تَصَحُّحُهُ عَلَى إِبْتِغَاءِ الْمَعْنَيْنِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر بنوانے والے نے بیعہ یا کنیسہ کی کسی معین قوم کے لیے وصیت کی تو وہ تہائی مال سے معتبر ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ یہ وصیت کرے کہ اس کے گھر کو بیعہ یا کنیسہ بنا دیا جائے تو اس کی وصیت ثلث سے جائز ہے، کیونکہ وصیت میں استخلاف اور تملیک کے معنی ہیں اور ذمی کو اس کی ولایت حاصل ہے، لہذا دونوں معنوں کے اعتبار سے اس کی تصحیح ممکن ہے۔

اللغات:

﴿مسمین﴾ نامزد کیے ہوئے۔ ﴿تبنی﴾ بنایا جائے، تعمیر کیا جائے۔ ﴿بیعہ﴾ گرجا، چرچ۔ ﴿کنیسہ﴾ سینا گاہ، یہودی عبادت گاہ۔

کافر کی اپنے گھر کو عبادت گاہ بنادینے کی وصیت کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی ذمی نے کسی معین قوم کو یہ وصیت کی کہ میرے گھر کو بیعہ یا کنیسہ بنا دیا جائے تو اس کی یہ وصیت درست اور جائز ہے اور تہائی مال سے اس کا نفاذ ہوگا، کیونکہ وصیت میں دو معنی پائے جاتے ہیں (۱) استخلاف (۲) تملیک اور ذمی استخلاف کا بھی مالک ہے اور تملیک کا بھی مالک ہے، لہذا دونوں معنوں کے اعتبار سے اس کی وصیت صحیح ہے اس لیے استخلاف والے معنی کا اعتبار کر کے ہم نے ثلث میں اس کو جائز قرار دیا اور تملیک کے معنی کی رعایت کرتے ہوئے ہم نے کہا کہ معین قوم کے لیے اس کی وصیت صحیح ہے تاکہ انھیں کما حقہ اس کا مالک بنایا جاسکے۔

قَالَ وَإِنْ أَوْصَى بِدَارِهِ كَنِيْسَةً لِقَوْمٍ غَيْرِ مُّسَمِّينَ جَاَزَتْ الْوَصِيَّةُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ وَقَالَ الْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ، لِأَنَّ هَذِهِ مَعْصِيَةٌ حَقِيقَةٌ وَإِنْ كَانَ فِي مُعْتَقِدِهِمْ قُرْبَةٌ وَالْوَصِيَّةُ بِالْمَعْصِيَةِ بَاطِلَةٌ لِمَا فِي تَنْفِيذِهَا مِنْ تَقْرِيرِ الْمَعْصِيَةِ، وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ أَنَّ هَذِهِ قُرْبَةٌ فِي مُعْتَقِدِهِمْ وَنَحْنُ أَمَرْنَا بِأَنْ نَتْرُكَهُمْ وَمَا يَدِينُونَ فَتَجُوزُ بِنَاءً عَلَى إِعْتِقَادِهِمْ، أَلَا يُرَى أَنَّهُ لَوْ أَوْصَى بِمَا هُوَ قُرْبَةٌ حَقِيقَةٌ مَعْصِيَةٍ فِي مُعْتَقِدِهِمْ لَاتَجُوزُ الْوَصِيَّةُ إِبْتِغَاءً لِرَافِعِهِمْ فَكَذًا عَكْسُهُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر یہودی نے غیر متعین قوم کے لیے اپنا گھر کنیسہ بنانے کی وصیت کی تو امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں وصیت جائز ہے۔ حضرات صاحبین رحمہم فرماتے ہیں کہ وصیت باطل ہے، کیونکہ یہ حقیقتاً معصیت ہے اگرچہ ذمیوں کے اعتقاد میں قربت

ہے اور معصیت کی وصیت باطل ہے، کیونکہ اسے نافذ کرنے میں معصیت کا اثبات ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ ان کے اعتقاد میں قربت ہے اور ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ انھیں ان کے اعتقاد پر چھوڑ دیں، لہذا ان کے اعتقاد پر بناء کرتے ہوئے وصیت جائز ہے، کیا دکھتا نہیں کہ اگر ذی نے ایسی چیز کی وصیت کی جو در حقیقت قربت ہو لیکن ان کے اعتقاد میں معصیت ہو تو ان کے اعتقاد کا اعتبار کرتے ہوئے وصیت جائز نہیں ہے تو ایسے ہی اس کا برعکس بھی ہوگا۔

اللغات:

﴿کنیسۃ﴾ سينا گانگ، یہودی معبد۔ ﴿معصیۃ﴾ گناہ، نافرمانی کا کام۔ ﴿معتقد﴾ اعتقادات۔ ﴿قربۃ﴾ نیکی کا عمل۔ ﴿امرونا﴾ مأمور ہیں۔ ﴿ما یدینون﴾ جو وہ اعتقاد رکھتے ہیں۔

کافر کی اپنے گھر کو عبادت گاہ بنا دینے کی وصیت کرنا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر ذی نے غیر معین اور غیر محصور قوم کے لیے یہ وصیت کی کہ وہ اس کے گھر کو بیعہ یا کنیسہ بنا دیں تو اس وصیت کے جواز میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کا اختلاف ہے، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس صورت میں بھی وصیت جائز ہے جب کہ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں یہ وصیت باطل ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ یہ در حقیقت ایک معصیت ہے اور معصیت کی وصیت باطل ہے اگرچہ ذمیوں کے اعتقاد میں بیعہ اور کنیسہ بنانا قربت اور عبادت ہے، لیکن ہمارے یہاں یہ معصیت ہے اور اس کی وصیت کو نافذ کرنے میں معصیت کا اثبات لازم آرہا ہے، جو کسی بھی حال میں صحیح نہیں ہے۔

ولابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ الخ: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ بیعہ اور کنیسہ بنانا ذمیوں کے اعتقاد میں قربت اور عبادت ہے اور ہمیں ان کے اعتقاد سے چھیڑ چھاڑ کرنے سے منع کر دیا گیا ہے، لہذا حقیقت میں معصیت ہونے کے باوجود ان کے اعتقاد اور دین کے پیش نظر اس وصیت کو جائز قرار دیا جائے گا، یہی وجہ ہے کہ اگر ذی اپنے گھر کو مسجد بنانے کی وصیت کرے تو فی نفسہ یہ وصیت قربت ہے، لیکن ان کے اعتقاد میں چوں کہ یہ معصیت ہے اور جواز اور عدم جواز کا مدار ان کے اعتقاد ہی پر ہوتا ہے لہذا ان کے اعتقاد کی طرف نظر کرتے ہوئے مسجد بنانے کی وصیت باطل ہے۔

ثُمَّ الْفُرُقُ لِأَبِي حَنِيفَةَ رحمۃ اللہ علیہ بَيْنَ بِنَاءِ الْبَيْعَةِ وَالْكَنِيسَةِ وَبَيْنَ الْوَصِيَّةِ بِهِ أَنَّ الْبِنَاءَ نَفْسُهُ لَيْسَ بِسَبَبٍ لِرُزْوَالِ مِلْكِ الْبَائِي، وَإِنَّمَا يَرْوُلُ مِلْكُهُ بِأَنْ يَصِيرَ مُحَرَّرًا خَالِصًا لِلَّهِ تَعَالَى كَمَا فِي مَسَاجِدِ الْمُسْلِمِينَ، وَالْكَنِيسَةُ لَمْ تَصِرْ مُحَرَّرَةً لِلَّهِ تَعَالَى حَقِيقَةً لَتَبْقَى مِلْكًا لِلْبَائِي فَتَوَرَّتْ عَنْهُ، وَلَآ تَهْمُ يَتَوَنُّ فِيهَا الْحُجَرَاتِ وَيَسْكُنُ نَهَا فَلَمْ يَتَحَرَّرْ لَتَعْلَقِ حَقِّ الْعِبَادَةِ، وَلِأَنَّ هَذِهِ الصُّورَةَ يُوَرِّثُ الْمَسْجِدُ أَيْضًا لِعَدَمِ تَحَرُّرِهِ، بِخِلَافِ الْوَصِيَّةِ، لِأَنَّهُ وَضَعَ لِأَزَالَةِ الْمِلْكِ إِلَّا أَنَّهُ اِمْتَنَعَ ثُبُوتُ مُقْتَضَاهُ فِي غَيْرِ مَا هُوَ قُرْبَةٌ عِنْدَهُمْ فَبَقِيَ مَا هُوَ قُرْبَةٌ عَلَى مُقْتَضَاهُ

فَیْزُؤُلْ مِلْکُہٗ فَلَا یُورَثُ۔

ترجمہ: پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بیعہ اور کنیسہ بنانے میں اور اس کی وصیت کرنے میں فرق یہ ہے کہ نفس بقاء ملک بانی کے زوال کے سبب نہیں ہے اور اس کی ملکیت اس طور پر زائل ہوتی ہے کہ وہ محرز اور اللہ کے لیے خالص ہو جائے جیسے مسلمانوں کی مسجدیں ہیں۔ اور کنیسہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے لیے محرز نہیں ہوتا، لہذا یہ بانی کی ملکیت بن کر باقی رہے گا اور اسے میراث میں تقسیم کیا جائے گا اور اس لیے بھی کہ یہ لوگ کنیسہ میں کمرے بنا کر ان میں رہتے ہیں تو اس کے ساتھ بندوں کا حق متعلق ہونے کی وجہ سے وہ محرز نہیں ہوا اور اس صورت میں محرز نہ ہونے کی وجہ سے مسجد بھی میراث ہو جائے گی۔ برخلاف وصیت کے، کیونکہ وصیت ازالہ ملک کے لیے وضع کی گئی ہے، لیکن جو ان کے اعتقاد میں قربت نہ ہو اس میں وصیت کے مقتضی کا ثبوت ممتنع ہے، لہذا جو قربت ہے اس کی وصیت اپنے مقتضی پر باقی رہے گی اور بانی کی ملکیت زائل ہو جائے گی، اس لیے وہ میراث نہیں بنے گی۔

اللغات:

﴿بناء﴾ تعمیر کرنا۔ ﴿بانی﴾ تعمیر کرنے والا، معمار۔ ﴿محرز﴾ لینے والا۔ ﴿تورث﴾ وارث بنتے ہیں۔ ﴿حجرات﴾

واحد حجرہ؛ کمرے۔

امام صاحب پر وارد ہونے والے اعتراض کا جواب:

یہاں سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر وارد ہونے والے ایک اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ جب ذمی بیعہ یا کنیسہ بنانے کی وصیت کرتا ہے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اسے جائز قرار دیتے ہیں اور اگر وہ اپنی زندگی میں بیعہ یا کنیسہ بنا دے تو اس کی وصیت باطل قرار دے کر حضرت الامام اس میں میراث جاری کرتے ہیں، آخر ایسا کیوں ہے؟ اسی کا جواب دیتے ہوئے صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بناء اور وصیت میں فرق ہے لہذا دونوں کو ایک ہی ڈنڈے سے ہانکنا درست نہیں ہے۔ وہ فرق یہ ہے کہ نفس بناء سے بانی کی ملکیت زائل نہیں ہوتی، کیونکہ کنیسہ یا بیعہ بنانے سے اس صورت میں بانی کی ملکیت زائل ہوتی جب یہ خالص اللہ کے لیے محرز ہوتی حالانکہ کنیسہ میں یہود رہائشی کمرے بنا کر اس میں قیام کرتے ہیں اور اس کے ساتھ حق العباد متعلق ہوتا ہے اور جب کنیسہ اور بیعہ میں بانی کی ملکیت باقی ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی موت کے بعد وہ چیز اس کے ورثاء میں تقسیم ہوگی اور اس میں وصیت باطل ہوگی۔ اس کے برخلاف مسلمانوں کی جو مسجدیں ہیں وہ خالص اللہ کے لیے محرز اور وقف ہوتی ہیں اور مساجد سے واقف کی ملکیت یکسر زائل ہو جاتی ہے، اسی لیے مساجد میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ ہاں اگر کوئی مسلمان غرضی طور پر اپنی زمین میں مسجد بنا لے پھر اس کے اوپر اپنا گھر بنا لے تو عدم احراز کی وجہ سے یہ مسجد بھی میراث میں تقسیم ہونے لگے گی۔

اس کے برخلاف وصیت کا معاملہ ہے تو وصیت کی وضع ہی اسی لیے ہوئی ہے تاکہ موصی بہ موصی کی ملکیت سے خارج ہو جائے، البتہ اس میں یہ دھیان رکھا جائے گا کہ وصیت اسی چیز میں صحیح اور مؤثر ہوگی جو ذمیوں کے اعتقاد میں قربت ہوگی اور جو چیز ان کے اعتقاد میں قربت نہیں ہوگی، اس میں وصیت نہ تو صحیح ہوگی اور نہ ہی مؤثر ہوگی اور جس چیز میں وصیت صحیح ہوگی اس سے موصی

کی ملکیت زائل ہو جائے گی اور زوال ملک کے بعد وہ چیز موسیٰ کے ورثاء میں تقسیم نہیں ہو سکے گی۔

ثُمَّ الْحَاصِلُ أَنَّ وَصَايَا الذِّمِّيِّ عَلَى أَرْبَعَةِ أَقْسَامٍ مِنْهَا أَنْ تَكُونَ قُرْبَةً فِي مُعْتَقِدِهِمْ وَلَا تَكُونَ قُرْبَةً فِي حَقِّنَا وَهُوَ مَا ذَكَرْنَاهُ، وَمَا إِذَا أَوْصَى الذِّمِّيُّ بِأَنْ تَذْبَحَ خَنَازِيرُهُ وَتُطْعَمَ الْمُشْرِكِينَ، وَهَذِهِ عَلَى الْخِلَافِ إِذَا كَانَ لِقَوْمٍ غَيْرِ مُسْتَمِينَ كَمَا ذَكَرْنَاهُ وَالْوَجْهُ مَا بَيَّنَّاهُ.

ترجمہ: پھر حاصل یہ ہے کہ ذمی کی وصیتیں چار قسموں پر ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ وصیت ان کے اعتقاد میں قربت ہو اور ہمارے حق میں قربت نہ ہو اور یہ وہی ہے جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اگر ذمی نے یہ وصیت کی کہ اس کے خزیروں کو ذبح کیا جائے اور مشرکین کو کھلایا جائے یہی مختلف فیہ صورت ہے جب وصیت غیر معین قوم کے لیے ہو جیسا کہ ہم اسے بیان کر چکے ہیں اور دلیل وہی ہے جسے ہم ذکر کر چکے ہیں۔

اللغات:

﴿قربۃ﴾ نیکی کا کام۔ ﴿معتقد﴾ اعتقاد، ایمان۔ ﴿تذبح﴾ ذبح کیا جائے۔ ﴿طعم﴾ کھلا دیا جائے۔ ﴿غیر مستمین﴾ غیر نامزد، نامعلوم۔

ذمی کی وصیت کی اقسام:

صاحب ہدایہ حضرات صاحبین رحمہم اللہ اور حضرت امام اعظم رحمہم اللہ کے مسائل اور دلائل کے بیان سے فارغ ہو کر خلاصے کے طور پر فرماتے ہیں کہ بھائی ذمی کی وصایا چار قسموں پر ہیں، ان میں سے ایک قسم یہ ہے کہ وہ ایسی چیز کی وصیت کرے جو ان کے حق میں قربت ہو اور ہمارے حق میں زحمت اور معصیت ہو جیسے بیعہ اور کنیہ کی وصیت یا ذمی کی یہ وصیت کہ اس کے خزیروں کو ذبح کر کے مشرکین کو کھلایا جائے تو یہ بھی اس کے حق میں قربت ہے اور ہمارے حق میں معصیت ہے اب اگر غیر معین قوم کے لیے یہ وصیت ہو تو اس میں امام اعظم رحمہم اللہ اور حضرات صاحبین رحمہم اللہ کا اختلاف ہے یعنی امام اعظم رحمہم اللہ کے یہاں یہ وصیت درست ہے اور حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے یہاں باطل ہے اور ماقبل میں جو فریقین کے دلائل ہیں وہ اس میں بھی جاری ہیں۔

وَمِنْهَا مَا إِذَا أَوْصَى بِمَا يَكُونُ قُرْبَةً فِي حَقِّنَا وَلَا يَكُونُ قُرْبَةً فِي مُعْتَقِدِهِمْ كَمَا إِذَا أَوْصَى بِالْحَجِّ أَوْ بِأَنْ يَبْنِيَ مَسْجِدَ الْمُسْلِمِينَ أَوْ بِأَنْ يُسْرَجَ فِي مَسَاجِدِ الْمُسْلِمِينَ وَهَذِهِ الْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ بِالْإِجْمَاعِ اِعْتِبَارًا لِإِعْتِقَادِهِمْ إِلَّا إِذَا كَانَ لِقَوْمٍ غَيْرِ مُسْتَمِينَ لَوْ قُوَّعَهُ تَمْلِيكًا، لِأَنَّهُمْ مَعْلُومُونَ وَالْجِهَةُ مَشْهُورَةٌ.

ترجمہ: اور ان میں سے دوسری صورت یہ ہے کہ جب ذمی نے اس چیز کی وصیت کی جو ہمارے حق میں قربت ہو اور ان کے اعتقاد میں قربت نہ ہو جیسے اگر وہ حج کی وصیت کرے یا مسلمانوں کی مسجد بنانے کی وصیت یا یہ وصیت کرے کہ مسلمانوں کی مسجدوں میں چراغ جلایا جائے تو ان کے اعتقاد کا اعتبار کرتے ہوئے بالاتفاق یہ وصیت باطل ہے الا یہ کہ کسی معین قوم کے لیے وصیت ہو تو اس

کے تملیک واقع ہونے کی وجہ سے (وصیت صحیح ہے) کیونکہ موسیٰ لہم معلوم ہیں اور جہت مشورہ ہے۔

اللغات:

﴿اوصی﴾ وصیت کی۔ ﴿قربة﴾ نیکی کا کام۔ ﴿معتقد﴾ ایمان، عقیدہ۔ ﴿ینی﴾ تعمیر کیا جائے۔ ﴿یسرج﴾ چراغ جلایا جائے۔ ﴿اعیان﴾ متعین افراد۔ ﴿تملیک﴾ مالک بنانا۔

دوسری قسم:

ذمی کی وصیت کی دوسری قسم یہ ہے کہ وہ ایسی چیز کی وصیت کرے جو ہمارے حق میں قربت ہو لیکن ذمیوں کے اعتقاد میں قربت نہ ہو مثلاً ذمی یہ وصیت کرے کہ میرے مال سے کسی مسلمان کو حج کرا دیا جائے یا مسلمانوں کی مسجد تعمیر کر دی جائے یا میرے مال سے مسلمانوں کی مسجد میں چراغ جلا دیا جائے۔ تو ان صورتوں میں اگر غیر معین قوم کے لیے وصیت ہے تب تو ذمیوں کے اعتقاد کا اعتبار کرتے ہوئے بالاتفاق وصیت باطل ہے۔ اور اگر کسی معین قوم کے لیے وصیت ہے تو جائز ہے، اس لیے کہ موسیٰ لہم معلوم اور متعین ہیں اور یہ وصیت ان کے حق میں تملیک بن کر درست ہے۔ رہا اس کا یہ کہنا کہ میرے مال سے حج کرا دیا جائے یا مسجد بنادی جائے تو اس کو اس کی طرف سے امر لا بدی نہیں قرار دیں گے، کیونکہ یہ اس کے اعتقاد کے خلاف ہے۔ ہاں یہ اس کی طرف سے مشورہ ہوگا اور موسیٰ لہم جہاں چاہیں گے اس کے مال یعنی موسیٰ بہ کو خرچ کرنے کے مجاز ہوں گے۔

وَمِنْهَا إِذَا أَوْصَى بِمَا يَكُونُ قُرْبَةً لِّهِ حَقًّا وَلَهُ حَقُّهُمْ بِأَنْ يُسْرَجَ لِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ أَوْ يُغْزَى التُّرْكُ وَهُوَ مِنَ الرُّومِ، وَهَذَا جَائِزٌ سَوَاءٌ كَانَ الْقَوْمُ بِأَعْيَانِهِمْ أَوْ بِغَيْرِ أَعْيَانِهِمْ، لِأَنَّهُ وَصِيَّةٌ بِمَا هُوَ قُرْبَةٌ حَقِيقَةٌ وَلَهُ مُعْتَقِدُهُمْ أَيْضًا.

ترجمہ: اور ان میں تیسری قسم یہ ہے کہ جب ذمی نے ایسی چیز کی وصیت کی جو ہمارے اور ان کے حق میں قربت ہو جیسے اس نے بیت المقدس میں چراغ جلانے کی وصیت کی یا ترک یعنی روم سے جنگ کی وصیت کی تو یہ جائز ہے خواہ قوم معین ہو یا نہ ہو، اس لیے کہ یہ ایسی چیز کی وصیت ہے جو حقیقتاً قربت ہے اور ان کے اعتقاد میں بھی قربت ہے۔

اللغات:

﴿قربة﴾ نیکی کا کام۔ ﴿یسرج﴾ چراغ جلائے جائیں۔ ﴿غزى﴾ جنگ کی جائے۔ ﴿معتقد﴾ عقیدہ۔

تیسری قسم:

یہ ذمی کی وصایا کی تیسری قسم ہے جو ہمارے یہاں بھی قربت ہے اور ان کے اعتقاد میں بھی قربت ہے مثلاً بیت المقدس میں چراغ جلانے کی وصیت یا رومیوں سے جنگ کرنے کی وصیت کہ ہمارے اور ان کے دونوں فریقوں کے یہاں یہ قربت ہے، اس لیے مطلقاً یہ وصیت جائز ہے خواہ موسیٰ لہم معین ہوں یا نہ ہوں، بہر دو صورت یہ وصیت صحیح ہے، کیونکہ وصیت کا مدار قربت پر ہے اور یہاں جائنیں میں قربت موجود ہے۔

وَمِنْهَا إِذَا أَوْصَى بِمَا لَا يَكُونُ قُرْبَةً لَا فِي حَقِّهَا وَلَا فِي حَقِّهِمْ كَمَا إِذَا أَوْصَى لِلْمَغْنِيَّاتِ وَالنَّائِحَاتِ فَإِنْ هَذَا غَيْرُ جَائِزٍ، لِأَنَّهُ مَعْصِيَةٌ فِي حَقِّهَا وَفِي حَقِّهِمْ إِلَّا أَنْ يَكُونَ لِقَوْمٍ بِأَعْيَانِهِمْ فَيَصِحَّ تَمْلِكُهَا وَاسْتِخْلَافُهَا.

ترجمہ: اور انھیں میں سے ہے جب ذی نے ایسی چیز کی وصیت کی جو نہ تو ہمارے حق میں قربت ہے اور نہ ہی ان کے حق میں جیسے اگر اس نے گانے والی عورتوں اور نوحہ کرنے والی عورتوں کی وصیت کی تو یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ ہمارے حق میں بھی معصیت ہے اور ان کے حق میں بھی معصیت ہے۔ لیکن اگر معین قوم کے لیے ہو تو صحیح ہے تملیک اور استخلاف دونوں اعتبار سے۔

اللغات:

﴿مغنیات﴾ گلوکار عورتیں۔ ﴿نائحات﴾ نوحہ کرنے والیاں۔ ﴿تملیک﴾ مالک بنانا۔

چوتھی قسم:

وصایا ذی کے اقسام اربعہ میں سے یہ سب سے آخری اور چوتھی قسم ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ذی کسی ایسی چیز کی وصیت کرے جو نہ ہمارے حق میں قربت ہو اور نہ ہی ذمیوں کے حق میں قربت ہو مثلاً وہ گانے والی عورتوں کے لیے وصیت کرے یا نوحہ کرنے والیوں کے لیے وصیت کرے تو یہ وصیت درست اور جائز نہیں ہے، اس لیے کہ گانا گانا اور نوحہ کرنا ہمارے حق میں بھی معصیت ہے اور ذمیوں کے حق میں بھی معصیت ہے اور معصیت کی وصیت درست نہیں ہے۔
ہاں اگر کسی معین قوم کے لیے یہ وصیت ہو تو اس صورت میں وصیت درست ہے، لیکن من حیث القربت نہیں، بل کہ من حیث التملیک والاستخلاف اور تملیک واستخلاف میں قربت نہیں دیکھی جاتی۔

وَصَاحِبُ الْهَوَىٰ إِنْ كَانَ لَا يُكْفَرُ فَهُوَ فِي حَقِّ الْوَصِيَّةِ بِمَنْزِلَةِ الْمُسْلِمِينَ، لِأَنَّا أَمَرْنَا بِنَاءِ الْأَحْكَامِ عَلَى الظَّاهِرِ، وَإِنْ كَانَ يُكْفَرُ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُرْتَدِّ فَيَكُونُ عَلَى الْإِخْلَافِ الْمَعْرُوفِ فِي تَصَرُّفَاتِهِ بَيْنَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَصَاحِبِهِ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَفِي الْمُرْتَدَّةِ الْأَصَحُّ أَنَّهُ تَصَحُّ وَصَايَاهَا، لِأَنَّهَا تَبْقَى عَلَى الرِّدَّةِ، بِإِخْلَافِ الْمُرْتَدِّ لِأَنَّهُ يُقْتَلُ أَوْ يُسْلِمُ.

ترجمہ: اور صاحب ہویٰ بدعت کی اگر تکفیر نہ کی جاتی ہو تو وصیت کے حق میں وہ مسلمانوں کے درجے میں ہے، کیونکہ ہمیں ظاہر پر احکام مبنی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اگر اس کی تکفیر کی جاتی ہو تو وہ مرتد کے درجے میں ہوگا، لہذا وہ اسی اختلاف پر ہوگا جو امام اعظم رحمہ اللہ اور حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے مابین اس کے تصرفات کے متعلق مشہور ہے۔ اور مرتدہ کے بارے میں اصح یہ ہے کہ اس کے وصایا صحیح ہوں گے، کیونکہ وہ ردت پر باقی رہ سکتی ہے۔ برخلاف مرتد کے، اس لیے کہ وہ قتل کیا جائے گا یا مسلمان ہوگا۔

اللغات:

﴿صاحب الهوی﴾ بدعتی۔ ﴿لا یکفر﴾ تکفیر نہ کی جاتی ہو۔ ﴿امرنا﴾ ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ ﴿بناء﴾ بنیاد رکھنا۔

﴿یقتل﴾ قتل کیا جاتا ہے۔

اہل بدعت کی وصیتیں:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر بدعتی مسلمان کی تکفیر نہ کی جاتی ہو اور وہ کفریہ اعمال کا ارتکاب نہ کرتا ہو تو وصیت کے حق میں وہ مسلمانوں کے درجے میں ہے اور جن امور میں مسلمانوں کی وصیت نافذ ہوتی ہے ان میں اس کی وصیت بھی نافذ ہوگی، کیونکہ ہمیں ظاہر حال پر حکم لگانے کا حکم دیا گیا ہے، لہذا ظاہر حال کے مطابق ہم مسلمان کو مسلمان ہی سمجھیں گے اور اس کی وصیت کو نافذ قرار دیں گے، لیکن اگر بدعتی کی تکفیر کی جاتی ہو تو وہ مرتد کے درجے میں ہوگا اور مرتد کے متعلق حضرت امام اعظم رحمہ اللہ اور حضرات صاحبین رحمہم اللہ کا اختلاف مشہور ہے کہ امام اعظم رحمہم اللہ کے یہاں مرتد کے تصرفات موقوف ہوتے ہیں اور حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے یہاں اس کے تصرفات نافذ ہوتے ہیں، لہذا اسی اختلاف پر اس کی وصیت بھی ہوگی۔

لیکن اگر وصیت کرنے والی عورت ہو اور وہ سڑی ہوئی بدعتی ہو تو مرتد ہونے کے باوجود وہ وصیت کے حق میں ذمیہ کی طرح ہوگی اور ذمیہ کی طرح اس کے تصرفات نافذ ہوں گے، کیونکہ عورت ردّت پر باقی رہ سکتی ہے، لیکن مرد اگر مرتد ہو تو وہ ردّت پر قائم نہیں رہ سکتا، اس لیے کہ اس کے سامنے صرف دو ہی راستے ہیں (۱) قتل (۲) اسلام، لہذا مرتد ذمی کے حق میں نہیں ہوگا۔

قَالَ وَإِذَا دَخَلَ الْحَرْبِيُّ دَارَنَا بِأَمَانٍ فَأَوْصَى لِمُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ بِمَالِهِ كُلِّهِ جَازًا، لِأَنَّ إِمْتِنَاعَ الْوَصِيَّةِ بِمَا زَادَ عَلَى الْفُلْتِ لِحَقِّ الْوَرَثَةِ وَلِهَذَا يَنْفُذُ بِاجَازَتِهِمْ وَلَيْسَ لَوَرَثَتِهِ حَقٌّ مَرْعِيٌّ لِكُونِهِمْ فِي دَارِ الْحَرْبِ إِذْ هُمْ أَمْوَاتٌ فِي حَقِّنَا، وَلِأَنَّ حُرْمَةَ مَالِهِ بِاعْتِبَارِ الْأَمَانِ، وَالْأَمَانُ كَانَ لِحَقِّهِ لَا لِحَقِّ وَرَثَتِهِ، وَلَوْ كَانَ أَوْصَى بِأَقْلٍ مِنْ ذَلِكَ أَخَذَتِ الْوَصِيَّةُ وَبَرَدُ الْبَاقِي عَلَى وَرَثَتِهِ وَذَلِكَ مِنْ حَقِّ الْمُسْتَأْمِنِ أَيْضًا، وَلَوْ أَعْتَقَ عَبْدَهُ عِنْدَ الْمَوْتِ أَوْ ذَبَرَ عَبْدَهُ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ فَذَلِكَ صَحِيحٌ مِنْهُ مِنْ غَيْرِ اعْتِبَارِ الْفُلْتِ لِمَا بَيَّنَّا.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جب حربی امان لے کر دارالاسلام میں داخل ہوا اور اس نے کسی مسلمان یا ذمی کے لیے اپنے پورے مال کی وصیت کی تو جائز ہے، کیونکہ ثلث سے زیادہ کی وصیت کا ممتنع ہونا حق و رثاء کی وجہ سے ہے، اسی لیے ان کی اجازت سے ثلث سے زائد وصیت نافذ ہو جاتی ہے اور حربی مستامن کے ورثاء کے لیے کوئی ایسا حق نہیں ہے جس کی رعایت کی جائے، کیونکہ ورثاء دارالحرب میں ہیں، اس لیے ہمارے حق میں وہ مردے ہیں اور اس لیے کہ مستامن کے مال کی حرمت امان کی وجہ سے ہے اور امان اس کا حق ہے، اس کے ورثاء کا حق نہیں ہے۔

اور اگر حربی مستامن نے پورے مال سے کم کی وصیت کی تو وصیت کے بقدر لے لیا جائے گا اور باقی ورثاء کو واپس کر دیا جائے گا ورنہ بھی مستامن کے حق کی وجہ سے ہوگا۔

اور اگر اس نے بوقت موت اپنا غلام آزاد کیا یا دارالاسلام میں اپنے غلام کو مکاتب بنایا تو یہ اس کی طرف سے ثلث کا اعتبار کئے بغیر صحیح ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

اللَّغَاتُ:

﴿حربی﴾ غیر ذمی کافر۔ ﴿مروعی﴾ جس کی رعایت رکھی جائے۔ ﴿أخذت﴾ لیا جائے گا۔ ﴿ذبر﴾ مدبر بنایا۔

حربی متا من کی وصیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی حربی امان طلب کر کے امن کے وزیر اور دارالاسلام آیا اور دارالاسلام میں اس نے کسی مسلمان یا ذمی کے لیے اپنے پورے مال کی وصیت کر دی تو یہ وصیت درست اور جائز ہے اگرچہ ٹلٹ سے زائد کی ہے، کیونکہ ٹلٹ سے زائد مال کی وصیت کا امتناع وراثہ کے حق کی وجہ سے ہے اور صورت مسئلہ میں حربی کے مال سے وراثہ کا کوئی حق ہی متعلق نہیں ہے، کیونکہ اس کے وراثہ کافر اور حربی ہیں اور حربی ہمارے حق میں مردوں کی طرح ہے نیز مروعی متا من کے مال کی حرمت اس کے امان کی وجہ سے ہے اور امان صرف مروعی کو حاصل ہے اس کے وراثہ کو حاصل نہیں ہے، اس لیے اس حوالے سے بھی حق وراثہ کی رعایت نہیں کی جائے گی اور مروعی کے پورے مال میں وصیت صحیح ہوگی۔

ولو كان أوصى الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر حربی متا من نے پورے مال کی وصیت نہ کی ہو بلکہ کچھ مال کی وصیت کی ہو تو جتنے مال کی وصیت کی گئی ہو اتنا مال لے کر باقی مال مروعی کے وراثہ کو دے دیا جائے گا، لیکن یہ دینا حق مروعی کی وجہ سے ہوگا نہ کہ حق وراثہ کی وجہ سے اور اس لیے وہ مال اس کے وراثہ کو دیا جائے گا، تاکہ متا من کے حق کی رعایت ہو جائے اور اس کا مال صحیح جگہ پہنچ جائے۔

ولو اعتق عبده الخ: فرماتے ہیں کہ اگر حربی متا من دارالاسلام میں مرنے لگے اور بوقت موت اس نے اپنا غلام آزاد کر دیا یا مدبر بنادیا تو یہ اعتاق اور تدبیر درست ہے اور اس میں ٹلٹ کا اعتبار نہیں ہے، بل کہ پورے غلام میں اعتاق اور تدبیر صحیح ہے، کیونکہ ٹلٹ کا اعتبار حق وراثہ کی وجہ سے ہوتا ہے اور حربی کے وراثہ ہمارے حق میں مردہ ہیں اس لیے ان کے حق کی رعایت نہیں ہوگی۔

وَكَذَلِكَ لَوْ أَوْصَى لَهُ مُسْلِمٌ أَوْ ذِمِّيٌ بِوَصِيَّةٍ جَارٍ، لِأَنَّهُ مَا دَامَ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ فَهُوَ فِي الْمَعَامَلَاتِ بِمَنْزِلَةِ الذِّمِّيِّ وَلِهَذَا تَصَحُّ عُقُودُ التَّمْلِيكَاتِ مِنْهُ فِي حَالِ حَيَاتِهِ وَيَصِحُّ تَبَرُّعُهُ فِي حَيَاتِهِ فَكَذَا بَعْدَ مَمَاتِهِ، وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَأَبِي يُوسُفَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ لَا يَجُوزُ، لِأَنَّهُ مُسْتَأْمِنٌ مِنْ أَهْلِ الْحَرْبِ، إِذْ هُوَ عَلَى قَصْدِ الرَّجُوعِ وَيُمْكِنُ مِنْهُ وَلَا يُمْكِنُ مِنْ زِيَادَةِ الْمَقَامِ عَلَى السُّنَّةِ إِلَّا بِالْجُزْئِيَّةِ.

ترجمہ: ایسے ہی اگر حربی متا من کے لیے کسی مسلمان یا ذمی نے کوئی وصیت کی تو جائز ہے، کیونکہ جب تک وہ دارالاسلام میں ہے تو وہ معاملات میں ذمی کے درجے میں ہے، اسی لیے مسلمان کی طرف سے مسلمان کی زندگی میں متا من کے ہاتھ تملیکات کے عقود صحیح ہیں اور مسلمان کی زندگی میں اس کا تبرع صحیح ہے، لہذا اس کی موت کے بعد بھی صحیح ہے۔ حضرات شیخین سے مروی ہے کہ یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ اہل حرب کا متا من ہے اور رجوع کے ارادے پر ہے اسے رجوع کی قدرت دی جائے گی، لیکن حربی کو جزئیہ

کے بغیر ایک سال سے زیادہ ٹھہرنے کی قدرت نہیں دی جائے گی۔

اللَّغَاتُ:

﴿اَوْصَى﴾ وصیت کی۔ ﴿مَادَامَ﴾ جب تک وہ رہے۔ ﴿تَمْلِیْکَاتُ﴾ مالک بنانا۔ ﴿تَبَرَّعَ﴾ نفل اور احسان کے طور پر کوئی عمل۔ ﴿مُسْتَأْمَنٌ﴾ امان طلب کرنے والا۔

حربی مُتَأْمَنٌ سے معاملت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان یا ذمی حربی مُتَأْمَنٌ کے لیے کسی چیز کی وصیت کرے یا اپنی زندگی میں اس سے عقود یعنی بیع اور اجارہ وغیرہ کا معاملہ کرے یا اسے ہبہ اور ہدیہ کرے تو یہ ساری چیزیں درست اور جائز ہیں اور ان میں شریعت کی طرف سے کوئی رکاوٹ اور ممانعت نہیں ہے، لہذا اپنی زندگی میں مسلمان حربی مُتَأْمَنٌ کے ساتھ عقود کر سکتا ہے، اسی طرح مرنے کے بعد بھی مسلمان اس کے ساتھ عقد وصیت کر سکتا ہے، کیونکہ وصیت موصی کی موت کے بعد ہی ثابت اور متحقق ہوتی ہے اور اس جواز اور صحت کی وجہ یہ ہے کہ حربی مُتَأْمَنٌ جب تک دارالاسلام میں رہتا ہے اس وقت تک معاملات میں وہ ذمی کے درجے میں ہوتا ہے اور ذمی کے ساتھ مسلمان کے عقود اور وصایا درست ہیں، لہذا حربی مُتَأْمَنٌ کے ساتھ بھی یہ چیزیں صحیح ہوں گی۔

وعن ابی النخ: فرماتے ہیں کہ حضرات شیخین رحمہما سے غیر ظاہر الروایہ میں منقول ہے کہ حربی مُتَأْمَنٌ کے لیے مسلمان کا وصیت کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ یہ حربی ہے اور دارالحرب جانے کی چاہت اس کے دل میں موجود ہے یہ تو صرف چند ایام کے لیے دارالاسلام آیا ہے اور جزیہ دیئے بغیر وہ ایک سال سے زیادہ ٹھہر نہیں سکتا، اس لیے اس کے حق میں وصیت مفید ہی نہیں ہوگی، لہذا اس کے لیے مسلمان کا وصیت کرنا ہی صحیح نہیں ہے۔

وَلَوْ أَوْصَى الذِّمِّيُّ بِأَكْثَرِ مِنَ الثَّلَاثِ أَوْ لِبَعْضِ وَرَثَتِهِ لَا يَجُوزُ إِعْتِبَارًا بِالْمُسْلِمِينَ لِأَنَّهُمْ اتَّزَمُوا أَحْكَامَ الْإِسْلَامِ فِيمَا يَرْجِعُ إِلَى الْمَعَامَلَاتِ، وَلَوْ أَوْصَى لِخَلَافٍ مِلَّتِهِ جَازًا إِعْتِبَارًا بِالْإِرْثِ إِذِ الْكُفْرُ كُلُّهُ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ، وَلَوْ أَوْصَى لِحَرْبِيٍّ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ لَا يَجُوزُ، لِأَنَّ الْإِرْثَ مُنْتَعٍ لِبَنَاتِ الدَّارَيْنِ، وَالْوَصِيَّةُ أُخْتُ الْمِيرَاثِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ: اور اگر ذمی نے ثلاث سے زائد کی وصیت کی یا اپنے کسی وارث کے لیے وصیت کی تو مسلمانوں پر قیاس کرتے ہوئے جائز نہیں ہے، کیونکہ معاملات سے متعلق امور میں ذمیوں نے احکام اسلام کا التزام کیا ہے۔ اور اگر ذمی نے اپنی ملت کے خلاف کے لیے وصیت کی تو وراثت پر قیاس کرتے ہوئے جائز ہے، کیونکہ تمام کفر ملت واحدہ ہے۔

اور اگر ذمی نے دارالاسلام میں رہتے ہوئے کسی حربی کے لیے وصیت کی تو جائز نہیں ہے، کیونکہ تباہین دارین کی وجہ سے میراث منتفع ہے اور وصیت میراث کی بہن ہے۔ واللہ اعلم۔

اللغات:

﴿ثالث﴾ تہائی، تیسرا حصہ۔ ﴿التزموا﴾ اپنے پر لازم کیا ہے۔ ﴿تباين﴾ آپس میں ایک دوسرے سے جدا ہونا۔

ذمی کی ناجائز وصیت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر ذمی نے تہائی مال سے زائد کی وصیت کی یا اپنے کسی وارث کے لیے وصیت کی تو یہ وصیت جائز نہیں ہے، کیونکہ ذمی معاملات میں احکام اسلام کے پابند ہیں اور مسلمانوں کے لیے تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنا یا اپنے کسی وارث کے لیے وصیت کرنا درست نہیں ہے، اس لیے ذمیوں کے لیے بھی یہ کام درست نہیں ہے۔

ایک یہودی ذمی ہے اگر وہ اپنی ملت کے مخالف کسی نصرانی ذمی کے لیے وصیت کرے تو یہ وصیت جائز ہے، کیونکہ یہودی ذمی نصرانی ذمی کا وارث ہو سکتا ہے، اس لیے کہ کفر ملت واحدہ ہے لہذا جب اختلاف دین کے باوجود ایک کافر دوسرے کا وارث ہو سکتا ہے تو ایک کافر دوسرے کافر کے لیے وصیت بھی کر سکتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر دارالاسلام میں رہتے ہوئے کوئی ذمی دار الحرب کے کسی کافر کے لیے وصیت کرے تو یہ وصیت صحیح نہیں ہے، کیونکہ دارالاسلام اور دارالحرب میں تباين ہے اور تباين دارین ہی کی وجہ سے ان کی آپس میں میراث ممتنع ہے اور چوں کہ وصیت میراث کی بہن ہے لہذا جب میراث جائز نہیں ہے تو وصیت بھی جائز نہیں ہوگی۔



بَابُ الْوَصِيِّ وَمَا يَبْدِلُكَهُ

یہ باب وصی اور اس کی ملکیت (اختیار) کے بیان میں ہے

موصی کی موت کے بعد جو شخص اس کے اموال اور اس کی جائیداد کا نظم و نسق سنبھالتا ہے اور مرحوم اسے ان کاموں کے لیے متعین کر جاتا ہے اسے وصی کہتے ہیں اور وصی کے احکام موصی لہ کے احکام و مسائل سے کم ہیں اور موصی لہ کے احکام زیادہ ہیں اس لیے پہلے موصی لہ کے احکام بیان کئے گئے اور اب وصی کے احکام و مسائل بیان کئے جارہے ہیں۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصَى إِلَى رَجُلٍ فَقَبِلَ الْوَصِي فِي وَجْهِ الْمَوْصِي وَرَدَّهَا فِي غَيْرِ وَجْهِهِ فَلَيْسَ بِرَدٍّ، لِأَنَّ الْمَيِّتَ مَضَى لِسَبِيلِهِ مُعْتَمِدًا عَلَيْهِ فَلَوْ صَحَّ رَدُّهُ فِي غَيْرِ وَجْهِهِ فِي حَيَاتِهِ أَوْ بَعْدَ مَمَاتِهِ صَارَ مَعْرُورًا مِنْ جِهَتِهِ فَرَدُّ رَدُّهُ بِخِلَافِ الْوَكِيلِ بِشِرَاءِ عَبْدٍ بِغَيْرِ عَيْنِهِ أَوْ بَيْعِ مَالِهِ حَيْثُ يَصَحُّ رَدُّهُ فِي غَيْرِ وَجْهِهِ لِأَنَّهُ لَا ضَرَرَ هُنَاكَ، لِأَنَّهُ حَتَّى قَادِرٌ عَلَى التَّصَرُّفِ بِنَفْسِهِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس نے کسی کو وصی بنایا اور وصی نے موصی کے سامنے وصایت کو قبول کر لیا اور اس کی عدم موجودگی میں وصی نے اسے رد کر دیا تو یہ رد نہیں ہے، کیونکہ میت نے وصی پر اعتماد کر کے اپنا راستہ اپنا لیا اب اگر اس کی غیر موجودگی میں اس کی زندگی میں وصی کا رد صحیح ہو جائے یا اس کے مرنے کے بعد صحیح ہو جائے تو وہ وصی کی جانب سے دھوکہ دیا ہوا کہلائے گا، لہذا وصی کا رد ستر کر دیا جائے گا۔ برخلاف اس شخص کے جو کسی غیر معین غلام خریدنے کا وکیل ہو یا اس کا مال فروخت کرنے کا وکیل ہو تو موکل کی عدم موجودگی میں بھی اس کا رد صحیح ہے، کیونکہ یہاں کوئی ضرر نہیں ہے، اس لیے کہ موکل زندہ ہے اور بذات خود تصرف کرنے پر قادر ہے۔

اللَّغَاتُ:

﴿قبل﴾ قبول کر لیا۔ ﴿رد﴾ رد کر دیا، لوٹا دیا، ٹھکرادیا۔ ﴿مضی﴾ چل پڑا۔ ﴿ضرر﴾ نقصان۔ ﴿حتی﴾ زندہ۔

وصایت کا قبول اور رد:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ سلیم نے مرض الموت میں نعمان کو اپنا وصی بنایا اور نعمان نے اس کے سامنے اس وصایت کو قبول کر لیا اور پھر سلیم کی عدم موجودگی میں وصی یعنی نعمان نے اس وصایت کو رد کر دیا تو وصی کا رد کرنا معتبر نہیں ہوگا، کیونکہ موصی وصی پر اعتماد کر کے

اس دنیا سے جا چکا ہے، اب اگر اس کی غیر موجودگی میں اس کی زندگی میں اس کے مرنے کے بعد ہم وصی کے رد کو صحیح مان لیں تو اس سے موسیٰ کا ضرر ہوگا کہ اس کے اموال ضائع ہو جائیں گے اور وہ وصی کی طرف سے دھوکہ کھانے والا ہوگا حالانکہ مسلمان کو دھوکہ دینا حرام ہے، اس لیے وصی کو حرام کاری اور موسیٰ کو دھوکہ خوری سے بچانے کے لیے ہم نے یہاں وصی کے رد کو یکسر رد کر دیا ہے۔

بخلاف الوکیل النخ: فرماتے ہیں کہ اس کے برخلاف اگر سلیم نے نعمان کو کوئی غیر معین غلام خریدنے کا وکیل بنایا یا اپنا مال فروخت کرنے کا وکیل بنایا اور وکیل نے موکل کی عدم موجودگی میں اس وکالت کو رد کر دیا تو یہ رد صحیح ہے اور معتبر ہے، کیونکہ وکالت میں اس رد سے موکل کی صحت اور اس کے مال پر کوئی فرق نہیں پڑے گا، اس لیے کہ موکل زندہ ہے اور تصرف پر قادر ہے، لہذا وکیل کے بغیر بھی اس کا کام ہو جائے گا اور اس کا چراغ جل جائے گا اس لیے یہاں وکیل کا رد معتبر ہے۔

فَإِنْ رَدَّهَا فِي وَجْهِهِ فَهُوَ رَدٌّ، لِأَنَّهُ لَيْسَ لِلْمُوصِيْ وَلَايَةُ الْإِزَامِهِ التَّصَرُّفِ، وَلَا غُرُورَ فِيهِ، لِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ أَنْ يُنْيَبَ غَيْرَهُ، وَإِنْ لَمْ يَقْبَلْ وَلَمْ يَرُدَّ حَتَّى مَاتَ الْمُوصِيْ فَهُوَ بِالْإِخْيَارِ إِنْ شَاءَ قَبْلَ وَإِنْ شَاءَ لَمْ يَقْبَلْ، لِأَنَّ الْمُوصِيْ لَيْسَ لَهُ وَلَايَةُ الْإِزَامِ بَقِيَّ مُحْيِرًا فَلَوْ أَنَّهُ بَاعَ شَيْئًا مِنْ تَرَكْتِهِ فَقَدْ لَزِمَتْهُ، لِأَنَّ ذَلِكَ دَلَالَةُ الْإِزَامِ وَالْقَبُولِ وَهُوَ مُعْتَبَرٌ بَعْدَ الْمَوْتِ.

ترجمہ: پھر اگر وصی نے موسیٰ کے سامنے وصایت رد کر دی تو رد ہو جائے گی، کیونکہ موسیٰ کو وصی پر تصرف لازم کرنے کی ولایت نہیں ہے اور نہ اس میں دھوکہ ہے، کیونکہ موسیٰ کے لیے اس کے غیر کو نائب بنانا ممکن ہے۔ اور اگر وصی نے نہ قبول کیا نہ رد کیا یہاں تک کہ موسیٰ مر گیا تو وصی کو اختیار ہے اگر چاہے قبول کرے اور اگر چاہے نہ قبول نہ کرے، کیونکہ موسیٰ کو ولایت التزام نہیں حاصل ہے، لہذا وصی باختیار باقی رہا۔ پھر اگر وصی نے موسیٰ کے ترکہ میں سے کوئی چیز فروخت کر دی تو اس پر وصایت لازم ہو جائے گی، کیونکہ بیچنا التزام اور قبول کی دلیل ہے اور قبول کرنا موت موسیٰ کے بعد معتبر ہے۔

اللغات:

﴿وجہہ﴾ اس کے سامنے۔ ﴿الزام﴾ لازم کرنا۔ ﴿غرور﴾ دھوکہ دینا۔ ﴿ینیب﴾ نائب بنا دے۔ ﴿الزام﴾ اپنے ذمے لینا۔

وصایت کا رد:

اس سے پہلے یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر وصایت قبول کرنے کے بعد وصی موسیٰ کی عدم موجودگی میں وصایت کو رد کرے تو رد صحیح نہیں ہے، لیکن اگر وصی موسیٰ کے سامنے رد کر دے تو رد صحیح اور معتبر ہے، کیونکہ موسیٰ کو وصی پر کوئی چیز لازم کرنے کا حق نہیں ہے اور سامنے رد کرنے میں وصی کی طرف سے دھوکہ بھی نہیں ہے کہ موسیٰ اس کے علاوہ دوسرے کو اپنا نائب بنا سکتا ہے اس لیے موسیٰ کے سامنے وصی کا رد صحیح ہے۔ اسی کو اس عبارت میں بیان کیا گیا ہے۔

وإن لم يقبل النخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ وصی نے موسیٰ کے سامنے نہ تو وصایت کو قبول کیا اور نہ ہی رد کیا اور موسیٰ مر گیا تو

وصی کو اختیار ہے اگر چاہے تو وصایت قبول کر لے اور اگر چاہے تو رد کر دے، کیونکہ جب موصی کو ولایت الزام حاصل نہیں ہے اس لیے ابتداء وصایت لازم نہیں ہوئی تھی اور اب چون کہ موصی مر چکا ہے لہذا وصی کو رد اور قبول دونوں میں ایک کا اختیار ہوگا، اور اسی صورت میں اگر موصی نے موصی کے ترکہ میں سے کوئی چیز فروخت کر دی تو اس پر وصایت لازم ہو جائے گی، اس لیے کہ موصی کے ترکہ سے وصی کا فروخت کرنا اس کی طرف سے قبولیت وصایت پر اقام ہے اور اس کی دلیل ہے۔ اور چون کہ یہ قبولیت موصی کی موت کے بعد ہی معتبر ہے، لہذا اس حوالے سے بھی وصی کا یہ فعل قبولیت کی دلیل ہے۔

وَيَنْفُذُ الْبَيْعُ لَصُدُورِهِ مِنَ الْوَصِيِّ وَسَوَاءٌ عَلِمَ بِالْوَصَايَةِ أَوْ لَمْ يَعْلَمْ، بِخِلَافِ الْوَكِيلِ إِذَا لَمْ يَعْلَمْ بِالتَّوَكُّلِ فَبَاعَ حَيْثُ لَا يَنْفُذُ، لِأَنَّ الْوَصَايَةَ خِلَافَةٌ، لِأَنَّهُ يَخْتَصُّ بِحَالِ انْقِطَاعِ وَلَايَةِ الْمَيِّتِ فَتَنْقُلُ الْوَلَايَةُ إِلَيْهِ وَإِذَا كَانَتْ خِلَافَةً لَا يَتَوَقَّفُ عَلَى الْعِلْمِ كَالْوَرَاثَةِ، أَمَّا التَّوَكُّلُ إِنَابَةٌ لِمَبُوتِهِ فِي حَالِ قِيَامِ وَلَايَةِ الْمَيِّتِ فَلَا يَصِحُّ مِنْ غَيْرِ عِلْمِهِ كَاتِبَاتِ الْمَلِكِ بِالْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ، وَقَدْ بَيَّنَّا طَرِيقَ الْعِلْمِ وَشَرَطَ الْإِخْبَارَ فِيمَا تَقَدَّمَ مِنَ الْكُتُبِ.

ترجمہ: اور بیع نافذ ہو جائے گی وصی کی طرف سے اس کے صادر ہونے کی وجہ سے خواہ اسے وصایت کا علم ہو یا نہ ہو۔ برخلاف وکیل کے جب وہ توکیل کو نہ جانے اور بیع دے تو بیع نافذ نہیں ہوگی، کیونکہ وصایت خلافت ہے اس لیے کہ وہ میت کی ولایت منقطع ہونے کی حالت کے ساتھ مختص ہے لہذا وصی کی طرف وصایت منتقل ہو جائے گی اور جب وصایت خلافت ہے تو وہ علم پر موقوف نہیں ہوگی جیسے وراثت۔ رہی توکیل تو وہ انابت ہے، کیونکہ وہ منیب کی ولایت کی موجودگی میں بھی ثابت ہوتی ہے تو وکیل کے علم کے بغیر توکیل صحیح نہیں ہوگی، جیسے بیع و شراء کے ذریعے ملکیت کا اثبات۔ اور علم کے طریقے اور اخبار کی شرط گزشتہ کتابوں میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

اللغات:

﴿صدور﴾ صادر ہونا، واقع ہونا۔ ﴿سواء﴾ برابر ہے۔ ﴿توکیل﴾ وکیل بنانا۔ ﴿یختص﴾ خاص ہوتی ہے۔ ﴿انقطاع﴾ ختم ہو جانا۔ ﴿لا یتوقف﴾ موقوف نہیں ہوگا۔

وصی کا تصرف بیع:

مسئلہ یہ ہے کہ وصی اگر موصی کے ترکہ میں سے کوئی چیز فروخت کر دے تو اس کی بیع نافذ ہو جائے گی خواہ وصی کو وصایت کا علم ہو یا نہ ہو اور یہ بیع نافذ ہونے کے ساتھ ساتھ وصایت قبول کرنے کی دلیل بھی ہوگی۔ اس کے برخلاف اگر کسی نے کسی کو اپنا سامان بیچنے کا وکیل بنایا اور وکیل کو توکیل کا علم نہیں ہو سکا اور اس نے کوئی چیز فروخت کر دی تو اس کی بیع نافذ نہیں ہوگی۔ وصایت اور توکیل میں فرق یہ ہے کہ وصایت خلافت ہے اور توکیل انابت ہے۔ خلافت یہ ہے کہ اس میں اصل یعنی موصی کی موت کے بعد ہی خلیفہ یعنی وصی کو تصرف کا اختیار ملے گا۔ اور انابت یہ ہے کہ اس میں اصل یعنی منیب کی موجودگی میں بھی وکیل کو تصرف کا اختیار رہتا ہے۔ اب خلافت اور انابت کے متعلق ایک ضابطہ یہ ہے کہ خلافت کے ثبوت میں علم کی ضرورت نہیں رہتی جیسے وراثت میں علم کی ضرورت نہیں ہوتی اور بدون علم بھی وراثت ثابت ہو جاتی ہے اسی طرح وصی کے علم کے بغیر اس کے حق میں وصایت بھی ثابت ہو جاتی ہے۔ اس

کے برخلاف اثابت میں جب تک نائب کو اس کا علم نہیں ہو جاتا اس وقت تک نیابت ثابت نہیں ہوگی۔ جیسے بیع و شراء کے ذریعے ملکیت کا اثبات مثلاً نعمان نے سلیم کے لیے ایک گاڑی خریدی اور سلیم کو اس کا علم نہیں ہے، اسی حال میں سلیم نے اس گاڑی میں کچھ تصرف کر دیا تو اس پر بیع لازم نہیں ہوگی، کیونکہ سلیم کو ابھی اس بیع کے متعلق کوئی علم ہی نہیں ہے اور بدون علم وکالت لازم نہیں ہوتی۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ علم کے طریقوں اور اخبار کی شرطوں کو ہم متعدد کتابوں میں بیان کر چکے ہیں۔ واضح رہے کہ یہاں کتب سے ہدایہ میں جو کتاب ادب القاضی، کتاب الوکالۃ اور کتاب الشفعة ہے وہ مراد ہے۔ بہر حال جب یہ ثابت ہو گیا کہ وصایت خلافت ہے اور اس میں علم ضروری نہیں ہے تو اسی ضابطے کے حوالے سے ہم نے کہا کہ وصی کو وصایت کا علم ہو یا نہ ہو بہر صورت اس کی بیع نافذ ہو جائے گی اور وکیل کو اگر توکیل کا علم نہ ہو تو اس کی توکیل معتبر نہیں ہوگی۔

وَإِنْ لَمْ يَقْبَلْ حَتَّى مَاتَ الْمُوصِي فَقَالَ لَا أَقْبَلُ ثُمَّ قَالَ أَقْبَلُ فَلَهُ ذَلِكَ إِنْ لَمْ يَكُنِ الْقَاضِي أَخْرَجَهُ مِنَ الْوَصِيَّةِ حِينَ قَالَ لَا أَقْبَلُ، لِأَنَّ بِمَجْرَدِ قَوْلِهِ لَا أَقْبَلُ لَا يَبْطُلُ الْإِبْطَاءُ، لِأَنَّ فِي إِبْطَالِهِ ضَرَرًا بِالْمَيِّتِ، وَضَرَرُ الْوَصِي فِي الْإِبْقَاءِ مَجْبُورٌ بِالْقَوَابِ، وَدَفْعُ الْأَوَّلِ وَهُوَ أَعْلَى أَوَّلَى إِلَّا أَنَّ الْقَاضِي إِذَا أَخْرَجَهُ عَنِ الْوَصَايَةِ يَصِحُّ ذَلِكَ، لِأَنَّهُ مُجْتَهِدٌ فِيهِ، إِذْ لِلْقَاضِي وَلَايَةُ دَفْعِ الضَّرَرِ، وَرُبَّمَا يَعْجِزُ عَنْ ذَلِكَ فَيَتَصَرَّرُ بِبَقَاءِ الْوَصَايَةِ فَيُدْفَعُ الْقَاضِي الضَّرَرَ عَنْهُ وَيَنْصِبُ حَافِظًا لِمَالِ الْمَيِّتِ مُتَصَرِّفًا فِيهِ فَيَنْدَفِعُ الضَّرَرُ مِنَ الْجَانِبَيْنِ فَلِهَذَا يَنْفُذُ إِخْرَاجُهُ فَلَوْ قَالَ بَعْدَ إِخْرَاجِ الْقَاضِي إِيَّاهُ أَقْبَلُ لَمْ يَلْتَفِتْ إِلَيْهِ، لِأَنَّهُ قَبْلَ بَعْدِ بَطْلَانِ الْوَصَايَةِ بِإِبْطَالِ الْقَاضِي.

ترجمہ: اور اگر وصی نے (وصایت) قبول نہیں کیا یہاں تک کہ وصی مر گیا پھر وصی نے کہا میں نہیں قبول کرتا پھر کہتا ہے میں قبول کرتا ہوں تو اسے یہ حق ہے اگر اس کے لا اقبل کہنے کے وقت قاضی نے اسے وصیت سے خارج نہ کیا ہو کیوں کہ محض اس کے لا اقبل کہنے سے وصایت باطل نہیں ہوتی، اس لیے کہ اس کے ابطال میں میت کا ضرر ہے اور وصایت کی بقاء میں جو وصی کو ضرر ہے، ثواب کے ذریعے اس کی تلافی کر دی جائے گی اور اول کو دفع کرنا جب کہ وہ اعلیٰ ہے اولیٰ ہے، لیکن اگر قاضی وصی کو وصایت سے خارج کر دے تو یہ بھی صحیح ہے، کیونکہ وہ اس سلسلے میں مجتہد ہے اس لیے کہ قاضی کو دفع ضرر کی ولایت حاصل ہے۔

اور کبھی کبھی وصی وصایت (کی ذمہ داری نبھانے) سے عاجز ہوتا ہے تو بقائے وصایت سے نقصان اٹھاتا ہے لہذا وصی سے قاضی ضرر دور کر دیتا ہے اور میت کے مال کے لیے کوئی نگران مقرر کرتا ہے جو اس مال میں تصرف کرتا ہے اور جاتین سے ضرر دور ہو جاتا ہے اسی لیے قاضی کا اخراج نافذ ہوگا۔ پھر اگر قاضی کے وصی کو نکالنے کے بعد وصی نے کہا اقبل (میں قبول کرتا ہوں) تو اس پر کان نہیں دھرا جائے گا، کیونکہ وصی نے قاضی کے ابطال سے بطلان وصایت کے بعد قبول کیا ہے۔

اللغات:

﴿اخراج﴾ نکال دیا ہو۔ ﴿فلہ ذلك﴾ تو اس کو اس بات کا اختیار ہے۔ ﴿مجرد﴾ محض۔ ﴿ضرر﴾ نقصان۔ ﴿یتصرّر﴾

وہ ضرر اٹھاتا ہے۔

وصایت کے رد کرنے کی ایک صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب کسی نے دوسرے کو اپنا وصی بنایا اور وصی نے موہی کی زندگی میں نہ تو قبول کیا اور نہ رد کیا پھر جب موہی مر گیا تو وصی نے کہا لا اقبل مجھے وصایت منظور نہیں ہے پھر تھوڑی دیر بعد کہنے لگا اچھا ٹھیک ہے منظور ہے تو اب اگر اس کے لا اقبل کہنے کے بعد قاضی نے اسے وصایت سے خارج نہ کیا ہو تو دوبارہ اس کا اقبل کہہ کر وصایت قبول کرنا درست ہے، کیونکہ محض لا اقبل کہنے سے وہ شخص وصایت سے خارج نہیں ہوا ہے اور قاضی نے اگر اسے خارج نہ کیا ہو تو دوبارہ اس کے لیے وصایت قبول کرنا درست اور جائز ہے۔ اور یہ جواز اس وجہ سے ہے کہ وصایت باطل کرنے میں میت کا ضرر ہے اور اس کے اموال کے ضیاع کا خدشہ ہے اور اس کی بقاء میں اگر کسی درجے میں وصی کو ضرر ہوگا تو وصایت کی ذمہ داری نبھانے پر اسے جو ثواب ملے گا اس ثواب سے وصی کے ضرر کی تلافی ہو جائے گی۔

اسے اس طرح بھی بیان کر سکتے ہیں کہ یہاں دو ضرر جمع ہیں: (۱) میت کا ضرر (۲) وصی کا ضرر اور ان دونوں میں سے میت کا ضرر اقویٰ ہے، لہذا اسے دور کر کے ادنیٰ یعنی وصی کا ضرر برداشت کر لیا جائے گا، کیونکہ فقہ کا ضابطہ ہے: إِذَا اجْتَمَعَ مَفْسَدَتَانِ دُوْعِيْ اَعْظَمُهُمَا ضَرَرًا يَّارْتِكَابُ اَخْفِيْهِمَا۔ یعنی جب ایک ہی مسئلے میں دو خرابیاں جمع ہو جائیں تو ان میں سے اخف کو اختیار کر کے اقویٰ کو دفع کر دیا جاتا ہے۔ لہذا صورت مسئلہ میں بھی وصی کا ضرر اخف ہے اس لیے اسے برداشت کر لیا جائے گا اور موہی کا ضرر اقویٰ ہے، لہذا اسے دفع کر دیا جائے گا۔

إِلَّا أَنْ الْقَاضِي الْخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر قاضی نے پہلی مرتبہ وصی کے لا اقبل کہتے ہی اسے وصایت سے خارج کر دیا ہو تو قاضی کا اخراج صحیح اور معتبر ہوگا، کیونکہ قاضی کا یہ فعل اور فیصلہ اجتہادی امور میں سے ہے اور امور اجتہادیہ میں قاضی کا فیصلہ لازم ہوا کرتا ہے کیونکہ قاضی کو دفع ضرر کی ولایت حاصل ہے، لہذا اس کا اخراج لازم ہوگا اور اس کے بعد ایک نہیں ایک لاکھ مرتبہ وصی اقبل اقبل کہے، وصایت اس کے حق میں عود نہیں کرے گی۔

وربما يعجز عن الخ: فرماتے ہیں کہ قاضی کی ولایت عام اور تام ہوتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ کوئی وصی نکمنا ہو اور وصایت کے فرائض بحسن و خوبی انجام دینے پر قادر نہ ہو۔ لہذا قاضی اپنے پاور کا استعمال کر کے اس وصی کو خارج کر دے گا اور اس کی جگہ میت کے مال کی حفاظت اور اس میں تصرف کرنے کے لیے ایک دوسرا وصی مقرر کرے گا اور قاضی کے اس فعل سے موہی اور وصی دونوں کو راحت ملے گی، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ قاضی کا اخراج نافذ ہوگا اور اخراج کے بعد وصایت کے حوالے سے وصی کی کوئی بات نہیں سنی جائے گی۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصَى إِلَى عَبْدٍ أَوْ كَافِرٍ أَوْ فَاسِقٍ أَخْرَجَهُمُ الْقَاضِي عَنْ الْوَصَايَةِ وَنَصَبَ غَيْرَهُمْ، وَهَذَا اللَّفْظُ يُشِيرُ إِلَى صِحَّةِ الْوَصِيَّةِ، لِأَنَّ الْإِخْرَاجَ يَكُونُ بَعْدَهَا وَذَكَرَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي الْأَصْلِ أَنَّ الْوَصِيَّةَ بَاطِلَةٌ، قِيلَ مَعْنَاهُ فِي جَمِيعِ هَذِهِ الصُّوَرِ أَنَّ الْوَصِيَّةَ سَبْطُلُ، وَقِيلَ فِي الْعَبْدِ مَعْنَاهُ بَاطِلٌ حَقِيقَةً لِعَدَمِ وَلَايَتِهِ

وَأَسْتَبْدَادُهُ، وَفِي غَيْرِهِ مَعْنَاهُ سَبْطُلٌ، وَقِيلَ فِي الْكَافِرِ بَاطِلٌ أَيْضًا لِعَدَمِ وَلَايَتِهِ عَلَى الْمُسْلِمِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس نے کسی غلام یا کافر یا فاسق کو وصی بنایا تو قاضی انہیں وصایت سے نکال کر ان کی جگہ دوسروں کو مقرر کرے گا۔ اور یہ لفظ اس بات کا مشیر ہے کہ وصیت صحیح ہے، کیونکہ وصیت کے بعد ہی اخراج ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مبسوط میں بیان کیا ہے کہ وصیت باطل ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ ان تمام صورتوں میں عنقریب وصیت باطل کر دی جائے گی۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ غلام کے متعلق اس کے معنی حقیقتاً باطل ہونے کے ہیں غلام کی عدم ولایت اور عدم استقلال کی وجہ سے۔ اور غلام کے علاوہ میں اس کے معنی ہیں عنقریب باطل کر دی جائے گی۔ اور کہا گیا کہ کافر کے حق میں بھی باطل ہے، کیونکہ کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں ہے۔

اللُّغَاتُ:

﴿عبد﴾ غلام۔ ﴿فاسق﴾ بدکار۔ ﴿استبداد﴾ استقلال، تفرد۔ ﴿سبطل﴾ باطل ہو جائے گا۔

تاہل کو وصی مقرر کرنا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے غلام کو وصی بنایا یا کافر یا فاسق کو وصی بنایا تو قاضی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ان سب کو وصایت سے خارج کر دے اور ان کی جگہ آزاد یا دین دار اور امانت دار لوگوں کو وصی بنائے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ کا آخر جہم کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان لوگوں کو وصی بنانا صحیح ہے، کیونکہ اخراج اسی صورت میں متحقق ہوگا جب ان کو وصایت مل چکی ہو۔ اور مبسوط میں حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ وصیت ہی باطل ہے، لیکن یہ بطلان کس درجے میں ہے اس میں حضرات مشائخ رحمۃ اللہ علیہم کے مختلف اقوال ہیں، فقیہ ابو الیث فرماتے ہیں کہ بطلان سے مراد یہ ہے کہ غلام، کافر اور فاسق کی وصیت باطل قرار دیئے جانے کے قابل ہے اور اسے باطل کر دینا چاہئے، لہذا مایۃ ول کے اعتبار سے فقہی باطلہ کہا گیا ہے۔

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ غلام کے حق میں تو بطلان اپنی حقیقت پر محمول ہے، یعنی اس کے حق میں سرے سے وصیت باطل ہے، کیونکہ نہ تو غلام کو کسی پر ولایت ہے اور نہ ہی اپنی ذات پر ولایت ہے، اور نہ ہی اسے استقلال اور خود مختاری حاصل ہے بلکہ وہ تو ماتحتی کی زندگی جی رہا ہے۔ اس لیے اس کے حق میں واقعی وصیت باطل ہے۔

وقیل ایک قول یہ ہے کہ کافر کے حق میں بھی بطلان اپنی حقیقت پر ہے، اس لیے کہ کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں ہے اور وہ مسلمان کا ولی بننے کے قابل نہیں ہے۔

وَوَجْهُ الصَّحَّةِ ثُمَّ الْإِخْرَاجُ أَنَّ أَصْلَ النَّظَرِ ثَابِتٌ لِقُدْرَةِ الْعَبْدِ حَقِيقَةً وَوِلَايَةُ الْفَاسِقِ عَلَى أَصْلَانَا وَوِلَايَةُ الْكَافِرِ فِي الْجُمْلَةِ، إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَتِمَّ النَّظَرُ لِنَوْقِ وَوِلَايَةِ الْعَبْدِ عَلَى إِجَارَةِ الْمُؤَلَى وَتَمَكُّنِهِ مِنَ الْحَجْرِ بَعْدَهَا، وَالْمُعَادَاةُ الدِّينِيَّةُ الْبَاعِثَةُ لِلْكَافِرِ عَلَى تَرْكِ النَّظَرِ فِي حَقِّ الْمُسْلِمِ وَاتِّهَامِ الْفَاسِقِ بِالْحِيَايَةِ فَيُخْرِجُهُ الْقَاضِي مِنَ الْوَصَايَةِ وَيَقِيمُ غَيْرَهُ مَقَامَهُ إِيْمَامًا لِلنَّظَرِ، وَشُرْطُ فِي الْأَصْلِ أَنْ يَكُونَ الْفَاسِقُ مُخَوَّفًا عَلَيْهِ فِي الْمَالِ

وَهَذَا يَصْلُحُ عُذْرًا فِي اخْرَاجِهِ وَتَبْدِيلِهِ بغيره.

ترجمہ: اور صحت کی پھر اخراج کی وجہ یہ ہے کہ اصل شفقت ثابت ہے، اس لیے کہ غلام حقیقتاً قادر ہے اور ہماری اصل کے مطابق فاسق کی ولایت اور فی الجملہ کافر کی ولایت کی وجہ سے (ان میں بھی نظر تحقق ہے) لیکن شفقت تام نہیں ہے، کیوں کہ غلام کی ولایت مولیٰ کی اجازت پر موقوف ہے اور اجازت کے بعد مولیٰ روکنے پر قادر بھی ہے اور شفقت اس دینی دشمنی کی وجہ سے بھی تام نہیں ہے جو کافر کو مسلمان کے حق میں ترک شفقت پر آمادہ کرنے والی ہے۔ اور فاسق کے خیانت سے متہم ہونے کی وجہ سے، لہذا قاضی ان میں سے ہر ایک کو وصایت سے نکال کر اتمام شفقت کے لیے اس کے علاوہ کو اس کے قائم مقام بنائے گا۔

اور مبسوط میں یہ شرط لگائی ہے کہ فاسق ایسا ہو جس پر مال کے متعلق (خیانت کا) خوف ہو اور یہ چیز فاسق کو نکالنے اور اس کی جگہ دوسرے کو بدلنے کے لیے عذر بن سکتی ہے۔

اللغات:

﴿نظر﴾ شفقت۔ ﴿لم یتم﴾ مکمل نہیں ہوا۔ ﴿توقف﴾ موقوف ہونا۔ ﴿اتهام﴾ متہم ہونا۔ ﴿مخوف﴾ خوف کیا جاتا ہے۔

نا اہل کو وصی مقرر کرنا:

مسئلہ یہ ہے کہ جن حضرات نے غلام، فاسق اور کافر کے لیے وصایت کو بھی صحیح قرار دیا ہے اور قاضی کے اخراج کو بھی صحیح قرار دیا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ وصایت، اس لیے صحیح ہے کہ ان تینوں میں شفقت کا مادہ موجود ہے اور یہ شفیق اور مہربان ہو سکتے ہیں، لیکن ان کی شفقت ناقص اور نامتام ہے اس لیے قاضی جی کی طرف سے ان کی بر خاستگی اور معزولی بھی صحیح ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ ان لوگوں میں شفقت کیسے اور کیوں کر ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ غلام حقیقتاً تصرف پر قادر ہے اور عاقل بالغ غلام قاعدے سے تصرف کر سکتا ہے اسی طرح ہماری اصل کے مطابق فاسق بھی ولایت تصرف کا حامل ہے اور رہا کافر تو فی الجملہ اور کسی نہ کسی درجے میں اسے بھی یہ ولایت حاصل ہے، اس لیے کہ کافر، مسلمان غلام کو خرید کر اس کا مالک ہو سکتا ہے، لہذا ان حوالوں سے غلام، کافر اور فاسق تینوں میں شفقت موجود ہے، لیکن یہ شفقت ناقص اور نامتام ہے چنانچہ غلام کی ولایت اس کے آقا کے رحم و کرم پر موقوف ہے اگر وہ اجازت دے دیں تو ٹھیک ورنہ غلام سدا بہار عاجز ہے، نیز اس کو ملنے والی اجازت بھی حتمی اور یقینی نہیں ہوتی، بل کہ عارضی ہوتی ہے اور جب بھی اس کا آقا چاہے اسے سلب کر سکتا ہے۔

رہا مسئلہ کافر کا تو وہ اسلام اور مسلمانوں کا دشمن ہے اور کبھی بھی اسلام دشمنی اسے مسلمان کے حق میں الفت و محبت اور شفقت ختم کرنے پر مجبور کر سکتی ہے اور فاسق خائن ہوتا ہے اور خیانت کے ساتھ متہم ہوتا ہے، لہذا اس سے بھی مسلمانوں کو خیر کی توقع نہیں ہے اس لیے ان وجوہات کے پیش نظر قاضی کو یہ حق ہے کہ ان لوگوں کی وصایت کو رد کر کے ان کی جگہ شریف، نیک، دین دار اور امانت دار لوگوں کو وصی بنائے۔

وشرط الخ: فرماتے ہیں کہ فاسق کی وصایت رد اور رجیکٹ (Reject) کرنے کے لیے امام محمد علیہ الرحمہ نے مبسوط میں یہ شرط لگائی ہے کہ اس کا متہم بالخیانت ہونا اور مال میں خرد برد کرنے کے حوالے سے اس پر الزام عائد ہونا ضروری ہے، لیکن اگر وہ

خائن اور مال ضائع کرنے والا نہ ہو تو پھر اس کی وصایت رد کرنے پر سنجیدگی سے غور کرنا ہوگا۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصَى إِلَى عَبْدٍ نَفْسِهِ وَفِي الْوَرَثَةِ كِبَارٌ لَمْ تَصَحَّ الْوَصِيَّةُ، لِأَنَّ لِكَبِيرٍ أَنْ يَمْنَعَهُ أَوْ يَبِيعَ نَصِيْبَهُ فَيَمْنَعَهُ الْمُشْتَرِي فَيَعْجِزُ عَنِ الْوَفَاءِ بِحَقِّ الْوَصَايَةِ فَلَا يَفِيدُ قَائِدَتَهُ، وَإِنْ كَانُوا صِغَارًا كُلُّهُمْ فَالْوَصِيَّةُ إِلَيْهِ جَائِزَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَلَا تَجُوزُ عِنْدَهُمَا وَهُوَ الْقِيَاسُ، وَقِيلَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ مُضْطَرَبٌ فِيهِ يُرَوَّى مَرَّةً مَعَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَتَارَةً مَعَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَجَهُ الْقِيَاسِ أَنَّ الْوِلَايَةَ مُنْعَدِمَةٌ لِمَا أَنَّ الرِّقَّ يَنَافِيهَا، وَلِأَنَّ فِيهِ إِبْطَالَ الْوِلَايَةِ لِلْمَمْلُوكِ عَلَى الْمَالِكِ وَهَذَا قَلْبُ الْمَشْرُوعِ، وَلِأَنَّ الْوِلَايَةَ الصَّادِرَةَ مِنَ الْآبِ لَا تَجْزِي وَفِي اعْتِبَارِ هَذِهِ تَجْزِيَّتُهَا لِأَنَّهُ لَا يَمْلِكُ بَيْعَ رَقَبَتِهِ، وَهَذَا نَقْضُ الْمَوْضُوعِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے غلام کو وصی بنایا اور اس کے ورثاء میں بالغ موجود ہوں تو وصیت صحیح نہیں ہوگی، کیونکہ بالغ کو حق ہے کہ وہ غلام کو روک دے یا اپنا حصہ فروخت کر دے اور مشتری غلام کو منع کر دے اور غلام (حق وصایت) پورا کرنے سے بے بس ہو جائے اس لیے (صورت مسئلہ میں) وصایت مفید نہیں ہوگی۔ اور اگر سارے ورثاء چھوٹے ہوں تو حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں غلام کو وصی بنانا جائز ہے، اور حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے یہاں جائز نہیں ہے اور یہی قیاس ہے۔ اور کہا گیا کہ امام محمد رحمہ اللہ کا قول اس سلسلے میں مضطرب ہے کبھی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے اور کبھی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ساتھ۔

قیاس کی دلیل یہ ہے کہ (غلام میں) ولایت معدوم ہے، کیونکہ رقیّت ولایت کے منافی ہے اور اس لیے کہ اس میں مالک پر مملوک کے لیے ولایت کا اثبات ہے جو قلب مشروع ہے۔ اور اس لیے کہ باپ کی طرف سے صادر ہونے والی ولایت تجزی نہیں ہوتی اور اس وصیت کو معتبر ماننے میں ولایت کی تجزی لازم آتی ہے، کیونکہ غلام اپنے رقبہ کو فروخت کرنے کا مالک نہیں ہے اور یہ نقض موضوع ہے۔

اللَّغَاتُ:

﴿اَوْصَى﴾ وصیت کی۔ ﴿عَبْدٌ﴾ غلام۔ ﴿كِبَارٌ﴾ واحد كبير؛ بڑے۔ ﴿نَصِيبٌ﴾ حصہ۔ ﴿يَعْجِزُ﴾ لاچار ہو جائے۔ ﴿وَفَاءٌ﴾ پوری ادائیگی۔ ﴿قَلْبٌ﴾ پلٹنا، پھیرنا۔
اپنے ہی غلام کو وصی بنانا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے غلام ہی کو اپنا وصی بنا دیا اور اس کے تمام یا بعض ورثاء بالغ ہوں تو کسی بھی امام کے یہاں یہ وصیت صحیح نہیں ہے، کیونکہ جو بالغ ورثاء ہیں ان میں سے ہر ایک کو یہ حق ہے کہ وہ مذکورہ غلام کو تصرف سے منع کر دیں اور اگر غلام زیادہ ہوشیاری کرنے لگے تو وہ اپنا حصہ (اس غلام میں سے) فروخت کر دے اور جو شخص اسے خریدے وہ غلام کو تصرف سے روک دے اور غلام وصایت کی ذمہ داری ادا کرنے سے قاصر اور بے بس ہو جائے اور وصایت نفع بخش نہ ہو۔ اس لیے جب غلام

کو وصی بنانے سے موصی کا کوئی فائدہ ہی نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ اسے وصی بنانا بیکار ہے، اسی لیے حضرات فقہاء نے اس صورت میں وصیت ہی کو باطل قرار دے دیا ہے۔

وإن كانوا صغارا الخ: ہاں اگر موصی کے تمام ورثاء چھوٹے ہوں اور از خود تصرف پر قادر نہ ہوں تو حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں غلام کو وصی بنانا جائز ہے لیکن حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے یہاں اس صورت میں عدم جواز کا اعلان ہے اور قیاس کا بھی یہی نعرہ ہے۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں امام محمد رحمہ اللہ کا ارادہ واضح نہیں ہو سکا ہے وہ کبھی حضرت امام اعظم رحمہم اللہ کے ساتھ جاتے ہیں اور کبھی حضرت امام ابو یوسف رحمہم اللہ کے ساتھ نظر آتے ہیں۔

وجه القیاس الخ: قیاس اور حضرت امام ابو یوسف رحمہم اللہ کی دلیل یہ ہے کہ وصایت کا بار اٹھانے کے لیے موصی کا اہل ولایت میں سے ہونا ضروری ہے حالانکہ غلام میں صفت ولایت معدوم ہے، کیونکہ وہ رقیق ہے اور رقیق ولایت کے منافی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ غلام مملوک ہے اور آقا مالک ہے، اب اگر ہم غلام کی وصایت کو درست قرار دے دیں تو قلب مشروع لازم آئے گا اور غلام جو مملوک ہے وہ وصایت کی وجہ سے اپنے آقا کے مال کا اور خود آقا کا مالک ہوگا حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اور غلام کی وصایت صحیح ماننے سے تیسری خرابی یہ لازم آئے گی کہ باپ کی طرف سے صادر ہونے والی ولایت غیر تجزی ہوتی ہے، یعنی باپ سے بیٹوں کو جو ولایت ملتی ہے اس میں تجزی نہیں ہوتی جب کہ موصی سے غلام کو جو ولایت ملے گی وہ تجزی ہوگی، کیونکہ غلام موصی کے سامان تو فروخت کر سکتا ہے، لیکن اپنے آپ کو نہیں فروخت کر سکتا حالانکہ وہ بھی موصی ہی کا مملوک ہے اور ولایت کا تجزی ہونا نقض موضوع ہے۔ اس لیے ان خرابیوں کے پیش نظر غلام کو وصی بنانا درست نہیں ہے۔ اگرچہ موصی کے ورثاء چھوٹے ہوں اور نابالغ ہوں۔

وَلَهُ أَنَّهُ مُخَاطَبٌ مُسْتَبَدٌّ بِالتَّصَرُّفِ فَيَكُونُ أَهْلًا لِلْوَصَايَةِ وَلَيْسَ لِأَحَدٍ عَلَيْهِ وِلَايَةٌ فَإِنَّ الصَّغَارَ وَإِنْ كَانُوا مُلَاكًا لَيْسَ لَهُمْ وِلَايَةُ الْمَنْعِ فَلَا مُنَاقَاةَ، وَإِصْءَاءُ الْمَوْلَى إِلَيْهِ يُؤْذِنُ بِكَوْنِهِ نَاطِرًا لَهُمْ، وَصَارَ كَالْمُكَاتِبِ، وَالْوَصَايَةُ قَدْ تَتَجَزَّى عَلَى مَا هُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ، أَوْ نَقُولُ يُصَارُ إِلَيْهِ كَمَا لَا يُؤَدِّي إِلَى إِبْطَالِ أَصْلِهِ وَتَغْيِيرِ الْوَصْفِ لِتَصْحِيحِ الْأَصْلِ أَوْلَى.

ترجمہ: حضرت امام اعظم رحمہم اللہ کی دلیل یہ ہے کہ غلام مخاطب ہے اور تصرف میں مستقل ہے، لہذا وہ وصایت کا اہل ہوگا اور اس پر کسی کو ولایت نہیں ہے، کیونکہ بچے اگرچہ مالک ہیں، لیکن انھیں روکنے کی ولایت نہیں ہے، اس لیے کوئی منافات نہیں ہے۔ اور مولیٰ کا اسے وصی بنانا بچوں کے لیے غلام کے مشفق ہونے کی خبر دیتا ہے اور یہ مکاتب کی طرح ہو گیا۔ اور وصایت تجزی ہوتی ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ سے مروی ہے یا ہم کہتے ہیں کہ اس کی طرف رجوع کیا جائے گا تاکہ یہ اصل ایصاء کے ابطال کا سبب نہ بنے اور اصل کی تصحیح کے لیے وصف کو بدلنا اولیٰ ہے۔

اللغات:

﴿مستبد﴾ اکیلے ہی کر سکتا ہے۔ ﴿صغار﴾ واحد صغیر؛ بچے۔ ﴿ملک﴾ واحد مالک۔ ﴿ناظر﴾ شفقت کرنے والا۔

مذکورہ بالا مسئلہ میں امام صاحب کا مذہب:

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اگر مووسی کے ورثاء بچے اور چھوٹے ہوں تو اپنے غلام کو وصی بنانا درست اور جائز ہے اور اس جواز کی دلیل یہ ہے کہ غلام عاقل بالغ ہونے کی وجہ سے امور کا مخاطب ہے، اس لیے تصرف میں مستقل اور خود مختار ہے اور اس پر کسی کو ولایت بھی حاصل نہیں ہے کہ منع اور حجر کا سوال پیدا ہو، اس لیے کہ مووسی کے ورثاء اگرچہ اس غلام کے مالک ہیں لیکن اپنی کم عمری کی وجہ سے انھیں غلام کو روکنے اور منع کرنے کا حق نہیں ہے، اس لیے اس کی ولایت ثابت ہے اور رقیّت سے اس کا ٹکراؤ نہیں ہے اور پھر مووسی کا اسے وصی بنانا اس بات کی تین دلیل ہے کہ وہ غلام اپنے مووسی کا معتبر اور پسندیدہ ہے اور مووسی نے اسے اپنے بچوں کے حق میں بہتر اور مشفق سمجھنے کے بعد ہی اسے یہ ذمہ داری سونپی ہے، لہذا اس کی وصایت صحیح ہے۔ اور جیسے اگر مووسی اپنے مکاتب کو وصی بناتا تو صحیح ہوتا، اسی طرح جب اس نے اپنے رقیق کو وصی بنا دیا تو یہ بھی درست اور جائز ہے۔

والوصایۃ النخ: رہا سوال وصایت کے تجزی ہونے کا تو اس کے دو جواب ہیں (۱) پہلا جواب تو یہ ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت کے مطابق ان کے یہاں وصایت میں تجزی ہو سکتی ہے، لہذا اس پہلو کو لے کر ان پر اعتراض کرنا ہی بیکار ہے۔ (۲) اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر ہم وصایت میں تجزی نہیں مانیں گے تو اصل ایصاء کو باطل کرنا پڑے گا جیسا کہ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہم نے کیا ہے جب کہ اس میں تجزی ماننے سے صرف وصف ایصاء میں تغیر ہوگا اور ایک عام آدمی بھی اس امر سے بخوبی واقف ہے کہ اصل میں تغیر برداشت کر لینا اسے باطل کرنے سے اولیٰ اور عمدہ ہے، لہذا وصایت میں تجزی ہونا مان لیا جائے گا اور اسے باطل ہونے نیز عاقل بالغ کے کلام کو لغو قرار دینے سے بچا لیا جائے گا۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصَىٰ إِلَىٰ مَنْ يَعْجِزُ عَنِ الْقِيَامِ بِالْوَصِيَّةِ ضَمَّ إِلَيْهِ الْقَاضِي غَيْرَهُ رِعَايَةً لِحَقِّ الْمُوصِي وَالْوَرَثَةِ، وَهَذَا لِأَنَّ تَكْمِيلَ النَّظَرِ يَحْصُلُ بِضَمِّ الْآخِرِ إِلَيْهِ لِصِيَانَتِهِ وَبَعْضُ كِفَايَتِهِ فَيَسْتَمُ النَّظَرُ بِإِعَانَةِ غَيْرِهِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس شخص نے ایسے آدمی کو وصی بنا دیا جو ادائے وصیت سے عاجز ہو تو مووسی اور ورثاء کے حق کی رعایت کے لیے قاضی اس کے ساتھ دوسرے آدمی کو ملا دے۔ اور یہ اس لیے ہے کہ وصی کے ساتھ دوسرے کو ملانے سے شفقت کی تکمیل ہو جائے گی، کیونکہ دوسرے سے وصی کی صیانت بھی ہوگی اور کچھ کفایت بھی ہوگی لہذا دوسرے کی اعانت سے شفقت تام ہو جائے گی۔

اللغات:

﴿اَوْصَى﴾ وصیت کی۔ ﴿صِيَانَةً﴾ حفاظت کرنا۔ ﴿إِعَانَةً﴾ مدد کرنا۔

عاجز کو وصی بنانا:

مسئلہ تو آسان اور واضح ہے کہ اگر کسی نے کسی نا اہل اور عاجز شخص کو وصی بنا دیا تو اب قاضی کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس کے ساتھ کسی ہوشیار اور چالاک آدمی کو بھی شامل کر دے اور ان دونوں کو وصایت کے فرائض انجام دینے کی تاکید و تلقین کرے۔ ایسا کرنے سے مووسی اور اس کے ورثاء کا بھی فائدہ ہوگا اور خود وصی کا بھی فائدہ ہوگا۔ مووسی اور ورثاء کا فائدہ تو اس طرح ہوگا کہ دونوں کے مل کر

کام کرنے سے ان کے حق میں شفقت مکمل طور پر نمایاں ہوگی۔ اور وصی کا فائدہ اس طور پر ہوگا کہ معاون ملنے سے اس کو تقویت ملے گی اور اس کا کام آسان ہو جائے گا۔

وَلَوْ شَكَى إِلَيْهِ الْوَصِيُّ ذَلِكَ لَا يُجِيبُهُ حَتَّى يَعْرِفَ ذَلِكَ حَقِيقَةً، لِأَنَّ الشَّكَّيَّ قَدْ يَكُونُ كَاذِبًا تَخْفِيفًا عَلَى نَفْسِهِ، وَإِذَا ظَهَرَ عِنْدَ الْقَاضِي عَجْزُهُ أَصْلًا اسْتَبْدَلَ بِهِ رِعَايَةً لِلنَّظَرِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ، وَلَوْ كَانَ قَادِرًا عَلَى التَّصَرُّفِ أَمِينًا فِيهِ لَيْسَ لِلْقَاضِي أَنْ يُخْرِجَهُ، لِأَنَّهُ لَوْ اخْتَارَ غَيْرَهُ كَانَ دُونَهُ لِمَا أَنَّهُ كَانَ مُخْتَارَ الْمَيِّتِ وَمَرْضِيَّةً فَبِإِقَاوَةِ أُولَى، وَلِهَذَا قُدِّمَ عَلَى أَبِي الْمَيِّتِ مَعَ وَفُورِ شَفَقَتِهِ فَأُولَى أَنْ يُقَدَّمَ عَلَى غَيْرِهِ.

ترجمہ: اور اگر وصی نے قاضی سے اپنی بے بسی کی شکایت کی تو قاضی اس کی بات نہ مانے یہاں تک کہ واقعتاً اسے جان لے، کیونکہ شکایت کرنے والا اپنے نفس پر تخفیف کی خاطر کبھی جھوٹ بول دیتا ہے، اور جب قاضی کے پاس یقینی طور پر اس کا عجز ظاہر ہو جائے تو جانبین سے شفقت کی رعایت کرتے ہوئے قاضی اسے بدل دے۔ اور اگر وصی تصرف پر قادر ہو اور تصرف میں امانت دار ہو تو قاضی کو اسے برخاست کرنے کا حق نہیں ہے، کیونکہ اگر قاضی اس کے علاوہ کو اختیار کرے گا تو وہ غیر اس سے کم تر ہوگا، کیونکہ پہلا وصی میت کا منتخب کردہ اور اس کا پسندیدہ تھا، لہذا اسے باقی رکھنا زیادہ بہتر ہے اسی لیے وہ میت کے باپ پر مقدم کیا جاتا ہے جب کہ باپ کی شفقت کامل ہوتی ہے تو باپ کے علاوہ پر تو بدرجہ اولیٰ اسے مقدم کیا جائے گا۔

اللغات:

﴿شکلی﴾ شکایت کی۔ ﴿لا یجیبہ﴾ اس کی بات مت مانے۔ ﴿کاذب﴾ جھوٹا۔ ﴿تخفیف﴾ ہلکا کرنے کے لیے۔ ﴿استبدل بہ﴾ اس کو تبدیل کر دے۔ ﴿مرضی﴾ پسندیدہ۔ ﴿ایقواء﴾ بچانا، باقی رکھنا۔

وصی کا عجز کی شکایت کرنا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر وصی خود قاضی سے اپنی عاجزی اور بے بسی کی شکایت کرے تو قاضی محض اس کی شکایت پر اسے وصایت سے نہ نکالے، کیونکہ بعض لوگ کام چور ہوتے ہیں اور جی چرانے کے لیے کذب بیانی کرتے ہیں۔ لہذا قاضی کو چاہئے کہ اچھی طرح اس کی تحقیق کرائے اور تحقیق سے جب محقق طور پر یہ واضح ہو جائے کہ واقعی وصی مجبور ہے اور وہ وصایت کی ذمہ داری نہیں ادا کر سکے گا تو اس کی جگہ کسی دوسرے شخص کو وصی بنادے، تاکہ اس سے ورثاء کے حق کی بھی رعایت اور حفاظت ہو اور وصی کے حق میں بھی رعایت ہو۔

ولو كان الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر پہلا وصی تصرف پر قادر ہو اور اس سلسلے میں امانت دار ہو تو قاضی کو اسے برخاست کرنے اور وصایت سے نکالنے کا ہرگز حق نہیں ہے، کیونکہ یہ میت کا منتخب کیا ہوا اور اس کا پسندیدہ وصی ہے اور ہو سکتا ہے کہ قاضی جسے اس کی جگہ مقرر کرنا چاہ رہا ہو وہ اس سے خراب اور بے ایمان ہو اس لیے بلا وجہ اور بدون عذر قاضی کو میت کے مقرر کردہ وصی کو ہٹانے کا حق نہیں ہوگا اور پھر جب یہ وصی میت کے باپ پر مقدم ہے حالانکہ باپ کی شفقت اعلیٰ درجے کی ہوتی ہے تو باپ کے علاوہ دوسرے لوگ کس کھیت کی مولیٰ ہیں کہ اس پر اپنی برتری جتلائیں اس لیے اگر وصی اول میں کوئی کمی اور خرابی نہ ہو تو وصایت کا

سب سے زیادہ مستحق وہی ہوگا۔

وَكَذَا إِذَا شَكَى الْوَرَثَةُ أَوْ بَعْضُهُمُ الْوَصِيَّ إِلَى الْقَاضِي فَإِنَّهُ لَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَعْزِلَهُ حَتَّى تَبْدُو لَهُ مِنْهُ خِيَانَةٌ، لِأَنَّهُ اسْتِفَادَ الْوِلَايَةَ مِنَ الْمَيِّتِ غَيْرَ أَنَّهُ إِذَا ظَهَرَتِ الْخِيَانَةُ فَلَمِيتَ إِنَّمَا نَصَبَهُ وَصِيًّا لِأَمَانَتِهِ وَقَدْ فَاتَتْ، وَلَوْ كَانَ فِي الْأَحْيَاءِ لِأَخْرَجَهُ مِنْهَا فَعِنْدَ عَجْزِهِ يَنْبُؤُ الْقَاضِي مَنَابَهُ كَأَنَّهُ لَا وَصِيَّ لَهُ.

ترجمہ: ایسے ہی جب ورثاء نے یا کسی وارث نے قاضی سے وصی کی شکایت کی تو قاضی کے لیے وصی کو معزول کرنا مناسب نہیں ہے، یہاں تک کہ قاضی کے سامنے وصی کی طرف سے خیانت ظاہر ہو جائے، اس لیے کہ وصی نے میت سے ولایت حاصل کی ہے، لیکن جب خیانت ظاہر ہو، اس لیے کہ میت نے اس کی امانت کی وجہ سے اسے وصی بنایا تھا اور وہ فوت ہو چکی ہے اور اگر موصی زندہ ہوتا تو وصی کو وصایت سے خارج کر دیتا، لہذا موصی کے عاجز ہونے کی صورت میں قاضی اس کے قائم مقام ہوگا گویا کہ میت کا وصی ہی نہیں ہے۔

اللغات:

﴿شکلی﴾ شکایت کی۔ ﴿لا ینبغی﴾ مناسب نہیں ہے۔ ﴿یعزلہ﴾ اس کو معزول کر دے۔ ﴿تبدوا﴾ ظاہر ہو جائے۔ ﴿استفاد﴾ فائدہ حاصل کیا ہے۔ ﴿ینوب﴾ نائب ہوگا۔
ورثاء کے وصی پر اعتراض کرنے کی صورت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر موصی کے تمام ورثاء نے یا کچھ وارثوں نے قاضی سے وصی کی شکایت کی تو قاضی کو چاہئے کہ محض شکایت سن کر فوراً معزول نہ کرے، ہاں جب قاضی کے سامنے وصی کی خیانت ظاہر ہو جائے تو اس پر کاروائی کرے، لیکن جلد بازی میں قاضی کوئی فیصلہ نہ کرے، کیونکہ موجودہ وصی کو میت کی طرف سے ولایت حاصل ہوئی ہے، اس لیے اسے برخاست کرنے میں عجلت نہیں کی جائے گی، لیکن جب اس کی خیانت ظاہر ہو جائے تو اسے بھگانے میں دیر نہیں کی جائے گی اور پہلی فرصت میں اسے باہر کا راستہ دکھایا جائے گا۔ اس لیے کہ موصی نے اسے امانت دار سمجھ کر وصی بنایا تھا حالانکہ وہ خائن نکل آیا اور ظاہر ہے کہ اگر اس وقت موصی زندہ ہوتا تو اسے وصایت سے برطرف کر دیتا لیکن مرنے کی وجہ سے وہ برطرف کرنے سے عاجز ہو گیا ہے، لہذا اس کی طرف سے قاضی اس کا نائب بن کر وصی کو برطرف کرنے کا اور یہ کہا جائے گا کہ میت نے کسی کو وصی ہی نہیں بنایا تھا لہذا قاضی دوسرے شخص کو از سر نو اس کا وصی مقرر کرے گا۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصَى إِلَى اثْنَيْنِ لَمْ يَكُنْ لِأَحَدِهِمَا أَنْ يَتَصَرَّفَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمَا عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا عَلَيْهِمَا دُونَ صَاحِبِهِ، إِلَّا فِي أَشْيَاءَ مَعْدُودَةٍ نَبَّيْنَاهَا إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُمَا عَلَيْهِمَا يَتَقَرَّدُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالتَّصَرُّفِ فِي جَمِيعِ الْأَشْيَاءِ، لِأَنَّ الْوَصَايَةَ سَبِيلُهَا الْوِلَايَةُ وَهِيَ وَصْفٌ شَرْعِيٌّ لَا تَتَجَزَّى فَيُتْبَعُ لِكُلِّ مِنْهُمَا

كَمَلًا كَوَلَايَةِ الْإِنْكَاحِ لِلْأَخَوَيْنِ، وَهَذَا لِأَنَّ الْوَصَايَةَ خِلَافَةٌ وَإِنَّمَا تَتَحَقَّقُ إِذَا انْتَقَلَتِ الْوَلَايَةُ إِلَيْهِ عَلَى الْوَجْهِ الَّذِي كَانَ ثَابِتًا لِلْمَوْصِي وَقَدْ كَانَ يَوْصِي الْكَمَالَ، لِأَنَّ اخْتِيَارَ الْآبِ إِيَّاهُمَا يُؤْذَنُ بِاخْتِصَاصِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالشَّفَقَةِ فَيَنْزِلُ ذَلِكَ مَنْزِلَةَ قَرَابَةٍ كُلِّ وَاحِدٍ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس نے دو لوگوں کو وصی بنایا تو حضرات طرفین رضی اللہ عنہما کے یہاں ان میں سے ایک کو دوسرے ساتھی کے بغیر تصرف کا حق نہیں ہے مگر چند چیزوں میں جنہیں انشاء اللہ ہم بیان کریں گے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک تمام چیزوں میں تصرف کرنے میں متفرد ہوگا۔ اس لیے کہ وصایت کا طریقہ ولایت ہے اور ولایت ایک شرعی وصف ہے جو تجزی نہیں ہوتا لہذا ان میں سے ہر ایک کے لیے یہ ولایت کامل طور پر ثابت ہوگی جیسے دو بھائیوں کے لیے ولایت انکاح (کامل طور پر ثابت ہوتی ہے) اور یہ اس لیے کہ وصایت خلافت ہے اور خلافت اس وقت تحقق ہوتی ہے جب وصی کی طرف اسی طریقے سے ولایت منتقل ہو جس طرح موصی کے لیے ثابت تھی اور موصی کے لیے یہ ولایت وصف کمال کے ساتھ ثابت تھی۔ اور اس لیے کہ باپ کا ان دونوں کو اختیار کرنا ان میں سے ہر ایک کے شفقت کے ساتھ مختص ہونے کی خبر دیتا ہے لہذا اس اختصاص کو ہر ایک کی قرابت کے درجے میں اتار لیا جائے گا۔

اللغات:

﴿اوصی﴾ وصیت کی۔ ﴿معدودۃ﴾ گنی جنی۔ ﴿یؤذن﴾ آگاہ کرتا ہے۔ ﴿اختصاص﴾ خاص ہونا۔ ﴿قرباۃ﴾

رشتہ داری۔

بیک وقت دو آدمیوں کو وصی بنانا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے ایک ساتھ دو لوگوں کو اپنا وصی بنایا تو حضرات طرفین رضی اللہ عنہما کے یہاں وہ دونوں ایک ساتھ تصرف کرنے کے مجاز ہوں گے اور چند چیزوں کو چھوڑ کر بقیہ تمام چیزوں میں ان میں سے کسی ایک کے لیے انفرادی طور پر تصرف کا حق نہیں ہوگا۔ جب کہ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ان کی وصایت ہر ایک کے لیے علی سبیل الکمال ہوگی اور ہر چیز میں ان میں سے ہر کسی کو انفرادی تصرف کا حق حاصل ہوگا۔ اس سلسلے میں حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے تین دلیلیں پیش کی ہیں:

پہلی دلیل یہ ہے کہ وصایت بذریعہ ولایت ثابت ہوتی ہے، کیونکہ موصی وصی کو اپنے اموال کی ذمہ داری سونپتا اور سپرد کرتا ہے اور ولایت ایک شرعی وصف ہے جس میں تجزی اور تقسیم نہیں ہو سکتی، لہذا یہ ولایت دونوں وصی میں سے ہر ایک کے لیے کامل طور پر ثابت ہوگی اور کامل طور پر اس کے ثبوت کا مطلب یہ ہے کہ دونوں اپنے اپنے تصرف میں آزاد ہوں اور کوئی کسی کا محتاج نہ ہو، جیسے ایک لڑکی کے دو بھائی ہوں تو وہ دونوں اس کا نکاح کرنے میں مکمل طور پر خود مختار اور مستقل ہوں گے اور کوئی کسی کا محتاج نہیں ہوگا، اسی طرح ایک وصی بھی اپنے تصرف میں دوسرے کا محتاج نہیں ہوگا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ وصایت خلافت ہے اور خلیفہ کے لیے جو خلافت ثابت ہوتی ہے وہ ان تمام اوصاف اور لوازمات کے

ساتھ ثابت ہوتی ہے جو اصل کے لیے ثابت تھے اور چوں کہ اصل یعنی موسیٰ کے لیے یہ ولایت کامل طور پر ثابت تھی، لہذا کامل طور پر ہی اس کے خلفاء کے لیے بھی اس کا ثبوت ہوگا۔ اور کمال اسی وقت ثابت ہوگا جب ہر ہر وصی تصرف میں آزاد اور خود مختار ہو۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ جب میت نے دو لوگوں کو وصی بنا دیا تو اس بات کا اعلان کر دیا کہ وہ ان دونوں کی شفقت کو خاص اور اہم سمجھ رہا ہے اور یہ اہمیت انھیں موسیٰ کی قرابت سے ہم کنار کرے گی اور موسیٰ کے قرابت داروں کے لیے کامل طور پر ولایت ثابت ہوتی ہے، لہذا ان کے لیے بھی علی وجہ الکمال ولایت اور وصایت ثابت ہوگی اور جملہ امور میں ان میں سے ہر ایک تنہا تصرف کا مالک ہوگا۔

وَلَهُمَا أَنَّ الْوِلَايَةَ تَثْبُتُ بِالتَّفْوِيضِ فَيُرَاعَى وَصْفُ التَّفْوِيضِ وَهُوَ وَصْفُ الْإِجْتِمَاعِ، إِذْ هُوَ شَرْطٌ مُفِيدٌ وَمَا رَضِيَ الْمُوصِي إِلَّا بِالْمُثْنَى وَلَيْسَ الْوَاحِدُ كَالْمُثْنَى بِخِلَافِ الْأَخْوَيْنِ فِي الْإِنْكَاحِ، لِأَنَّ السَّبَبَ هُنَا لِكَ الْقَرَابَةِ وَقَدْ قَامَتْ بِكُلِّ مِنْهُمَا كَمَلًا، وَلِأَنَّ الْإِنْكَاحَ حَقٌّ مُسْتَحَقٌّ لَهَا عَلَى الْوَلِيِّ حَتَّى لَوْ طَالَبَتْهُ بِإِنْكَاحِهَا مَنْ كَفَرٍ يَخْطُبُهَا يَجِبُ عَلَيْهِ، وَهَهُنَا حَقُّ التَّصَرُّفِ لِلْوَصِيِّ وَلِهَذَا يَبْقَى مُحْتَرًّا فِي التَّصَرُّفِ، فِيهِ الْأَوَّلُ أَوْفَى حَقًّا عَلَى صَاحِبِهِ فَصَحَّ، وَفِي الثَّانِي اسْتَوْفَى، لِأَنَّ الْوِلَايَةَ التَّصَرُّفِ لَهُمَا فَإِذَا تَصَرَّفَ وَحْدَهُ حَقًّا لِصَاحِبِهِ فَلَا يَصِحُّ.

ترجمہ: حضرات طرفین رضی اللہ عنہما کی دلیل یہ ہے کہ ولایت تفویض سے ثابت ہوتی ہے لہذا وصف تفویض کی رعایت کی جائے گی اور وصف تفویض وصف اجتماع ہے کیونکہ اجتماع شرط مفید ہے اور موسیٰ دو وصی سے ہی راضی ہے اور ایک دو کے مثل نہیں ہے۔ برخلاف دو بھائیوں کے نکاح کرنے کی ولایت کے، اس لیے کہ یہاں سبب (ولایت) قرابت ہے اور قرابت ان میں سے ہر ایک کے ساتھ کامل طور پر قائم ہے۔ اور اس لیے کہ نکاح کرنا عورت کے لیے ولی پر واجب شدہ حق ہے، یہاں تک کہ اگر عورت اپنے ولی سے ایسے کفو سے نکاح کرنے کا مطالبہ کرے جس نے اس عورت کو نکاح کا پیغام دیا ہو تو ولی پر نکاح کرنا واجب ہے۔ اور یہاں تصرف کا حق وصی کو ہے اسی لیے ولی تصرف میں با اختیار ہے اور پہلی صورت میں ولی نے ایسا حق ادا کیا ہے جو اس کے ساتھی پر واجب ہے اس لیے صحیح ہے اور دوسری صورت میں وصی نے وصول کیا ہے، کیونکہ تصرف کی ولایت دونوں کو حاصل ہے، لہذا جب تنہا ایک نے اپنے ساتھی کے حق میں تصرف کیا تو یہ صحیح نہیں ہے۔

اللغات:

﴿ثبوت﴾ ثابت ہوتی ہے۔ ﴿تفویض﴾ سپرد کرنا۔ ﴿یراعی﴾ رعایت رکھی جائے گی۔ ﴿انکاح﴾ نکاح کرنا۔ ﴿کفو﴾ ہم سر۔ ﴿یخطب﴾ نکاح کی درخواست کرتا ہے۔ ﴿استوفی﴾ لوری وصولی کر لے۔

طرفین کی دلیل:

یہاں سے حضرات طرفین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل بیان کی گئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وصی کو جو وصایت اور ولایت حاصل ہوئی ہے وہ تفویض یعنی موصلی کی جانب سے دینے اور سپرد کرنے کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے لہذا اس میں وصف تفویض کی پوری رعایت کی جائے گی۔ اور موصلی نے اس تفویض کو وصف اجتماع کے ساتھ انجام دیا ہے لہذا وصی کے حق میں بھی وصف اجتماع کے ساتھ یہ منتقل ہوگی اور وصف اجتماع امر مفید بھی ہے، اس لیے کہ ایک کے مقابلے دو کی قوت کا اقویٰ ہونا ظاہر و باہر ہے اور پھر موصلی نے بھی دو وصی پر رضامندی ظاہر کی ہے، لہذا ایک کو تصرف کا چارج دینا موصلی کی منشاء اور رضامندی کے بھی خلاف ہے اور وصف تفویض کے بھی مخالف ہے، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ ایک وصی کو تصرف کا اختیار دینا درست نہیں ہے۔

بخلاف الأخوین الخ: یہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قیاس کا جواب ہے۔ فرماتے ہیں کہ وصایت والے مسئلے کو دو بھائیوں کے نکاح والے مسئلے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ ولایت انکاح کا سبب قربت ہے اور قربت دو بھائیوں کے لیے مکمل طور پر ثابت ہے، لہذا انکاح کرنے میں ان میں سے ہر ایک علی وجہ الکمال خود مختار اور خود مستقل ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ غیر شادی شدہ لڑکی کا نکاح کرنا اس کے ولی پر واجب ہے حتیٰ کہ اگر کسی شخص نے لڑکی کو نکاح کا پیغام دیا اور وہ اس کا کفو ہے تو لڑکی کے مطالبے پر اس کے ولی کے لیے اس کا نکاح کرنا واجب ہے جب کہ وصی پر کوئی بھی چیز واجب نہیں ہے، اسی لیے وصی کو تصرف میں اختیار رہتا ہے۔ اب اگر پہلے یعنی نکاح والے مسئلے میں اگر ایک ہی بھائی نے بہن کا نکاح کر دیا تو گویا اس نے دوسرے بھائی کے سر سے ایک واجب کا بوجھ اتار کر اسے سہولت مہیا کر دی، اس لیے ایک بھائی کا یہ فعل صحیح ہے، لیکن دوسرے یعنی وصایت والے مسئلے میں چوں کہ وصیوں پر کوئی چیز واجب نہیں ہے، اس لیے اس میں ایک وصی نے اگر کوئی کام کیا تو درحقیقت اس نے دوسرے وصی کا حق چھین لیا لہذا یہاں ایک کا فعل صحیح نہیں ہے، بلکہ دونوں کے لیے مل کر کام کرنا ضروری ہے۔

أَصْلُهُ الدِّينُ الَّذِي عَلَيْهِمَا وَلَهُمَا، بِخِلَافِ الْأَشْيَاءِ الْمَعْدُودَةِ، لِأَنَّهَا مِنْ بَابِ الصَّرُورَةِ لَا مِنْ بَابِ الْوَصَايَةِ، وَمَوَاضِعُ الصَّرُورَةِ مُسْتَثْنَاءٌ أَبَدًا، وَهِيَ مَا اسْتُثْنِيَ فِي الْكِتَابِ وَأَخَوَاتُهَا فَقَالَ إِلَّا فِي شِرَاءٍ كَفْنِ الْمَيِّتِ وَتَجْهِيزِهِ، لِأَنَّ فِي التَّأَخِيرِ فَسَادَ الْمَيِّتِ، وَلِهَذَا يَمْلِكُهُ الْجِيرَانُ عِنْدَ ذَلِكَ، وَطَعَامِ الصَّغَارِ وَكَسْوَتِهِمْ لِأَنَّهُ يُخَافُ مَوْتَهُمْ جُوعًا وَعُرْيَانًا.

ترجمہ: اس کی اصل وہ قرض ہے جو ان پر ہو اور ان دونوں کے لیے ہو۔ برخلاف اشیائے معدودہ کے، کیونکہ وہ ضرورت کے باب سے ہیں نہ کہ وصایت کے باب سے اور مقامات ضرورت ہمیشہ مستثنیٰ رہتے ہیں۔ اور یہ وہ چیزیں ہیں جن کا قدوری میں استثناء کیا ہے اور ان کی نظیریں ہیں۔ چنانچہ امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مگر میت کا کفن خریدنے میں اور اس کی تجہیز میں، کیونکہ دیر کرنے میں میت کا فساد ہے، اسی لیے تاخیر کے وقت پڑوسی تجہیز کے مالک ہوں گے۔ اور بچوں کا کھانا اور ان کا کپڑا خریدنے میں، اس لیے کہ بھوکے اور ننگے ہو کر بچوں کے مرنے کا خوف ہے۔

اللغات:

﴿دین﴾ قرضہ۔ ﴿معدودہ﴾ گنی چنی۔ ﴿ابدًا﴾ ہمیشہ۔ ﴿شراء﴾ خریدنا۔ ﴿جوع﴾ واحد جائع؛ بھوکے۔ ﴿عربان﴾

واحد عربی؛ ننگے۔

مسئلہ کی تخریج:

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ولایت انکاح اور ولایت وصایت کی مثال ایسی ہے جیسے نعمان کا سلیم اور سلمان دونوں پر قرض ہو اور سلیم کا قرض بھی سلمان ادا کر دے تو یہ ولایت انکاح کی مثال ہے گویا اس صورت میں سلمان نے سلیم کا حق واجبی ادا کر کے اس کے لیے سہولت مہیا کر دی ہے۔ اس کے برخلاف اگر نعمان پر سلیم اور سلمان دونوں کا قرض ہو اور صرف سلمان دونوں کا حصہ وصول کر لے تو یہ صحیح نہیں ہے، یعنی اس سے سلیم کا حق ادا نہیں ہوگا، کیونکہ سلمان نے اس کے حصے کا قرض وصول کر کے اس کا حق چھین لیا ہے یہ وصایت کی مثال ہے۔

بخلاف الأشياء المعدودة الخ: فرماتے ہیں کہ کچھ چیزیں ایسی ہیں جو وصف اجتماع سے خارج ہیں اور انھیں دونوں میں سے کوئی بھی وصی کر سکتا ہے، کیونکہ یہ اشیاء از قبیل ضرورت ہیں اور ضرورت کے مواقع ہمیشہ مستثنیٰ ہوتے ہیں اور امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے ان چیزوں کو شمار بھی کرایا ہے۔

(۱) میت کے کفن کا کپڑا خریدنا ہو اور دونوں وصی موجود نہ ہوں تو ایک ہی وصی خرید سکتا ہے۔

(۲) میت کی تجہیز کا معاملہ درپیش ہو اور دونوں وصی موجود نہ ہوں تو بھی ایک ہی وصی اسے انجام دے سکتا ہے۔ کیونکہ تاخیر کرنے اور دوسرے وصی کا انتظار کرنے میں میت کے سڑنے اور خراب ہونے کا اندیشہ ہے اس لیے دوسرے کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر میت کے دونوں وصی موجود نہ ہوں تو اس کے پڑوسی اس کی تجہیز و تکفین کر دیں گے اور کسی کا انتظار نہیں کریں گے۔

(۳) اگر موصی کے چھوٹے بچوں کو کھانے کی ضرورت ہو یا کپڑے کی ضرورت ہو اور ایک ہی وصی موقع پر موجود ہو تو ان صورتوں میں بھی دوسرے کا انتظار کئے بغیر وہ وصی تنہا ان بچوں کے کھانے اور کپڑے کا نظم کر دے گا اور دوسرے کا انتظار نہیں کرے گا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ دوسرے کے انتظار میں یہ بچے بھوکے اور ننگے مرجائیں اور جو موجود ہو اس پر ہلاک کرنے کی تہمت عائد ہو جائے۔

وَرَدَّ الْوَدِيعَةَ بَعَيْنِهَا وَرَدَّ الْمَغْصُوبَ وَالْمُشْتَرَى شَرَاءً فَاسِدًا وَحَفِظَ الْأَمْوَالَ وَقَضَاءِ الدُّيُونِ، لِأَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ بَابِ الْوِلَايَةِ فَإِنَّهُ يَمْلِكُ الْمَالِكُ وَصَاحِبُ الدِّينِ إِذَا ظَفَرَ بِجَنْسِ حَقِّهِ، وَحَفِظَ الْمَالِ يَمْلِكُهُ مِنْ يَقَعُ فِي يَدِهِ فَكَانَ مِنْ بَابِ الْإِعَانَةِ، وَلَآئِنَّهُ لَا يَحْتَاجُ فِيهِ إِلَى الرَّأْيِ، وَتَنْفِيدِ وَصِيَّةٍ بَعَيْنِهَا وَعَقْبُ عَبْدٍ بَعَيْنِهِ، لِأَنَّهُ لَا يَحْتَاجُ فِيهِ إِلَى الرَّأْيِ، وَالْخُصُومَةُ فِي حَقِّ الْمَيِّتِ، لِأَنَّ الْإِجْتِمَاعَ فِيهَا مُتَعَدِّرٌ وَلِهَذَا يَتَفَرَّدُ بِهَا أَحَدُ الْوَكِيلَيْنِ، وَقَبُولِ الْهَبَةِ، لِأَنَّ فِي التَّأَخِيرِ خِيفَةَ الْفَوَاتِ، وَلَآئِنَّهُ يَمْلِكُهُ الْأُمُّ وَالَّذِي فِي حِجْرِهِ فَلَمْ يَكُنْ مِنْ

بَابُ الْوِلَايَةِ.

ترجمہ: اور بعینہ ودیعت واپس کرنے میں، مغضوب واپس کرنے میں، شرائے فاسد کے طور پر خریدی ہوئی چیز واپس کرنے میں، اموال کی حفاظت میں، قرضوں کی ادائیگی میں، کیونکہ یہ امور ولایت کے باب سے نہیں ہیں چنانچہ مالک اور صاحب دین اس چیز کے مالک ہو جائیں گے جب وہ اپنے حق کی جس کو پالیں۔ اور حفظ مال کا وہ شخص مالک ہوگا جس کے قبضہ میں مال واقع ہو، لہذا یہ اعانت کے باب سے ہوگا، اور اس لیے کہ اس میں رائے کی ضرورت نہیں ہے اور متعین وصیت کو نافذ کرنے اور متعین غلام کو آزاد کرنے میں، کیونکہ اس میں رائے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور میت کے حق میں خصوصیت کے ساتھ متفرد ہوگا۔ اور بہہ قبول کرنے میں کیونکہ تاخیر میں فوت کا خوف ہے اور اس لیے کہ ماں اس کے قبول کرنے کی مالک ہے اور وہ شخص بھی مالک ہے جس کی پرورش میں وہ بچہ ہو، لہذا یہ ولایت کے باب سے نہیں ہوگا۔

اللَّغَاتُ:

﴿رد﴾ لوٹانا۔ ﴿ودیعة﴾ امانت۔ ﴿شراء﴾ خریدا۔ ﴿دیون﴾ واحد دین، قرضے۔ ﴿اعانة﴾ مدد کرنا۔ ﴿خيفة﴾ خدشہ، اندیشہ۔ ﴿حجر﴾ پرورش، گود۔

وصی کے تصرفات کا دائرہ کار:

جن چند چیزوں کا استثناء کیا گیا ہے ان میں سے یہ اشیاء بھی ہیں جن میں ایک ہی وصی تصرف کرنے کا حق دار ہوگا اور اس کا تصرف جائز ہوگا اگرچہ دوسرا وصی موجود نہ ہو:

❖ موصی کے پاس کسی شخص کی متعین اور معلوم چیز مثلاً سائیکل ودیعت ہو تو اسے واپس کرنے میں دونوں وصیوں کا اجتماع ضروری نہیں ہے اور ایک ہی وصی واپس کرنے کا مجاز ہوگا۔

❖ موصی نے کوئی چیز غصب کی ہو۔

❖ موصی نے شرائے فاسد کے طور پر کوئی چیز خریدی ہو تو ان کے واپس کرنے میں دوسرے وصی کا حاضر ہونا ضروری نہیں ہوگا۔

❖ موصی کے اموال کی حفاظت وصیانت کے لیے بھی دونوں کا اجتماع ضروری نہیں ہے۔

❖ اگر موصی پر لوگوں کے قرضے ہوں تو ایک وصی ان قرضوں کو ادا کرے اور دوسرے کا انتظار نہ کرے۔

کیونکہ یہ امور باب ولایت اور وصایت سے نہیں ہیں اور وصی کے علاوہ دیگر لوگ بھی ان امور کو انجام دے سکتے ہیں چنانچہ مودع کا حق یعنی دین مل جائے تو وہ اسے لے لے گا اور جہاں تک حفظ اموال کا تعلق ہے تو حفاظت کے لیے بھی وصی ہی مخصوص نہیں ہے، بلکہ جس کے ہاتھ میں بھی مال چلا جائے وہی اس کی حفاظت کر سکتا ہے، لہذا حفظ اموال باب ولایت سے نہیں، بلکہ باب اعانت سے ہے اور پھر یہ ایسا کوئی پیچیدہ مسئلہ بھی نہیں ہے کہ اس میں دو لوگوں کی رائے شامل کی جائے اس لیے ایک ہی وصی اس کام کو بھی انجام دے سکتا ہے۔

وتنفیذ وصیۃ الخ: فرماتے ہیں کہ اگر معین وصیت ہو تو اسے نافذ کرنے کے لیے بھی ایک ہی وصی کافی ہے اسی طرح اگر

کسی معین غلام کو آزاد کرنے کا مسئلہ ہو تو اس میں بھی ایک وصی سے کام چل جائے گا۔ اور دونوں کا اجتماع ضروری نہیں ہوگا، کیونکہ ان میں بھی اجتماع رائے کی ضرورت نہیں ہے۔

اگر میت کے حق کے لیے کسی شخص سے خصومت کرنی پڑے تو اس میں بھی ایک ہی وصی کی ضرورت ہوگی جیسا کہ اس میں ایک ہی وکیل سے کام چل جاتا ہے، کیونکہ خصومت کے لیے چاہ کر بھی دو وصی اور دو وکیل نہیں ہو سکتے ورنہ تو قاضی کی مجلس میں شور شغب ہوگا جو آداب مجلس کے خلاف ہے۔

وقبول الہبۃ النخ: فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بچوں کے لیے کچھ ہدیہ یا ہبہ کرے تو ایک ہی وصی اسے قبول کر سکتا ہے، اس لیے کہ اگر اس کے لیے دوسرے وصی کا انتظار کیا جائے گا تو ہو سکتا ہے کہ ہبہ کرنے والا اس سے پھر جائے اور بچوں کا نقصان ہو جائے۔ اسی لیے بچے کی ماں بھی اس ہبہ کو قبول کر سکتی ہے اور وہ شخص بھی بچے کے لیے اسے قبول کر سکتا ہے تو جب بچے کی ماں اور اس کا نگران ہبہ قبول کر سکتے ہیں تو اس کا وصی بدرجہ اولیٰ قبول کر سکتا ہے چاہے دوسرا وصی موجود ہو یا نہ ہو۔

وَبِيعَ مَا يَخْشَى عَلَيْهِ التَّوَى وَالتَّلَفُ، لِأَنَّ فِيهِ ضَرُورَةً لَا تُخْفَى وَجَمْعُ الْأَمْوَالِ الضَّائِعَةِ، لِأَنَّ فِي السَّخِيرِ خَشْيَةَ الْفَوَاتِ، وَلِأَنَّهُ يَمْلِكُهُ كُلُّ مَنْ وَقَعَ فِي يَدِهِ فَلَمْ يَكُنْ مِنْ بَابِ الْوِلَايَةِ.

ترجمہ: اور اس چیز کو فروخت کرنے میں جس کی ہلاکت اور ضیاع کا خوف ہو، کیونکہ اس میں ایسی ضرورت ہے جو مخفی نہیں ہے۔ اور متفرق مالوں کو جمع کرنے میں، اس لیے کہ دیر کرنے میں فوت ہونے کا ڈر ہے اور اس لیے کہ ہر وہ شخص اس کا مالک ہے جس کے ہاتھ میں یہ واقع ہو لہذا یہ باب ولایت سے نہیں ہوگا۔

اللغات:

﴿يَخْشَى﴾ خدشہ ہو۔ ﴿تَوَى﴾ ہلاکت۔ ﴿تَلَفٌ﴾ ضیاع۔ ﴿خَشْيَةٌ﴾ خدشہ۔

وصی کے تصرفات کا دائرہ کار:

فرماتے ہیں کہ جن چیزوں کے خراب اور ضائع ہونے کا اندیشہ ہو جیسے دودھ، گوشت اور سبزی وغیرہ تو انھیں بھی ایک وصی فروخت کر سکتا ہے، اسی طرح اگر میت کے متفرق مال ادھر ادھر پڑے ہوں تو ایک ہی وصی ان اموال کو جمع کر سکتا ہے اور جمع کرنے کے لیے دوسرے وصی کی موجودگی ضروری نہیں ہے اور اگر انتظار کیا جائے گا تو ان کے فوت اور ہلاک ہونے کا احتمال بڑھ جائے گا، لہذا جو وصی موقع پر حاضر ہو اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ انھیں جمع کر دے۔ اور جب وصی کے علاوہ دوسرے لوگ یہ امور انجام دے سکتے ہیں تو ظاہر ہے کہ یہ ولایت کے باب سے نہیں ہے اور جب باب ولایت سے نہیں ہے تو ان کی انجام دہی میں ایک اور دو دونوں برابر ہیں۔

وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ وَلَيْسَ لِأَحَدٍ الْوَصِيِّينَ أَنْ يَبِيعَ أَوْ يَتَقَاضَى، وَالْمُرَادُ بِالتَّقَاضَى الْإِقْتِصَاءُ، كَذَا كَانَ

الْمُرَادُ مِنْهُ فِي عُرْفِهِمْ، وَهَذَا لِأَنَّهُ رَضِيَ بِأَمَانَتِهِمَا جَمِيعًا فِي الْقَبْضِ، وَلِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْمُبَادَلَةِ لَا سَيِّمًا عِنْدَ اخْتِلَافِ الْجِنْسِ عَلَى مَا عُرِفَ فَكَانَ مِنْ بَابِ الْوَلَايَةِ.

ترجمہ: جامع صغیر میں ہے کہ دو وصیوں میں سے ایک کو بیع کرنے یا قبضہ کرنے کا حق نہیں ہے اور تقاضی سے قبضہ کرنا مراد ہے یہی اہل کوفہ کے عرف میں بھی ہے۔ اور یہ اس لیے ہے کہ قبضہ کرنے میں موہبی ان دونوں کی امانت پر راضی ہوا ہے اور اس لیے کہ قبضہ کرنا مبادلہ کے معنی میں ہے خاص کر اختلاف جنس کے وقت جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے تو یہ ولایت کے باب سے ہوگا۔

اللغات:

﴿بیع﴾ بیع ڈالے۔ ﴿یتقاضی﴾ قبضہ کر لے۔

دو وصی مقرر کرنے کی صورت میں ایک وصی کا میدان اختیار:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے دو لوگوں کو اپنا وصی بنایا ہو تو ان میں سے ایک وصی کے لیے نہ تو کوئی چیز فروخت کرنا اور بیچنا درست ہے اور نہ ہی کسی چیز پر قبضہ کرنا صحیح ہے، کیوں موہبی نے ان دونوں کی امانت پر راضی ہو کر انہیں وصایت کی ذمہ داری سونپی ہے لہذا ایک کی امانت اور ذہانت پر وہ راضی نہیں ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ بیچنے اور قبضہ کرنے کا تعلق باب ولایت سے ہے اور اس میں مبادلہ کے معنی موجود ہوتے ہیں خواہ جنس متحد ہو یا مختلف اور اختلاف جنس کی صورت میں تو مبادلہ کے معنی کا وجود کچھ زیادہ ہی ظاہر و باہر ہے، لہذا فروخت کرنے یا قبضہ کرنے کے لیے دونوں وصیوں کا اجتماع ضروری ہے اور کسی ایک کے لیے تنہا یہ حق نہیں ہے۔

وَلَوْ أَوْصَى إِلَى كُلِّ وَاحِدٍ عَلَى الْإِنْفِرَادِ قَبْلَ يَتَفَرَّدُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالتَّصَرُّفِ بِمَنْزِلَةِ الْوَكِيلَيْنِ إِذَا وَكَّلَ كُلُّ وَاحِدٍ عَلَى الْإِنْفِرَادِ، وَهَذَا لِأَنَّهُ لَمَّا أَفْرَدَ فَقَدْ رَضِيَ بِرَأْيِ الْوَاحِدِ، وَقِيلَ الْإِخْلَافُ فِي الْفُصْلَيْنِ وَاحِدٌ، لِأَنَّ وَجُوبَ الْوَصِيَّةِ عِنْدَ الْمَوْتِ بِإِخْلَافِ الْوَكِيلَيْنِ، لِأَنَّ الْوَكَالَهَ تَتَعاقَبُ.

ترجمہ: اور اگر موہبی نے ہر ایک کو علاحدہ علاحدہ وصی بنایا ہو تو ایک قول یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک تصرف میں متفرد ہوگا جیسے دو وکیل ہوتے ہیں جب موکل نے ہر ایک کو انفرادی طور پر وکیل بنایا ہو اور یہ اس وجہ سے ہے کہ جب موہبی نے ایک ایک کر کے وصی بنایا تو وہ ایک کی رائے سے راضی ہو گیا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں ایک ہی اختلاف ہے، کیونکہ وصیت کا وجوب موت کے وقت ہوگا۔ برخلاف دو وکیلوں کے، کیونکہ وکالت آگے پیچھے ہوتی ہے۔

اللغات:

﴿انفراد﴾ اکیلے ہونے کی حالت۔ ﴿انفراد﴾ اکیلا ہوگا۔ ﴿تتعاقب﴾ آگے پیچھے ہوتی ہے۔

دو آدمیوں کو علیحدہ علیحدہ وصی بنانا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر موہبی نے دو لوگوں کو انفرادی طور پر وصی بنایا تو بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ دونوں

میں سے ہر ہر وصی تصرف کرنے میں متفرّد اور منفرد ہوگا اور کوئی کسی کا محتاج نہیں ہوگا جیسے اگر موکل دو الگ الگ آدمیوں کو علاحدہ علاحدہ طور پر وکیل بنائے تو وہ دونوں اپنے اپنے حساب سے تصرف کرنے کے مستحق اور مجاز ہوں گے اور کوئی کسی سے اجازت لینے اور اس کے انتظار کرنے کا پابند نہیں ہوگا۔ کیونکہ جب وصی نے دو لوگوں کو وصایت کی ذمہ داری سونپی ہے اور الگ الگ طور پر انھیں وصی بنایا ہے تو وہ ان میں سے ہر ایک کی انفرادی رائے سے خوش ہے اور اجتماع رائے کا ضرورت مند نہیں ہے، اس لیے ہر ہر وصی کا انفرادی تصرف درست اور جائز ہوگا۔

وقیل الخ: فرماتے ہیں کہ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں یعنی خواہ موصی ایک ساتھ دو لوگوں کو وصی بنائے یا الگ الگ کر کے بنائے حضرات طرفین اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا اختلاف جاری ہے چنانچہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں وصی کے لیے تنہا تصرف کرنا جائز ہے، کیونکہ وصیت موت کے وقت واجب ہوتی ہے اور موت کے وقت ہر وصی کا دوسرے کے ساتھ اجتماع ہوگا خواہ انفرادی وصیت ہو یا اجتماعی۔ اس کے برخلاف اگر وکالت انفرادی طور پر ہو تو اس میں اجتماع نہیں ہوگا، کیونکہ وکالت برسبیل تعاقب اور یکے بعد دیگرے ثابت ہوتی ہے لہذا جس زمانے میں جو وکیل ہوگا دوسرے زمانے میں وہ وکیل نہیں ہوگا۔ اور حضرات طرفین رحمہم اللہ کے یہاں اس قول کی بنیاد پر اجتماع اور انفرادی دونوں کا حکم ایک ہے یعنی تنہا کسی وصی کے لیے تصرف کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

فَإِنْ مَاتَ أَحَدُهُمَا جَعَلَ الْقَاضِيُ مَكَانَهُ وَصِيًّا آخَرَ، أَمَّا عِنْدَهُمَا فَلِأَنَّ الْبَاقِيَّ عَاجِزٌ عَنِ التَّفَرُّدِ بِالتَّصَرُّفِ فَيَضُمُّ الْقَاضِيُ إِلَيْهِ وَصِيًّا آخَرَ نَظَرًا لِّلْمَيِّتِ عِنْدَ عِجْزِهِ، وَعِنْدَ أَبِي يُونُسَ رحمہ اللہ الْحَيُّ مِنْهُمَا وَإِنْ كَانَ يَقْدِرُ عَلَى التَّصَرُّفِ فَالْمَوْصِي قَصْدًا أَنْ يَخْلُفَهُ مُتَصَرِّفًا فِي حُقُوقِهِ، وَذَلِكَ مُمَكِّنُ التَّحَقُّقِ بِنَصْبِ وَصِيٍّ آخَرَ مَكَانَ الْمَيِّتِ، وَلَوْ أَنَّ الْمَيِّتَ مِنْهُمَا أَوْصَى إِلَى الْحَيِّ فَلِلْحَيِّ أَنْ يَتَصَرَّفَ وَحْدَهُ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ بِمَنْزِلَةِ مَا إِذَا أَوْصَى إِلَى شَخْصٍ آخَرَ، وَلَا يَحْتَاجُ الْقَاضِيُ إِلَى نَصْبِ وَصِيٍّ آخَرَ، لِأَنَّ رَأْيَ الْمَيِّتِ بَاقِي حُكْمًا بِرَأْيِ مَنْ يَخْلُفُهُ، وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رحمہ اللہ أَنَّهُ لَا يَتَفَرَّدُ بِالتَّصَرُّفِ، لِأَنَّ الْمَوْصِي مَارِضِي يَتَصَرَّفُ وَحْدَهُ، بِخِلَافِ مَا إِذَا أَوْصَى إِلَى غَيْرِهِ لِأَنَّهُ يَنْفُذُ تَصَرُّفَهُ بِرَأْيِ الْمُسْتَثْنَى كَمَا رَضِيَهُ الْمُتَوَقَّى.

ترجمہ: پھر اگر دو وصیوں میں سے ایک مر جائے تو قاضی اس کی جگہ دوسرا وصی مقرر کر دے گا۔ رہا حضرات طرفین رحمہم اللہ کے یہاں تو اس وجہ سے کہ جو باقی ہے وہ تنہا تصرف کرنے سے عاجز ہے، لہذا میت پر شفقت کرتے ہوئے قاضی اس وصی کے عاجز ہونے کی صورت میں اس کے ساتھ دوسرا وصی ملا دے۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں ان میں سے زندہ وصی اگرچہ تصرف پر قادر ہے، لیکن موصی کا ارادہ یہ ہے کہ اس کے حقوق میں دو لوگ تصرف کرنے والے اس کے خلیفہ ہوں اور اس کا متحقق ہونا میت کی جگہ دوسرا وصی مقرر کر کے ممکن بھی ہے۔

اور اگر دونوں وصیوں میں سے مرنے والے نے زندہ وصی کو اپنا وصی بنادیا تو ظاہر الروایہ میں زندہ وصی کے لیے تنہا تصرف کرنے کا حق ہے جیسے اس صورت میں جب اس نے دوسرے شخص کو وصی بنایا ہو اور قاضی کو دوسرا وصی مقرر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ میت کی رائے اس کے خلیفہ کی رائے سے حکماً باقی ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ زندہ وصی تنہا تصرف نہیں کر سکتا، کیونکہ موصی تنہا اس کے تصرف سے راضی نہیں ہوا ہے۔ برخلاف اس صورت میں جب وصی میت نے زندہ وصی کے علاوہ کو وصی بنایا ہو کیونکہ دو لوگوں کی رائے ہو جانے سے زندہ وصی کا تصرف نافذ ہوگا جیسا کہ میت بھی اس سے راضی تھا۔

دو مقرر کردہ وصیوں میں سے ایک کے مرجانے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے دو وصی مقرر کئے تھے اور ان میں سے ایک وصی مر گیا تو قاضی کو چاہئے کہ اس کی جگہ دوسرا وصی مقرر کر دے اور یہ تقرری حضرات طرفین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں تو ظاہر ہے کہ ان کے یہاں تنہا ایک وصی تصرف نہیں کر سکتا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اگرچہ ایک وصی تنہا تصرف کر سکتا ہے لیکن میت نے دو وصی مقرر کر کے یہ ارادہ ظاہر کر دیا تھا کہ اس کے بعد اس کے مال میں تصرف کرنے والے دو لوگ ہوں اور بغیر پریشانی کے دوسرا وصی مقرر کر کے یہ کام ممکن بھی ہے اس لیے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی مرحوم وصی کی جگہ دوسرا وصی مقرر کر دے تاکہ میت اور موصی کے حق میں بھی شفقت محقق ہو جائے۔

ولو أن الميت الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ میت نے دو لوگوں کو وصی بنایا تھا ان میں سے ایک وصی مر گیا اور بوقت موت اس نے اپنے زندہ ساتھی یعنی دوسرے وصی کو اپنا وصی بنا کر اپنے تمام اختیارات اس کے حوالے کر دیئے تو ظاہر الروایہ کے مطابق زندہ وصی تنہا تصرف کر سکتا ہے اور قاضی کو دوسرا وصی مقرر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، کیونکہ جو وصی زندہ ہے اس کی رائے میں موصی کی رائے بھی شامل ہے اور اس حوالے سے اس کا مقصد مکمل طور پر حاصل ہو چکا ہے اور اگر مرنے والا وصی زندہ وصی کی جگہ دوسرے شخص کو وصی مقرر کرتا تو صحیح تھا، لہذا جب اس نے خود اپنے ساتھی کو وصی مقرر کر دیا تو بھی وصیت درست ہوگی۔

وعن أبي حنيفة الخ: حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے حسن بن زیاد کی ایک روایت یہ ہے کہ زندہ شخص تنہا تصرف نہیں کر سکتا، کیونکہ موصی تنہا اس ایک کے تصرف سے راضی نہیں ہوا ہے۔ ہاں اگر مرنے والے وصی نے زندہ وصی کے علاوہ دوسرے شخص کو وصی بنادیا تو اب تصرف نافذ ہوگا، کیونکہ اب اس میں دو لوگوں کی آراء شامل ہو گئی ہیں، لہذا جس طرح میت ابتداءً دو لوگوں کی آراء پر راضی تھا ایسے ہی انتہاء بھی وہ دو لوگوں کی آراء پر راضی ہوگا۔ اور اس کا مقصد حاصل ہو جائے گا۔

وَإِذَا مَاتَ الْوَصِيُّ وَأَوَّلَى إِلَى آخِرَ فَهُوَ وَصِيَّةٌ فِي تَرْكِتِهِ وَتَرْكِتِ الْمَيِّتِ الْأَوَّلِ عِنْدَنَا، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ
رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَكُونُ وَصِيًّا فِي تَرْكِتِ الْمَيِّتِ الْأَوَّلِ إِعْتِبَارًا بِالتَّوَكُّلِ فِي حَالَةِ الْحَيَاةِ، وَالْجَامِعُ بَيْنَهُمَا أَنَّهُ رَضِيَ
بِرَأْيِهِ لَا بِرَأْيِ غَيْرِهِ، وَلَنَا أَنَّ الْوَصِيَّ يَتَصَرَّفُ بِوِلَايَةٍ مُنْقَلَبَةٍ إِلَيْهِ فَيَمْلِكُ الْإِبْصَاءَ إِلَى غَيْرِهِ كَالْجَدِّ، أَلَا يُرَى
أَنَّ الْوِلَايَةَ الَّتِي كَانَتْ ثَابِتَةً لِلْمُوصِي تَنْقَلِبُ إِلَى الْوَصِيِّ فِي الْمَالِ وَإِلَى الْجَدِّ فِي النَّفْسِ، ثُمَّ الْجَدُّ قَائِمٌ مَقَامَ

الْأَبَ فِيمَا انْتَقَلَ إِلَيْهِ فَكَذَا الْوَصِيُّ.

ترجمہ: اور اگر وصی مر گیا اور اس نے دوسرے کو وصی بنایا تو وہ اس کا وصی ہوگا اس وصی کے ترکہ میں اور میت اول کے ترکہ میں بھی وصی ہوگا ہمارے یہاں۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ میت اول کے ترکہ میں وصی نہیں ہوگا حالیکہ حیات میں تو کیل پر قیاس کرتے ہوئے۔ اور ان کے مابین جامع یہ ہے کہ میت اپنے وصی کی رائے سے راضی ہوا ہے نہ کہ اس کے علاوہ کی رائے سے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ وصی اس ولایت کے ذریعے تصرف کرتا ہے جو اس کی طرف منتقل ہوتی ہے لہذا وہ اپنے غیر کو وصی بنانے کا مالک ہوگا جیسے دادا۔ کیا دکتا نہیں کہ وہ ولایت جو موسیٰ کے لیے ثابت تھی وہی ولایت مال کے سلسلے میں وصی کی طرف منتقل ہوتی ہے اور نفس میں دادا کی طرف منتقل ہوتی ہے پھر دادا باپ کے قائم مقام ہوتا ہے اس ولایت میں جو دادا کی طرف منتقل ہوتی ہے، لہذا وصی کا بھی یہی حال ہوگا۔

اللغات:

﴿تو کیل﴾ وکیل بنانا۔ ﴿ایصاء﴾ وصیت کرنا۔ ﴿جد﴾ دادا۔

وصی بوقت موت کسی اور کو وصی مقرر کر سکتا ہے:

مسئلہ یہ ہے کہ نعمان نے سلیم کو اپنا وصی بنایا تھا اور سلمان کو بھی وصی بنایا تھا پھر سلیم کا وصال ہونے لگا اور اس نے بوقت موت سلمان کو وصی بنا دیا تو ہمارے یہاں سلمان سلیم کا بھی وصی ہوگا اور موسیٰ اول یعنی نعمان کا بھی وصی ہوگا، لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں سلمان موسیٰ ثانی اور سلیم کا وصی تو ہوگا لیکن موسیٰ اول یعنی نعمان کا وصی نہیں ہوگا۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اسے حالت حیات کی تو کیل پر قیاس کیا ہے چنانچہ اگر نعمان اپنی زندگی میں سلیم کو وکیل بناتا اور پھر سلیم سلمان کو وکیل بنا دیتا تو یہ تو کیل صحیح نہ ہوتی کیونکہ وہ سلیم کی رائے پر راضی ہوا ہے نہ کہ سلمان کی، اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی جب نعمان نے دونوں کو وصی بنایا ہے تو وہ ایک کی وصایت پر راضی نہیں ہوگا۔

ولنا الخ: ہماری دلیل یہ ہے کہ وصی اسی ولایت کے ذریعے تصرف کرتا ہے جو ولایت اسے موسیٰ کی طرف سے منتقل ہو کر حاصل ہوتی ہے اور چونکہ موسیٰ کو وصی بنانے کا حق ہے، لہذا وصی کو بھی وصی بنانے کا حق ہوگا جیسے دادا ولایت نکاح میں باپ کے قائم مقام ہوتا ہے اور باپ کو اپنے بچوں کا نکاح کرنے کے لیے وصی بنانے کا حق ہوتا ہے، لہذا دادا کو بھی اپنے پوتوں کا نکاح کرنے کے لیے وکیل بنانے کا حق ہوگا۔ اسی طرح وصی مال کے سلسلے میں بھی دوسرے آدمی کو وصی بنانے اور مقرر کرنے کا مستحق اور مجاز ہوگا۔

وَهَذَا لِأَنَّ الْإِصْصَاءَ إِقَامَةً غَيْرِهِ مَقَامَهُ فِيمَا لَهُ وَلَايَتُهُ وَعِنْدَ الْمَوْتِ كَانَتْ لَهُ وَلَايَةٌ فِي التَّرَكَّتَيْنِ فَيَنْزِلُ الثَّانِي مَنْزِلَتَهُ فِيهِمَا، وَلِأَنَّهُ لَمَّا اسْتَعَانَ فِي ذَلِكَ مَعَ عَلَيْهِ أَنَّهُ قَدْ تَعَرَّيْهِ الْمَنِيَّةُ قَبْلَ تَتِمِّمِ مَقْصُودِهِ بِنَفْسِهِ وَهُوَ تَلَاوِي مَا لَرَطَ مِنْهُ صَارَ رَاضِيًا بِإِصْصَائِهِ إِلَى غَيْرِهِ، بِخِلَافِ الْوَكِيلِ، لِأَنَّ الْمُوَكَّلَ حَتَّى يُمْكِنَهُ أَنْ يَحْصَلَ مَقْصُودُهُ بِنَفْسِهِ فَلَا يَرْضَى بِتَوَكُّلِ غَيْرِهِ وَالْإِصْصَاءُ إِلَيْهِ.

ترجمہ: اور یہ اس لیے کہ ایصاء اپنے علاوہ کو اپنا قائم مقام بنانا ہے اس چیز میں جس میں موصی کو ولایت حاصل ہے اور بوقت موت موصی کو دونوں ترکوں میں ولایت حاصل ہے، لہذا دونوں ترکوں کے سلسلے میں وصی ثانی کو وصی اول کے درجے میں اتار لیا جائے گا اور اس لیے کہ موصی نے جب یہ جانتے ہوئے اس سلسلے میں مدد طلب کی کہ موصی کا مقصد پورا ہونے سے پہلے وصی کو موت آسکتی ہے اور مقصود اس کوتاہی کی تلافی ہے جو موصی سے صادر ہوئی ہے تو موصی وصی کے اپنے علاوہ کو وصی بنانے سے راضی ہو گیا ہے۔ برخلاف وکیل کے، اس لیے کہ موکل زندہ ہے اور اس کے لیے بذات خود اپنے مقصود کی تحصیل ممکن ہے لہذا موکل اپنے علاوہ کو وکیل بنانے اور وصی بنانے سے راضی نہیں ہوگا۔

اللغات:

﴿ایصاء﴾ وصی بنانا۔ ﴿استعان﴾ مدد لی۔ ﴿تعتبرہ﴾ اس کو پیش آسکتی ہے۔ ﴿منیۃ﴾ موت۔ ﴿تتمیم﴾ پورا ہونا۔ ﴿فرط﴾ زیادتی کی۔

مسئلے کی توجیہ:

ما قبل میں جو دلیل بیان کی گئی ہے، اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ موصی کو جس چیز کی ولایت ہوتی ہے اور اس کے اختیارات جتنے وسیع ہوتے ہیں اسی قدر وہ دوسرے کو وصایت کی ذمہ داری دیتا ہے اور صورت مسئلہ میں جب وصی قریب المرگ ہوا تو اسے اپنے اور موصی دونوں کے ترکے میں ولایت حاصل تھی، لہذا اس کے وصی کو خود مرنے والے وصی کے درجے میں اتار کر اسے بھی دونوں ترکوں میں ولایت دی جائے گی۔

ولأنه لما استعان الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ موصی نے جب ایک شخص کو وصی بنا دیا تو اس ایصاء سے اس کا مقصد یہ ہے کہ اپنے مال کے سلسلے میں موصی سے جو کوتاہی ہوئی ہے اس کی تلافی ہو جائے حالانکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ موصی کا یہ مقصد پورا کرنے سے پہلے ہی وصی جاں بحق ہو جائے اور وصی بھی اس چیز سے واقف ہے لیکن یہ جانتے ہوئے اس کا ایصاء پر اقدام کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ موصی اس بات سے راضی ہے کہ وصی اپنے علاوہ دوسرے کو اپنا وصی بنادے اور موصی اول کا مقصد پورا ہو جائے۔

اس کے برخلاف تو وکیل کا مسئلہ ہے تو وہ اس سے الگ ہے، کیونکہ جب موکل زندہ ہے تو وہ اپنے مقصد کو خود ہی حاصل کر سکتا ہے اور اس نے کسی مصلحت سے سلیم کو وکیل بنا دیا تھا اور ہو سکتا ہے کہ سلمان میں اسے یہ مصلحت نظر نہ آئے اور وہ سلیم کے ذریعے اسے وکیل بنانے پر راضی نہ ہو، لہذا تو وکیل پر صورت مسئلہ کو قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

قَالَ وَمُقَاسَمَةُ الْوَصِيِّ الْمَوْصِي لَهُ عَنِ الْوَرَثَةِ جَائِزَةٌ وَمُقَاسَمَةُ الْوَرَثَةِ عَنِ الْمَوْصِي لَهُ بَاطِلَةٌ، لِأَنَّ الْوَارِثَ خَلِيفَةُ الْمَيِّتِ حَتَّى يَرُدَّ بِالْعَيْبِ وَيَرُدَّ عَلَيْهِ بِهِ وَيَصِيرُ مَغْرُورًا بِشِرَاءِ الْمَوْرِثِ، وَالْوَصِي خَلِيفَةُ الْمَيِّتِ أَيْضًا فَيَكُونُ خَصْمًا عَنِ الْوَارِثِ إِذَا كَانَ غَائِبًا فَصَحَّتْ قِسْمَتُهُ حَتَّى لَوْ حَضَرَ وَقَدْ هَلَكَ مَا فِي يَدِ الْمَوْصِي لَيْسَ لَهُ أَنْ يُشَارِكَ الْمَوْصِي لَهُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ ورثاء کی طرف سے وصی کا موصلیٰ لہ سے بٹوارہ کرنا جائز ہے، لیکن موصلیٰ کی طرف سے وصی کا ورثاء سے بٹوارہ کرنا باطل ہے، کیونکہ وارث میت کا خلیفہ ہے یہاں تک کہ عیب کی وجہ سے وارث واپس کر سکتا ہے اور عیب کی وجہ سے اس پر واپس کیا جاسکتا ہے اور مورث کے خریدنے کی وجہ سے وارث مغرور ہو جائے گا۔ اور وصی بھی میت کا خلیفہ ہے تو اگر وارث غائب ہو تو وصی اس کی جانب سے خصم ہو سکتا ہے، لہذا اس کا بٹوارہ صحیح ہے حتیٰ کہ اگر وارث حاضر ہو اور اس کے قبضہ میں جو مال ہو وہ ہلاک ہو جائے تو اسے یہ حق نہیں ہے کہ وہ موصلیٰ لہ کا شریک ہو۔

اللغات:

﴿مغرور﴾ دھوکہ دیا گیا۔ ﴿خصم﴾ فریق مخالف۔ ﴿موصلی﴾ وصیت کرنے والا۔

وصی ورثاء اور موصلیٰ لہ میں سے کس کی نیابت کر سکتا ہے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ موصلیٰ کے ورثاء کی طرف سے وصی موصلیٰ لہ سے ترکہ کی تقسیم کر سکتا ہے، لیکن وصی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ موصلیٰ لہ کا نائب بن کر ورثاء سے تقسیم کرے، اس لیے کہ وارث میت کا خلیفہ ہے یہی وجہ ہے کہ اگر مورث نے کوئی چیز خریدی تھی اور اس میں پہلے سے عیب تھا تو وارث اس عیب کی وجہ سے بیع بائع کو واپس کرنے کا مجاز ہوگا اسی طرح اگر مورث نے کوئی چیز فروخت کی تھی اور وہ معیوب نکل گئی تو عیب کی وجہ سے وہ چیز وارث پر واپس کر دی جائے گی نیز مورث نے اگر کوئی باندی خریدی اور وہ باندی اس کے وصال کے بعد اس کے کسی وارث کے حصے میں آگئی اور وارث سے اس باندی کا کوئی بچہ پیدا ہوا لیکن پھر کسی نے اس پر استحقاق کا دعویٰ کر کے اسے لے لیا تو وہ بچہ آزاد ہوگا، لیکن وارث کو اس کی قیمت دینی پڑے گی، کیونکہ بائع نے مورث کو دھوکہ دیا ہے، لہذا یہ دھوکہ وارث کے حق میں بھی ثابت ہوگا، کیونکہ وارث بھی مورث کا خلیفہ ہے اور وصی بھی موصلیٰ کا خلیفہ ہے اور وارث کے غائب ہونے کی صورت میں وصی کو یہ حق ہے کہ وہ وارث کی طرف سے تقسیم کر لے اور اس کی تقسیم صحیح ہے یہی وجہ ہے کہ تقسیم میں وصی نے جو مال حاصل کیا تھا اگر وہ ہلاک ہو جائے اور پھر وارث حاضر ہو تو وہ موصلیٰ لہ کے ساتھ مال میں شریک نہیں ہوگا۔

أَمَّا الْمُوصِي لَهٗ فَلَيْسَ بِخَلِيفَةٍ عَنِ الْمَيِّتِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ، لِأَنَّهُ مَلَكَهٗ بِسَبَبٍ جَدِيدٍ، وَلِهَذَا لَا يَرُدُّ بِالْعَيْبِ وَلَا يَرُدُّ عَلَيْهِ وَلَا يَصِيرُ مَغْرُورًا بِشِرَاءِ الْمُوصِي فَلَا يَكُونُ الْوَصِيُّ خَلِيفَةً عَنْهُ عِنْدَ غَيْبَتِهِ حَتَّىٰ لَوْ هَلَكَ مَا أَفَرَزَ لَهُ عِنْدَ الْوَصِيِّ كَانَ لَهُ ثُلُثُ مَا بَقِيَ، لِأَنَّ الْقِسْمَةَ لَمْ تَنْفُذْ، غَيْرَ أَنَّ الْوَصِيَّ لَا يَصْطَنُ، لِأَنَّهُ أَمِينٌ فِيهِ وَلَهُ وَلَايَةُ الْحِفْظِ فِي التَّرِكَةِ فَصَارَ كَمَا إِذَا هَلَكَ بَعْضُ التَّرِكَةِ قَبْلَ الْقِسْمَةِ فَيَكُونُ لَهُ ثُلُثُ الْبَاقِي، لِأَنَّ الْمُوصِي لَهٗ شَرِيكَ الْوَارِثِ فَيَتَوَىٰ مَا تَوَىٰ مِنَ الْمَالِ الْمُشْتَرَكِ عَلَى الشَّرِكَةِ، وَيَبْقَىٰ مَا بَقِيَ عَلَى الشَّرِكَةِ.

ترجمہ: رہا موصلیٰ لہ تو وہ من کل وجہ میت کا خلیفہ نہیں ہے کیونکہ موصلیٰ لہ سبب جدید کے ذریعے موصلیٰ بہ کا مالک ہوا ہے اسی لیے نہ تو عیب کی وجہ سے وہ موصلیٰ بہ کو واپس کر سکتا ہے اور نہ ہی موصلیٰ بہ کو اس پر واپس کیا جاسکتا ہے اور موصلیٰ کے شرائ سے وہ مغرور بھی نہیں ہوگا لہذا موصلیٰ لہ کی غیبت کے وقت وصی اس کا خلیفہ نہیں ہوگا حتیٰ کہ اگر وہ مال ہلاک ہو جائے جو وصی کے پاس موصلیٰ لہ کے لیے

علیحدہ کیا گیا تھا تو موسیٰ لہ کو باقی کا ثلث ملے گا، کیونکہ بٹوارہ نافذ نہیں ہوا ہے۔

لیکن وصی ضامن نہیں ہوگا، کیونکہ وہ اس سلسلے میں امین ہے اور اسے ترکہ کی حفاظت کی ولایت حاصل ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسے تقسیم سے پہلے کچھ ترکہ ہلاک ہو گیا ہو تو موسیٰ لہ کو باقی کا ثلث ملے گا، اس لیے کہ موسیٰ لہ وارث کا شریک ہے، لہذا مالی مشترک میں سے جو ہلاک ہوگا وہ شرکت پر ہلاک ہوگا اور جو بچے گا وہ بھی شرکت پر بچے گا۔

اللغات:

﴿موسیٰ لہ﴾ جس کے حق میں وصیت کی گئی۔ ﴿افروز﴾ جدا کر دیا۔ ﴿یتوی﴾ ہلاک ہو جائے گا۔

موسیٰ لہ کی حیثیت:

فرماتے ہیں کہ وصی اور وارث تو میت کے خلیفہ ہیں، لیکن موسیٰ لہ میت کا خلیفہ نہیں ہے کیونکہ موسیٰ لہ سبب جدید یعنی بذریعہ وصیت موسیٰ لہ کا مالک ہوا ہے اور اسے نہ تو قدیم ملکیت حاصل ہے اور نہ ہی اس کا کوئی ابدی نسب ہے اسی لیے اگر موسیٰ لہ میں عیب ہو تو نہ تو موسیٰ لہ اسے موسیٰ کے ورثاء کو واپس کر سکتا ہے اور نہ ہی موسیٰ کا مشتری عیب کی وجہ سے وہ چیز موسیٰ لہ پر واپس کر سکتا ہے نیز موسیٰ لہ موسیٰ کے شراء سے مغرور بھی نہیں ہوگا، لہذا اگر موسیٰ لہ کہیں غائب ہو اور وصی ورثاء کے ساتھ میت کا ترکہ تقسیم کر لے اور اس کا حصہ الگ کر لے اور پھر وہ حصہ ہلاک ہو جائے تو تقسیم شدہ ترکہ میں سے موسیٰ لہ کو ثلث ملے گا، کیونکہ یہ تقسیم اس کی عدم موجودگی میں ہوئی تھی اس لیے یہ نافذ ہی نہیں ہوئی اور جب تقسیم نافذ نہیں ہوئی تو ظاہر ہے کہ جو موسیٰ لہ کا حق ہے یعنی ترکہ کا ثلث وہ اسے مل کر رہے گا۔

غیر أن الوصي الخ: فرماتے ہیں کہ وصی کے پاس موسیٰ لہ کے لیے علاحدہ کیا ہوا جو مال ہلاک ہوا ہے وصی اس کا ضامن نہیں ہوگا، کیونکہ وصی اس مال کے متعلق امین ہے اور اسے حفظ مال کی ولایت حاصل ہے اور امین پر چوں کہ ضمان نہیں ہوتا اس لیے وصی پر بھی ضمان نہیں ہوگا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے تقسیم سے پہلے اگر کچھ ترکہ ہلاک ہو جاتا تو موسیٰ لہ کو باقی کا ثلث ملتا لہذا صورت مسئلہ میں موسیٰ لہ کے لیے علاحدہ کیا ہوا جو مال ہلاک ہوا ہے اسے بھی ترکہ میں ہلاک قرار دے کر موسیٰ لہ کو باقی کا ثلث دیا جائے گا اور جو مال ہلاک ہوا ہے اسے مشترک ہلاک قرار دیں گے اور جو باقی بچا ہے اسے مشترک طور پر باقی سمجھیں گے، اس لیے کہ موسیٰ لہ میت کے ترکہ میں ورثاء کا شریک ہے۔

قَالَ فَإِنْ قَاسَمَ الْوَرَثَةَ وَأَخَذَ نَصِيبَ الْمُوصِي لَهُ فَضَاعَ رَجَعَ الْمُوصِي لَهُ بِثَلَاثٍ مَا بَقِيَ لِمَا بَيَّنَّا.

ترجمہ: امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر وصی نے ورثاء سے بٹوارہ کر کے موسیٰ لہ کا حصہ لے لیا اور وہ ضائع ہو گیا تو موسیٰ لہ باقی کا ثلث واپس لے گا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

اللغات:

﴿قاسم﴾ بٹوارہ کر لیا۔ ﴿نصيب﴾ حصہ۔ ﴿ضائع﴾ ضائع ہو گیا۔

موصیٰ لہ کی حیثیت:

یہ مسئلہ ابھی اوپر بیان کیا جا چکا ہے لیکن وہاں عبارت صاحب ہدایہ کی ہے اور یہ عبارت جامع صغیر کی ہے اسی لیے یہاں اسے مکرر بیان کر دیا گیا ہے۔

وَقَالَ وَإِنْ كَانَ الْمَيِّتُ أَوْصَى بِحَبَّةٍ فَقَاسَمَ الْوَرَثَةَ فَهَلْكَ مَا فِي يَدِهِ حُجَّ عَنِ الْمَيِّتِ مِنْ ثُلْثِ مَا بَقِيَ وَكَذَلِكَ إِنْ دَفَعَهُ إِلَى رَجُلٍ لِيَحْجَّ عَنْهُ فَضَاعَ فِي يَدِهِ، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مُسْتَعْرِفًا لِلثُلْثِ لَمْ يَرْجِعْ بِشَيْءٍ وَإِلَّا يَرْجِعُ بِتَمَامِ الثُّلْثِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ لَا يَرْجِعُ بِشَيْءٍ لِأَنَّ الْقِسْمَةَ حَقُّ الْمُوصِيِّ، وَلَوْ أَفْرَزَ الْمُوصِيُّ بِنَفْسِهِ مَالًا لِيَحْجَّ عَنْهُ فَهَلْكَ لَا يَلْزَمُهُ شَيْءٌ وَبَطَلَتِ الْوَصِيَّةُ فَكَذَا إِذَا أَفْرَزَهُ وَصِيَّةُ الَّذِي قَامَ مَقَامَهُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر میت نے حج کی وصیت کی ہو اور وصی نے وراثہ سے ہزارہ کر لیا لیکن جو مال اس کے قبضے میں تھا وہ ہلاک ہو گیا تو ماضی کے ثلث سے میت کی طرف سے حج کرایا جائے گا۔ ایسے ہی اگر کسی شخص کو وصی نے مال دیا تاکہ وہ میت کی طرف سے حج کرے اور اس شخص کے پاس وہ مال ہلاک ہو جائے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ہلاک شدہ مال ثلث کو مستغرق ہو تو وصی کچھ بھی واپس نہیں لے گا ورنہ ثلث مکمل ہونے تک واپس لے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کچھ بھی واپس نہیں لے گا، اس لیے کہ ہزارہ کرنا موصی کا حق ہے۔ اوزا اگر خود موصی مال الگ کر لیتا تاکہ موصی کی طرف سے حج ادا کیا جاتا پھر وہ مال ہلاک ہو جاتا تو موصی پر کچھ نہیں لازم ہوتا اور وصیت باطل ہو جاتی تو ایسے ہی جب اس وصی نے مال الگ کیا جو اس کا قائم مقام ہے۔

اللغات:

﴿اَوْصَى﴾ وصیت کی۔ ﴿قَاسَمَ﴾ ہزارہ کیا۔ ﴿حُجَّ﴾ حج کیا جائے گا۔ ﴿مُسْتَعْرِفٌ﴾ محیط، گھیرے ہوئے۔ ﴿مُوصِي﴾ موصیٰ

وصیت کرنے والا۔

وصیت کے لیے علیحدہ کیے گئے مال کے ہلاک ہونے کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے وصیت کی کہ میرے مال سے میری طرف سے حج کرا دیا جائے چنانچہ اس میت کے وصی نے اس کے وراثہ سے ترکہ کی تقسیم کر لی اور میت کی طرف سے حج کے لیے تہائی مال روک لیا، لیکن وہ مال وصی کے پاس ہلاک ہو گیا، یا وصی نے کسی شخص کو حج کرنے کے لیے وہ مال دیا اور اس کے پاس وہ مال ہلاک ہو گیا تو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں میت کا جو پورا ترکہ ہے یعنی اس ہلاک شدہ مال کے علاوہ اس کے تہائی حصے سے میت کی طرف سے حج کرایا جائے گا۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وصی نے جو مال نکالا تھا اگر وہ ثلث پورا ہو تو اب اسے ترکہ میں سے ایک روپیہ بھی لینے کا حق نہیں ہے، لیکن اگر وہ مال ثلث سے کم تھا تو جتنی مقدار کم ہو بس اتنی ہی مقدار میں اتنا ہی مال نکالا جائے گا تاکہ ثلث

مکمل ہو جائے۔

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خواہ وصی نے ثلث کے بقدر مال نکالا ہو یا اس سے کم نکالا ہو بہر دو صورت ماقبی ترکہ سے اب وصی کو مال نکالنے اور لینے کا حق نہیں ہے، کیونکہ تقسیم کرنا موسیٰ کا حق ہے اور اگر خود موسیٰ تقسیم کر کے اپنے حج کے لیے الگ مال نکال لیتا اور پھر وہ مال ہلاک ہو جاتا تو وصیت باطل ہو جاتی اور موسیٰ کو دوبارہ مال لینے کا حق نہ ہوتا، لہذا جب موسیٰ کے لیے دوبارہ مال لینے کا حق نہیں ہے تو اس کے وصی کے لیے بھی یہ حق نہیں ہوگا، کیونکہ وصی موسیٰ ہی کا نائب اور اس کا قائم مقام ہے۔

وَلَا يَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَنَّ مَحَلَّ الْوَصِيَّةِ الثَّلَاثُ فَيَجِبُ تَنْفِيذُهَا مَا بَقِيَ مَحَلِّهَا، وَإِذَا لَمْ يَبْقَ بَطَلَتْ لِفَوَاتِ مَحَلِّهَا، وَلَا يَبِيْ حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَنَّ الْقِسْمَةَ لَا تُرَادُّ لِذَاتِهَا، بَلْ لِمَقْصُودِهَا وَهِيَ تَادِيَةُ الْحَجِّ فَلَمْ تُعْتَبَرْ دُونَهُ، وَصَارَ كَمَا إِذَا هَلَكَ قَبْلَ الْقِسْمَةِ فَيَحُجُّ بِثَلَاثٍ مَا بَقِيَ، وَلَآنَ تَمَامُهَا بِالتَّسْلِيمِ إِلَى الْجِهَةِ الْمُسَمَّاةِ، إِذَا لَا قَابِضَ لَهَا، فَإِذَا لَمْ يُصَرَفْ إِلَى ذَلِكَ الْوَجْهِ لَمْ يَتِمَّ فَصَارَ كَهَلَاكِهَ قَبْلَهَا.

ترجمہ: حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ وصیت کا محل ثلث ہے لہذا جب تک وصیت کا محل باقی رہے گا اس وقت تک اس کی تنفیذ واجب ہوگی اور جب محل باقی نہیں رہے گا تو فوات محل کی وجہ سے وصیت باطل ہو جائے گی۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ تقسیم بذات خود مراد نہیں ہوتی بلکہ اپنے مقصود کی وجہ سے مراد ہوتی ہے وروہ حج کی ادائیگی ہے، لہذا اس کے بغیر قسمت معتبر نہیں ہوگی۔

اور یہ ایسا ہو گیا جیسے تقسیم سے پہلے مال ہلاک ہو جائے تو ماقبی کے ثلث سے حج کرایا جائے گا۔ اور اس لیے کہ جہت متعینہ کی طرف تسلیم سے قسمت مکمل ہوگی، کیونکہ اس جہت کے لیے کوئی قابض نہیں ہے، لہذا جب مال کو اسی طریقے پر صرف نہیں کیا جائے گا تو تقسیم تام نہیں ہوگی تو یہ ایسا ہو گیا جیسے تقسیم سے پہلے مال ہلاک ہو گیا ہو۔

اللغات:

﴿تنفیذ﴾ نافذ کرنا۔ ﴿لا تراد﴾ مقصود نہیں ہوتی۔ ﴿تادیة﴾ ادا کرنا۔ ﴿مسماء﴾ مقررہ۔

فریقین کے دلائل:

حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ بات تو طے شدہ ہے کہ وصیت کا محل میت کے ترکہ کا تہائی مال ہے اور یہ امر بھی مسلم ہے کہ کوئی بھی چیز اپنے محل سے تجاوز نہیں کرتی لہذا اگر وصی نے ثلث کے بقدر مال نہ نکالا ہو تب تو اسے ثلث مکمل ہونے کی مقدار تک مال نکالنے کا حق ہے، اور اگر ثلث تک مال نکال لیا ہو تو وصیت کے نفاذ کا محل فوت ہونے کی وجہ سے وصیت باطل ہو جائے گی اور اب اسے ترکہ میں سے مال نکالنے کا حق اور اختیار نہیں ہوگا۔

ولابی حنیفہ رحمہ اللہ الخ: حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ وصیت کی صورت میں قسمت اور تقسیم نہ تو مراد ہوتی ہے اور نہ ہی اس سے کوئی مقصد وابستہ ہوتا ہے، بلکہ جو چیز قسمت سے مطلوب ہوتی ہے وہ مراد ہوتی ہے اور اسی پر نظر رہتی ہے

اور صورت مسئلہ میں قسمت سے حج کی ادائیگی مراد ہے لہذا جب تک یہ مراد پوری نہیں ہوگی اس وقت تک تقسیم کا اعتبار ہی نہیں ہوگا اور یوں سمجھا جائے گا کہ تقسیم سے پہلے ہی ترکہ میں سے کچھ مال ہلاک ہو گیا ہے اور ظاہر ہے کہ تقسیم سے پہلے اگر کچھ ترکہ ہلاک ہو جائے تو باقی ترکہ کے ٹکٹ سے حج کرایا جائے گا اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی باقی ترکہ کے ٹکٹ سے حج کرایا جائے گا۔

اس دلیل کو یوں بھی بیان کر سکتے ہیں کہ قسمت اور بوارہ کی تکمیل اسی وقت ہوگی جب مال کو اسی جہت میں صرف کیا جائے جو جہت موصی نے متعین کی ہے یعنی حج کی ادائیگی میں مال صرف ہو لیکن یہاں مال ہلاک ہو گیا ہے اور موصی کی متعین کردہ جہت پر اس کو صرف نہیں کیا گیا ہے، اس لیے اس تقسیم کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور اسے تقسیم سے پہلے مال کی ہلاکت پر قیاس کر کے باقی ترکہ کے ٹکٹ میں سے موصی کی طرف سے حج کرایا جائے گا۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصَى بِفُلٍّ أَلْفٍ دِرْهَمٍ فَدَفَعَهَا الْوَرَثَةُ إِلَى الْقَاضِي فَقَسَمَهَا وَالْمَوْصِي لَهُ غَائِبٌ فَقَسَمَتْهُ جَائِزَةً، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ صَحِيحَةً، وَلِهَذَا لَوْ مَاتَ الْمَوْصِي لَهُ قَبْلَ الْقَبُولِ تَصِيرُ الْوَصِيَّةُ مِيرَاثًا لَوَرَثَتِهِ، وَالْقَاضِي نَصَبَ نَاطِرًا لَا سِيمًا فِي حَقِّ الْمَوْتَى وَالْغَيْبِ، وَمِنَ النَّظَرِ إِفْرَازُ نَصِيبِ الْغَائِبِ وَقَبْضُهُ فَنَقَذَ ذَلِكَ وَصَحَّ حَتَّى لَوْ حَضَرَ الْغَائِبُ وَقَدْ هَلَكَ الْمَقْبُوضُ لَمْ يَكُنْ لَهُ عَلَى الْوَرَثَةِ سَبِيلٌ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس نے ایک ہزار درہم کے ٹکٹ کی وصیت کی اور ورثاء نے ہزار درہم قاضی کو دے دیئے اور قاضی نے اسے تقسیم کیا اس حال میں کہ موصی لہ غائب تھا تو قاضی کی تقسیم جائز ہے، کیونکہ وصیت صحیح ہے۔ اسی لیے اگر موصی لہ (وصیت) قبول کرنے سے پہلے مر جائے تو اس کے ورثاء کے لیے وصیت میراث ہو جائے گی۔ اور قاضی کو نگران بنایا گیا ہے بالخصوص مردوں اور غائب از نظر لوگوں کے حق میں اور غائب کے حصے کو الگ کر کے اس پر قبضہ کرنا بھی نظر میں سے ہے، لہذا یہ تقسیم نافذ بھی ہوگی اور صحیح بھی ہوگی حتیٰ کہ اگر غائب حاضر ہو اور اس کے حصے کا قبضہ کیا ہو مال ہلاک ہو چکا ہو تو اس کے لیے ورثاء پر کوئی راہ نہیں ہوگی۔

اللغات:

﴿دفع﴾ دے دیا۔ ﴿تصیر﴾ ہو جائے گی۔ ﴿نصب﴾ نصب کیا گیا ہے۔ ﴿ناظر﴾ نگہدار۔ ﴿إفراز﴾ علیحدہ کرنا۔

قاضی کی طرف سے وصیت کے لیے علیحدہ کیے ہوئے مال کے ہلاک ہونے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر نفعان کا ترکہ ایک ہزار درہم ہو اور نفعان نے یہ وصیت کی کہ میرے ترکہ میں سے ایک تہائی سلیم کو دے دیا جائے اور اس کے ورثاء نے نفعان کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے ترکہ کا پورا مال یعنی ایک ہزار درہم قاضی کو دے دیا اور قاضی نے اس مال کو ورثاء اور موصی لہ کے مابین تقسیم کر دیا تو قاضی کی یہ تقسیم صحیح ہے خواہ موصی لہ بوقت تقسیم حاضر ہو یا غائب ہو، کیونکہ موصی کی طرف سے موصی لہ کے لیے وصیت صحیح ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر موصی نے موصی لہ کے لیے وصیت کر دی اور موصی لہ وصیت قبول کرنے سے پہلے مر گیا تو یہ وصیت اس کا حق بن کر اس کی وراثت میں داخل ہوگی اور اس کے ورثاء کو ملے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ وصیت صحیح ہے اور جب وصیت صحیح ہے تو قاضی کی تقسیم بھی صحیح ہوگی، کیونکہ قاضی کا کام ہی یہی ہے کہ وہ مسلمانوں کے مسائل حل کرے

اور جو لوگ مر گئے ہوں یا بوقت قضاء موجود نہ ہوں ان کے حقوق کی حفاظت اور رعایت کرے اور غائب کے حق کو الگ کرنا اور اس پر قبضہ کرنا بھی حفاظت اور نگرانی کا ایک اہم طریقہ ہے اور تقسیم سے قاضی نے صرف یہی کیا ہے، اس لیے اس کی تقسیم نافذ بھی ہوگی اور درست بھی ہوگی۔

اور موصلیٰ لہ کے لیے علاحدہ کیا ہوا مال اگر قاضی کے پاس سے ہلاک ہو جائے تو موصلیٰ لہ کا کام تمام ہو جائے گا اور اس سلسلے میں اسے ورثاء سے باز پرس کرنے کا حق نہیں ہوگا۔

قَالَ وَإِذَا بَاعَ الْوَصِيُّ عَبْدًا مِنَ التَّرِكََةِ بِغَيْرِ مُحَضَّرٍ مِنَ الْغُرَمَاءِ فَهُوَ جَائِزٌ، لِأَنَّ الْوَصِيَّ قَائِمٌ مَقَامَ الْمُوصِي، وَلَوْ تَوَلَّى حَيًّا بِنَفْسِهِ يَجُوزُ بَيْعُهُ بِغَيْرِ مُحَضَّرٍ مِنَ الْغُرَمَاءِ وَإِنْ كَانَ فِي مَرَضٍ مَوْتُهُ فَكَذًا إِذَا تَوَلَّاهُ مَنْ قَامَ مَقَامَهُ، وَهَذَا لِأَنَّ حَقَّ الْغُرَمَاءِ مُتَعَلِّقٌ بِالْمَالِيَةِ لَا بِالصُّورَةِ، وَالْبَيْعُ لَا يُطْلُ الْمَالِيَّةَ لِقَوَاتِهَا إِلَى خَلْفٍ وَهُوَ الثَّمَنُ، بِخِلَافِ الْعَبْدِ الْمَذْيُونِ، لِأَنَّ لِلْغُرَمَاءِ حَقَّ الْإِسْتِسْعَاءِ، أَمَّا هَلْهَذَا فَبِخِلَافِهِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر وصی نے قرض خواہوں کی غیر موجودگی میں ترکہ کا کوئی غلام فروخت کر دیا تو یہ جائز ہے، کیونکہ وصی موصلیٰ کا قائم مقام ہے اور اگر موصلیٰ زندگی میں بذات خود بیع کرتا تو قرض خواہوں کی عدم موجودگی میں اس کی بیع جائز ہوتی اگرچہ یہ موصلیٰ کے مرض الموت میں ہوتا، لہذا ایسے ہی جب موصلیٰ کا قائم مقام بیع کا متولی ہوا ہو۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ قرض خواہوں کا حق مالیت سے متعلق ہے نہ کہ صورت سے اور بیع مالیت کو فوت نہیں کرتی، اس لیے کہ مالیت خلیفہ کی طرف فوت ہوتی ہے اور وہ ثمن ہے۔ برخلاف عہد مدیون کے، کیونکہ قرض خواہوں کے کمائی کرانے کا حق ہے۔ رہا یہاں کا معاملہ تو یہ اس کے برخلاف ہے۔

اللغات:

﴿محضر﴾ موجودگی۔ ﴿غرماء﴾ قرضخواہ۔ ﴿مدیون﴾ مقروض۔ ﴿استسعاء﴾ کمائی کرانا۔

وصی کا قرضخواہوں کی غیر موجودگی میں بیع کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ نعمان نے سلیم کو اپنا وصی مقرر کیا ہے اور نعمان پر کچھ لوگوں کا قرض ہے۔ اب اگر نعمان کا وصی یعنی سلیم اس کے قرض خواہوں کی عدم موجودگی میں اس کے ترکے میں سے کوئی غلام فروخت کر دے تو اس کی یہ فروختگی درست اور جائز ہے۔ اس لیے کہ اگر خود موصلیٰ یعنی نعمان ایسا کرتا یا اپنے مرض الموت میں اپنے قرض خواہوں کی عدم موجودگی میں اپنا غلام فروخت کرتا تو یہ صحیح تھا، لہذا جب موصلیٰ کے لیے یہ فعل صحیح ہے تو اس کے لیے وصی اور قائم مقام کے لیے بھی یہ فعل درست ہوگا اور یہ بیع صحیح اور جائز ہوگی۔

اس سلسلے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ قرض خواہوں کا حق غلام کی مالیت سے متعلق ہے نہ کہ اس کی ذات اور صورت سے اور بیع مالیت کو فوت نہیں کرتی، کیونکہ اس کی مالیت بدل یعنی ثمن کی طرف فوت ہوتی ہے اور غلام کی صورت بکنے کے باوجود جس چیز سے قرض خواہوں کا حق متعلق ہے یعنی مالیت وہ باقی ہے اس لیے یہ بیع درست ہے۔

اس کے برخلاف اگر خود غلام پر قرض ہو تو اس کے مولیٰ یا وصی کے لیے قرض خواہوں کی عدم موجودگی میں اس غلام کو فروخت کرنا صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ یہاں غراء کا حق مالیت سے بھی متعلق ہے اور اس کی ذات سے بھی متعلق ہے، بایں معنی کہ غراء کو یہ حق ہے کہ وہ اسے فروخت نہ کریں اور اس سے کمائی کرالیں حالانکہ بیچ دینے سے غراء کا یہ حق فوت ہو جائے گا، اس لیے اس صورت میں قرض خواہوں کی عدم موجودگی میں غلام کے مولیٰ یا اس کے وصی کو غلام فروخت کرنے کا حق نہیں ہے۔ لیکن متن کا مسئلہ اس سے الگ ہے اس لیے اس صورت میں غلام کو فروخت کیا جاسکتا ہے اگرچہ اس کے غراء غائب ہوں۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصَى بِأَنْ يَبَاعَ عَبْدُهُ وَيَتَصَدَّقَ بِمَمْنِهِ عَلَى الْمَسَاكِينِ فَبَاعَهُ الْوَصِيُّ وَقَبَضَ الثَّمَنَ فَضَاعَ فِي يَدِهِ فَاسْتَحَقَّ الْعَبْدُ ضَمِينَ الْوَصِيِّ، لِأَنَّهُ هُوَ الْعَاقِدُ فَتَكُونُ الْعَهْدَةُ عَلَيْهِ وَهَذِهِ عَهْدَةٌ، لِأَنَّ الْمُشْتَرِيَّ مِنْهُ مَا رَضِيَ بِبَذْلِ الثَّمَنِ إِلَّا لَيْسَلَمَ لَهُ الْمَبِيعُ وَلَمْ يُسَلَمَ فَقَدْ أَخَذَ الْوَصِيُّ الْبَائِعُ مَالَ الْغَيْرِ بِغَيْرِ رِضَاءٍ فَيَجِبُ عَلَيْهِ رَدُّهُ، وَيَرْجِعُ فِيمَا تَرَكَ الْمَيِّتُ لِأَنَّهُ عَامِلٌ فَيَرْجِعُ عَلَيْهِ كَالْوَكِيلِ، وَكَانَ أَبُو حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ أَوْلَا لَا يَرْجِعُ لِأَنَّهُ ضَمِينَ بِقَبْضِهِ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى مَا ذَكَرْنَا، وَيَرْجِعُ فِي جَمِيعِ التَّرَكَةِ، وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ يَرْجِعُ فِي الثَّلَاثِ، لِأَنَّ الرُّجُوعَ بِحُكْمِ الْوَصِيَّةِ فَآخِذٌ حُكْمَهَا، وَمَحَلُّ الْوَصِيَّةِ الثَّلَاثُ. وَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّهُ يَرْجِعُ عَلَيْهِ بِحُكْمِ الْغُرُورِ وَذَلِكَ دَيْنٌ عَلَيْهِ، وَالَّذِينَ يُقْضَى مِنْ جَمِيعِ التَّرَكَةِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس شخص نے وصیت کی کہ اس کا غلام فروخت کر کے اس کا ثمن مساکین پر صدقہ کر دیا جائے چنانچہ وصی نے اسے فروخت کر کے ثمن پر قبضہ کر لیا اور وہ ثمن اس کے قبضہ میں ہلاک ہو گیا پھر غلام مستحق نکل گیا تو وصی ضامن ہوگا، کیونکہ وصی بنی عاقد ہے لہذا ذمہ داری بھی اسی پر ہوگی اور یہ ذمہ داری ہے، کیونکہ وصی سے خریدنے والا صرف اس لیے ثمن دینے پر راضی ہوا ہے تاکہ بیع اس کے سپرد کر دی جائے حالانکہ بیع اس کے سپرد نہیں کی گئی ہے، لہذا وصی بائع نے غیر کے مال کو اس کی رضامندی کے بغیر لے لیا ہے، اس لیے وصی پر اس مال کو واپس کرنا واجب ہے۔

اور وصی میت کے ترکہ سے وہ مال واپس لے لے گا، کیونکہ وصی میت کا عامل ہے، لہذا اس پر رجوع کرے گا جیسے وکیل۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پہلے اس بات کے قائل تھے کہ وصی رجوع نہیں کرے گا پھر اس سے ہمارے بیان کردہ قول کی طرف رجوع کر لیا اور وصی تمام ترکہ میں رجوع کرے گا۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وصی ثلث میں رجوع کرنے کا، کیونکہ رجوع کرنا حکم وصیت کی وجہ سے ہے، لہذا رجوع وصیت کا حکم لے لے گا اور محل وصیت ثلث ہے۔

ظاہر الروایہ کی دلیل یہ ہے کہ وصی دھوکہ دینے کے حکم سے میت پر رجوع کرتا ہے اور یہ میت پر دین ہے اور دین پورے ترکہ سے ادا کیا جاتا ہے۔

اللغات:

﴿بیاع﴾ بیچ دیا جائے۔ ﴿یتصدق﴾ صدقہ کیا جائے۔ ﴿عہدہ﴾ ذمہ داری۔ ﴿بذل﴾ خرچ کرنا۔ ﴿غور و دھوکہ﴾۔ ﴿یقضی﴾ ادا کیا جائے گا۔

وصی کا قرضہ اہوں کی غیر موجودگی میں بیچ کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے وصیت کی کہ میرا غلام فروخت کر دیا جائے اور اس کا ثمن مساکین پر صدقہ کر دیا جائے چنانچہ اس کے وصی نے موسیٰ کی وصیت کے مطابق غلام تو فروخت کر دیا لیکن وہ ثمن اس وصی کے پاس ہلاک ہو گیا یا وہ غلام کسی دوسرے کا مستحق نکل گیا تو وصی اس ثمن کا ضامن ہوگا، کیونکہ وصی نے ہی عقد بیع کا معاملہ کیا ہے اور بیع میں جملہ حقوق عائد ہی کی طرف لوٹتے ہیں اور ثمن کا بچانا بھی من جملہ حقوق کے ایک حق ہے اس لیے یہ حق بھی عائد یعنی وصی سے متعلق ہوگا اور وصی ہی سے اس کے متعلق باز پرس کی جائے گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر غلام مستحق نکل گیا تو اس صورت میں مشتری نے بائع یعنی وصی کو جو ثمن دیا ہے وہ بلا عوض ہو گیا حالانکہ بیع مبادلتہ المال کا نام ہے تو مشتری کے ثمن دینے کا منشاء یہ ہے کہ غلام جو بیع ہے وہ اس کے حوالے کیا جائے حالانکہ استحقاق کی وجہ سے غلام اس کے سپرد نہیں کیا گیا ہے، لہذا بائع نے مشتری سے جو ثمن لیا ہے وہ اس کی مرضی کے بغیر ہوا اور ظاہر ہے کہ جب غیر کی مرضی کے بغیر بائع نے اس کا مال لیا ہے تو اس کو واپس کرنا ضروری ہے اس لیے بھی بائع یعنی وصی پر ثمن کا ضمان عائد ہوگا اور اسے مشتری کو ثمن واپس کرنا ضروری ہوگا۔

ویرجع فیما ترک الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ وصی جو ثمن کا ضمان ادا کرے گا اسے یہ حق ہے کہ اس ضمان کو موسیٰ کے ترکہ سے واپس لے لے، کیونکہ وصی موسیٰ کے لیے کام کرتا ہے اور اس کی وصیت ہی کی وجہ سے اس نے غلام فروخت کیا ہے لہذا جیسے وکیل موکل کے لیے کام کرتا ہے اور اگر وکیل کو ضمان دینے کی نوبت آجائے تو وہ اسے موکل کے مال سے واپس لیتا ہے اسی طرح وصی بھی ضمان میں دی ہوئی رقم موکل کے مال سے واپس لے گا۔

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ پہلے اس بات کے قائل تھے کہ وصی کو ضمان میں دی ہوئی رقم واپس لینے کا حق نہیں ہے، کیونکہ اس نے اپنے قبضہ کی وجہ سے ضمان ادا کیا ہے اور غلام کے مستحق نکل جانے سے وصیت باطل ہو چکی ہے اور میت کے ترکہ سے وراثت کا حق متعلق ہو چکا ہے اور وصی موسیٰ کا عامل تھا نہ کہ وراثت کا لہذا اسے وراثت کے مال میں رجوع کا حق نہیں ہوگا، لیکن بعد میں حضرت الامام نے اس قول سے رجوع کر لیا تھا اور وصی کے لیے جواز رجوع کے قائل ہو گئے تھے۔

ویرجع فی الخ: فرماتے ہیں کہ ظاہر الروایہ کے مطابق وصی پورے ترکہ میں رجوع کرے گا اور یہ رجوع صرف ثلث تک محدود نہیں ہوگا اگر ضمان ثلث سے زائد ہو، کیوں کہ موسیٰ نے اس غلام کو اپنا غلام بنا کر وصی کو دھوکہ دیا ہے اور اسی غم کی وجہ سے وصی پر ضمان واجب ہوا ہے لہذا یہ ضمان موسیٰ پر قرض ہو گیا اور قرض پورے مال سے ادا کیا جاتا ہے لہذا اس ضمان کی ادائیگی بھی پورے مال سے ہوگی۔ البتہ امام محمد علیہ الرحمہ سے ایک روایت یہ ہے کہ وصی کو صرف ثلث مال تک حق رجوع ہوگا اور ثلث سے زائد میں اسے یہ

حق نہیں ہوگا، کیونکہ وصی کو یہ حق وصیت کی وجہ سے حاصل ہوا ہے اور وصیت کا محل ثلث مال ہے، لہذا یہ بھی وصیت کا حکم لے لے گا اور ثلث مال تک ہی وصی کو حق رجوع حاصل ہوگا۔

بِخِلَافِ الْقَاضِي أَوْ أَمِينِهِ إِذَا تَوَلَّى الْبَيْعَ حَيْثُ لَا عَهْدَةَ عَلَيْهِ، لِأَنَّ فِي إِنْزَامِهَا الْقَاضِي تَعْطِيلَ الْقَضَاءِ، إِذْ يَتَحَامَى عَنْ تَقْلِيدِ هَذِهِ الْأَمَانَةِ حَدَرًا عَنْ لُزُومِ الْغَرَامَةِ فَتَسَعُّطُ مَصْلَحَةُ الْعَامَةِ، وَأَمِينُهُ سَفِيرٌ عَنْهُ كَالرَّسُولِ، وَلَا كَذَلِكَ الْوَصِي، لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْوَكِيلِ، وَقَدْ مَرَّ فِي كِتَابِ الْقَضَاءِ، فَإِنْ كَانَتِ التَّرَكَةُ قَدْ هَلَكَتْ أَوْ لَمْ يَكُنْ بِهَا وَفَاءٌ لَمْ يَرْجِعْ بِشَيْءٍ كَمَا إِذَا كَانَ عَلَى الْمَيِّتِ ذَيْنَ آخَرٍ.

ترجمہ: برخلاف قاضی کے یا اس کے امین کے جب وہ بیع کی ذمہ داری لیں تو ان میں سے کسی پر ذمہ داری نہیں ہوگی، کیونکہ قاضی پر ذمہ داری لازم کرنے میں قضاء کو معطل کرنا ہے اس لیے کہ لزوم غرامت کے خوف سے قاضی اس امانت کا تحمل کرنے سے گریز کرے گا اور عوام کی مصلحت معطل ہو جائے گی۔ اور قاضی کا امین اس کا سفیر ہوتا ہے جیسے قاصد، اور وصی ایسا نہیں ہے اس لیے کہ وہ وکیل کے درجے میں ہے۔ اور کتاب القضاء میں یہ گزر چکا ہے۔ پھر اگر ترکہ ہلاک ہو گیا ہو یا ترکہ سے اس کی ادائیگی نہ ہو سکے تو وصی رجوع نہیں کرے گا جیسے اگر میت پر دوسرا دین ہو۔

اللغات:

﴿تَوَلَّى﴾ ذمہ داری لی۔ ﴿عَهْدَةُ﴾ ذمہ داری۔ ﴿يَتَحَامَى﴾ گریز کرے گا، پرہیز کرے گا۔ ﴿تَقْلِيدُ﴾ بار امانت اٹھانا۔ ﴿غَرَامَتُ﴾ جرمانہ، تاوان۔ ﴿وَفَاءٌ﴾ پوری پوری ادائیگی۔
وصی کا قرض خواہوں کی غیر موجودگی میں بیع کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر وصی کی جگہ قاضی نے یہ کام کیا ہو اور اس کے پاس سے ثمن ہلاک ہو گیا یا غلام مستحق نکل گیا تو قاضی پر ضمان نہیں واجب ہوگا، کیونکہ اگر قاضی پر ضمان واجب کر دیا جائے تو کوئی بھی شخص اس عہدے کو قبول نہیں کرے گا اور لزوم ضمان کے خوف سے کسی کے معاملے میں ہاتھ نہیں ڈالے گا اور لوگوں کی مصلحتیں معطل ہو کر رہ جائیں گی، اسی لیے قاضی پر ضمان عائد نہیں ہوگا اور نہ ہی قاضی کے امین پر ضمان واجب ہوگا، کیونکہ قاضی کا امین اس کا سفیر اور ترجمان ہوتا ہے اور اس کی حیثیت قاصد کی سی ہوتی ہے جب کہ وصی کا یہ حال نہیں ہوتا، بل کہ وصی خود عائد ہوتا ہے اور پھر وصی وکیل کے درجے میں ہوتا ہے اور وکیل پر ضمان عائد ہوتا ہے، لہذا وصی پر بھی ضمان عائد ہوگا۔

فان كانت الخ: فرماتے ہیں کہ اگر میت کا ترکہ ہلاک ہو گیا یا ترکہ کم ہو اور ضمان زیادہ ہو اور ترکہ سے اس کی ادائیگی نہ ہو پاتی ہو تو وصی کو رجوع کا اختیار نہیں ہوگا جیسے اگر میت پر دوسرا دین ہو تو اس صورت میں بھی وصی کو حق رجوع نہیں ملتا اسی طرح ترکہ کے ہلاک ہونے اور کم ہونے کی صورت میں بھی اسے حق رجوع نہیں ملے گا۔

قَالَ وَإِنْ قَسَمَ الْوَصِيُّ الْمِيرَاتِ فَأَصَابَ صَغِيرًا مِنَ الْوَرِثَةِ عَبْدٌ فَبَاعَهُ وَقَبَضَ الثَّمَنَ فَهَلَكَ وَاسْتَحَقَّ الْعَبْدُ رَجَعَ فِي مَالِ الصَّغِيرِ، لِأَنَّهُ عَامِلٌ لَهُ، وَيَرْجِعُ الصَّغِيرُ عَلَى الْوَرِثَةِ بِحَصَّتِهِ لِانْتِقَاصِ الْقِسْمَةِ بِاسْتِحْقَاقِ مَا أَصَابَهُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر وصی نے میراث کو تقسیم کر لیا اور ورثاء میں سے کسی بچے کے حصے میں کوئی غلام آ گیا اور وصی نے اس غلام کو فروخت کر کے ثمن پر قبضہ کر لیا اور ثمن ہلاک ہو گیا اور غلام مستحق نکل گیا تو وصی صغیر کے مال میں رجوع کرے گا، کیونکہ وصی صغیر کے لیے عامل ہے اور صغیر اپنے حصے کے بقدر ورثاء پر رجوع کرے گا کیونکہ جو بچے کے حصے میں آیا ہے اس کے استحقاق سے تقسیم ٹوٹ گئی ہے۔

اللُّغَاتُ:

﴿أصاب﴾ پہنچا، ملا۔ ﴿انتقاص﴾ کم ہونا۔

وصی کے نابالغ کے قبضہ کیے ہوئے مال کے ہلاک ہو جانے کی صورت:

مسئلہ یہ ہے کہ میت کے وصی نے اس کی میراث تقسیم کرائی اور ورثاء میں ایک چھوٹا بچہ بھی تھا جس کے حصے میں ایک غلام آیا۔ اب وصی نے اس غلام کو فروخت کر کے اس کا ثمن اپنے پاس رکھ لیا، لیکن اس کے پاس سے ثمن ہلاک ہو گیا، یا غلام کسی کا مستحق نکل گیا تو وصی پر اس ثمن کا ضمان واجب ہوگا، لیکن وصی اس ضمان کو صغیر کے مال سے واپس لے لے گا، کیونکہ وصی یہاں صغیر کے لیے کام کرنے والا ہے، لہذا ضمان وغیرہ کا وجوب اصلاً صغیر ہی کے مال میں ہوگا۔ اس لیے وصی صغیر سے وصول کرے گا اور صغیر دیگر ورثاء سے اپنا حصہ دوبارہ وصول کرے گا، کیونکہ صغیر کا حصہ مستحق نکل جانے سے تقسیم ٹوٹ گئی اور جب تقسیم ٹوٹ گئی تو ظاہر ہے کہ ترکہ سے صغیر کو اس کا حصہ ملے گا۔

قَالَ وَإِذَا احْتَالَ الْوَصِيُّ بِمَالِ الْيَتِيمِ فَإِنْ كَانَ خَيْرًا لِلْيَتِيمِ جَازَ وَهُوَ أَنْ يَكُونَ أَمَلًا، إِذِ الْوِلَايَةُ نَظَرِيَّةٌ، وَإِنْ كَانَ الْأَوَّلُ أَمَلًا لَا يَجُوزُ، لِأَنَّ لَهُ تَضَيُّعَ مَالِ الْيَتِيمِ عَلَى بَعْضِ الْوُجُوهِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر وصی نے یتیم کے مال کا حوالہ قبول کیا تو اگر یہ یتیم کے حق میں بہتر ہو تو جائز ہے اور وہ یہ ہے کہ محتال علیہ مالدار ہو، اس لیے کہ ولایت شفقت پر مبنی ہے۔ اور اگر اول مالدار ہو تو جائز نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں بعض وجوہ سے یتیم کے مال کی تضييع ہے۔

اللُّغَاتُ:

﴿احتال﴾ قرض دہندہ کا ضامن منظور کیا۔ ﴿أَمَلًا﴾ زیادہ مال والا۔ ﴿تضييع﴾ ضائع ہونا۔

وصی کا یتیم کے قرض پر حوالہ قبول کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ نعمان، ایک یتیم کا قرض ہے اور یتیم کے وصی نے جب نعمان سے اس کی ادائیگی کا مطالبہ کیا تو

نعمان نے اسے سلمان کی طرف منتقل کر کے یہ کہا کہ سلمان میرا قرض ادا کرے گا اور سلمان نے اسے قبول کر لیا اور وصی نے بھی اسے قبول کر لیا تو اگر سلمان جو محتال علیہ ہے مالدار ہو تو وصی کے لیے حوالہ قبول کرنا جائز ہے، کیونکہ اس میں یتیم کے حق میں یہ فائدہ ہے کہ اس کا حق اور اس کا مال اسے جلدی مل جائے گا اور وصی کی ولایت بھی مبنی بر شفقت ہے اور شفقت اسی میں ہے کہ یتیم کو اس کا مال جلدی سے حاصل ہو جائے۔

اور اگر مدیون یعنی نعمان خود بھی مالدار ہو اور دین ادا کرنے کی پوزیشن میں ہو تو اب حوالہ جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں یتیم کے مال کی ادائیگی میں تاخیر کا امکان ہے اور ہو سکتا ہے کہ مدیون ٹالنے اور ٹرخانے کی غرض سے دوسرے پر اس کی ادائیگی کا بار لا دے رہا ہو اور اپنی جان بچا رہا ہو، اس لیے اس صورت میں حوالہ جائز نہیں ہے۔

قَالَ وَلَا يَجُوزُ بَيْعُ الْوَصِيِّ وَلَا شِرَاؤُهُ إِلَّا بِمَا يَتَغَابَنُ النَّاسُ فِي مِثْلِهِ، لِأَنَّهُ لَا تَنْظُرُ فِي الْغَبْنِ الْفَاحِشِ، بِخِلَافِ الْيُسِيرِ، لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ التَّحَرُّزُ عَنْهُ فَفِي إِعْتِبَارِهِ إِنْسِدَادُ بَابِهِ، وَالصَّبِيُّ الْمَازُونُ وَالْعَبْدُ الْمَازُونُ وَالْمُكَاتَبُ يَجُوزُ بَيْعُهُمْ وَشِرَاؤُهُمْ بِالْغَبْنِ الْفَاحِشِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ، لِأَنَّهُمْ يَتَصَرَّفُونَ بِحُكْمِ الْمَالِكِيَّةِ، وَالْإِذْنُ فَلَكِ الْحَجَرِ، بِخِلَافِ الْوَصِيِّ، لِأَنَّهُ يَتَصَرَّفُ بِحُكْمِ النِّيَابَةِ الشَّرْعِيَّةِ نَظَرًا فَيَتَقَيَّدُ بِمَوْضِعِ النَّظَرِ، وَعِنْدَهُمَا لَا يُمْكِنُ كَوْنُهُ، لِأَنَّ التَّصَرُّفَ بِالْفَاحِشِ مِنْهُ تَبَرُّعٌ وَلَا ضَرُورَةٌ فِيهِ وَهُمْ لَيْسُوا مِنْ أَهْلِهِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ وصی کی بیع و شراء اسی مقدار خسارہ کے ساتھ جائز ہے جس کے مثل میں لوگ خسارہ برداشت کر لیتے ہوں، کیونکہ غبن فاحش میں شفقت نہیں ہے، برخلاف غبن یسیر کے، اس لیے کہ اس سے بچنا ناممکن ہے، لہذا اس کا اعتبار کرنے میں باب وصایت کو بند کرنا لازم آئے گا۔ اور صبی مازون، عبد مازون اور مکاتب کی بیع و شراء امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں غبن فاحش کے ساتھ بھی جائز ہے، کیونکہ یہ لوگ مالکیت کے حکم سے تصرف کرتے ہیں اور اجازت دینا ممانعت کو ختم کرنا ہے۔ برخلاف وصی کے، کیونکہ وصی نیابت شرعیہ کی وجہ سے بر بنائے شفقت تصرف کرتا ہے لہذا یہ تصرف مقام شفقت کے ساتھ مقید ہوگا اور حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے یہاں عبد مازون وغیرہ اس تصرف کے مالک نہیں ہوں گے، کیونکہ غبن فاحش کے ساتھ تصرف ایسا تبرع ہے جس کی ضرورت نہیں ہے اور یہ لوگ تبرع کے اہل نہیں ہیں۔

اللغات:

﴿یتغابن﴾ غبن سمجھتے ہوں۔ ﴿فاحش﴾ کھلا، بہت واضح۔ ﴿یسیر﴾ بہت معمولی۔ ﴿تحوز﴾ بچاؤ، پرہیز۔ ﴿انسداد﴾ بند کرنا۔ ﴿فلک﴾ توڑنا، ختم کرنا۔ ﴿حجر﴾ پابندی۔

وصی کے تصرفات کے انعقاد کی شرط:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ وصی کو بچوں اور چھوٹوں کے لیے خرید و فروخت کرنے اور ان کے اموال میں تصرف کرنے کا کلی حق ہے، لیکن یہ حق اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وصی غبن فاحش کے ساتھ تصرف نہ کرے چنانچہ اگر وصی غبن فاحش کے ساتھ بیع و شراء

کرے گا تو اس کا تصرف نہ تو جائز ہوگا اور نہ ہی نافذ ہوگا۔ ہاں غبن یسر کے ساتھ تصرف ہو تو اسے درست قرار دے دیا جائے گا، کیونکہ تھوڑا بہت خسارہ تو ہر تصرف میں ہوتا ہے اور اس سے بچنا مشکل ہوتا ہے اس لیے معمولی خسارے کو برداشت کر لیں گے، لیکن غبن فاحش تو کسی قیمت پر قابل قبول نہیں ہے، اس لیے کہ وصی کی وصایت شفقت پر مبنی ہے اور غبن فاحش میں کوئی شفقت نہیں ہے۔

والصبي الماذون الخ: فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں صبی ماذون، عبد ماذون اور مکاتب کا تصرف غبن فاحش کے ساتھ بھی درست اور جائز ہے، کیونکہ یہ لوگ مالکانہ حیثیت سے تصرف کرتے ہیں اور جب انھیں تصرف کی اجازت مل گئی تو اب یہ لوگ تصرف میں مالک اور خود مختار ہو گئے، نائب نہیں رہے، لہذا غبن یسر کے ساتھ یہ تصرف کریں تو بھی صحیح ہے اور غبن فاحش کے ساتھ تصرف کریں تو بھی صحیح ہے۔ جب کہ وصی شریعت کی طرف سے نائب بن کر تصرف کرتا ہے اس لیے اس کا تصرف شفقت کے ساتھ مقید ہوگا اور غبن فاحش میں چوں کہ شفقت کا پہلو مفقود اور معدوم ہے اس لیے وصی کے لیے غبن فاحش کے ساتھ تصرف کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

وعندهما لا يملكونه الخ: حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے یہاں مکاتب اور عبد ماذون وغیرہ غبن فاحش کے ساتھ تصرف کرنے کے مالک اور مجاز نہیں ہیں، کیونکہ غبن فاحش کے ساتھ تصرف کرنا ایک طرح کا تبرع ہے اور یہ لوگ تبرع کے اہل نہیں ہیں۔

وَإِذَا كُتِبَ كِتَابُ الشَّرَاءِ عَلَى وَصِيٍّ كُتِبَ كِتَابُ الْوَصِيَّةِ عَلَى حِدَّةٍ وَكِتَابُ الشَّرَاءِ عَلَى حِدَّةٍ، لِأَنَّ ذَلِكَ أَحْوَطُ، وَلَوْ كُتِبَ جُمْلَةً عَسَى أَنْ يَكُتَبَ الشَّاهِدُ شَهَادَتَهُ فِي آخِرِهِ مِنْ غَيْرِ تَفْصِيلٍ فَيَصِيرُ ذَلِكَ حَمْلًا لَهُ عَلَى الْكُذْبِ، ثُمَّ قِيلَ يَكُتَبُ: اشْتَرَى مِنْ فُلَانٍ ابْنِ فُلَانٍ وَلَا يَكُتَبُ مِنْ فُلَانٍ وَصِيٍّ فُلَانٍ لِمَا بَيَّنَّا، وَقِيلَ لَا بَأْسَ بِذَلِكَ، لِأَنَّ الْوَصَايَةَ تَعْلَمُ ظَاهِرًا.

ترجمہ: جب کسی وصی پر بیع نامہ لکھا جائے تو وصیت نامہ علاحدہ لکھا جائے اور بیع نامہ علاحدہ لکھا جائے، اس لیے کہ یہ احوط ہے اور اگر اکٹھا لکھا جائے تو ہو سکتا ہے کہ گواہ اپنی گواہی بالکل اخیر میں بغیر تفصیل کے لکھ دے تو یہ اسے جھوٹ پر محمول کرنا ہو جائے گا۔ پھر کہا گیا یوں لکھا جائے۔ اشترى من فلان ابن فلان اور یوں نہ لکھا جائے من فلان وصي فلان اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور کہا گیا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ وصایت ظاہر معلوم ہوتی ہے۔

اللغات:

﴿احوط﴾ زیادہ محتاط۔ ﴿جملہ﴾ اکٹھا۔ ﴿عسی﴾ ممکن ہے کہ۔

وصیت نامہ اور بیع نامہ کے علیحدہ دستاویزات میں درج کرنے کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ وصی کی خرید و فروخت پر جب ”لکھا پڑھی“ کی نوبت آئے تو بیع نامہ الگ سے لکھا جائے اور وصیت نامہ الگ سے لکھا جائے اور دونوں کو ایک ہی کاغذ اور ایک ہی اسٹامپ پر نہ لکھا جائے، اس لیے کہ یہ احتیاط کے خلاف ہے اور جب دونوں ایک ہی کاغذ پر لکھ دیئے جائیں گے تو بعض دفعہ گواہ کسی تفصیل کے بغیر محض اس پر دستخط کر دیں گے، جس سے یہ دھوکہ ہوگا کہ

مذکورہ گواہ بیع اور وصیت دونوں کے شاہد ہیں جب کہ واقعہ میں وہ صرف بیع کے گواہ ہیں تو یہ کام ان کو کذب پر محمول کرنے والا ہوگا، اس لیے احتیاطاً بیع نامہ اور وصیت نامہ الگ الگ تحریر کرنا چاہئے۔

ثم قيل يكتب الخ: فرماتے ہیں کہ قاضی یا وکیل یا مشتری بیع نامہ وغیرہ لکھے یا لکھوائے تو اس کی تحریر یہ ہو کہ فلاں نے فلاں بن فلاں سے یہ چیز خریدی اور اس طرح نہ لکھا جائے کہ فلاں نے فلاں سے جو فلاں کا وصی ہے یہ چیز خریدی تاکہ تحریر میں بھی وصیت اور بیع کا تذکرہ ایک ساتھ نہ ہو ورنہ کبھی کبھی اس سے بھی بڑا دھوکہ ہو سکتا ہے اور ایک ساتھ لکھنا بھی احتیاط کے خلاف ہے، اس لیے اس سے بچنا چاہئے۔

وقيل الخ: فرماتے ہیں کہ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اگر وصیت نامہ اور بیع نامہ کے کاغذات الگ الگ ہیں تو تحریر میں وصیت کے ذکر سے کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ وصایت مشہور و معروف ہوتی ہے اور ہر کوئی یہی سمجھے گا کہ جو بیع نامہ ہے وہ الگ ہے اور وصایت کا ذکر اس میں تابع ہے۔

قَالَ وَبِيعُ الْوَصِيِّ عَلَى الْكَبِيرِ الْغَائِبِ جَائِزٌ فِي كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا فِي الْعَقَارِ، لِأَنَّ الْآبَ يَلِي مَاسْوَاهُ وَلَا يَلِيهِ فَكَذَا وَصِيَّهُ فِيهِ، وَكَانَ الْقِيَاسُ أَنْ لَا يَمْلِكَ الْوَصِيُّ غَيْرَ الْعَقَارِ أَيْضًا، لِأَنَّهُ لَا يَمْلِكُهُ الْآبُ عَلَى الْكَبِيرِ إِلَّا أَنَّا اسْتَحْسَنَاهُ لِمَا أَنَّهُ حِفْظٌ لِتَسَارُعِ الْفَسَادِ إِلَيْهِ وَحِفْظُ الثَّمَنِ أَيْسَرُ وَهُوَ يَمْلِكُ الْحِفْظَ، أَمَّا الْعَقَارُ فَمُحْصَنٌ بِنَفْسِهِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ کبیر غائب پر زمین کے علاوہ ہر چیز میں وصی کی بیع جائز ہے، کیونکہ زمین کے علاوہ پر باپ کو ولایت حاصل ہے۔ اور زمین پر ولایت نہیں ہے، لہذا عتقار میں اس کے وصی کا بھی یہی حال ہوگا۔ اور قیاس یہ ہے کہ وصی زمین کے علاوہ کا بھی مالک نہ ہو، کیونکہ کبیر پر باپ اس کا مالک نہیں ہے، لیکن استحساناً ہم نے اسے جائز قرار دیا ہے کیونکہ یہ حفاظت کا ذریعہ ہے، اس لیے کہ غیر عتقار کی طرف جلدی فساد آجاتا ہے اور ثمن کی حفاظت زیادہ آسان ہے اور وصی حفاظت ہی کا مالک ہے۔ رہی زمین تو وہ بذات خود محفوظ ہے۔

اللغات:

﴿عتقار﴾ غیر منقولہ جائیداد، زمین۔ ﴿یولی﴾ ولی ہوتا ہے۔ ﴿تسارع﴾ جلد آنا۔ ﴿ایسر﴾ زیادہ آسان ہے۔ ﴿محصن﴾ محفوظ ہے۔

بالغ اور غائب وارث کے مال میں وصی کے تصرف کا حق:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ میت کے وصی کو اس کے بچوں کے اموال میں تصرف کرنے اور خریدنے بیچنے کا حق حاصل ہے، لیکن اگر میت کا کوئی بالغ لڑکا ہو اور وہ کہیں غائب ہو تو وصی اس کے سامان کو بیچ سکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں قیاس اور استحسان کے الگ الگ فیصلے ہیں۔ قیاساً وصی کو کبیر اور بالغ کے مال میں ہاتھ لگانے کا حق نہیں ہے چہ جائے کہ بیچنے کا اختیار ہو۔ لیکن استحساناً وصی کو زمین کے علاوہ دیگر سامان فروخت کرنے کا حق ہے، کیونکہ وصی موصی یعنی کبیر کے باپ کا قائم مقام ہے اور زمین کے علاوہ میں باپ کو کبیر

کے مال پر ولایت حاصل ہے، اس لیے وصی کو بھی زمین کے علاوہ پر ولایت حاصل ہوگی اور وہ کبیر بالغ غائب کے سامان کو فروخت کرنے کا حق دار ہوگا، کیونکہ سامان جلدی سزا اور گل جاتا ہے اور اس کے خراب ہونے کا اندیشہ زیادہ رہتا ہے جب کہ اسے فروخت کر کے اس کے ثمن کو محفوظ رکھنا زیادہ آسان ہے اس لیے کبیر پر وصی کی ولایت کو حفاظت سے تعبیر کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ وصی حفاظت ہی کا مالک ہے۔ اور زمین بذات خود محفوظ ہوتی ہے، اس لیے وصی کو اس کی حفاظت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے اور زمین کے علاوہ کو حفاظت کی ضرورت ہے، لہذا یہ چیزیں وصی کی حمایت اور حفاظت میں داخل ہوں گی۔

قَالَ وَلَا يَتَّجِرُ فِي الْمَالِ، لِأَنَّ الْمُفَوَّضَ إِلَيْهِ الْحِفْظَ دُونَ التِّجَارَةِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ وصی مال میں تجارت نہیں کرے گا، کیونکہ حفاظت اس کے سپرد کی گئی ہے نہ کہ تجارت۔

اللُّغَاتُ:

﴿لَا يَتَّجِرُ﴾ تجارت نہ کرے۔ ﴿الْمُفَوَّضُ﴾ جو سپرد کیا گیا ہے۔

وصی کا اصل کارِ منصبی:

یعنی وصی کا کام وارث کے اموال کی حفاظت ہے، لہذا اسے چاہئے کہ دیانت داری کے ساتھ کام انجام دے اور تجارت وغیرہ کے چکر میں نہ پڑے۔

وَقَالَ أَبُو يُوْسُفَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمُ اللَّهُ وَصِيَّ الْآخِ فِي الصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ الْغَائِبِ بِمَنْزِلَةِ وَصِيَّ الْآبِ فِي الْكَبِيرِ الْغَائِبِ، وَكَذَا وَصِيَّ الْأُمِّ وَالْعَمِّ، وَهَذَا الْجَوَابُ فِي تَرْكِه هَؤُلَاءِ، لِأَنَّ وَصِيَّهُمْ قَائِمٌ مَقَامِهِمْ وَهُمْ يَمْلِكُونَ مَا يَكُونُ مِنْ بَابِ الْحِفْظِ فَكَذَا وَصِيَّهُمْ.

ترجمہ: حضرات صاحبین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ صغیر اور کبیر غائب میں بھائی کا وصی کبیر غائب میں باپ کے وصی کے درجے میں ہے اور ماں اور چچا کے وصی کا بھی یہی حال ہے اور ان لوگوں کے ترکہ کے متعلق بھی یہی حکم ہے، کیونکہ ان کا وصی ان کے قائم مقام ہے اور یہ لوگ ان چیزوں کے مالک ہیں جو بابِ حفاظت سے متعلق ہیں لہذا ان کا وصی بھی ان چیزوں کا مالک ہوگا۔

اللُّغَاتُ:

﴿عَمِّ﴾ چچا۔ ﴿يَمْلِكُونَ﴾ مالک ہوتے ہیں۔

بھائی کے وصی کے اختیارات:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص کے دو بھائی ہیں اور وہی اس کے وارث ہیں جن میں سے ایک صغیر ہے اور دوسرا کبیر اور بالغ ہے اور اس مرحوم بھائی کا ایک وصی ہے تو یہ وصی صغیر اور کبیر غائب کے حق میں باپ کے اس وصی کے درجے میں ہے جو کبیر غائب کا وصی ہو یعنی جس طرح باپ کا وصی کبیر غائب کی زمین کے علاوہ اس کے دیگر اموال میں تصرف کرتا ہے اسی طرح بھائی کا وصی

بھی بھائی کے چھوٹے بھائی اور بڑے بھائی (جو غائب ہو) کی زمین کے علاوہ دیگر اموال میں تصرف کر سکتا ہے۔

اور ماں یا چچا کے وصی کا بھی یہی حال ہے یعنی ان کے وصی کے لیے بھی یہی اختیارات ہیں کہ وہ بھی ان کے وارثوں کی زمین کے علاوہ دیگر سامان میں تصرف کا مجاز ہے، اور ان لوگوں کے ترکہ کا بھی یہی حکم ہے یعنی وصی موسیٰ کے ترکہ میں ہی اس طرح کا تصرف کر سکتا ہے، کیونکہ وصی موسیٰ کے قائم مقام ہوتا ہے اور موسیٰ کو صرف اپنے مال میں اس طرح کے تصرف کا حق ہے، لہذا وصی کو موسیٰ کے ترکہ میں تو یہ اجازت ہوگی، کیونکہ یہ حفظ اموال کے قبیل سے ہے، لیکن وراثت کے ذاتی اموال میں وصی کو اس تصرف کا حق نہیں ہوگا۔

قَالَ وَالْوَصِيُّ أَحَقُّ بِمَالِ الصَّغِيرِ مِنَ الْجَدِّ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَدُّ أَحَقُّ، لِأَنَّ الشَّرْعَ أَقَامَهُ مَقَامَ الْآبِ حَالَ عَدَمِهِ حَتَّى أَحْرَزَ الْمِيرَاثَ فَيَقْدَمُ عَلَى وَصِيهِ، وَلَنَا أَنَّ بِالْإِصْءِ تَنْتَقِلُ وَلَايَةُ الْآبِ إِلَيْهِ فَكَانَتْ وَلَايَتُهُ قَائِمَةً مَعْنَى فَيَقْدَمُ عَلَيْهِ كَالْآبِ نَفْسِهِ، وَهَذَا لِأَنَّ اخْتِيَارَهُ الْوَصِيَّ مَعَ عَلَيْهِ بِقِيَامِ الْجَدِّ يَدُلُّ عَلَى أَنَّ تَصَرُّفَهُ أَنْظَرُ لِنَفْسِهِ مِنْ تَصَرُّفِ أَبِيهِ، فَإِنْ لَمْ يُوصِ الْآبُ فَالْجَدُّ بِمَنْزِلَةِ الْآبِ، لِأَنَّهُ أَقْرَبُ النَّاسِ عَلَيْهِ وَأَشْفَقَهُمْ عَلَيْهِمْ حَتَّى مَلَكَ الْإِنْكَاحَ دُونَ الْوَصِيِّ غَيْرَ أَنَّهُ يُقْدَمُ عَلَيْهِ وَصِيُّ الْآبِ فِي التَّصَرُّفِ لِمَا بَيَّنَّاهُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ وصی دادا کے مقابلے بچے کے مال کا زیادہ حق دار ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دادا زیادہ حق دار ہے، کیونکہ شریعت نے باپ کی عدم موجودگی میں دادا کو اس کے قائم مقام قرار دیا ہے حتیٰ کہ وہ میراث لے لیتا ہے، لہذا دادا کو باپ کے وصی پر مقدم کیا جائے گا، ہماری دلیل یہ ہے کہ وصیت کی وجہ سے باپ کی ولایت وصی کی طرف منتقل ہوگئی ہے، لہذا معنایاً باپ کی ولایت موجود ہے، لہذا وصی باپ پر مقدم کیا جائے گا جیسے خود باپ۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ دادا کے وجود کو جانتے ہوئے باپ کا وصی کو اختیار کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کے بیٹوں کے لیے وصی کا تصرف اس کے باپ کے تصرف سے زیادہ باعث شفقت ہے۔

لیکن اگر باپ نے وصی نہ بنایا ہو تو دادا باپ کے درجے میں ہوگا، کیونکہ دادا بچے کے لیے تمام لوگوں سے زیادہ قریب اور اس پر سب سے زیادہ مہربان ہے حتیٰ کہ وہ نکاح کرنے کا مالک ہے اور وصی نکاح کرنے کا مالک نہیں ہے، باپ کا وصی تصرف میں دادا پر مقدم ہوگا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

اللغات:

﴿أَحَقُّ﴾ زیادہ حقدار۔ ﴿جَدُّ﴾ دادا۔ ﴿أَحْرَزَ﴾ اکٹھا کرتا ہے۔ ﴿إِصْءَاءٌ﴾ وصیت کرنا۔ ﴿أَنْظَرُ﴾ زیادہ شفقت والا۔

وصی اور دادا میں سے بچوں کے مال کا زیادہ حقدار کون ہوگا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر بچوں کا وصی بھی ہو اور دادا بھی موجود ہو تو ہمارے یہاں دادا کے مقابلے میں وصی بچوں کے مال کا زیادہ حق دار ہوگا جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں دادا وصی سے مقدم اور احق ہوگا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ باپ کی عدم موجودگی میں

شریعت نے دادا کو اس کے قائم مقام قرار دیا ہے یہی وجہ ہے کہ دادا باپ کی میراث پاتا ہے لیکن وصی کو میراث سے کچھ نہیں ملتا، لہذا دادا وصی پر مقدم ہوگا۔

اور پھر جب باپ یہ جانتا ہے کہ میرا باپ یعنی بچوں کا دادا موجود ہے اس کے باوجود وہ کسی اور کو وصی بنا رہا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ وصی کو دادا پر ترجیح دینا چاہتا ہے اور دادا کے مقابلے میں وصی کو اپنے بچوں کے حق میں زیادہ شفیق اور مہربان سمجھ رہا ہے، اس لیے اس حوالے سے بھی وصی دادا پر مقدم ہوگا۔

فإن لم الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر باپ نے وصی نہ مقرر کیا ہو تو پھر دادا ہی بچوں کی تربیت کرے گا اور وہی ان کے مال میں تصرف بھی کرے گا، کیونکہ دادا ہی کو ولایت انکاح بھی حاصل ہے لہذا وصی نہ ہونے کی صورت میں ہمارے یہاں ولایت تصرف کا حق بھی دادا ہی کو ہوگا۔ لیکن اگر وصی ہوگا تو تصرف میں وہ دادا سے مقدم ہوگا۔



فصل فی الشَّہَادَۃِ

یہ فصل احکام شہادت کے بیان میں ہے

صاحب کتاب نے اس سے پہلے احکام وصیت کو بیان کیا ہے اور اب یہاں سے احکام شہادت کو بیان کر رہے ہیں، شہادت کو وصیت سے مؤخر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وصیت اصل ہے اور شہادت عارض ہے اور ظاہر ہے کہ عارض اصل سے مؤخر ہوا کرتا ہے۔ اسی لیے احکام شہادت کو احکام وصیت کے بعد بیان کیا جا رہا ہے۔

قَالَ وَإِذَا شَهِدَ الْوَصِيَّانِ أَنَّ الْمَيِّتَ أَوْصَىٰ إِلَىٰ فُلَانٍ مَّعَهُمَا فَالشَّهَادَةُ بَاطِلَةٌ لِأَنَّهُمَا مُتَّهَمَانِ لِإِثْبَاتِهِمَا مُعِينًا لِنَفْسِهِمَا، قَالَ إِلَّا أَنْ يَدَّعِيَهَا الْمَشْهُودُ لَهُ، وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ وَهُوَ فِي الْقِيَاسِ كَالْأَوَّلِ لِمَا بَيَّنَّا مِنَ التَّهْمَةِ، وَجْهُ الْإِسْتِحْسَانِ أَنَّ لِلْقَاضِي وَلايَةَ نَصْبِ الْوَصِيِّ ابْتِدَاءً وَضَمَّ آخَرَ إِلَيْهِمَا بِرِضَائِهِ بِدُونِ شَهَادَتِهِمَا فَتَسْقُطُ بِشَهَادَتِهِمَا مُؤَنَّةُ التَّعْيِينِ عَنْهُ، أَمَّا الْوَصَايَةُ تَنْصِبُ الْقَاضِيَّ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر دو وصیوں نے یہ شہادت دی کہ میت نے ان دونوں کے ساتھ فلاں کو وصی بنایا ہے تو شہادت باطل ہے، کیونکہ یہ دونوں اپنی شہادت میں متہم ہیں، اس لیے کہ یہ دونوں اپنے لیے ایک معین شخص کو ثابت کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں الا یہ کہ مشہود لہ وصایت کا دعویٰ کرے اور یہ استحسان ہے، لیکن قیاس میں یہ اول کے مثل ہے اس تہمت کی وجہ سے جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔ استحسان کی دلیل یہ ہے کہ قاضی کو ابتداءً وصی مقرر کرنے کی ولایت ہے یا دو وصیوں کے ساتھ ان کی شہادت کے بغیر تیسرے کو ملانے کی ولایت حاصل ہے، لہذا ان کی شہادت سے قاضی کے ذمہ سے تعین کی مؤنت ساقط ہو جائے گی ربی وصایت تو وہ قاضی کے مقرر کرنے سے ثابت ہوگی۔

اللَّغَاتُ:

﴿مُتَّهَمَانِ﴾ دونوں پر تہمت لگائی جائے گی۔ ﴿يَدَّعِيَهَا﴾ اس بات کا دعویٰ کرے۔ ﴿ضَمَّ﴾ ساتھ ملانا۔ ﴿مُؤَنَّةٌ﴾ مشتقت۔

دو وصیوں کا کسی تیسرے آدمی کے لیے وصایت کی گواہی دینا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ نعمان نے سلیم اور سلمان کو اپنا وصی بنایا ہے اور ان کی وصایت مشہور ہے اب ان دونوں نے یہ

شہادت دی کہ موصی نے ہمارے ساتھی سعدان کو بھی وصی بنایا ہے تو اگر سعدان بھی یہ دعویٰ کرے کہ ہاں مجھے موصی نے وصی بنایا ہے تب تو شہادت دینے والے دونوں وصیوں کی شہادت مقبول ہوگی، لیکن اگر مشہود لہ یعنی سعدان دعویٰ نہ کرے تو ان کی شہادت مقبول نہیں ہوگی، اس لیے کہ اس صورت میں اپنے لیے ایک معین شخص کا دعویٰ کرنے کی وجہ سے یہ لوگ متہم ہوں گے اور متہم کی شہادت مقبول نہیں ہوتی اور یہ ”تو مدعی ست گواہ پخت“ کے مترادف ہوگا۔

تاہم حضرات فقہاء نے مشہود لہ کے دعویٰ کرنے کی صورت میں ان کی شہادت کو استحساناً معتبر مانا ہے، ورنہ قیاساً اس صورت میں بھی ان کی شہادت مقبول نہیں ہے۔ استحسان کی دلیل یہ ہے کہ قاضی کو ابتداءً بھی وصی مقرر کرنے کی ولایت حاصل ہے اور وصی کے ساتھ وصی ملانے کی بھی ولایت حاصل ہے بشرطیکہ وہ شخص جسے ملایا جا رہا ہے وہ وصایت پر راضی ہو اور اس ضم کے لیے پہلے سے مقرر اور متعین کئے ہوئے وصیوں کی شہادت ضروری نہیں ہے، لہذا جب بدون شہادت قاضی نصب وصی اور ضم وصی مع الوصی کا حق دار ہے تو شہادت کے ساتھ بھی اسے یہ حق ہوگا، البتہ شہادت کی صورت میں قاضی سے تعین کی مشقت ختم ہو جائے گی اور وصی متعین ہو جائے گا، لیکن اس وصی کو جو اختیارات ملیں گے وہ قاضی ہی کی دستخط اور اجازت کے بعد ملیں گے۔ گویا اصلی تقرر قاضی کی طرف سے ہوگا اور تعین گواہی سے ہوگی۔

قَالَ وَكَذَلِكَ الْإِنْسَانُ إِذَا شَهِدَا أَنَّ الْمَيِّتَ أَوْصَى إِلَى رَجُلٍ وَهُوَ يُنْكِرُ، لِأَنَّهُمَا يَجْرَانِ إِلَى أَنْفُسِهِمَا نَفْعًا يَنْصَبُ حَافِظٌ لِلتَّرَكَّةِ، وَلَوْ شَهِدَا يَعْنِي الْوَصِيَّيْنِ لَوَارِثٍ صَغِيرٍ بِشَيْءٍ مِنْ مَالِ الْمَيِّتِ أَوْ غَيْرِهِ فَشَهِدَتْهُمَا بَاطِلَةٌ، لِأَنَّهُمَا يَظْهَرَانِ وَلَايَةَ التَّصَرُّفِ لِأَنْفُسِهِمَا فِي الْمَشْهُودِ بِهِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ ایسے ہی دولڑکے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب دولڑکوں نے یہ گواہی دی کہ میت نے فلاں شخص کو وصی بنایا ہے حالانکہ وہ فلاں منکر ہے، کیونکہ وہ دونوں ترکہ کے لیے نگران مقرر کر کے اپنی طرف نفع کھینچ رہے ہیں۔ اور اگر دو وصیوں نے کسی صغیر وارث کے لیے میت کے مال کے متعلق یا اس کے علاوہ کے بارے میں شہادت دی تو ان کی شہادت باطل ہے، اس لیے کہ یہ دونوں مشہود بہ میں اپنے لیے ولایت تصرف ظاہر کر رہے ہیں۔

اللغات:

﴿شہدا﴾ دونوں نے گواہی دی۔ ﴿ینکر﴾ وہ منکر ہے۔ ﴿یجران﴾ وہ دونوں گھسیٹ رہے ہیں۔ ﴿ینصب﴾ مقرر کرنا۔

بیٹوں کا کسی شخص کے لیے وصایت کا دعویٰ کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر میت کے دولڑکے ہوں اور وہ دونوں یہ شہادت دیں کہ ہمارے والد نے سلیم کو وصی بنایا تھا اور سلیم اس کا منکر ہو تو ان کی شہادت باطل ہوگی اور اس سے وصایت ثابت نہیں ہوگی، کیونکہ یہ دونوں کے والد کے ترکہ کے لیے نگران کے تقرری کی شہادت سے اپنے لیے نفع کھینچ رہے ہیں تاکہ ان کی شہادت سے میت کا ترکہ محفوظ ہو جائے اور ان کا مال ضیاع سے بچ جائے، اس لیے کہ ان کی شہادت باطل ہوگی۔

ولو شهد الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی میت کے دو وصی ہوں اور اس کا ایک چھوٹا بچہ ہو، اب اگر وہ دونوں وصی اس بچے کے لیے ترکہ میں سے کسی مال کی شہادت دیں یا ترکہ کے علاوہ کسی مال کے متعلق یہ شہادت دیں کہ وہ صغیر کا ہے تو ان کی شہادت مقبول نہیں ہوگی، اس لیے کہ اس شہادت میں ان کا نفع ہے اور وہ اس طرح ہے کہ جب وہ مال صغیر کا ثابت ہو جائے گا تو اس پر بھی انھیں ولایت تصرف حاصل ہو جائے گی۔ اس لیے گویا یہ اپنی شہادت میں متہم ہیں اور متہم کی شہادت مقبول نہیں ہوتی لہذا ان کی شہادت بھی مقبول نہیں ہوگی۔

قَالَ وَإِنْ شَهِدَا لِوَارِثٍ كَبِيرٍ فِي مَالِ الْمَيِّتِ لَمْ يَجْزُ، وَإِنْ كَانَ فِي غَيْرِ مَالِ الْمَيِّتِ جَازًا، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، وَقَالَ إِنْ شَهِدَا لِوَارِثٍ كَبِيرٍ تَجُوزُ فِي الْوُجْهَيْنِ، لِأَنَّهُ لَا يَنْبُتُ لَهُمَا وَلَايَةُ التَّصَرُّفِ فِي التَّرَكَّةِ إِذْ كَانَتِ الْوَرَثَةُ كِبَارًا فَعَرِيتْ عَنِ التُّهْمَةِ، وَلَهُ أَنَّهُ يَنْبُتُ لَهُمَا وَلَايَةُ الْحِفْظِ وَلَوْلَايَةُ بَيْعِ الْمَنْقُولِ عِنْدَ غَيْبَةِ الْوَارِثِ فَتَحَقَّقَتِ التُّهْمَةُ، بِخِلَافِ شَهَادَتِهِمَا فِي غَيْرِ التَّرَكَّةِ لِإِنْقِطَاعِ وَلَايَةِ وَصِيِّ الْآبِ عَنْهُ، لِأَنَّ الْمَيِّتَ أَقَامَهُ مَقَامَ نَفْسِهِ فِي تَرْكِتِهِ، لَا فِي غَيْرِهَا.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر دونوں وصیوں نے بالغ وارث کے لیے مال میت میں شہادت دی تو جائز نہیں ہے اور اگر مال میت کے علاوہ میں ہو تو جائز ہے اور یہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں ہے۔ حضرات صاحبین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اگر وارث کبیر کے لیے شہادت دی تو دونوں صورتوں میں جائز ہے، کیونکہ جب ورثاء بالغ ہوں تو وصیوں کے لیے ترکہ میں ولایت تصرف ثابت نہیں ہوگی، لہذا شہادت تہمت سے عاری ہوگئی۔

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ وارث کی عدم موجودگی میں وصیوں کے لیے حفاظت کی ولایت اور منقول کو فروخت کرنے کی ولایت ثابت ہوگی، تو تہمت تحقق ہو جائے گی۔

برخلاف ترکہ کے علاوہ میں ان کی شہادت کے، کیونکہ اس سے باپ کے وصی کی ولایت منقطع ہے، کیونکہ میت نے اپنے ترکہ میں وصی کو اپنا قائم مقام قرار دیا ہے نہ کہ ترکہ کے علاوہ میں۔

اللغات:

﴿عَرِيتُ﴾ خالی ہے، مجرد ہے۔ ﴿غَيْبَةُ﴾ غیر موجودگی۔ ﴿تَحَقَّقَتْ﴾ ثابت ہوگئی۔ ﴿انْقِطَاعُ﴾ ختم ہو جانا، منقطع ہو جانا۔

دو وصیوں کا میت کے کسی بالغ وارث کے حق میں گواہی دینا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر میت کے دونوں وصی بالغ وارث کے حق میں شہادت دیں اور یہ شہادت مال میت یعنی ترکہ کے متعلق ہو تو جائز نہیں ہے، لیکن اگر ترکہ کے علاوہ کسی دوسرے مال کے متعلق ہو تو جائز ہے۔ یہ حکم حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں ہے۔ حضرات صاحبین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اگر شہادت وارث کبیر کے لیے ہو تو مطلقاً جائز ہے خواہ مال میت کے بارے میں ہو یا اس کے علاوہ دوسرے مال کے بارے میں ہو۔

حضرات صاحبین رضی اللہ عنہما کی دلیل یہ ہے کہ جب ورثاء بڑے ہوں اور انھی میں سے کسی کے حق میں شہادت ہو تو ظاہر ہے کہ وصیوں کو اس شہادت سے ولایت تصرف حاصل نہیں ہوگی اور نہ تو وہ اپنی شہادت میں متہم ہوں گے اور نہ ہی نفع کش ہوں گے، اس لیے وارث کبیر کے حق میں یہ شہادت مقبول ہوگی۔

ولہ الخ: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جب گواہی ترکہ کے متعلق ہوگی تو وہ متہم ضرور ہوگی، کیونکہ اگرچہ وارث کی موجودگی میں وصیوں کو ولایت تصرف حاصل نہیں ہوگی، لیکن اس کی عدم موجودگی میں وصیوں کو اس کے حق کی حفاظت کرنے اور سامان وغیرہ کو فروخت کرنے کی ولایت ضرور ملے گی اور تہمت ثابت ہو جائے گی، اس لیے مال میت کے متعلق تو ان کی گواہی مقبول نہیں ہوگی۔ ہاں مال میت کے علاوہ میں ان کی شہادت مقبول ہوگی، کیونکہ ترکہ کے علاوہ میں وصی کو حق ولایت نہیں ہے، اس لیے کہ موصی نے انھیں اپنے ترکہ میں وصی بنایا ہے اور ترکہ کے علاوہ میں وصی نہیں بنایا ہے، لہذا ترکہ کے علاوہ میں انھیں ولایت تصرف بھی نہیں ملے گی اور اپنی شہادت میں وہ متہم بھی نہیں ہوں گے، اس لیے ان کی شہادت مقبول ہوگی۔

قَالَ وَإِذَا شَهِدَ رَجُلَانِ لِرَجُلَيْنِ عَلَى مَيِّتٍ بَدَيْنِ أَلْفٍ دِرْهَمٍ وَشَهِدَ الْآخَرَانِ لِلْأَوَّلَيْنِ بِمِثْلِ ذَلِكَ جَارَتْ شَهَادَتُهُمَا، وَإِنْ كَانَتْ شَهَادَةُ كُلِّ فَرِيقٍ لِلْآخَرَيْنِ بِوَصِيَّةِ أَلْفٍ دِرْهَمٍ لَمْ تَجْزُ، وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمۃ اللہ علیہ وَمُحَمَّدٍ رحمۃ اللہ علیہ، وَقَالَ أَبُو يُونُسَ رحمۃ اللہ علیہ لَا تَقْبَلُ فِي الدِّينِ أَيْضًا، وَأَبُو حَنِيفَةَ رحمۃ اللہ علیہ فِيمَا ذَكَرَ الْخَصَافُ مَعَ أَبِي يُونُسَ رحمۃ اللہ علیہ، وَعَنْ أَبِي يُونُسَ رحمۃ اللہ علیہ مِثْلُ قَوْلِ مُحَمَّدٍ رحمۃ اللہ علیہ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر دو لوگوں نے دو آدمیوں کے لیے میت پر ایک ہزار درہم قرض کی شہادت دی اور دوسرے دو مشہود لہما نے پہلے گواہوں کے لیے اسی جیسی شہادت دی تو ان کی شہادت جائز ہے۔ اور اگر ہر فریق کی شہادت دوسرے کے لیے ایک ہزار درہم کی وصیت کی ہو تو جائز نہیں ہے اور یہ حضرات طرفین رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرض کے متعلق بھی ان کی شہادت مقبول نہیں ہوگی۔ اور امام خصاف کے بیان کے مطابق امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مثل مروی ہے۔

اللَّغَاتُ:

﴿دین﴾ قرضہ۔ ﴿ألف﴾ ایک ہزار۔ ﴿لا تقبل﴾ قبول نہیں کی جائے گی۔

چار آدمیوں کا ایک دوسرے کے لیے میت کے ذمے قرض یا وصیت کی گواہی دینا:

مسئلہ یہ ہے کہ سلیم کا انتقال ہوا اور نعمان اور سلمان نے یہ شہادت دی کہ سعدان اور فیضان کا سلیم پر ایک ہزار درہم قرض ہے اور سعدان و فیضان نے بھی یہ شہادت دی کہ نعمان اور سلمان کا سلیم پر ایک ہزار درہم قرض ہے تو یہ شہادت جائز ہے، لیکن اگر ہر فریق نے دوسرے کے متعلق یہ شہادت دی کہ میت نے ان کے لیے ایک ہزار درہم کی وصیت کی ہے تو یہ شہادت جائز نہیں ہے اور وصیت میں شہادت کا عدم جواز متفق علیہ ہے، لیکن دین کے متعلق حضرات طرفین رضی اللہ عنہما کے یہاں شہادت جائز ہے لیکن امام ابو یوسف

رضی اللہ عنہ کے یہاں جائز نہیں ہے۔

وَأَبُو حَنِيفَةَ الْخ: فرماتے ہیں کہ امام خصاص نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کو امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی جوڑا ہے اور خود امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ سے مروی دوسری روایت امام محمد رضی اللہ عنہ کے قول کی طرح جواز قبول کی مروی ہے۔

وَجْهُ الْقَبُولِ أَنَّ الدَّيْنَ يَجِبُ فِي الدِّمَةِ وَهِيَ قَابِلَةٌ لِلْحُقُوقِ شَتَّى فَلَا شُرْكَهَ وَلِهَذَا لَوْ تَبَرَّعَ أَجْنَبِيٌّ لِقَضَاءِ دَيْنٍ أَحَدِهِمَا لَيْسَ لِلْآخَرِ حَقٌّ الْمُشَارَكَةِ، وَجْهُ الرَّدِّ أَنَّ الدَّيْنَ بِالْمَوْتِ يَتَعَلَّقُ بِالتَّرَكَةِ إِذِ الدِّمَةُ خَرِبَتْ بِالْمَوْتِ وَلِهَذَا لَوْ اسْتَوْفَى أَحَدُهُمَا حَقَّهُ مِنَ التَّرَكَةِ يُشَارِكُهُ الْآخَرُ فِيهِ فَكَانَتْ الشَّهَادَةُ مُثْبِتَةً حَقَّ الشَّرْكَهَ فَتَحَقَّقَتْ التَّهْمَةُ، بِخِلَافِ حَالِ حَيَاةِ الْمُدْيُونِ، لِأَنَّهُ فِي الدِّمَةِ لِبَقَائِهَا لَا فِي الْمَالِ فَلَا يَتَحَقَّقُ الشَّرْكَهَ.

ترجمہ: شہادت مقبول ہونے کی دلیل یہ ہے کہ دین ذمہ میں واجب ہوتا ہے اور ذمہ مختلف حقوق کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، لہذا شرکت معدوم ہے، اسی لیے اگر ان میں کسی فریق کا دین ادا کرنے میں کوئی اجنبی تبرع کر دے تو دوسرے فریق کو شرکت کا حق نہیں ہوگا۔ اور شہادت رد کرنے کی دلیل یہ ہے کہ موت کی وجہ سے قرض ترکہ سے متعلق ہو جاتا ہے، کیونکہ موت کی وجہ سے ذمہ خراب ہو گیا اسی لیے اگر فریقین میں سے کسی فریق نے ترکہ میں سے اپنا حق وصول کر لیا تو دوسرا فریق اس میں اس کا شریک ہوگا، لہذا شہادت حق شرکت کو ثابت کرنے والی ہوگی تو تہمت متحقق ہو جائے گی۔ برخلاف مدیون کی زندگی کی حالت کے، اس لیے کہ ذمہ باقی رہنے کی وجہ سے دین ذمہ میں ہے نہ کہ مال میں، لہذا شرکت متحقق نہیں ہوگی۔

اللغات:

﴿دین﴾ قرض۔ ﴿شٹی﴾ متفرق، مختلف۔ ﴿تبرع﴾ بلا عوض ادا کی۔ ﴿خربت﴾ ہلاک ہو جاتا ہے۔ ﴿استوفی﴾ پورا وصول کر لیا ہے۔ ﴿یشارکہ﴾ اس کا شریک ہوگا۔ ﴿مثبتہ﴾ ثابت کرنے والی۔ ﴿مدیون﴾ مقروض۔

مذکورہ بالا مسائل کے دلائل:

ما قبل میں شہادت کے قبول اور رد کے حوالے سے جو دو قول بیان کئے گئے ہیں یہاں سے ان دونوں قولوں کی دلیل بیان کی گئی ہے چنانچہ مقبولیت شہادت کی دلیل یہ ہے کہ دین ماوجب فی الذمہ کا نام ہے اور ذمہ مختلف حقوق کو قبول کر سکتا ہے یعنی ایک ذمہ سے کئی لوگوں کے حقوق متعلق ہو سکتے ہیں انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی لہذا جب دونوں فریق نے الگ الگ ایک دوسرے کے لیے شہادت دی تو یہ شہادت مشہودہ کے لیے ہوئی اور شاہدوں کے لیے نہیں ہوئی اور جب شہادت شاہدوں کے لیے نہیں ہوئی تو ظاہر ہے کہ شاہد شہادت میں متہم بھی نہیں ہوئے، اس لیے ان کی شہادت مقبول ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر میت کی طرف سے کسی شخص نے تبرعاً ایک فریق کا قرض ادا کر دیا تو اس میں دوسرا فریق شامل اور شریک نہیں ہوگا، کیونکہ ہر ایک فریق کی شہادت دوسرے سے الگ اور ممتاز ہے۔

وجه الرد الخ: فرماتے ہیں کہ شہادت مقبول نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جب مدیون کا انتقال ہو گیا تو اب دین ذمہ میں

باقی نہیں رہا، کیونکہ موت سے ذمہ معدوم ہو گیا، بل کہ اس پر واجب شدہ دین اس کے ترکہ سے متعلق ہو گیا اور چوں کہ ترکہ میں دونوں فریق کا اشتراک ہے جو مثبت شرکت ہے اور جب شرکت ثابت ہوگی تو تہمت تحقق ہوگی، اس لیے کہ ہر فریق کو ترکہ سے ہی اس کا دین ملے گا اور اشتراک قبول شہادت سے مانع ہے۔

یہاں شرکت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر دونوں فریق میں سے کسی فریق نے ترکہ سے اپنا دین وصول کر لیا تو دوسرا فریق اس میں شریک ہوگا اور دوسرے فریق کا شریک ہونا ہی شرکت کی دلیل ہے۔ اس کے برخلاف اگر مدیون زندہ ہو تو دین کا تعلق اس کے ذمہ سے ہوتا ہے اور ذمہ میں شرکت تحقق نہیں ہوتی، اس لیے اس صورت میں شہادت مقبول ہے اور مقروض کی موت والی صورت میں شہادت مردود ہے۔

قَالَ وَلَوْ شَهِدَا أَنَّهُ أُوصِيَ لِهَذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ بِجَارِيَتِهِ وَشَهِدَ الْمَشْهُودُ لَهُ لَهُمَا أَنَّ الْمَيِّتَ أُوصِيَ لِلشَّاهِدَيْنِ بَعْدَهُ جَارِيَتِ الشَّهَادَةِ بِالِاتِّفَاقِ، لِأَنَّهُ لَا شُرَكَةَ فَلَا تَهْمَةٌ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر دو لوگوں نے یہ شہادت دی کہ میت نے ان دونوں کے لیے اپنی باندی کی وصیت کی ہے اور مشہود لہما نے شہادت دی کہ میت نے گواہوں کے لیے اپنے غلام کی وصیت کی ہے تو بالاتفاق شہادت جائز ہے، کیونکہ شرکت نہیں ہے اس لیے تہمت بھی معدوم ہے۔

اللغات:

﴿جاریہ﴾ باندی۔ ﴿اوصی﴾ وصیت کی ہے۔ ﴿شہادۃ﴾ گواہی۔

مذکورہ بالا مسائل کے دلائل:

مسئلہ یہ ہے کہ دو فریق ہیں ایک نے دوسرے کے لیے شہادت دی کہ میت نے اپنی باندی ان کے لیے وصیت کی ہے اور دوسرے نے پہلے کے حق میں گواہی دی کہ میت نے اپنا غلام ان کے لیے وصیت کیا ہے تو یہاں شہادت جائز ہے اگرچہ وصیت سے متعلق ہے اور اس میں کسی کا اختلاف بھی نہیں ہے، کیونکہ یہاں مشہود بہ الگ الگ ہے اس لیے شرکت معدوم ہے اور جب شرکت معدوم ہے تو تہمت بھی معدوم ہے اور شہادت کی قبولیت کا راستہ بالکل کلیئر اور صاف ہے۔

وَلَوْ شَهِدَا أَنَّهُ أُوصِيَ لِهَذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ بِثُلْثِ مَالِهِ وَشَهِدَ الْمَشْهُودُ لَهُمَا أَنَّهُ أُوصِيَ لِلشَّاهِدَيْنِ بِثُلْثِ مَالِهِ فَالشَّهَادَةُ بَاطِلَةٌ، وَكَذَا إِذَا شَهِدَ الْأَوَّلَانِ أَنَّ الْمَيِّتَ أُوصِيَ لِهَذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ بِالْعَبْدِ، وَشَهِدَ الْمَشْهُودُ لَهُمَا أَنَّهُ أُوصِيَ لِلأَوَّلَيْنِ بِثُلْثِ مَالِهِ فَهِيَ بَاطِلَةٌ، لِأَنَّ الشَّهَادَةَ فِي هَذِهِ الصُّورَةِ مُبْتَنًى لِلشَّرِكَةِ.

ترجمہ: اور اگر دو گواہوں نے شہادت دی کہ میت نے ان دونوں کے لیے ثلث مال کی وصیت کی ہے اور مشہود لہما نے یہ شہادت دی کہ میت نے شاہدین کے لیے اپنے تہائی مال کی وصیت کی ہے تو شہادت باطل ہے۔ اور ایسے ہی جب پہلے والے دونوں گواہوں

نے یہ شہادت دی کہ میت نے ان دونوں مردوں کے لیے غلام کی وصیت کی ہے اور مشہود لہما نے شہادت دی کہ میت نے پہلوں کے لیے اپنے تہائی مال کی وصیت کی ہے تو بھی شہادت باطل ہے، کیونکہ اس صورت میں شہادت شرکت کو ثابت کر رہی ہے۔

اللغات:

﴿ثَلَاث﴾ ایک تہائی، تیسرا حصہ۔ ﴿الْمَشْهُود لَه﴾ جس کے فائدے میں گواہی دی گئی ہے۔ ﴿مُتَّبِعَةً﴾ ثابت کرنے

والی ہے۔

مذکورہ بالا مسائل کے دلائل:

اس سے پہلے یہ بات آچکی ہے کہ شہادت اگر مثبت شرکت ہوگی تو باطل ہوگی اسی سے متعلق یہاں دو مسئلوں کا بیان ہے: دو لوگوں پر مشتمل ایک فریق نے یہ شہادت دی کہ میت نے فلاں فلاں کے لیے اپنے تہائی مال کی وصیت کی ہے اور فلاں فلاں (جو مشہود لہما ہیں) نے شہادت دی کہ میت نے گواہ دینے والے فریق کے لیے اپنے تہائی مال کی وصیت کی ہے تو یہ شہادت باطل ہے اور کسی بھی فریق کو کچھ نہیں ملے گا، کیونکہ مشہود بہ ایک ہے اور شہادت میں شرکت متحقق ہے اور شرکت والی شہادت کا بطلان ظاہر و باہر ہے۔

فریق اول نے شہادت دی کہ میت نے فریق ثانی کے لیے اپنے غلام کی وصیت کی ہے اور دوسرے فریق نے شہادت دی کہ میت نے فریق اول کے لیے اپنے تہائی مال کی شہادت دی ہے تو یہ شہادت بھی باطل ہے، کیونکہ مشہود بہ اگرچہ لفظ مختلف ہے، لیکن معنا ایک ہے، اس لیے کہ غلام بھی مال ہے اور ثلث میں داخل ہے، لہذا اس شہادت میں بھی شرکت متحقق ہے، اس لیے باطل ہے۔



کِتَابُ الْخُنْثَى

یہ کتاب احکام خنثی کے بیان میں ہے

انسانوں میں یا تو مرد ہوتے ہیں یا عورتیں ہوتی ہیں اور عموماً ایک انسان میں ایک ہی آلہ ہوتا ہے خواہ مرد کا ہو یا عورت کا اور ایک ہی انسان میں دونوں آلوں کا اجتماع بمشکل ہوتا ہے اور نادر ہوتا ہے اسی لیے صاحب ہدایہ نے خنثی کے احکام و مسائل کو سب سے اخیر میں بیان کیا ہے۔

فَصْلٌ فِي بَيَانِهِ

یہ فصل خنثی کے بیان میں ہے

قَالَ وَإِذَا كَانَ لِلْمَوْلُودِ فَرجٌ وَذَكَرٌ فَهُوَ خُنْثَى، فَإِنْ كَانَ يَبُولُ مِنَ الذَّكَرِ فَهُوَ غُلَامٌ وَإِنْ كَانَ يَبُولُ مِنَ الْفَرْجِ فَهُوَ اُنْثَى، لِأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَمِلَ عَنْهُ كَيْفَ يُوْرَثُ فَقَالَ مِنْ حَيْثُ يَبُولُ، وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مِثْلَهُ، وَلِأَنَّ الْبُولَ مِنْ أَيْ عَضْوٍ كَانَ فَهُوَ دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّهُ هُوَ الْعَضْوُ الْأَصْلِيُّ الصَّحِيحُ، وَالْآخَرُ بِمَنْزِلَةِ الْعَيْبِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر بچہ کے فرج اور ذکر دونوں ہوں تو وہ خنثی ہے چنانچہ اگر وہ ذکر سے پیشاب کرے تو وہ لڑکا ہے اور اگر

فرج سے پیشاب کرے تو وہ عورت ہے اس لیے کہ حضرت نبی کریم ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا کہ اسے میراث کس طرح دی جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جہاں سے وہ پیشاب کرتا ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی جیسا منقول ہے اور اس لیے کہ جس عضو سے پیشاب ہوگا وہ اس کی دلیل ہے کہ وہ اصل عضو ہے اور صحیح ہے اور دوسرا عیب کے درجے میں ہے۔

اللغات:

﴿مولود﴾ پیدا ہونے والا، بچہ۔ ﴿فرج﴾ پھن، کشادگی، نسوانی شرم گاہ۔ ﴿ذکر﴾ علامت تذکیر۔ ﴿خنثی﴾ خنث، تیسری جنس۔ ﴿بیول﴾ پیشاب کرتا ہے۔ ﴿یورث﴾ میراث دی جائے گی۔

تخریج:

۱ اخرجہ البیہقی فی کتاب الفرائض باب میراث الخنثی، حدیث رقم: ۱۲۵۱۸.

خنثی کی تعریف اور پہچان:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نو مولود بچے کے ذکر بھی ہو اور فرج بھی ہو تو اسے خنثی کہیں گے اور اس کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ ذکر سے پیشاب کرتا ہو تو لڑکا کہلائے گا اور اگر فرج سے پیشاب کرتا ہو تو وہ لڑکی اور مونث کی صف میں ہوگا۔ اس کی دلیل حضرت نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ جب آپ ﷺ سے ایسے خنثی کے متعلق دریافت کیا گیا کہ ہم اسے لڑکا سمجھ کر مردوں والی میراث دیں یا لڑکی خیال کر کے عورتوں والی میراث دیں اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بھائی اس کے پیشاب کرنے کو حکم بناؤ، یعنی اگر وہ ذکر سے پیشاب کرتا ہو تو اسے مرد سمجھو اور اگر فرج سے پیشاب کرتا ہو تو عورت خیال کرو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کا فیصلہ مروی ہے۔ جو مصنف عبدالرزاق میں مذکور ہے۔

اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ وہ جس عضو سے پیشاب کرے گا وہی اس کا اصلی اور حقیقی عضو ہوگا اور دوسرا عضو عیب مانا جائے گا، اس لیے بھی اس کے مذکر یا مونث ہونے میں اس کے مقام بول کا خاص دخل اور اثر ہوگا۔

وَإِنْ بَالَ مِنْهُمَا فَالْحُكْمُ لِلْأَسْبَقِ، لِأَنَّ ذَلِكَ دَلَالَةٌ أُخْرَى عَلَى أَنَّهُ هُوَ الْعُضْوُ الْأَصْلِيُّ.

ترجمہ: اور اگر وہ دونوں سے پیشاب کرے تو اسبق کے لیے حکم ہوگا، کیونکہ یہ اس بات کی دوسری دلالت ہے کہ یہی اصلی عضو ہے۔

اللغات:

﴿بال﴾ پیشاب کیا۔ ﴿أسبق﴾ پہلا آگے ہونے والا، بڑھنے والا۔

دونوں شرمگاہوں سے بول کرنے والے کی پہچان کا ذریعہ:

فرماتے ہیں کہ اگر خنثی ذکر اور فرج دونوں سے پیشاب کرے تو یہ دیکھا جائے گا کہ کس عضو سے پہلے پیشاب نکلتا ہے جہاں سے پہلے پیشاب نکلے گا اسی کے مطابق اس پر مذکر یا مونث کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اور یہ سمجھا جائے گا جس عضو سے پہلے پیشاب

نکلتا ہے وہ عضو اصلی ہے اور جہاں سے بعد میں نکل رہا ہے وہ بیماری کی وجہ سے نکل رہا ہے۔

وَإِنْ كَانَا فِي السَّبْقِ عَلَى السَّوَاءِ فَلَا مُعْتَبَرَ بِالْكَفَرَةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رحمہ اللہ علیہ، وَقَالَ لَا يُنْسَبُ إِلَى أَكْثَرِهِمَا بَوْلًا، لِأَنَّهُ عَلَامَةُ قُوَّةِ ذَلِكَ الْعُضْوِ وَكَوْنِهِ عُضْوًا أَصْلِيًّا، وَلِأَنَّهُ لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ فِي أَصُولِ الشَّرْعِ فَيَتَرَجَّحُ بِالْكَفَرَةِ. وَلَهُ أَنَّ كَثْرَةَ الْخُرُوجِ لَيْسَ تَدُلُّ عَلَى الْقُوَّةِ، لِأَنَّهُ قَدْ يَكُونُ لِلِاتِّسَاعِ فِي أَحَدِهِمَا وَضِيقِي فِي الْآخَرِ، وَإِنْ كَانَ يَخْرُجُ مِنْهُمَا عَلَى السَّوَاءِ فَهُوَ مُشْكِلٌ بِالِاتِّفَاقِ، لِأَنَّهُ لَا مُرْجَحَ.

ترجمہ: اور اگر سبقت میں دونوں عضو برابر ہوں تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے یہاں کثرت کا اعتبار نہیں ہے۔ حضرات صاحبین رحمہم اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ ان میں سے زیادہ پیشاب والے عضو کی طرف مولود منسوب کیا جائے گا اس لیے کہ یہ اس عضو کے قوی اور اصلی ہونے کی علامت ہے۔ اور اس لیے کہ اصول شرع میں اکثر کو کل کا حکم حاصل ہے، لہذا کثرت کی وجہ سے ترجیح ہوگی۔ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ کثرت خروج قوت کی دلیل نہیں ہے، کیونکہ کبھی ان میں سے ایک عضو میں کشادگی اور دوسرے میں تنگی کی وجہ سے کثرت ہوتی ہے۔ اور اگر دونوں سے برابر پیشاب نکلتا ہو تو وہ بالاتفاق خُشْتِیٰ مشکل ہے، کیونکہ کوئی مرجح نہیں ہے۔

اللَّغَاتُ:

﴿سبق﴾ آگے ہونا، بڑھنا، پہلے ہونا۔ ﴿سواء﴾ برابری۔ ﴿يُنْسَبُ﴾ منسوب کیا جائے گا۔ ﴿يَتَرَجَّحُ﴾ ترجیح یافتہ ہوگا۔ ﴿اتساع﴾ وسعت، گنجائش، پھیلاؤ۔ ﴿ضيق﴾ تنگی۔

دونوں اعضاء کی سبقت میں برابری کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر اسے دونوں عضو سے ایک ساتھ پیشاب آتا ہو اور خروج بول میں کوئی عضو کسی سے سبق اور مقدم نہ ہو تو امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کے یہاں یہ خُشْتِیٰ مشکل ہوگا اور حضرات صاحبین رحمہم اللہ علیہم کے یہاں ابھی ایک مرتبہ اور جانچ ہوگی اور یہ دیکھا جائے گا کہ وہ کس عضو سے زیادہ پیشاب کرتا ہے اگر وہ ذکر سے زیادہ پیشاب کرتا ہو تو اسے مذکر مانا جائے گا اور اگر فرج سے زیادہ پیشاب کرتا ہو تو اسے مونث سمجھا جائے گا یعنی حضرات صاحبین رحمہم اللہ علیہم کے یہاں قلت و کثرت کا اعتبار ہوگا، لیکن امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کے یہاں اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

حضرات صاحبین رحمہم اللہ علیہم کی دلیل یہ ہے کہ جس عضو سے زیادہ پیشاب نکلے گا وہ اس عضو کے قوی اور اصلی ہونے کی دلیل بنے گا اور پھر اصول شریعت میں للأکثر حکم الكل کا فارمولہ بھی جاری ہے، اس لیے اس فارمولے کے حوالے سے بھی اکثر والے عضو کو ترجیح حاصل ہوگی۔

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ کسی عضو سے پیشاب کا کثرت سے نکلتا اس عضو کے قوی ہونے کی دلیل نہیں ہے کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک عضو میں راستہ کشادہ ہوتا ہے اور دوسرے میں تنگ ہوتا ہے، لہذا راستے کی تنگی اور کشادگی کی وجہ سے

پیشاب کم یا زیادہ خارج ہوتا ہے نہ کہ عضو کی قوت اور نقاہت کی وجہ سے، اس لیے یہ چیز قوت اور اصلیت کی دلیل نہیں ہوگی۔

وإن كان ينخرج الخ: فرماتے ہیں کہ اگر دونوں عضو سے برابر پیشاب نکلتا ہو اور کسی سے کم یا کسی عضو سے زیادہ نہ نکلتا

ہو تو یہ امام صاحبؒ اور حضرات صاحبینؒ سب کے یہاں خنثی مشکل ہے، کیونکہ اس کے حق میں کوئی بھی مرجع نہیں ہے۔

قَالَ وَإِذَا بَلَغَ الْخُنْثَى وَخَرَجَتْ لِحْيَتُهُ أَوْ وَصَلَ إِلَى النِّسَاءِ فَهُوَ رَجُلٌ، وَكَذَا إِذَا احْتَلَمَ كَمَا يَحْتَلِمُ الرَّجُلُ أَوْ كَانَ لَهُ تَذْيٌ مُسْتَوٍ، لِأَنَّ هَذِهِ مِنْ عَلَامَاتِ الذُّكْرَانِ، وَلَوْ ظَهَرَ لَهُ تَذْيٌ كَتَذْيِ الْمَرْأَةِ أَوْ نَزَلَ لَهُ لَبَنٌ فِي تَذْيِهِ أَوْ حَاضَ أَوْ حَبِلَ أَوْ امْتَمَنَ الْوُصُولُ إِلَيْهِ مِنَ الْفَرْجِ فَهُوَ امْرَأَةٌ، لِأَنَّ هَذِهِ مِنْ عَلَامَاتِ النِّسَاءِ، وَإِنْ لَمْ يَظْهَرْ إِحْدَى هَذِهِ الْعَلَامَاتِ فَهُوَ خُنْثَى مُشْكِلٌ، وَكَذَا إِذَا تَعَارَضَتْ هَذِهِ الْمَعَالِمُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر خنثی بالغ ہو جائے اور اس کے ڈاڑھی نکل جائے یا عورتوں تک پہنچ جائے، تو وہ مرد ہے، ایسے ہی جب مردوں کی طرح اسے احتلام ہو جائے یا اس کی چھاتی برابر ہو، کیونکہ یہ چیزیں مردوں کی علامات میں سے ہیں۔ اور اگر عورت کے پستان کی طرح اس کے پستان ظاہر ہو گئے یا اس کی پستانوں میں دودھ اتر آیا یا وہ حائضہ ہو گیا یا اسے حمل ٹھہر گیا یا اس کی فرج تک پہنچنا ممکن ہو گیا تو وہ عورت ہے، کیونکہ یہ عورتوں کی علامات میں سے ہے اور اگر ان علامات میں کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو وہ خنثی مشکل ہے اور ایسے ہی جب یہ علامات متعارض ہو جائیں۔

اللَّغَاتُ:

﴿بلغ﴾ بالغ ہو گیا۔ ﴿لحیة﴾ ڈاڑھی۔ ﴿احتلم﴾ بدخوابی، احتلام ہو جائے۔ ﴿تذی﴾ چھاتی، پستان۔ ﴿مستوی﴾ برابر۔ ﴿ذکران﴾ مذکر۔ ﴿لبن﴾ دودھ۔ ﴿حاض﴾ حیض آ گیا۔ ﴿حبل﴾ حاملہ ہو گیا۔ ﴿معالم﴾ واحد معلم؛ علامات، نشانیاں۔

بلوغت کے بعد خنثی کی جنس کی پہچان کا طریقہ:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر خنثی بالغ ہو گیا اور اس کی ڈاڑھی نکل آئی یا وہ عورتوں سے ملنے پر قادر ہو گیا یا مردوں کی طرح اسے احتلام ہو گیا یا اس کی چھاتی برابر ہو یعنی اس میں ابھار نہ ہو تو اسے مرد اور مذکر سمجھا جائے گا، کیونکہ ڈاڑھی نکلتا اور احتلام وغیرہ ہونا سب مردوں کی علامات ہے۔ اس کے برخلاف اگر عورتوں کی چھاتیوں کی طرح خنثی کی چھاتی نکل گئی یا اس کی چھاتیوں میں دودھ اتر آیا یا حیض آ گیا یا حمل ٹھہر گیا یا اس سے فرج میں وطی کرنا ممکن ہو گیا تو ان صورتوں میں سے ایک صورت کے پائے جانے سے بھی وہ خنثی عورت قرار دیا جائے، کیونکہ یہ عورتوں کی علامات ہیں۔

وإن لم يظهر الخ: فرماتے ہیں کہ اگر خنثی میں نہ تو مردوں کی علامات میں سے کوئی علامت ظاہر ہو اور نہ ہی عورتوں کی کوئی علامت ظاہر ہو یا مرد اور عورت دونوں کی ایک ایک علامت ظاہر ہو تو وہ خنثی مشکل ہوگا۔ اور اس کے متعلق مرد یا عورت ہونے کا کوئی حتمی اور یقینی فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

فَصْلٌ فِيْ اَحْكَامِهِ

فِيْ خُنْثَى مُشْكِْلِ كَ اَحْكَامِ كَ بَيَانِ مِيْ هِ

اَلْاَصْلُ فِي الْخُنْثَى الْمُسْكِلِ اَنْ يُوْخَذَ فِيْهِ بِالْاَحْوَطِ وَالْاَوْثَقِ فِيْ اُمُوْر الدِّيْنِ وَاَنْ لَا يَحْكُمَ بِثُبُوْتِ حُكْمٍ وَقَعَ الشَّكُّ فِيْ ثُبُوْتِهِ.

ترجمہ: خُنْثَى مُشْكِلِ كَ متعلق اصل یہ ہے کہ امور دین کے سلسلے میں اس میں احوط اور اوثق پر عمل کیا جائے اور ایسے حکم کے ثبوت کا فیصلہ نہ کیا جائے جس کے ثبوت میں شک ہو۔

اللغات:

﴿احوط﴾ زیادہ احتیاط والا۔ ﴿اوثق﴾ زیادہ معتبر، زیادہ یقینی۔

خُنْثَى مُشْكِلِ كَ احکامات میں اصل ضابطہ:

خُنْثَى مُشْكِلِ كَ متعلق ہدایت دیتے ہوئے صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ خُنْثَى مُشْكِلِ كَ کے سلسلے میں امور دین کے حوالے سے بہت زیادہ احتیاط اور واثق پر عمل کیا جائے اور کسی ایسے حکم کا فیصلہ نہ کیا جائے جس کے ثبوت اور وقوع میں شک ہو۔

قَالَ وَاِذَا وَقَفَ خَلْفَ الْاِمَامِ قَامَ بَيْنَ صَفِّ الرَّجَالِ وَالنِّسَاءِ لِاحْتِمَالِ اَنَّهُ اِمْرَاَةٌ فَلَا يَتَخَلَّلُ الرَّجَالُ كَيْ لَا تَفْسُدَ صَلَاتُهُمْ، وَلَا النِّسَاءُ لِاحْتِمَالِ اَنَّهُ رَجُلٌ فَيَفْسُدُ صَلَاتُهُ فَاِنْ قَامَ فِيْ صَفِّ النِّسَاءِ فَاحْبَبُ اِلَى اَنْ يُعْبَدَ صَلَاتُهُ لِاحْتِمَالِ اَنَّهُ رَجُلٌ، وَاِنْ قَامَ فِيْ صَفِّ الرَّجَالِ فَصَلَاتُهُ تَامَّةٌ وَيُعْبَدُ الَّذِي عَنْ يَمِيْنِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ وَالَّذِي خَلْفَهُ بِحَذَاثَةِ صَلَاتِهِمْ اِحْتِيَاظًا لِاحْتِمَالِ اَنَّهُ اِمْرَاَةٌ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جب خُنْثَى اِمَامِ كَ کے پیچھے کھڑا ہو تو مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہو اس احتمال سے کہ وہ عورت ہو تو مردوں کے درمیان نہ ہوتا کہ ان کی نماز فاسد نہ ہو جائے اور نہ ہی عورتوں کے درمیان کھڑا ہو اس لیے کہ ہو سکتا کہ وہ مرد ہو اور اس کی نماز فاسد ہو جائے۔ پھر اگر وہ عورتوں کی صف میں کھڑا ہو گیا تو میرے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ وہ اپنی نماز لونا لے اس

لیے کہ ہو سکتا ہے وہ مرد ہو۔ اور اگر مردوں کی صف میں کھڑا ہو تو اس کی نماز تام ہے اور جو اس کے دائیں اور بائیں طرف ہو اور جو اس کے مقابل اس کے پیچھے ہو وہ سب احتیاطاً اپنی نماز کا اعادہ کر لیں اس احتمال سے کہ وہ عورت ہو۔

اللُّغَاتُ:

﴿وقف﴾ کھڑا ہو۔ ﴿خلف﴾ پیچھے۔ ﴿لا یتخلل﴾ بیچ میں مت آئے۔ ﴿بعید﴾ دہرا لے۔ ﴿تامۃ﴾ مکمل۔ ﴿یمین﴾ دائیں جانب۔ ﴿یسار﴾ بائیں جانب۔ ﴿حذاء﴾ برابر، ایک سیدھ میں۔

خنثی مشکل کی نماز میں کھڑے ہونے کی جگہ:

مسئلہ یہ ہے کہ خنثی جب جماعت کے ساتھ نماز پڑھے تو اسے چاہئے کہ مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہو اور مردوں یا عورتوں کی صف کے ساتھ کھڑا نہ ہو، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ عورت ہو اور مردوں کی صف میں کھڑا ہو جائے تو اس کے دائیں بائیں اور پیچھے نماز پڑھنے والوں کی نماز فاسد ہو جائے۔ اور عورتوں کی صف میں بھی کھڑا نہ ہو اس لیے کہ اس کے مرد ہونے کا احتمال ہے اور اگر وہ مرد ہو تو عورتوں کی صف میں کھڑا ہونے کی وجہ سے اس کی اپنی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس لیے احوط یہی ہے کہ وہ مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہو۔

فان قام الخ: فرماتے ہیں کہ اگر خنثی مشکل عورتوں کی صف میں کھڑا ہو جائے تو اس کے لیے اپنی نماز کا اعادہ کرنا مستحب ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے وہ مرد ہو اور اس کی نماز فاسد ہو گئی ہو، لہذا احتیاطاً اسے اپنی نماز کا اعادہ کر لینا چاہئے۔ اور اگر وہ مردوں کی صف میں کھڑا ہو جائے تو اس کی دائیں، بائیں اور پیچھے نماز پڑھنے والوں کو احتیاطاً اپنی نماز دوبارہ پڑھ لینی چاہئے، اس لیے کہ ہو سکتا ہے یہ عورت ہو اور ان کی نماز فاسد ہو گئی ہو۔

قَالَ وَ أَحَبُّ إِلَيْنَا أَنْ يُصَلِّيَ بِقَنَاعٍ لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنَّ امْرَأَةً وَيَجْلِسُ فِي صَلَاتِهِ جُلُوسَ الْمَرْأَةِ، لِأَنَّهُ إِنْ كَانَ رَجُلًا فَقَدْ تَرَكَ سُنَّةَ وَهُوَ جَائِزٌ فِي الْجُمْلَةِ، وَإِنْ كَانَ امْرَأَةً فَقَدْ ارْتَكَبَ، مَكْرُوهًا، لِأَنَّ السَّتْرَ عَلَى النِّسَاءِ وَاجِبٌ مَا أُمْكُنَ، وَإِنْ صَلَّى بِغَيْرِ قَنَاعٍ أَمْرُهُ أَنْ يُعِيدَ لِاحْتِمَالِ أَنَّ امْرَأَةً، وَهُوَ عَلَى الْإِسْتِحْبَابِ وَإِنْ لَمْ يُعِدْ أَجْزَأُهُ.

ترجمہ: امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک پسندیدہ بات یہ ہے کہ خنثی اور خنثی کے ساتھ نماز پڑھے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ عورت ہو، اور خنثی اپنی نماز میں عورتوں کی سی بیٹھ بیٹھ، اس لیے کہ اگر وہ مرد ہے تو اس نے ایک سنت چھوڑی ہے اور یہ فی الجملہ جائز ہے۔ اور اگر وہ عورت ہے تو اس نے ایک مکروہ کا ارتکاب کیا ہے، کیونکہ عورتوں پر حتی الامکان پردہ کرنا واجب ہے۔ اور اگر اس نے اور خنثی کے بغیر نماز پڑھی تو میں اسے اعادہ صلاۃ کا حکم دوں گا، اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ عورت ہو اور یہ (اعادہ کا حکم) مستحب ہے اور اگر اس نے اعادہ نہ بھی کیا تو بھی اس کی نماز اس کے لیے کفایت کر جائے گی۔

اللُّغَاتُ:

﴿قناع﴾ اور خنثی، دوپٹہ۔ ﴿مستر﴾ پردہ داری۔ ﴿أجزأہ﴾ اس کو کافی ہو جائے گی۔

خنثی کے لیے نماز پڑھنے کا اولیٰ طریقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر خنثی بالغ نہ ہوا ہو بلکہ مراہق ہو تو اسے چاہئے کہ اوڑھنی یا دوپٹہ اوڑھ کر نماز پڑھے اور نماز میں عورتوں کی ہیئت اور حالت پر بیٹھے اور مردوں کی طرح بیٹھنے سے گریز کرے، کیونکہ اس کے عورت ہونے کا احتمال ہے۔ اس لیے اسے چاہئے کہ عورتوں کی طرح نماز پڑھے۔ اور اگر وہ مرد نکل گیا تو عورتوں کی طرح بیٹھنے کی وجہ سے وہ سنتِ جلوس کا تارک ہوگا، لیکن اگر وہ مردوں کی طرح بیٹھ کر نماز پڑے گا اور بعد میں عورت ظاہر ہوگا تو وہ مکروہ تحریمی کا مرتکب ہوگا اس لیے کہ عورتوں کو حتی الامکان پردہ کرنا ضروری اور لازم ہے اور سنت کا ترک کرنا مکروہ تحریمی کے ارتکاب سے آسان ہے، لہذا فقہی ضابطہ یُختارُ اھون الشرین کے تحت اسے ترکِ سنت کی گنجائش دے دی جائے گی اور مکروہ تحریمی کے ارتکاب سے اسے بچا لیا جائے گا۔

وإن صلی الخ: فرماتے ہیں کہ اگر خنثی مشکل نے اوڑھنی کے بغیر نماز پڑھ لی تو میں استحباً اسے نماز لوٹانے کا حکم دوں گا، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ عورت ہو، لہذا اپنی نماز کو کامل اور مکمل بنانے کے لیے یا تو وہ اوڑھنی کے ساتھ نماز پڑھے یا پھر نماز کا اعادہ کر لے، لیکن اگر اس نے بدون اوڑھنی نماز پڑھ لی اور اعادہ نہیں کیا تو بھی کوئی حرج نہیں ہے اور اس کی نماز درست اور جائز ہے۔

وَتَبَاعُ لَهُ أَمَةٌ تَخْتِنُهُ إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ، لِأَنَّهُ يُبَاحُ لِمَمْلُوكَتِهِ النَّظَرُ إِلَيْهِ رَجُلًا كَانَ أَوْ امْرَأَةً، وَيُكْرَهُ أَنْ يَخْتِنَهُ رَجُلٌ، لِأَنَّهُ عَسَاهُ أَنْ يَ، أَوْ تَخْتِنَهُ امْرَأَةٌ لِأَنَّهُ لَعَلَّهُ رَجُلٌ فَكَانَ الْإِحْتِيَاظُ فِيمَا قُلْنَا، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ ابْتِغَاءً لَهُ الْإِمَامُ أَمَةٌ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ، لِأَنَّهُ أَعَدَّ لِنَوَائِبِ الْمُسْلِمِينَ فَإِذَا خَتَنَتْهُ بَاعَهَا وَرَدَّ ثَمَنَهَا فِي بَيْتِ الْمَالِ لَوْ قُوعِ الْإِسْتِغْنَاءِ عَنْهَا.

ترجمہ: اور خنثی کے پاس اگر مال ہو تو اس کے لیے ایک باندی خریدی جائے جو اس کا ختنہ کرے، اس لیے کہ اس کی مملوکہ کے لیے اس کی طرف دیکھنا جائز ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ اور مرد کے لیے اس کا ختنہ کرنا مکروہ ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ عورت ہو، یا عورت کے لیے اس کا ختنہ کرنا مکروہ ہے، اس لیے کہ ہو سکتا ہے وہ مرد ہو، لہذا احتیاط اسی میں ہے جو ہم نے عرض کیا ہے۔ اور اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو امام اس کے لیے بیت المال کے مال سے ایک باندی خریدے، کیوں کہ بیت المال مسلمانوں کی ضروریات کے لیے بنایا گیا ہے۔ پھر جب باندی خنثی کا ختنہ کر دے تو امام اسے فروخت کر کے اس کا ثمن بیت المال کو واپس کر دے، اس لیے کہ (بعد ختنہ) اس سے استغناء حاصل ہو گیا ہے۔

اللغات:

﴿تباع﴾ خریدی جائے گی۔ ﴿تختنه﴾ اس کے ختنہ کرے گی۔ ﴿عساہ﴾ ممکن ہے کہ وہ۔ ﴿امۃ﴾ باندی۔ ﴿اعد﴾

تیار کیا گیا ہے۔ ﴿نوائب﴾ واحد نائبة؛ ضروریات، مشکلات۔

خنثی کا ختنہ کون کرے؟

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر خنثی مشکل مراہق یا بالغ ہو گیا ہو اور اس کا ختنہ نہ ہوا ہو تو ختنہ کرنے کے لیے اس کے مال سے

ایک باندی خریدی جائے گی اور وہ باندی اس کا ختنہ کرے گی۔ اور نہ تو کوئی مرد اس کا ختنہ کر سکتا ہے اور نہ ہی عورت، اس لیے کہ ہوسکتا ہے خنثی عورت ہو اور مرد ختنہ کرے یا وہ مرد ہو اور عورت ختنہ کرے اور دونوں صورتوں میں ختنہ کا معاملہ مشکل ہے یعنی نہ تو عورت مرد کا ختنہ کر سکتی ہے اور نہ ہی مرد عورت کا، کیونکہ اس میں دوسرے کی شرم گاہ کو دیکھنا لازم آئے گا جو صحیح نہیں ہے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ اس کے ختنہ کے لیے ایک باندی خریدی جائے تاکہ وہی اس کا ختنہ کرے، اور باندی جب اس کی مملوکہ ہوگی تو اس کے لیے ختنہ کرنا اور شرم گاہ کی طرف دیکھنا جائز ہوگا۔

وإن لم یکن له مال الخ: فرماتے ہیں کہ اگر خنثی کے پاس مال نہ ہو تو امام المسلمین بیت المال سے اس کا ختنہ کرنے کے لیے ایک باندی خرید دے، کیونکہ بیت المال مسلمانوں ہی کی ضرورت کے لیے بنایا جاتا ہے اور اس میں مسلمانوں ہی کا مال جمع ہوتا ہے اور جب باندی اس کا ختنہ کر دے اور ضرورت پوری ہو جائے تو امام کو چاہئے کہ اس باندی کو فروخت کر دے اور اس کا ثمن بیت المال میں جے کر دے تاکہ پھر کسی کا کام چل جائے۔

وَبُكْرُهُ لَهُ فِي حَيَاتِهِ لُبْسُ الْحُلِيِّ وَالْحَرِيرِ وَأَنْ يَنْكَشِفَ قَدَامَ الرِّجَالِ أَوْ قَدَامَ النِّسَاءِ وَأَنْ يَخْلُوَ بِهِ غَيْرُ مُحَرَّمٍ مِنْ رَجُلٍ أَوْ امْرَأَةٍ أَوْ يُسَافِرَ مِنْ غَيْرِ مُحَرَّمٍ مِنَ الرِّجَالِ تَوَقُّيًا عَنْ إِحْتِمَالِ الْمُحَرَّمِ، وَإِنْ أَحْرَمَ وَقَدْ رَافَقَ قَالَ أَبُو يُونُسَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَا عِلْمَ لِي فِي لِبَاسِهِ، لِأَنَّهُ إِنْ كَانَ ذَكَرًا يُكْرَهُ لَهُ لُبْسُ الْمَخِيطِ، وَإِنْ كَانَ أُنْثَى يُكْرَهُ لَهُ تَرَكُّهُ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَلْبَسُ الْمَرْأَةُ، لِأَنَّ تَرْكَ لُبْسِ الْمَخِيطِ وَهِيَ امْرَأَةٌ أَفْحَشُ مِنْ لُبْسِهِ وَهُوَ رَجُلٌ وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ لَمْ يَبْلُغْ.

ترجمہ: اور خنثی کے لیے اپنی زندگی میں زیورات اور ریشمی کپڑے پہننا مکروہ ہے اور یہ بھی مکروہ ہے کہ وہ مردوں اور عورتوں کے ساتھ ننگا ہو اور اس کے ساتھ غیر محرم مرد یا عورت خلوت کرے یا غیر محرم مردوں کے ساتھ وہ سفر کرے حرام کے احتمال سے بچتے ہوئے۔ اور اگر خنثی نے احرام باندھا حالانکہ وہ مراہق ہے امام ابو یوسف رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فرماتے ہیں کہ مجھے اس کے لباس کا علم نہیں ہے، اس لیے کہ اگر وہ مرد ہوگا تو اس کے لیے سلا ہو لباس پہننا مکروہ ہوگا اور اگر وہ عورت ہے تو اس کے لیے سلعے ہوئے کپڑے کو نہ پہننا مکروہ ہے۔ امام محمد رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فرماتے ہیں کہ وہ عورت کا لباس پہنے گا کیونکہ اس کے لیے سلعے ہوئے کپڑے پہننے کو ترک کرنا حالانکہ وہ عورت ہو اس کے پہننے سے زیادہ افحش ہے اور اس پر کوئی ضمان نہیں ہوگا، کیونکہ وہ نابالغ ہے۔

اللَّغَاتُ:

﴿لبس﴾ پہننا۔ ﴿حلی﴾ زیورات۔ ﴿حریر﴾ ریشم۔ ﴿ینکشف﴾ بے پردہ ہو۔ ﴿قدام﴾ آگے، سامنے۔ ﴿یخلو﴾ بہ ﴿اس کے ساتھ اکیلا ہو۔ ﴿توقی﴾ بچنا، پرہیز کرنا۔ ﴿رافق﴾ قریب البلوغ ہوا۔

خنثی کے لیے زیب و زینت اور لباس و احرام وغیرہ کے احکام:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ خنثی مشکل کے لیے زیورات پہننا اور ریشمی کپڑے پہننا مکروہ ہے اسی طرح مردوں اور عورتوں کے

سامنے نگاہ ہونا بھی مکروہ ہے اور کسی غیر محرم مرد یا عورت کا اس کے ساتھ خلوت کرنا بھی مکروہ ہے نیز غیر محرم مردوں کے ساتھ سفر کرنا بھی اس کے لیے مکروہ ہے اور یہ مکروہ مکروہ تحریمی ہے، اسی لیے صاحب کتاب نے توقیاً عن المحرم کی تاکیدی عبارت تحریر کر دی ہے۔
وإن أحرم الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر خنثی مشکل نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا اور وہ ابھی بالغ نہ ہوا ہو بل کہ مرابق ہو تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس کے احرام والے لباس کا علم نہیں ہے، اس لیے کہ اگر وہ مذکر ہو تو اس کے لیے بحالت احرام سلعے ہوئے کپڑے پہننا مکروہ ہے اور اگر وہ مونث ہو تو سلعے ہوئے کپڑے نہ پہننا مکروہ ہے اور جب اس کی جنس کا علم نہیں ہے تو اس کے لیے کپڑے کے بارے میں کیا فیصلہ کیا جائے۔

اس کے برخلاف حضرت امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خنثی مشکل احرام کی حالت میں عورتوں والا لباس زیب تن کرے گا اس لیے کہ اگر وہ مرد ہو تو مکروہ کا مرتکب ہوگا، لیکن احرام کی حالت میں مرد کے لیے سلا ہوا کپڑا پہننا اتنا زیادہ برائیں ہے جتنا کہ عورت کے لیے مرد کا احرام اور لباس پہننا برا اور خطرناک اور پردہ پوشی کے خلاف ہے۔ اور اگر خنثی نے عورت کا لباس پہنا اور وہ مرد نکلا تو اس لباس کی وجہ سے اس پر کوئی ضمان نہیں واجب ہوگا، کیونکہ وہ نابالغ ہے اور نابالغ پر ضمان یا تاوان نہیں ہوتا۔

وَمَنْ حَلَفَ بِطَلَاقٍ أَوْ اِعْتَاقٍ اِنْ كَانَ اَوَّلُ وَلَدٍ تَلِدُ مِنْهُ غُلَامًا فَوَلَدَتْ خُنْثَى لَمْ يَقَعْ حَتَّى يَسْتَبِينَ اَمْرُ الْخُنْثَى، لَآَنَّ الْحِنْثَ لَا يَثْبُتُ بِالشَّكِّ.

ترجمہ: جس نے اس شرط پر طلاق یا عتاق کی قسم کھائی کہ اگر تو پہلا بچہ لڑکا جنے پھر اس نے خنثی کو جنم دیا تو طلاق یا عتاق کا وقوع نہیں ہوگا یہاں تک کہ خنثی کا معاملہ واضح ہو جائے، اس لیے کہ شک کی وجہ سے حث ثابت نہیں ہوتا۔

اللغات:

﴿حلف﴾ قسم کھائی۔ ﴿تلدین﴾ جنم کی۔ ﴿یستبین﴾ واضح ہو جائے۔ ﴿حنث﴾ قسم یا تعلیق کا ٹوٹ جانا۔

خنثی مشکل کا ایمان و عود میں اثر:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا اگر تیرا پہلا بچہ لڑکا پیدا ہوا تو تجھے طلاق ہے یا اپنی باندی سے کہا کہ اگر تیرا پہلا بچہ لڑکا ہو تو آزاد ہے، لیکن جس سے کہا اس نے خنثی مشکل کو جنم دیا تو جب تک اس خنثی کے مذکر یا مونث ہونے کا یقینی علم نہ ہو جائے اس وقت تک طلاق یا عتاق کا وقوع نہیں ہوگا، کیونکہ خنثی کے مذکر ہونے میں شک ہے اور شک کی وجہ سے انسان حائث نہیں ہوتا۔

وَلَوْ قَالَ كُلُّ عَبْدٍ لِي حُرٌّ أَوْ قَالَ كُلُّ أَمَةٍ لِي حُرَّةٌ وَلَهُ مَمْلُوكٌ خُنْثَى لَمْ يَعِيقْ حَتَّى يَسْتَبِينَ اَمْرُهَا لِمَا قُلْنَا، وَإِنْ قَالَ الْقَوْلَيْنِ جَمِيعًا عَتَقَ لِلْيَقِيْنِ بِأَحَدِ الْوَصْفَيْنِ، لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمُهْمَلٍ.

ترجمہ: اور اگر کسی نے کہا کہ میرا ہر غلام آزاد ہے یا میری ہر باندی آزاد ہے اور اس کا ایک ہی مملوک ہے جو خنثی ہے تو وہ آزاد نہیں ہوگا یہاں تک کہ اس کا معاملہ واضح ہو جائے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اگر اس نے دونوں باتیں ایک ساتھ کہی

ہوں تو خنثی آزاد ہو جائے گا اس لیے کہ دونوں وصفوں میں سے ایک کا یقین ہے، کیونکہ خنثی مہمل نہیں ہے۔

اللغات:

﴿عبد﴾ غلام۔ ﴿حر﴾ آزاد۔ ﴿أمة﴾ باندی۔ ﴿لم یعتق﴾ وہ آزاد نہیں ہوگا۔ ﴿مہمل﴾ بے معنی، بے حیثیت۔

اجمالی اعتاق میں خنثی کا مسئلہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کہا کہ میرا ہر غلام آزاد ہے یا یوں کہا کہ میری ہر باندی آزاد ہے یعنی غلام اور باندی کی آزادی کو الگ الگ کر کے بیان کیا اور اس کے صرف ایک مملوک ہے وہ بھی خنثی مشکل ہے یعنی اس کا مرد اور عورت ہونا واضح نہیں ہے تو وہ مملوک آزاد نہیں ہوگا، کیونکہ جب وہ خنثی مشکل ہے اور اس کا مرد یا عورت ہونا واضح نہیں ہے تو وہ نہ تو عبد ہے اور نہ ہی امۃ ہے اس لیے وہ آزاد نہیں ہوگا۔ ہاں اگر اس نے دونوں باتیں ایک ساتھ کہی ہوں اور یوں کہا ہو کہ میرا ہر غلام اور باندی آزاد ہے تو اب خنثی غلام آزاد ہو جائے گا، کیونکہ خنثی غلام یا باندی میں سے ایک تو ضرور ہوگا اور ان میں سے خالی نہیں ہوگا اور چوں کہ مالک نے غلام اور باندی دونوں کو آزاد کیا ہے اس لیے خنثی آزاد ہو جائے گا۔

وَأِنْ قَالَ الْخُنْثَىٰ أَنَا رَجُلٌ أَوْ أَنَا امْرَأَةٌ لَمْ يَقْبَلْ قَوْلُهُ إِذَا كَانَ مُشْكِلًا، لِأَنَّهُ دَعَا يُخَالِفُ قَضِيَّةَ الدَّلِيلِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مُشْكِلًا يَنْبَغِي أَنْ يَقْبَلَ قَوْلُهُ لِأَنَّهُ أَعْلَمَ بِحَالِهِ مِنْ غَيْرِهِ.

ترجمہ: اور اگر خنثی کہے کہ میں مرد ہوں یا میں عورت ہوں تو اگر وہ مشکل ہو تو اس کا قول مقبول نہیں ہوگا، کیونکہ یہ دعویٰ تقاضہ دلیل کے خلاف ہے۔ اور اگر وہ مشکل نہ ہو تو اس کے قول کا مقبول ہونا مناسب ہے، اس لیے کہ وہ اپنے حال کو دوسرے سے زیادہ جاننے والا ہے۔

تعیین جنس میں خنثی کے اپنے قول کا اعتبار:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر خنثی کا مشکل ہونا معلوم ہو جائے اور پھر وہ اپنے آپ کو مرد بتلائے یا عورت بتلائے تو اس کا قول مقبول نہیں ہوگا، کیونکہ اس کا دعویٰ دلیل کے خلاف ہے، اس لیے کہ جب اس کا خنثی مشکل ہونا معلوم ہو چکا ہے تو اب اس کا خود کو مرد یا عورت کہنا اس کے مشکل ہونے کی دلیل اور ثبوت کے خلاف ہے لہذا اس کی یہ بات مقبول نہیں ہوگی۔

وَأِنْ لَمْ يَكُنْ الْخُنْثَىٰ: فرماتے ہیں کہ اگر وہ خنثی مشکل نہ ہو اور اس کے مشکل ہونے پر کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو اس کے مرد یا عورت ہونے کا دعویٰ قبول کر لیا جائے گا، کیونکہ اب اس کا دعویٰ کسی دلیل اور ثبوت کے خلاف نہیں ہے اور وہ دوسرے کے مقابلے اپنے حال سے زیادہ واقف اور باخبر ہے۔

وَأِنْ مَاتَ قَبْلَ أَنْ يَسْتَبَيِّنَ امْرَأَةً لَمْ يَغْسِلْهُ رَجُلٌ وَلَا امْرَأَةٌ، لِأَنَّ حَلَّ الْغُسْلِ غَيْرُ ثَابِتٍ بَيْنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ فَيَتَوَقَّعُ لِاحْتِمَالِ الْحُرْمَةِ وَيَتِمُّمُ بِالصَّعِيدِ لِعَدْلِ الْغُسْلِ، وَلَا يَحْضُرُ إِنْ كَانَ مُرَاهِقًا غُسَلَ رَجُلٍ وَلَا امْرَأَةً لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ ذَكَرٌ أَوْ أُنْثَىٰ، وَإِنْ سَجَىٰ قَبْرَهُ فَهُوَ أَحَبُّ، لِأَنَّهُ إِنْ كَانَ أُنْثَىٰ نَقِمٌ وَاجِبًا، وَإِنْ كَانَ ذَكَرًا فَالْتَسَّحِيَّةُ لَا يَضُرُّهُ.

ترجمہ: اور اگر خنثی کا معاملہ واضح ہونے سے پہلے وہ مر جائے تو اسے نہ تو مرد غسل دے گا اور نہ ہی عورت اس لیے کہ مردوں اور عورتوں کے درمیان غسل کی حلت ثابت نہیں ہے، لہذا احتمال حرمت کی وجہ سے اس سے احتراز کیا جائے گا۔ اور غسل متعذر ہونے کی وجہ سے اسے مٹی سے تیمم کرایا جائے گا۔

اور اگر خنثی مراہق ہو تو مرد یا عورت کے غسل میں حاضر نہ ہو، کیونکہ ہو سکتا ہے وہ مرد ہو یا عورت ہو۔ اور اگر اس کی قبر ڈھانپ دی جائے تو زیادہ بہتر ہے، کیونکہ اگر وہ عورت ہوگا تو ہم نے ایک واجب ادا کر دیا اور اگر وہ مرد ہوگا تو ڈھانپنا اس کے لیے مضر نہیں ہے۔

اللغات:

﴿یستبین﴾ واضح ہو جائے۔ ﴿لم یغسلہ﴾ اس کو غسل نہ دے۔ ﴿یتوقی﴾ پرہیز کیا جائے گا۔ ﴿صعید﴾ مٹی۔ ﴿تعذر﴾ ناممکن ہونا۔ ﴿ستجی﴾ ڈھانپ دیا جائے۔ ﴿نقم﴾ ہم قائم کریں گے۔

تفصیل و تدفین کے احکام:

اس عبارت میں دو مسئلے بیان کئے گئے ہیں:

(۱) پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر خنثی مشکل کا انتقال ہو جائے اور اس کا مرد یا عورت ہونا واضح نہ ہو سکے تو اسے نہ تو کوئی مرد غسل دے گا اور نہ ہی کوئی عورت غسل دے گی، کیونکہ مرد کا عورت کو اور عورت کا مرد کو غسل دینا حلال نہیں ہے اور جب وہ مرد اور عورت دونوں ہو سکتا ہے تو ظاہر ہے کہ اسے نہ تو مرد غسل دے سکتا ہے اور نہ ہی عورت۔ تاکہ حرام کے ارتکاب سے بچا جاسکے اور اسے پاک مٹی سے تیمم کرا کے اس کی تجہیز و تکفین کر دی جائے گی۔

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر خنثی مشکل مراہق ہو یا بالغ ہو گیا ہو تو وہ کسی مرد یا عورت کو غسل دیتے وقت وہاں حاضر نہ ہو کیونکہ وہ مرد بھی ہو سکتا ہے اور عورت بھی اور چوں کہ ابھی کوئی جہت واضح نہیں ہو سکی ہے اس لیے اسے کسی کے غسل میں حاضر ہونے کی اجازت نہیں ہے۔

اور اگر خنثی مشکل کی قبر کو عورت کی قبر کی طرح ڈھانپ دیا جائے تو یہ عمدہ اور پسندیدہ ہے، کیونکہ اگر وہ عورت ٹھہرا تو قبر ڈھانپ کر حق واجب ادا کر دیا گیا اور اگر مرد ہو تو بھی ڈھانپنا اس کے لیے نقصان دہ نہیں ہے، اس لیے بارش اور گرمی کی وجہ سے مرد کی قبر کو ڈھانپا جاسکتا ہے اور خنثی کا مشکل ہونا بارش وغیرہ سے زیادہ بڑا عذر ہے اس لیے اس صورت میں ڈھانپنا نفع بخش ہوگا نہ کہ نقصان دہ۔

وَإِذَا مَاتَ فَصَلِّ عَلَى رَجُلٍ وَامْرَأَةٍ وَضَعَ الرَّجُلُ مِمَّا يَلِي الْإِمَامَ وَالْخُنْثَى خَلْفَهُ، وَالْمَرْأَةُ خَلْفَ الْخُنْثَى فَيُؤَخَّرُ عَنِ الرَّجُلِ لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ امْرَأَةٌ وَيُقَدَّمُ عَلَى الْمَرْأَةِ لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ رَجُلٌ.

ترجمہ: اور جب خنثی مشکل مر جائے اور اس پر، ایک دوسرے آدمی پر اور ایک عورت پر (ایک ساتھ) نماز جنازہ پڑھی جائے تو

مرد کو امام سے متصل رکھا جائے، خنثی کو مرد کے پیچھے رکھا جائے اور عورت کو خنثی کے پیچھے رکھا جائے چنانچہ خنثی کو مرد سے پیچھے کیا جائے اس احتمال سے کہ وہ عورت ہو اور عورت سے آگے رکھا جائے اس احتمال سے کہ وہ مرد ہو۔

اللغات:

﴿بیلی﴾ ساتھ ملا ہو۔ ﴿خلف﴾ پیچھے۔ ﴿یؤخر﴾ پیچھے کیا جائے گا۔ ﴿یقدم﴾ آگے بڑھایا جائے گا۔

جنازہ پڑھنے کا طریقہ:

مسئلہ یہ ہے کہ جب خنثی مشکل مر جائے اور اس کے ساتھ ایک مرد اور ایک عورت کا بھی انتقال ہو اور ان سب پر ایک ساتھ نماز جنازہ پڑھنے کی نوبت ہو تو مرد کو امام کے متصل پہلے رکھا جائے گا، اس کے بعد خنثی کو رکھا جائے گا اور خنثی کے پیچھے عورت کو رکھا جائے، لہذا خنثی کو مرد سے مؤخر کیا جائے تاکہ اگر وہ عورت ہو تو مرد سے پیچھے رہے اور عورت سے اسے آگے رکھا جائے تاکہ اگر وہ مرد ہو تو دنیاوی زندگی کی طرح صف میں اس سے آگے رہے اور کسی طرح کا فساد نہ ہونے پائے۔

وَلَوْ دُفِنَ مَعَ رَجُلٍ فِي قَبْرِ وَاحِدٍ مِنْ عَذْرِ جُعِلَ الْخُنْثَى خَلْفَ الرَّجُلِ لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ امْرَأَةٌ وَيُجْعَلُ بَيْنَهُمَا حَاجِزٌ مِنْ صَعِيدٍ، وَإِنْ كَانَ مَعَ امْرَأَةٍ قُدِّمَ الْخُنْثَى لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ رَجُلٌ وَإِنْ كَانَ يُجْعَلُ عَلَى السَّرِيرِ نَعَشُ الْمَرْأَةِ فَهُوَ أَحَبُّ إِلَيَّ لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ عَوْرَةٌ، وَيَكْفَنُ كَمَا تَكْفَنُ الْجَارِيَةُ وَهُوَ أَحَبُّ إِلَيَّ يَكْفَنُ فِي خُمْسَةِ أَتُوبَ، لِأَنَّهُ إِذَا كَانَ أَتُوبَ فَقَدْ أُقِيمَتْ سُنَّةٌ، وَإِنْ كَانَ ذَكَرًا فَقَدْ زَادُوا عَلَى الثَّلَاثِ، وَلَا بَأْسَ بِذَلِكَ.

ترجمہ: اور اگر کسی عذر کی وجہ سے خنثی کو کسی آدمی کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن کیا جائے تو خنثی کو مرد کے پیچھا کر دیا جائے اس لیے کہ ہو سکتا ہے وہ عورت ہو اور ان کے مابین مٹی سے آڑ کر دی جائے۔ اور اگر خنثی عورت کے ساتھ ہو تو خنثی کو مقدم کیا جائے گا، اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ مرد ہو۔ اور اگر (خنثی کی) چار پائی پر عورت کی چادر ڈال دی جائے تو یہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اس احتمال سے کہ وہ عورت ہو۔ اور خنثی کو لڑکی کی طرح کفن دیا جائے اور یہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے، یعنی اسے پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائے، کیونکہ اگر وہ مونث ہو تو ایک سنت ادا کر دی گئی اور اگر وہ مذکر ہو تو تین کپڑوں پر اضافہ کر دیا گیا اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اللغات:

﴿حلف﴾ پیچھے۔ ﴿حاجز﴾ آڑ، رکاوٹ۔ ﴿صعید﴾ مٹی۔ ﴿قدم﴾ آگے کیا جائے گا۔ ﴿سریر﴾ چار پائی۔

﴿نعش المرأة﴾ عورت کے جنازے کی چار پائی کو ڈھانپنے والی چادر۔

اجتماعی قبر میں خنثی کی تدفین:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عذر کی وجہ سے خنثی مشکل کو کسی دوسرے مرد کے ساتھ دفن کرنا پڑے تو اس میں اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ سمت قبلہ میں پہلے مرد کو رکھیں اس کے بعد خنثی کو اور دونوں کے درمیان مٹی سے آڑ کر دی جائے تاکہ دونوں ایک دوسرے

سے ملنے نہ پائیں اور خنثی کو مرد کے پیچھے اس لیے رکھا جائے تاکہ اگر وہ عورت ہو تو مرد پر اس کی تقدیم نہ لازم آئے۔

وإن كان مع امرأة الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مجبوری کی وجہ سے کسی عورت کے ساتھ خنثی کو قبر میں رکھنا پڑے تو خنثی کو عورت سے پہلے رکھا جائے گا، کیونکہ ہو سکتا ہے وہ مرد ہو اور عورت کے پیچھے کرنے میں اس کی تحقیر ہو اس لیے اسے عورت سے مقدم رکھا جائے گا۔ اور اگر خنثی کے جنازے کی چار پائی اور کھٹ پر عورتوں کی چار پائی پر ڈالی جانے والی چادر ڈال دی جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ عورت ہو اور اسے پردہ کے اہتمام کے ساتھ لے جایا جا رہا ہو۔

ویکفن الخ: فرماتے ہیں کہ خنثی مشکل کو عورتوں اور لڑکیوں کی طرح پانچ کپڑوں میں کفن دینا بہتر اور پسندیدہ ہے، اس لیے کہ اگر وہ واقعتاً عورت ہوگا تو پانچ کپڑوں میں اسے کفن دینے سے سنت ادا ہو جائے گی اور اگر وہ مرد ثابت ہو تو اس کے کفن میں دو کپڑوں کا اضافہ کر دیا گیا ہے اور اس اضافہ میں کوئی حرج نہیں ہے اس لیے احتیاط یہی ہے کہ خنثی مشکل کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائے اور اگر اسے تین کپڑوں میں کفن دیا گیا اور پھر وہ عورت نکلا تو ترک سنت کا وبال عائد ہوگا۔

وَلَوْ مَاتَ أَبُوهُ وَخَلَّفَ ابْنًا فَالْمَالُ بَيْنَهُمَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ عَلَيْهِ أَثْلَاثًا، لِلْإِبْنِ سَهْمَانٍ وَلِلْخُنْثَى سَهْمٌ وَهُوَ أَثْنَى عِنْدَهُ فِي الْمِيرَاثِ إِلَّا أَنْ يَتَبَيَّنَ غَيْرُ ذَلِكَ، وَقَالَ لِلْخُنْثَى نِصْفُ مِيرَاثِ ذَكَرٍ وَنِصْفُ مِيرَاثِ أُنْثَى وَهُوَ قَوْلُ الشَّعْبِيِّ رَحِمَهُ عَلَيْهِ، وَاخْتَلَفُوا فِي قِيَاسِ قَوْلِهِ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ عَلَيْهِ الْمَالُ بَيْنَهُمَا عَلَى اثْنَى عَشَرَ سَهْمًا لِلْإِبْنِ سَبْعَةٌ وَلِلْخُنْثَى خُمُسَةٌ، لِأَنَّ الْإِبْنَ يَسْتَحِقُّ كُلَّ الْمِيرَاثِ عِنْدَ الْإِنْفِرَادِ، وَالْخُنْثَى ثَلَاثَةُ الْأَرْبَاعِ فَعِنْدَ الْإِجْتِمَاعِ يُقَسَّمُ بَيْنَهُمَا عَلَى قَدْرِ حَقِّهِمَا هَذَا يَضْرِبُ بِثَلَاثَةٍ وَذَلِكَ يَضْرِبُ بِأَرْبَعَةٍ فَيَكُونُ سَبْعَةٌ.

ترجمہ: اور اگر خنثی مشکل کا باپ مر گیا اور اس نے (خنثی مشکل کے علاوہ) ایک لڑکا چھوڑا تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں ان کے مابین مال تین حصوں پر تقسیم ہوگا بیٹے کے لیے دو حصے ہوں گے اور خنثی کے لیے ایک حصہ ہوگا۔ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں خنثی میراث میں عورت ہے لہذا یہ کہ اس کے علاوہ (مرد ہونا) ظاہر ہو جائے۔

حضرات صاحبین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ خنثی کو مرد کی میراث کا نصف اور عورت کی میراث کا نصف ملے گا اور یہی امام شعی کا قول ہے اور حضرات فقہاء نے امام شعی کے قول کے قیاس میں اختلاف کیا ہے، امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے مابین ۱۲ بارہ حصوں پر مال تقسیم ہوگا بیٹے کو سات اور خنثی کو پانچ حصے ملیں گے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے مابین سات حصوں پر مال تقسیم ہوگا بیٹے کو چار اور خنثی کو تین حصے ملیں گے۔ اس لیے کہ تنہا ہونے کی صورت میں بیٹا پوری میراث کا مستحق ہوتا ہے اور خنثی تین چوتھائی کا مستحق ہوتا ہے لہذا اجتماع کے وقت ان کے حقوق کے بتدریج ان کے درمیان مال تقسیم ہوگا یہ تین کے حساب سے لے لے گا اور وہ (بیٹا) چار کے حساب سے لے گا اور کل سات حصے ہو جائیں گے۔

اللغات:

﴿خلف﴾ پیچھے چھوڑا۔ ﴿اثلاث﴾ تہائی تہائی کر کے۔ ﴿سہم﴾ حصہ۔ ﴿یتبین﴾ واضح ہو جائے۔ ﴿انفراد﴾ اکیلا

ہونے کی صورت میں۔ ۱۰ ارباع ۱۰ واحد ربع؛ چوتھا حصہ، چوتھائی۔

خنثی مشکل کی میراث:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر خنثی مشکل ہو اور اس کا مرد یا عورت ہونا واضح نہ ہو اور اس کے علاوہ اس کا ایک بھائی ہو اور باپ کا انتقال ہو جائے تو امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں اس کا ترکہ تین حصوں پر تقسیم ہوگا اور خنثی کے بھائی کو دو حصے ملیں گے اور خنثی کو ایک حصہ ملے گا، کیونکہ امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں خنثی عورت ہے لہذا ان کے باپ کا ترکہ للذکر مثل حظ الأنثیین کے مطابق ان کے مابین تقسیم ہوگا۔

وقالا للخنثی الخ: حضرات صاحبین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ خنثی کو مرد اور عورت کی میراث کا نصف نصف حصہ ملے گا، فقہاء میں امام شافعیؒ بھی اس کے قائل ہیں اور حضرات صاحبین رحمہم اللہ نے انھی کے قول کی اتباع کرتے ہوئے یہاں اپنا نظریہ واضح کیا ہے لیکن حصص کے طریقہ تخریج میں ان حضرات کا اختلاف ہے چنانچہ امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں میت کا ترکہ ۱۲ حصوں پر تقسیم کیا جائے گا جن میں سے بیٹے کو سات حصے ملیں گے اور خنثی کو پانچ حصے دیئے جائیں گے جب کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں ترکہ سات حصوں پر تقسیم ہوگا جن میں ۴ حصے بیٹے کو ملیں گے اور تین حصے خنثی کو۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ ابن اور خنثی کے حصوں کو ان کے تنہا ہونے کی صورت میں انھیں ملنے والے حصوں پر قیاس کیا جائے گا اور اگر ابن تنہا ہو تو وہ پوری میراث کا مستحق ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر خنثی تنہا ہو تو وہ ترکہ کے تین چوتھائی ۳/۴ کا مستحق ہوتا ہے جیسا کہ للخنثی نصف میراث ذکر و نصف میراث انثی سے اسے بیان کیا گیا ہے، لہذا اجتماع کی صورت میں بھی انھیں اسی حساب سے حصہ دیا جائے گا چنانچہ اگر ترکہ کے چار حصے ہوں تو اس کا نصف دو ہے اور لڑکے کے مقابلے لڑکی کا حصہ دو ہے اور اس کا نصف (۱) ہے تو دو اور ایک مل کر تین ہو گئے، اسی لیے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں میت کا ترکہ سات حصوں پر تقسیم ہوگا جن میں سے ۴ حصے بیٹے کو ملیں گے اور ۳ حصے خنثی کو دیئے جائیں گے۔

وَلِمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ عَلَيْهِ أَنَّ الْخُنْثَىٰ لَوْ كَانَ ذَكَرًا يَكُونُ الْمَالُ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ وَإِنْ كَانَ اُنْثَىٰ يَكُونُ الْمَالُ بَيْنَهُمَا اَثْلَاثًا احْتِجَابًا اِلَىٰ حِسَابِ لَهُ نِصْفٌ وَثُلُثٌ وَاَقْلُ ذَلِكَ سِتَّةٌ فِیْ حَالِ الْمَالِ يَكُونُ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا ثَلَاثَةٌ، وَفِی حَالِ اَثْلَاثًا لِلْخُنْثَىٰ سَهْمَانِ وَلِلْاَبْنِ اَرْبَعَةٌ سَهْمَانٍ لِلْخُنْثَىٰ ثَابِتَانِ بَيِّقَيْنِ وَوَقَعَ الشَّكُّ فِی السَّهْمِ الزَّائِدِ فَيَنْصَفُ فَيَكُونُ لَهُ سَهْمَانٍ وَنِصْفٌ فَاَنْكَسَرَ فَاُضْعَفَ لِيَزُولَ الْكُسْرُ فَصَارَ الْحِسَابُ مِنْ اِثْنِي عَشَرَ لِلْخُنْثَىٰ خُمُسَةٌ وَلِلْاَبْنِ سَبْعَةٌ.

ترجمہ: حضرت امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ اگر خنثی مرد ہوتا تو مال ان کے مابین آدھا آدھا ہوتا اور اگر وہ عورت ہوتا تو مال ان کے درمیان تین حصوں میں تقسیم ہوتا اس لیے ہم کو ایسے عدد کی ضرورت محسوس ہوئی جس کا نصف بھی ہو اور ثلث بھی اور اس میں سب سے چھوٹا عدد ۶ چھ ہے، لہذا ایک حال میں مال ان کے مابین نصف نصف ہوگا اور ان میں سے ہر ایک کو تین تین حصے ملیں گے اور دوسرے حال میں ان کے مابین تین تین حصوں میں تقسیم ہوگا خنثی کو دو حصے اور بیٹے کو چار حصے ملیں گے، لہذا خنثی کے لیے ۶ حصے

یقینی طور پر ثابت ہیں اور شک سہم زائد میں ہوا ہے تو اسے آدھا آدھا کر دیا جائے گا اور خنثی کو دو حصے اور نصف حصہ دیا جائے گا اور اس میں کس واقع ہوگی لہذا مخرج کو بڑھایا جائے گا تا کہ کسر ختم ہو جائے چنانچہ ۱۲ سے حساب ہوگا جس میں خنثی کے لیے پانچ حصے اور بیٹے کے لیے سات حصے ہوں گے۔

امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل:

یہ امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہماری اصل کے مطابق خنثی کو لڑکے کی میراث کا نصف اور لڑکی کی میراث کا بھی نصف ملتا ہے چنانچہ اگر وہ مذکر ہوگا تو اس کے اور اس کے بھائی کے مابین ترکہ نصف نصف کر کے تقسیم ہوگا اور اگر وہ لڑکی ہوگا تو ترکہ کے تین حصوں میں سے اسے ایک حصہ ملے گا، لہذا اس کو صحیح اور کسر سے خالی بنانے کے لیے ہم نے ۶ کے عدد کو منتخب کیا، کیونکہ اس کا نصف بھی ہوتا ہے اور ثلث بھی ہوتا ہے اور چھ کا نصف ۳ ہے اور یہی نصف خنثی کے بھائی کا حصہ ہے جس کا نصف ڈیڑھ ہے $\frac{1}{2}$ اور چھ میں سے لڑکی کا حصہ ایک ثلث یعنی دو ہے جس کا نصف (۱) ایک ہے اور ڈیڑھ اور ایک کا مجموعہ ڈھائی ہے $\frac{1}{2}$ ، لہذا دو حصے تو خنثی کے لیے یقینی طور پر ثابت ہیں اور زائد میں شک ہے کہ وہ اسے دیا جائے یا نہ دیا جائے اس لیے اس ایک حصے کو آدھا آدھا کر دیا گیا اور نصف خنثی کو دیا گیا اور نصف اس کے بھائی کو تو خنثی کا حصہ ڈھائی ہو گیا اور بھائی کا حصہ ساڑھے تین ہو گیا اور دونوں حصوں میں کس واقع ہو رہا ہے لہذا خنثی کے اصل حصے یعنی دو کو مخرج یعنی ۶ میں ضرب دے دیا گیا اور حاصل ضرب ۱۲ ہو گیا جس میں سے پانچ حصے خنثی کو دے دیئے گئے اور سات حصے اس کے بھائی کو اور ہر فریق کو بدون کسر اس کا حصہ مل گیا۔

وَلَا يَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْحَاجَةَ لَهُنَا إِلَى إِبْتِائِ الْمَالِ ابْتِدَاءً، وَالْأَقْلُ وَهُوَ مِيرَاثُ الْأُنْثَى مُتَيَقِّنٌ بِهِ وَفِيمَا زَادَ عَلَيْهِ شَكٌّ فَاقْتَبْنَا الْمُتَيَقِّنَ بِهِ قَصْرًا عَلَيْهِ، لِأَنَّ الْمَالَ لَا يَجِبُ بِالشَّكِّ وَصَارَ كَمَا إِذَا كَانَ الشَّكُّ فِي وَجُوبِ الْمَالِ بِسَبَبٍ آخَرَ فَإِنَّهُ يُؤْخَذُ فِيهِ بِالْمُتَيَقِّنِ بِهِ كَذَا هَذَا.

ترجمہ: حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں ابتداء مال ثابت کرنے کی ضرورت ہے اور اقل مقدار جو عورت کی میراث ہے وہ متیقن ہے اور اس سے زائد میں شک ہے، لہذا اقل پر حصر کرتے ہوئے ہم نے متیقن کو ثابت کر دیا، کیونکہ شک کی وجہ سے مال ثابت نہیں رہتا اور یہ ایسا ہو گیا جیسے کسی دوسرے سبب سے وجوب مال میں شک ہو جائے تو اس صورت میں متیقن پر عمل ہوتا ہے اسی طرح یہاں بھی ہوگا۔

امام صاحب رحمہ اللہ کے قول کی توجیہ اور دلیل:

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں میراث کے حوالے سے خنثی مشکل عورت کے حکم میں ہے، اسی لیے ان کے یہاں خنثی مشکل کو باپ کے ترکہ میں سے ایک حصہ دیا گیا ہے اور اس کے بھائی کو دو حصے دیئے جانے کا فیصلہ کیا ہے اس فیصلے پر امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں ترکہ میں سے خنثی کے لیے ابتداء مال ثابت کرنے کی ضرورت ہے اور اس طرح کے مواقع پر اقل پر عمل کیا جاتا ہے، کیونکہ اقل متیقن ہوتا ہے۔ اور صورت مسئلہ میں اقل یعنی عورت کی میراث متیقن ہے اور اس سے زائد میں شک ہے اور شک

کی وجہ سے مال نہیں واجب ہوتا، لہذا اقل اور متیقن کو ہم نے خنثی کے لیے متعین کر دیا ہے۔ اسی کی مثال ایسی ہے جیسے کسی دوسرے سبب سے مال میں شک ہو جائے مثلاً اگر کوئی کسی کے لیے مال کا اقرار کرے اور یوں کہے کہ لفلان علی دراہم اور دراہم کی تعیین نہ کرے تو اس صورت میں دراہم کے اقل یعنی تین متعین ہوگا اور وہی مقررہ کو دیا جائے گا، اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی خنثی کو میراث کا اقل یعنی ایک حصہ دیا جائے گا۔

إِلَّا أَنْ يَكُونَ نَصِيبُهُ الْأَقْلَ لَوْ قَدَّرْنَاهُ ذِكْرًا فَحِينَئِذٍ يُعْطَى نَصِيبُ الْإِبْنِ فِي تِلْكَ الصُّورَةِ لَكُونَهُ مُتَيَقَّنًا بِهِ وَهُوَ أَنْ يَكُونَ الْوَرِثَةُ زَوْجًا وَأُمًّا وَأُخْتًا لِأَبٍ وَأُمِّ هِيَ خُنْثَى، أَوْ امْرَأَةً وَأُخْوَيْنِ لِأُمٍّ وَأُخْتًا لِأَبٍ وَأُمِّ هِيَ خُنْثَى فَعِنْدَنَا فِي الْأَوَّلِ لِلزَّوْجِ النِّصْفُ وَلِلْأُمِّ الثُّلُثُ وَالْبَاقِي لِلْخُنْثَى، وَفِي الثَّانِيَةِ لِلْمَرْأَةِ الرَّبْعُ وَلِلْأُخْوَيْنِ لِأُمٍّ الثُّلُثُ وَالْبَاقِي لِلْخُنْثَى، لِأَنَّهُ أَقْلُ النَّصِيبَيْنِ فِيهِمَا، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ترجمہ: الا یہ کہ اگر ہم خنثی کو مرد فرض کریں تو اس کا حصہ کم ہو تو اس صورت میں اسے لڑکے والا حصہ دیا جائے گا، کیونکہ وہ متیقن ہے اور وہ صورت یہ ہے کہ ورثاء میں تو ہر ماں اور حقیقی بہن ہو جو خنثی ہو، یا بیوی ہو دو اخیانی بھائی ہوں اور ایک حقیقی بہن ہو جو خنثی ہو لہذا ہمارے یہاں پہلی صورت میں شوہر کو نصف ماں کو ثلث اور باقی خنثی کو ملے گا، اور دوسری صورت میں بیوی کے لیے ربع، دونوں اخیانی بھائیوں کو ثلث اور باقی خنثی کو ملے گا، کیونکہ دونوں صورتوں میں یہی دونوں حصوں میں سے کم ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اللغات:

﴿نصيب﴾ حصہ۔ ﴿اقل﴾ کم تر۔ ﴿قد رناہ﴾ ہم اس کو فرض کریں۔ ﴿متیقن﴾ یقینی۔ ﴿ربع﴾ چوتھا حصہ۔

امام صاحب رحمہ اللہ کے قول کی توجیہ اور دلیل:

مسئلہ یہ ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں خنثی کو عورت فرض کیا گیا ہے اور عورت کی میراث کے اقل اور متیقن ہونے کی وجہ سے اسے عورت کا حصہ دیا گیا ہے، لیکن اگر کہیں خنثی کو عورت سمجھنے سے زیادہ حصہ ملتا ہو اور مرد فرض کرنے سے کم ملتا ہو تو وہاں اسے مرد فرض کیا جائے گا اور اقل دیا جائے گا، مثلاً سملی کا انتقال ہوا اس کے ورثاء میں:

میتہ ۶		
زوج	ام	حقیقی بہن ہے جو خنثی ہے مذکر فرض کیا گیا ہے
۳	۲	۱

تو ترکہ کے کل ۶ حصے کئے جائیں گے جن میں سے شوہر کو نصف یعنی تین سہام ماں کو ثلث یعنی دو سہام اور باقی بچا ایک سہم خنثی مذکر یعنی بھائی فرض کر کے دیا جائے گا، لیکن اگر اسے ہم مؤنث یعنی بہن فرض کر لیں تو یہ اصحاب الفرائض میں داخل ہوگا اور اس کا حصہ بڑھ جائے گا اور اس صورت میں ۶ کا آٹھ سے مول ہوگا اور خرّج اس طرح ہوگی:

میتہ ۶ ۸

زوج ۱م ۲ ۳
اخت حقیقی خنثی بہن ۳ ۲ ۳

دوسری مثال جہاں مذکر فرض کرنے کی وجہ سے خنثی کا حصہ کم ہو رہا ہے اور مؤنث فرض کرنے سے اس کا حصہ بڑھ جا رہا ہے۔
سلیم کا انتقال ہوا اور اس نے:

میتہ ۱۲

زوج ۳ ۲ ۵
دواخیانی بھائی ایک حقیقی بہن خنثی

چھوڑا تو اس صورت میں مسئلہ کی تخریج ۱۲ سے ہوگی جس میں سے ربع یعنی ۳ سهام بیوی کو دیئے جائیں گے ایک ثلث یعنی چار حصے دونوں اخیانی بھائیوں کو ملیں گے، اور باقی خنثی مذکر کو ملے گا لیکن اگر ہم اسے مؤنث فرض کر لیں تو خنثی کو پانچ کی جگہ چھ حصے ملیں گے اور مسئلہ ۱۳ سے مول ہو جائے گا، لیکن خنثی کو اقل سهام دینے کے لیے ہم نے اسے دونوں صورتوں میں مرد فرض کیا ہے اور اسے مؤنث سے کم حصہ دیا ہے تاکہ اقل اور متیقن اسے دیا جاسکے۔



مسائل شتی متفرق مسائل

عام طور پر مصنفین کی یہ عادت ہے کہ وہ کسی کتاب یا باب کے چھوٹے ہوئے مسائل کو مسائل شتی یا مسائل متفرقہ یا مسائل منشورہ کا عنوان اور نام دے کر بیان کرتے ہیں صاحب ہدایہ بھی مصنفین کی روش پر چلتے ہوئے کتاب الوصایا کے قابل ذکر متروکہ مسائل کو اس عنوان کے تحت بیان کریں گے۔

قَالَ وَإِذَا قُرِئَ عَلَى الْآخِرِ كِتَابٌ وَصِيَّتُهُ فَقِيلَ لَهُ نَشْهَدُ عَلَيْكَ بِمَا فِي هَذَا الْكِتَابِ فَأَوْمَى بِرَأْسِهِ أَيْ نَعَمْ أَوْ كَتَبَ فَإِذَا جَاءَ مِنْ ذَلِكَ مَا يُعْرَفُ أَنَّهُ إِقْرَارٌ فَهُوَ جَائِزٌ وَلَا يَجُوزُ ذَلِكَ فِي الَّذِي يُعْتَقَلُ لِسَانُهُ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ يَجُوزُ فِي الْوَجْهَيْنِ، لِأَنَّ الْمُجَوِّزَ إِنَّمَا هُوَ الْعِجْزُ وَقَدْ شَمِلَ الْفُصْلَيْنِ، وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْأَصْلِيِّ وَالْعَارِضِيِّ كَالْوَحْشِيِّ وَالْمَتَوَحِّشِ مِنَ الْأَهْلِيِّ فِي حَقِّ الزَّكَاةِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جب گوئگے پر وصیت نامہ پڑھا گیا اور اس سے کہا گیا کیا ہم تجھ پر اس وصیت نامہ میں موجود چیز پر گواہ ہو جائیں تو اس نے اپنے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں یا اس نے تحریر لکھ دی پھر جب اس کی طرف سے ایسی بات صادر ہو جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ اقرار ہے تو جائز ہے اور اس شخص کے متعلق یہ جائز نہیں ہے جس کی زبان بند ہو گئی ہو۔
امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں جائز ہے، کیونکہ جائز قرار دینے والی چیز عاجزی ہے اور عاجزی دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ اور اصلی اور عارضی کے مابین کوئی فرق نہیں ہے جیسے ذبح کے حق میں پالتو جانوروں میں سے متوحش کا حکم ہے۔

اللغات:

﴿قُرِئَ﴾ پڑھا گیا۔ ﴿آخِرِ﴾ گونگا۔ ﴿أَوْمَى﴾ اشارہ کیا۔

گوئگے کی وصیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص گونگا ہے اور اس نے کسی کے لیے وصیت کی اور وصیت نامہ لکھا یا لکھوایا اور کچھ لوگوں نے اس سے کہا کہ ہم اس وصیت نامے پر گواہ ہو جائیں تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا یا اثبات اور ہاں کے متعلق کوئی تحریر لکھ دی یا اس کی

طرف سے کوئی ایسی بات صادر ہوگئی جس سے اثبات اور اقرار کا علم ہو گیا تو یہ جائز ہے اور اس سے وصیت متحقق ہو جائے گی، لیکن یہ حکم اس گونگے شخص کا ہے جو واقعاً گونگا ہو اور اگر کوئی شخص گونگا نہ ہو لیکن اتفاق سے اس کی زبان بند ہوگئی ہو تو ہمارے یہاں وہ گونگا نہیں شمار ہوگا اور اس کا اشارہ اثبات کی دلیل نہیں ہوگا۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس طرح گونگے کے حق میں اشارہ اور تحریر اثبات کی دلیل ہے، اسی طرح اس شخص کے حق میں بھی اشارہ اثبات اور اقرار ہے جو کسی وجہ سے گفتگو پر قادر نہ ہو، کیونکہ گونگے کے حق میں اس وجہ سے اشارہ اور تحریر کو اثبات اور نعم مانا گیا ہے کہ وہ گفتگو کرنے سے عاجز ہے اور یہ عجز اس شخص کے حق میں بھی متحقق ہے جس کی زبان بند ہوگئی ہو، لہذا جب عجز دونوں کے حق میں متحقق ہے تو دونوں کا اشارہ اثبات اور نعم پر دلیل ہوگا۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے وحشی حیوانات میں ذکاۃ اختیاری سے عجز کی وجہ سے ذکاۃ اضطراری جائز ہے، اب اگر کوئی پالتو جانور وحشی ہو جائے اور اس میں ذکاۃ اختیاری پر قدرت نہ ہو تو عجز کی وجہ سے اس کے حق میں بھی ذکات اضطراری جائز ہے، اسی طرح عجز کی وجہ سے اس شخص کے حق میں بھی اشارہ اور تحریر اثبات اور ok کی دلیل ہوں گے جو گفتگو نہ کر سکتا ہو۔

وَالْفَرْقُ لِأَصْحَابِنَا رَحِمَهُمُ اللَّهُ أَنْ الْإِشَارَةَ إِنَّمَا تُعْتَبَرُ إِذَا صَارَتْ مَعَهُودَةً مَعْلُومَةً وَذَلِكَ فِي الْآخِرِ دُونَ الْمُعْتَقَلِ لِسَانُهُ حَتَّى لَوْ اِمْتَدَّ ذَلِكَ وَصَارَتْ لَهُ إِشَارَاتٌ مَعْلُومَةٌ قَالُوا هُوَ بِمَنْزِلَةِ الْآخِرِ، وَلِأَنَّ التَّفْرِيطَ جَاءَ مِنْ قَبْلِهِ حَيْثُ آخَرُ الْوَصِيَّةِ إِلَى هَذَا الْوَقْتِ، أَمَّا الْآخِرُ فَلَا تَفْرِيطُ مِنْهُ، وَلِأَنَّ الْعَارِضَ عَلَى شَرَفِ الزَّوَالِ دُونَ الْأَصْلِيِّ فَلَا يَتَقَاسَنُ، وَفِي الْأَبْدَةِ عَرَفْنَاهُ بِالنَّصِّ.

ترجمہ: اور ہمارے اصحاب کے لیے وجہ فرق یہ ہے کہ اشارہ اسی وقت معتبر ہوتا ہے جب وہ معہود اور معلوم ہو اور یہ گونگے میں ہے نہ کہ معتقل اللسان میں حتیٰ کہ اگر اعتقال متمد ہو جائے اور اس کے بھی معلوم اشارے ہو جائیں تو مشائخ نے فرمایا کہ وہ اخرس کے درجے میں ہے اور اس لیے کہ تفریط اسی کی طرف سے آئی ہے اس لیے کہ اس نے اس وقت تک وصیت کو مؤخر کر دیا ہے، رہا گونگا تو اس کی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں ہے اور اس لیے کہ عارضی چیز زوال کے کنارے پر ہے نہ کہ اصلی، لہذا ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔ اور وحشی میں ہم نے نص سے اسے جانا ہے۔

اللغات:

﴿معہودہ﴾ معروف، مشہور۔ ﴿معتقل﴾ بندھا ہوا۔ ﴿تفریط﴾ کمی۔ ﴿أبدۃ﴾ وحشی، جنگلی۔

ہمارے ائمہ کی دلیل:

احناف کے یہاں اخرس اور معتقل اللسان میں فرق ہے اور یہ فرق کئی وجہ سے ہے (۱) پہلا فرق تو اس طور پر ہے کہ اسی شخص کے اشارے معتبر ہوتے ہیں جس کے اشارے معہود و متعارف ہوں اور لوگ ان سے کچھ سمجھتے ہوں اور یہ بات طے شدہ ہے کہ اخرس ہی کے اشارے معہود ہوتے ہیں اور معتقل اللسان کے اشارے معہود نہیں ہوتے لہذا اخرس کے اشارے معتبر ہوں گے اور

معتقل اللسان کے اشاروں کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ ہاں اگر معتقل اللسان کا اعتقال دراز ہو جائے اور اس کے اشارے بھی معبود ہو جائیں تو وہ اخرس کے حکم میں ہو جائے گا۔

(۱) دوسرا فرق یہ ہے کہ جب معتقل پہلے گفتگو پر قادر نہ تھا اور اس وقت اس نے وصیت نہیں کی یہاں تک کہ وہ اس مرض کا شکار ہو گیا تو وصیت کرنے میں وہ کوتاہی کرنے والا ہے جب کہ اخرس سے اس سلسلے میں کوئی کوتاہی نہیں ہوئی ہے، بلکہ وہ گفتگو پر کبھی بھی قادر نہیں تھا اس لیے اس حوالے سے بھی دونوں میں فرق ہوگا اور دونوں کا حکم ایک نہیں ہوگا۔

(۳) تیسرا فرق یہ ہے کہ اخرس کا گونگا پن اصلی اور دائمی ہے جب معتقل اللسان کا اعتقال عارضی ہے اور مائل بہ زوال ہے، لہذا اس حوالے سے بھی دونوں کو ایک دوسرے پر قیاس نہیں کیا جائے گا اور دونوں کے احکام ایک دوسرے سے الگ اور جدا جدا ہوں گے۔

وفي الأبدۃ الخ: امام شافعی رحمہ اللہ نے صورت مسئلہ کو ابلی اور متوحش من الابیلی پر قیاس کیا تھا اور یوں فرمایا تھا کہ جس طرح عجز عن الذکاۃ کی وجہ سے متوحش من الابیلی میں ذکاۃ اضطراری جائز ہے اسی طرح عجز عن التحکم کی وجہ سے معتقل کے حق میں بھی اشارہ معتبر ہوگا اور احناف بھی اسی کے قائل ہیں۔ لیکن ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ متوحش من الابیلی میں ذکات اضطراری کا جواز اس کو وحشی پر قیاس کرنے کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ اس سلسلے میں وارد نص کی وجہ سے ہے چنانچہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ان بعیرا من ابل الصدقات ابد فرماہ رجل بسهم وسمی فقتله فقال علیه الصلاة والسلام ان لها اوابد کا اوابد الوحش فاذا فعلت شیاً من ذلك فافعلوا بها ما فعلتم بهذا ثم کلوہ۔ یعنی صدقہ کے اونٹوں میں سے کوئی اونٹ بدک گیا اور اسے ایک شخص نے بسم اللہ پڑھ کر تیر مار کر قتل کر دیا۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وحشی اونٹوں کے بدکنے کی طرح یہ بھی بدک جاتے ہیں لہذا جب اس طرح کا واقعہ پیش آئے تو وہی عمل کرو جیسا کہ تم نے اس اونٹ کے ساتھ کیا ہے اور پھر اسے کھا لو اس نص سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ متوحش من الابیلی میں ذکات اضطراری کا جواز برہائے نص ہے نہ کہ بطریق قیاس۔

قَالَ وَإِذَا كَانَ الْآخِرُسُ يَكْتُبُ كِتَابًا أَوْ يَوْمِيْ إِيْمَاءٌ يُعْرَفُ بِهِ فَإِنَّهُ يَجُوزُ نِكَاحُهُ وَطَلَاقُهُ وَعِتَاقُهُ وَبَيْعُهُ وَشِرَاؤُهُ وَيُقْتَصُّ لَهُ وَمِنْهُ وَلَا يَحْدُ وَلَا يَحْدُ لَهُ أَمَّا الْكِتَابَةُ فَلِأَنَّهَا مِمَّنْ نَأَى بِمَنْزِلَةِ الْخِطَابِ مِمَّنْ دَنَا، أَلَا تَرَى أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَذَى وَاجِبَ التَّلْيِغِ مَرَّةً بِالْعِبَارَةِ وَتَارَةً بِالْكِتَابَةِ إِلَى الْمَغِيبِ، وَالْمُعْجِزُ فِي حَقِّ الْغَائِبِ الْمُعْجِزُ وَهُوَ فِي الْآخِرُسِ أَظْهَرُ وَالْزَّمُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر گونگا تحریر لکھتا ہو یا ایسا اشارہ کرتا ہو جسے پہچان لیا جاتا ہو تو اس کا نکاح، اس کی طلاق، اس کا اعتاق اور اس کی بیع و شراء سب جائز ہے، اس کے لیے قصاص لیا جائے گا اور اس سے قصاص لیا جائے گا نہ تو اسے حد لگائی جائے گی اور نہ ہی اس کے لیے حد لگائی جائے گی۔ رہی کتابت تو وہ دور والے کی طرف سے قریب کی جانب خطاب کے درجے میں ہے۔ کیا دکھتا نہیں کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے فریضہ تبلیغ کو کبھی عبارت کے ذریعے ادا کیا ہے اور کبھی غائب کی طرف بذریعہ تحریر ادا کیا ہے اور غائب کے

حق میں (کتابت کو) جائز قرار دینے والی چیز عاجزی ہے اور یہ عاجزی اخرس کے حق میں زیادہ ظاہر اور زیادہ لازم ہے۔

اللغات:

﴿اخرس﴾ گونگا۔ ﴿یومی﴾ اسارہ کرتا ہے۔ ﴿یقتص﴾ قصاص لیا جائے گا۔ ﴿نای﴾ دور ہو گیا۔ ﴿دنا﴾ قریب تھا۔ ﴿نارۃ﴾ بجھی۔ ﴿مجزو﴾ اجازت دینے والا۔
گوگلے کے اشاروں کا حکم جبکہ وہ لکھنا جانتا ہو:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ گونگا شخص اگر لکھنے پر قادر ہو یا ایسا اسارہ کرتا ہو جو معبود و متعارف ہو تو تحریر اور اسارے کے ذریعے اس کا نکاح بھی صحیح ہوگا، اس کی طلاق بھی معتبر ہوگی، اس کا اعتاق بھی نافذ ہوگا اور اس کی بیع و شراء بھی منعقد ہوگی اسی طرح اگر وہ کسی کے لیے قصاص کا اقرار کرتا ہے تو اس سے قصاص لیا جائے گا اور اگر وہ کسی پر قصاص کا دعویٰ کرے اور بینہ سے قصاص ثابت ہو جائے تو اس کی طرف سے قصاص لیا بھی جائے گا۔ ہاں حد لینے میں یا دوسرے پر حد جاری کرنے میں نہ تو اس کی تحریر معتبر ہوگی اور نہ ہی اس کا اسارہ معتبر ہوگا۔ اس کے علاوہ دیگر چیزوں میں اس کے اسارے اور تحریر کی اہمیت ہوگی، کیونکہ دور والے شخص کی طرف سے تحریر قریب والے شخص کی جانب سے خطاب اور تکلم کے درجے میں ہے اور جو درجہ قریبی شخص کے تکلم کا ہے وہی مقام دور والے کی تحریر اور کتابت کا ہے اس کی سب سے بین دلیل یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے قریب والوں کو اپنی شیریں مقالی اور فصیح گویائی سے فریضہ تبلیغ سے مستفیض فرمایا جب کہ غائب از نظر لوگوں کو بذریعہ تحریر و کتابت آپ نے حق کی راہ دکھائی اور ظاہر ہے کہ غائبین کے حق میں گویائی سے عجز کی بنیاد پر کتابت سے فریضہ تبلیغ پہنچانے کا جواز ثابت ہوا ہے اور یہ عجز اخرس کے حق میں غائب سے بھی زیادہ اظہر اور الزم ہے، اس لیے کہ غائب جہاں ہے وہاں اگر مبلغ پہنچ جائے تو عجز عن التكلم ختم ہو جائے گا، لیکن اخرس کا عجز کبھی بھی نہیں ختم ہوگا۔ لہذا اخرس کی تحریر اور اس کا اسارہ ہر حال میں معتبر ہوگا۔

ثُمَّ الْكِتَابَةُ عَلَى ثَلَاثِ مَرَاتِبٍ: مُسْتَبِينَ مَرْسُومٌ وَهُوَ بِمَنْزِلَةِ النَّطْقِ فِي الْغَائِبِ وَالْحَاضِرِ عَلَى مَا قَالُوا، وَمُسْتَبِينَ غَيْرُ مَرْسُومٍ كَالْكِتَابَةِ عَلَى الْجِدَارِ وَأُورَاقِ الْأَشْجَارِ وَيُنَوَّى فِيهِ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ صَرْيَحِ الْكِنَايَةِ فَلَا بُدَّ مِنَ النَّيَّةِ، وَغَيْرُ مُسْتَبِينَ كَالْكِتَابَةِ عَلَى الْهَوَاءِ وَالْمَاءِ وَهُوَ بِمَنْزِلَةِ كَلَامٍ غَيْرِ مَسْمُوعٍ فَلَا يَثْبُتُ بِهِ الْحُكْمُ.

ترجمہ: پھر تحریر کے تین درجے ہیں (۱) مستبین مرسوم اور یہ غائب و حاضر دونوں کے حق میں گفتگو کے درجے میں ہے جیسا کہ مشائخ نے فرمایا ہے (۲) مستبین غیر مرسوم جیسے دیوار پر اور درختوں کے پتوں پر لکھنا اور اس میں نیت معلوم کی جائے گی، اس لیے کہ یہ صریح کنایہ کے درجے میں ہے لہذا نیت ضروری ہے (۳) غیر مستبین جیسے ہوا اور پانی پر لکھنا اور یہ غیر مسموع کلام کے درجے میں ہے لہذا اس سے حکم نہیں ثابت ہوگا۔

اللغات:

﴿مستبین﴾ واضح۔ ﴿مرسوم﴾ طریقے کے مطابق لکھی ہوئی۔ ﴿نطق﴾ بولنا۔ ﴿جدار﴾ دیوار۔ ﴿اوراق﴾ واحد

ورد: پتے۔

کتابت کی اقسام:

اس سے پہلے جو کتابت کا تذکرہ آیا ہے یہاں سے اسی کی اقسام اور ان کے احکام بیان کئے گئے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ کتابت کی تین قسمیں ہیں (۱) مستبین مرسوم جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی تحریر ہو جسے پڑھا جاسکتا ہو اور اس کا عنوان بھی ہو جیسے یوں لکھا ہو من فلان بن فلان بن فلان بن فلان کو آزاد کرتا ہوں اس کا حکم یہ ہے کہ حاضر اور غائب دونوں کے حق میں تکلم اور گفتگو کے قائم مقام ہے (۲) مستبین غیر مرسوم یعنی ایسی تحریر ہو جسے پڑھا جاسکتا ہو لیکن اس پر مرسل اور مرسل الیہ کا نام اور پتہ درج نہ ہو جیسے کوئی شخص دیوار پر کچھ لکھ دے یا درخت کے پتوں پر لکھ دے، اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں لکھنے والے سے تحریر کے متعلق اس کی نیت دریافت کی جائے گی اور نیت ہی پر فیصلہ ہوگا، کیونکہ یہ صریح کنایہ کے درجے میں ہے لہذا جس طرح کنایہ میں نیت معلوم کی جاتی ہے اسی طرح اس میں بھی نیت معلوم کر کے اسی کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا۔ (۳) تیسری قسم ہے غیر مستبین یعنی ایسی تحریر جو واضح نہ ہو اور پڑھی نہ جاسکتی ہو جیسے ہوا اور فضاء میں لکھنا یا پانی پر لکھنا۔ اس کا حکم یہ ہے کہ یہ کلام غیر مرسوم کے حکم میں ہے اور جس طرح بغیر نسی ہوئی بات سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا اسی طرح اس سے بھی کوئی حکم ثابت نہیں ہوگا۔

وَأَمَّا الْإِشَارَةُ فَجُعِلَتْ حُجَّةً فِي حَقِّ الْآخَرِ فِي حَقِّ هَذِهِ الْأَحْكَامِ لِلْحَاجَةِ إِلَى ذَلِكَ، لِأَنَّهَا مِنْ حُقُوقِ الْعِبَادِ وَلَا تَحْتَصُّ بِلَفْظٍ دُونَ لَفْظٍ وَقَدْ تَنَبَّأُ بِدُونِ اللَّفْظِ، وَالْقِصَاصُ حَقُّ الْعَبْدِ أَيْضًا، وَلَا حَاجَةَ إِلَى الْحُدُودِ لِأَنَّهَا حَقُّ اللَّهِ تَعَالَى وَلِأَنَّهَا تَنْذِرُ بِالشُّبُهَاتِ، وَلَعَلَّهُ كَانَ مُهْذَقًا لِلْقَاضِي فَلَا يُحَدُّ لِلشُّبُهَةِ وَلَا يُحَدُّ أَيْضًا بِالْإِشَارَةِ فِي الْقَذْفِ لِإِنْعَادِ الْقَذْفِ صَرِيحًا وَهُوَ الشَّرْطُ.

ترجمہ: رہا اسارہ تو اسے ان احکام کے اندر اخرس کے حق میں حجت قرار دیا گیا ہے اس لیے کہ اس کی ضرورت ہے، کیونکہ یہ احکام حقوق العباد میں سے ہیں اور یہ ایک لفظ کو چھوڑ کر ایک کے ساتھ مختص نہیں ہیں اور کبھی تو لفظ کے بغیر بھی یہ احکام ثابت ہو جاتے ہیں۔ اور قصاص بھی حق العبد ہے۔ اور حدود کی طرف حاجت نہیں ہے، اس لیے کہ حدود حق اللہ ہیں اور اس لیے کہ حدود شہادت سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ اخرس قاذف کی تصدیق کرنے والا ہو، اس لیے شبہ کی وجہ سے حد نہیں لگائی جائے گی اور قذف میں اسارہ کی وجہ سے بھی حد نہیں لگائی جائے گی، کیونکہ صراحتاً قذف معدوم ہے حالانکہ یہ شرط ہے۔

اللغات:

﴿حجة﴾ دلیل۔ ﴿اخرس﴾ گونگا۔ ﴿تندوی﴾ دور ہو جاتی ہیں۔ ﴿قاذف﴾ تہمت زنا لگانے والا۔

گو نکلنے کا اشارہ کہاں کہاں قبول ہوگا:

مسئلہ یہ ہے کہ اخرس کے اسارہ کو نکاح، طلاق اور بیع و شراء جیسے احکام میں بر بنائے ضرورت حجت اور دلیل مان کر اخرس کے ان عقود کو صحیح اور معتبر قرار دیا گیا ہے، کیونکہ یہ سارے عقود حقوق العباد سے متعلق ہیں اور ضرورت عباد کی خاطر انھیں درست قرار

دینا انتہائی ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ یہ عقود صرف عربی الفاظ کے ساتھ خاص ہو کر منعقد نہیں ہوتے بلکہ عربی، فارسی اور اردو ہر زبان میں یہ منعقد ہو جاتے ہیں اور کبھی کبھی تو لفظ کے بغیر بھی ان کا انعقاد ہو جاتا ہے، مثلاً بیع تعاطی ہے کہ بدون الفاظ منعقد ہو جاتی ہے، اسی طرح نکاح فضولی میں گفتگو پر قدرت رہتی ہے مگر پھر بھی بدون تکلم وہ منعقد ہو جاتا ہے، لہذا جب یہ قادر الکلام شخص کے حق میں بدون کلام منعقد ہو جاتے ہیں تو جو کلام پر قادر ہی نہیں ہے، یعنی اخرس اس کی طرف سے تو بدرجہ اولیٰ بدون الفاظ یہ عقود منعقد ہو جائیں گے۔

والقصاص الخ: فرماتے ہیں کہ قصاص بھی حق العبد ہے اس لیے یہ بھی اخرس کے اسارے سے ثابت ہو جائے گا، کیونکہ اس کے اثبات میں بھی ضرورت کا فرما ہے۔ البتہ حدود اخرس کے اسارہ اور تحریر سے ثابت نہیں ہوں گے، چنانچہ اگر اخرس اسارے سے اپنے آپ پر حد قذف کا اقرار کرے یا دوسرے پر اس کا اقرار کرے تو نہ تو اس پر حد جاری کی جائے گی اور نہ ہی جس کے خلاف اس نے اقرار کیا ہے اس پر جاری کی جائے گی، اس لیے کہ اولاً تو حدود حق اللہ ہیں اور ان کے اثبات کی اتنی ضرورت نہیں ہے جتنی حقوق العباد کے اثبات کی ہے، ثانیاً اسارہ میں کئی احتمالات ہوتے ہیں اور یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ اس کا اسارہ تہمت پر مبنی ہو، بل کہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس اسارے میں قاذف کی تصدیق کر رہا ہو اس لیے اسارہ سے ثبوت قذف میں شک ہے اور شک کی وجہ سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں۔ فقہ کا مشہور قاعدہ ہے الحدود قندری بالشبهات۔ ثالثاً قذف کے ثبوت کی خاطر صراحۃً قذف کا اقرار شرط اور ضروری ہے اور اسارہ میں صراحت معدوم ہی نہیں بل کہ نیست و نابود ہے، لہذا اس حوالے سے بھی اسارہ سے قذف کا ثبوت نہیں ہوگا۔

ثُمَّ الْفَرْقُ بَيْنَ الْحُدُودِ وَالْقِصَاصِ أَنَّ الْحَدَّ لَا يَثْبُتُ بَيِّنٍ فِيهِ شُبْهَةٌ إِلَّا تَرَىٰ لَوْ شَهِدُوا بِالْوُطْيِ الْحَرَامِ أَوْ أَقَرَّ بِالْوُطْيِ الْحَرَامِ لَا يَجِبُ الْحَدُّ، وَلَوْ شَهِدُوا بِالْقَتْلِ الْمُطْلَقِ أَوْ أَقَرَّ بِمُطْلَقِ الْقَتْلِ يَجِبُ الْقِصَاصُ وَإِنْ لَمْ يَوْجَدْ لَفُظُ التَّعْمُدِ، وَهَذَا لِأَنَّ الْقِصَاصَ فِيهِ مَعْنَى الْعَوْضِيَّةِ، لِأَنَّهُ شُرْعٌ جَابِرٌ فَجَازَ أَنْ يَثْبُتَ مَعَ الشُّبْهَةِ كَسَائِرِ الْمُعَاوَضَاتِ الَّتِي هِيَ حَقُّ الْعَبْدِ، أَمَّا الْحُدُودُ الْخَالِصَةُ لِلَّهِ تَعَالَىٰ شُرْعَتْ زَوَاجِرَ وَلَيْسَ فِيهَا مَعْنَى الْعَوْضِيَّةِ فَلَا يَثْبُتُ لِعَدَمِ الْحَاجَةِ.

ترجمہ: پھر حدود اور قصاص کے مابین فرق یہ ہے کہ حد ایسے بیان سے ثابت نہیں ہوتی جس میں شبہ ہو، کیا دیکھتے نہیں کہ اگر گواہوں نے وطی حرام کی گواہی دی یا واطی نے وطی حرام کا اقرار کیا تو حد نہیں واجب ہوگی۔ اور اگر گواہوں نے مطلق قتل کی شہادت دی یا قاتل نے مطلق قتل کا اقرار کیا تو قصاص واجب ہوگا، اگرچہ لفظ تعدد نہیں پایا گیا۔ اور یہ اس لیے کہ قصاص میں عوضیت کے معنی ہیں، کیونکہ وہ جابر بن کر مشروع ہوا ہے، لہذا شبہ کے ساتھ اس کا ثابت ہونا جائز ہے جیسے وہ تمام معاوضات جو حق العبد ہیں، رہے وہ حدود جو خالص اللہ کا حق ہیں تو وہ زواجر بن کر مشروع ہوئے ہیں اور ان میں عوضیت کا معنی نہیں ہے لہذا یہ شبہ کے ساتھ ثابت نہیں ہوں گے، کیونکہ حاجت معدوم ہے۔

اللغات:

﴿تعتمد﴾ جان بوجھ کر کرنا۔ ﴿جابر﴾ تلافی کرنے والا۔ ﴿سانر﴾ سبھی۔ ﴿زواجر﴾ روکنے والے۔

حدود اور قصاص میں فرق:

ہمارے یہاں حدود اور قصاص میں فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ حدود میں ادنیٰ سا شبہ بھی برداشت نہیں ہے جب کہ قصاص میں تھوڑا بہت شبہ معاف ہے اور معمولی سے شبہ کے ساتھ بھی قصاص ثابت ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر چند لوگوں نے یہ گواہی دی کہ فلاں نے حرام وطنی کی ہے یا کسی شخص نے یہ اقرار کیا کہ میں نے حرام وطنی کی ہے یعنی مجوسیہ عورت سے وطنی کی ہے یا حالت حیض میں اپنی بیوی سے وطنی کی ہے تو اس شہادت یا اقرار سے حد زنا واجب نہیں ہوگی۔ لیکن اگر گواہوں نے یہ گواہی دی کہ فلاں شخص نے فلاں کو قتل کیا ہے یا کسی شخص نے یہ اقرار کیا کہ میں نے فلاں کو قتل کیا ہے تو فلاں پر قتل کا الزام ثابت ہو جائے گا اور اس پر قصاص واجب ہوگا اگرچہ گواہوں نے یہ صراحت نہ کی ہو کہ فلاں نے قتل عمدا کیا ہے یعنی عمد کی صراحت نہ ہونے کے باوجود قصاص کو واجب کر دیا جائے گا حالانکہ اس میں عدم عمد کا شبہ موجود ہے لیکن پھر بھی اس شبہ کو قصاص میں معاف کر دیا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ قصاص میں عوضیت اور مبادلت کے معنی پائے جاتے ہیں، کیونکہ یہ حق العبد ہے اور قاتل سے صادر ہونے والے گناہ کی تلافی کے لیے مشروع کیا گیا ہے اور حقوق العباد معمولی شبہ کے ساتھ ثابت ہو جاتے ہیں لہذا قصاص بھی معمولی شبہ کے ساتھ ثابت ہو جائے گا۔

اس کے برخلاف حدود کا معاملہ ہے تو حدود میں عوضیت کا معنی نہیں ہے، بل کہ یہ خالص اللہ کا حق ہیں اور زواجر بن کر مشروع ہیں، اس لیے شبہ کے ساتھ ان کے ثبوت کی کوئی ضرورت نہیں ہے، لہذا حدود شبہ کے ساتھ ثابت نہیں ہوں گے۔

وَذَكَرَ فِي كِتَابِ الْإِقْرَارِ أَنَّ الْكِتَابَ مِنَ الْغَائِبِ لَيْسَ بِحُجَّةٍ فِي قِصَاصٍ يَجِبُ عَلَيْهِ، وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ الْجَوَابُ هُنَا كَذَلِكَ فَيَكُونُ فِيهَا رَوَاتَانِ وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ مُفَارِقًا لِذَلِكَ، لِأَنَّهُ يُمْكِنُ الْوُصُولُ إِلَى نُطْقِ الْغَائِبِ فِي الْجُمْلَةِ لِقِيَامِ أَهْلِيَةِ النُّطْقِ، وَلَا كَذَلِكَ الْآخَرُ لِنَعْدَرِ الْوُصُولِ إِلَى النُّطْقِ لِلْأَفَةِ الْمَانِعَةِ.

ترجمہ: اور مبسوط کی کتاب الاقرار میں ہے کہ غائب کی تحریر اس پر واجب شدہ قصاص کے متعلق حجت نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہاں یہی حکم ہو تو اس میں دو روایتیں ہو گئیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اخرس غائب سے الگ ہو، کیونکہ فی الجملہ غائب تک رسائی ممکن ہے اس لیے کہ (اس میں) اہلیت نطق قائم ہے۔ اور اخرس ایسا نہیں ہے، کیونکہ اس کے نطق تک رسائی معذرت ہے اس آفت کی وجہ سے جو مانع نطق ہے۔

اللغات:

﴿حجۃ﴾ دلیل۔ ﴿مفارق﴾ جدا، علیحدہ۔ ﴿نطق﴾ بولنا۔ ﴿اخروس﴾ گونا۔

غائب کے تحریری اقرار کی حیثیت:

اس سے پہلے جامع صغیر کے حوالے سے یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اخرس اگر تحریر یا اسارہ کے ذریعے اپنے آپ پر قصاص کا

اقرار کرے تو اس کی تحریر یا اس کا اسارہ معتبر ہوگا اور اس پر قصاص واجب ہوگا۔ یہاں مبسوط کے حوالے سے یہ بتا رہے ہیں کہ اگر غائب کسی تحریر کے ذریعے اپنے آپ پر قصاص کا اقرار کرے تو وجوب قصاص کے متعلق یہ تحریر معتبر نہیں ہوگی اور اس پر قصاص نہیں واجب ہوگا۔ صاحب ہدایہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ مبسوط میں اخرس کی تحریر کا بھی یہی حکم ہو یعنی اس کی تحریر سے اس پر قصاص واجب نہ ہو جب کہ جامع صغیر میں بذریعہ تحریر اس پر قصاص واجب کیا گیا ہے، اگر ہم مبسوط کے احتمال کو اخرس کے حق میں معتبر مان لیں تو اخرس کے متعلق دو روایتیں ہو جائیں گی (۱) جامع صغیر کی۔ اس میں تحریر کے ذریعے وجوب قصاص کے حوالے سے اخرس کا اقرار معتبر ہے (۲) مبسوط کی روایت جہاں اقرار معتبر نہیں ہے۔

وَبِحْتَمَلِ أَنْ يَكُونَ مَفَارِقًا لِّخ: فرماتے ہیں کہ یہ بھی ہو سکتا ہے مبسوط میں جو حکم مذکور ہے وہ فقط غائب کے حق میں ہو اور اخرس سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو اور تحریر کے ذریعے وجوب قصاص کے حوالے سے اخرس اور غائب دونوں میں فرق ہو اور وجہ فرق یہ ہو کہ غائب میں نطق کی اہلیت موجود ہے اور فی الجملہ وہ نطق پر قادر ہے، لہذا اس کے نطق تک رسائی ممکن ہونے کی وجہ سے اس کی تحریر معتبر نہیں ہوگی۔ جب کہ اخرس میں آفت سایہ کی وجہ سے نطق کی اہلیت معدوم ہے اور اس کے حق میں نطق سرے سے معذور اور معدوم ہے، اس لیے وجوب قصاص کے حوالے سے اس کی تحریر معتبر ہوگی۔

وَدَلَّتِ الْمَسْأَلَةُ عَلَى أَنَّ الْإِشَارَةَ مُعْتَبَرَةٌ وَإِنْ كَانَ قَادِرًا عَلَى الْكِتَابَةِ، بِخِلَافِ مَا تَوَهَّمَهُ بَعْضُ أَصْحَابِنَا أَنَّهُ لَا تُعْتَبَرُ الْإِشَارَةُ مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَى الْكِتَابَةِ لِأَنَّهُ حُجَّةٌ ضَرُورِيَّةٌ وَلَا ضَرُورَةَ، لِأَنَّهُ جَمَعَ هَهُنَا بَيْنَهُمَا فَقَالَ أَشَارَ أَوْ كَتَبَ وَإِنَّمَا اسْتَوَيَا، لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا حُجَّةٌ ضَرُورِيَّةٌ، وَفِي الْكِتَابَةِ زِيَادَةٌ بَيَانٍ لَمْ يُوجَدْ فِي الْإِشَارَةِ، وَفِي الْإِشَارَةِ زِيَادَةٌ أَمْرٌ لَمْ يُوجَدْ فِي الْكِتَابَةِ لِمَا أَنَّهُ أَقْرَبُ إِلَى النُّطْقِ مِنْ أَثَارِ الْأَقْلَامِ فَاسْتَوَيَا.

ترجمہ: اور یہ مسئلہ اس بات کا غماز ہے کہ اسارہ معتبر ہے اگرچہ مشیر کتابت پر قادر ہو برخلاف اس وہم کے جو ہمارے کچھ اصحاب کو ہوا ہے کہ کتابت پر قدرت ہوتے ہوئے اسارہ معتبر نہیں ہے، کیونکہ اسارہ حجت ضروریہ ہے اور یہاں ضرورت نہیں ہے۔ (اسارہ معتبر ہونے کی دلیل یہ ہے کہ) امام محمد رحمہ اللہ نے جامع صغیر میں اسارہ اور کتابت کو جمع کر کے یوں فرمایا ہے أَشَارَ أَوْ كَتَبَ وہ اسارہ کرے یا تحریر لکھے۔ اور یہ دونوں برابر ہیں، کیونکہ ان میں سے ہر ایک حجت ضروریہ ہے اور کتابت میں بیان کی جو زیادتی ہے وہ اسارہ میں نہیں ہے اور اسارے میں جس امر کی زیادتی ہے وہ کتابت میں موجود نہیں ہے، اس لیے کہ اسارہ نقوش اقلام کے بالمقابل نطق کے زیادہ قریب ہے لہذا دونوں برابر ہو گئے۔

اللغات:

﴿کتابہ﴾ لکھنا۔ ﴿حجۃ﴾ دلیل۔ ﴿استویا﴾ دونوں برابر ہوئے۔ ﴿نطق﴾ بولنا۔

اشارہ اور کتابت کا ایک ہی حکم ہونے کا مسئلہ:

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ جامع صغیر میں امام محمد رحمہ اللہ نے وإذا كان الآخرس يكتب كتابا أو يومى إيماء الخ: کی

جو عبارت پیش کی ہے اس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اسارہ اور کتابت دونوں کا حکم ایک ہے چنانچہ اگر آخر اس کتابت پر قادر ہو اور اسارے سے اقرار کرے تو اس کا اسارہ درست اور معتبر ہے، یہی عامۃ الفقہاء کی رائے ہے، لیکن کچھ لوگوں کو یہ وہم ہو گیا ہے کہ قدرت علی الکتابت کے ہوتے ہوئے اسارہ کا اعتبار نہیں ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اسارہ حجت ضروریہ ہے جو ضرورت کے تحت بقدر ضرورت ہی ثابت ہوتا ہے اور کتابت پر قدرت کے ہوتے ہوئے اسارہ کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے اس وقت اسارہ معتبر نہیں ہوگا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ان حضرات کا یہ وہم غلط ہے، اس لیے کہ امام محمد رحمہ اللہ نے جامع صغیر میں دونوں کو ایک ساتھ فرق اور فوقیت کے بغیر بیان کیا ہے اور یہ سمجھنا کہ اسارہ بر بنائے ضرورت ثابت ہوتا ہے صحیح نہیں ہے، بل کہ اسارہ اور کتابت دونوں بر بنائے ضرورت ثابت ہوتے ہیں اور دونوں حجت ضروریہ ہیں ان کی اصل تو نطق اور تکلم ہے۔ اور اگر کتابت اس وجہ سے افضل ہے کہ اس سے بات واضح ہو جاتی ہے اور مفہوم اچھی طرح سمجھ میں آ جاتا ہے اور یہ چیز اسارہ میں نہیں ہے تو اسارہ بھی کتابت سے افضل ہے اس حوالے سے کہ اسارہ نطق سے زیادہ قریب ہے کیونکہ اسارہ بھی براہ راست اعضاء و جوارح سے ہوتا ہے اور نطق بھی اعضاء و جوارح سے انجام پاتا ہے تو ایک اعتبار سے کتابت افضل ہے اور دوسرے اعتبار سے اسارہ افضل ہے، اس لیے دونوں برابر ہیں اور ایک پر قدرت کے ہوتے ہوئے بھی دوسرے سے کام چلایا جاسکتا ہے۔

وَكَذَلِكَ الَّذِي صَمَّتْ يَوْمًا أَوْ يُؤْمِنُ بِعَارِضٍ لِمَا بَيَّنَّا فِي الْمُعْتَقَلِ لِسَانَهُ أَنَّ آلهَ النَّطْقِ قَائِمَةٌ، وَقِيلَ هَذَا تَفْسِيرٌ لِمُعْتَقَلِ اللِّسَانِ.

ترجمہ: اور ایسے ہی وہ شخص جو کسی عارض کی وجہ سے ایک یا دو دن خاموش رہا ہو اس دلیل کی وجہ سے جو ہم معتقل اللسان کے متعلق بیان کر چکے ہیں کہ آگے نطق موجود ہے اور کہا گیا کہ یہ معتقل اللسان کی تفسیر ہے۔

اللغات:

﴿صمت﴾ خاموش رہا۔ ﴿عارض﴾ عارضی وجہ، بیماری وغیرہ۔ ﴿نطق﴾ بولنا۔

عارضی طور پر نہ بول سکنے والے کا اشارہ:

مسئلہ یہ ہے کہ معتقل اللسان کا اسارہ معتبر نہیں ہے جیسا کہ ماقبل میں ولا يجوز ذلك في الذي يعتقل لسانه کے تحت اسے بیان کیا گیا ہے اسی پر یہاں کی عبارت ولا كذلك الخ۔ معطوف ہے یعنی جس طرح معتقل اللسان کا اسارہ معتبر نہیں ہے، اسی طرح اس شخص کا اسارہ بھی معتبر نہیں ہے، جو ایک دو دن تک خاموش رہا ہو اور کسی عارض کی وجہ سے اس کی زبان رُک گئی ہو، کیونکہ اس کے حق میں بھی آگے نطق یعنی زبان موجود ہے اور فی الجملہ یہ شخص نطق اور گفتگو پر قادر ہے۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ معتقل اللسان کی تفسیر ہے۔

قَالَ وَإِذَا كَانَ الْغَنَمُ مَذْبُوحَةً وَفِيهَا مَيْتَةٌ، فَإِنْ كَانَتْ الْمَذْبُوحَةُ أَكْثَرَ تَحَرَّى فِيهَا وَأَكَلَ، وَإِنْ كَانَتْ الْمَيْتَةُ

أَكْثَرَ أَوْ كَانَ نَصْفَيْنِ لَمْ يُؤْكَلْ وَهَذَا إِذَا كَانَتِ الْحَالَةُ حَالَةَ الْإِخْتِيَارِ، أَمَّا فِي حَالَةِ الضَّرُورَةِ يَحِلُّ لَهُ التَّنَاوُلُ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ، لِأَنَّ الْمَيْتَةَ الْمُتَيَقَّنَةَ تَحِلُّ لَهُ فِي حَالَةِ الضَّرُورَةِ فَالَّتِي تَحْتَمِلُ أَنْ تَكُونَ ذَكِيَّةً أَوْ لَى غَيْرَ أَنَّهُ يَتَحَرَّى لِأَنَّهُ طَرِيقٌ يُوصِلُهُ إِلَى الذَّكِيَّةِ فِي الْجُمْلَةِ فَلَا يَتَرُكُهَا مِنْ غَيْرِ ضَرُورَةٍ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر مذبوہ بکریاں ہوں اور ان میں کچھ مردار بھی ہوں تو اگر مذبوہ بکریاں زیادہ ہوں تو ان میں تحری کر کے کھالے۔ اور اگر مردار بکریاں زیادہ ہوں یا مذبوہ اور مردار نصف نصف ہوں تو نہیں کھائی جائیں گی۔ اور یہ حکم حالت اختیار کا ہے اور حالت ضرورت میں اس کے لیے ان تمام صورتوں میں ”اکل“ جائز ہے کیونکہ (جب) یقینی طور پر حرام بکری حالت ضرورت میں اس کے لیے حلال ہے تو جو بکری مذبوہ ہونے کا احتمال رکھتی ہو وہ تو بدرجہ اولیٰ جائز ہوگی، تاہم وہ تحری کرے گا، کیونکہ تحری ایسی راہ ہے جو اسے فی الجملہ ذکیہ تک پہنچا دے گی، لہذا وہ شخص بغیر ضرورت کے تحری کو نہیں چھوڑے گا۔

اللغات:

﴿غنم﴾ بکریاں۔ ﴿تحری﴾ اندازہ کرے۔ ﴿متیقنہ﴾ پختہ، یقینی۔ ﴿ذکیہ﴾ مذبوہ، حلال کی ہوئی۔ ﴿یوصلہ﴾

اس کو پہنچا دے گا۔

بہت سی مذبوہ بکریوں میں سے کھانا جبکہ چند ایک مردار بھی شامل ہوں:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی جگہ بہت ساری بکریاں مری پڑی ہوں اور ان میں سے کچھ مذبوہ ہوں اور کچھ مردار ہوں اور جو شخص ان کا مالک ہو یا وہاں موجود ہو اسے یہ نہ معلوم ہو کہ کون سی بکریاں مذبوہ ہیں اور کون سی مردار ہیں تو اس صورت میں سب سے پہلے یہ دیکھا جائے گا کہ مذبوہ اکثر ہیں یا مردار؟ اگر مذبوہ اکثر ہوں اور مردار سے زائد ہوں تو اسے چاہئے کہ ان میں تحری کر کے اور بعد تحری جنہیں وہ مذبوہ سمجھے انہیں نوش فرمالے یعنی تحری میں جو بکریاں اسے مذبوہ معلوم ہوں ان بکریوں کو کھانا اس کے لیے حلال اور درست ہے۔ اور اگر مردار بکریاں زیادہ ہوں یا مذبوہ اور مردار دونوں برابر برابر ہوں تو ان کا کھانا حلال اور جائز نہیں ہے۔

وهذا إذا كانت الخ: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ حکم ہمارے یہاں ہے اور اس صورت میں ہے جب اختیاری حالت ہو۔ اور اگر اضطراری حالت ہو تو بغیر تفصیل کے مذبوہ اور میت سب کو کھانا جائز ہے، کیونکہ حالت اضطراری میں جب یقینی طور سے مردہ معلوم بکری کو کھانا جائز ہے تو جس بکری کے متعلق مذبوہ ہونے کا احتمال اور خیال ہو اس کا کھانا تو بدرجہ اولیٰ جائز اور حلال ہوگا۔ البتہ یہ بات ذہن میں رہے کہ حالت اختیار کی طرح حالت اضطرار میں بھی انسان تحری کر لے، کیونکہ تحری کے ذریعے مذبوہ تک رسائی ہو سکتی ہے اور مذبوہ بہر صورت میت سے بہتر ہے اگرچہ حالت اضطراری میں میت بھی حلال ہے، اس لیے بغیر مجبوری کے تحری ترک کرنا مناسب نہیں ہے ہاں اگر شخص کی حالت ہو اور تحری کرنے سے جان جانے کا خدشہ ہو تو اس نہائی اور آخری حالت میں ترک تحری کی گنجائش ہے۔

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ لَا يَجُوزُ الْأَكْلُ فِي حَالَةِ الْإِخْتِيَارِ وَإِنْ كَانَتْ الْمَذْبُوحَةُ أَكْثَرَ، لِأَنَّ التَّحْرِيَّ دَلِيلُ ضَرُورِيٍّ فَلَا يَصَارُ إِلَيْهِ مِنْ غَيْرِ ضَرُورَةٍ، وَلَا ضَرُورَةٍ، لِأَنَّ الْحَالَةَ حَالَةُ الْإِخْتِيَارِ، وَلَنَا أَنَّ الْغَلْبَةَ تَنْزِلُ مَنْزِلَةَ الضَّرُورَةِ فِي إِفَادَةِ الْإِبَاحَةِ، أَلَا تَرَى أَنَّ أَسْوَاقَ الْمُسْلِمِينَ لَا تَخْلُو عَنْ الْمُحَرَّمَ وَالْمَسْرُوقِ وَالْمَغْصُوبِ، وَمَعَ ذَلِكَ يَبَاحُ التَّنَاوُلُ اعْتِمَادًا عَلَى الْغَالِبِ، وَهَذَا لِأَنَّ الْقَلِيلَ لَا يُمَكِّنُ الْإِخْتِرَازَ عَنْهُ وَلَا يَسْتَطَاعُ الْإِمْتِنَاعُ عَنْهُ فَسَقَطَ إِغْبَارُهُ دَفْعًا لِلْحَرَجِ كَقَلِيلِ النَّجَاسَةِ وَقَلِيلِ الْإِنْكَشَافِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَا نَصْفَيْنِ أَوْ كَانَتْ الْيَمِينَةُ أَغْلَبَ لِأَنَّهُ لَا ضَرُورَةَ فِيهِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ، وَإِلَيْهِ الْمَرْجِعُ وَالْمَأْبُت.

ترجمہ: امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حالت اختیار میں کھانا جائز ہے اگرچہ مذبوحہ زیادہ ہوں، کیونکہ تحری دلیل ضروری ہے لہذا بدون ضرورت اس کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا اور یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ حالت اختیار ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اباحت کا فائدہ دینے میں غلبہ کو ضرورت کے درجے میں اتار لیا جاتا ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ مسلمانوں کے بازار حرام، مسروق اور مغضوب اشیاء سے خالی نہیں ہوتے اس کے باوجود غالب پر اعتماد کرتے ہوئے تناول کرنا جائز ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ قلیل سے احتراز ممکن نہیں ہے اور اس سے بچنے کی سکت نہیں ہے، لہذا دفع حرج کے پیش نظر اس کا اعتبار ساقط ہو گیا جیسے قلیل نجاست اور قلیل انکشاف۔

برخلاف اس صورت کے جب وہ دونوں نصف نصف ہوں یا مردار غالب ہوں، کیونکہ اس میں کوئی ضرورت نہیں ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

اللُّغَاتُ:

﴿تحری﴾ اندازہ لگانا۔ ﴿لا یصار﴾ نہیں پھرا جائے گا۔ ﴿اسواق﴾ واحد سوق؛ بازار۔ ﴿تناول﴾ حاصل کرنا۔

﴿احتراز﴾ بچنا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب:

ہمارے یہاں اگر مذبوحہ بکریاں زیادہ ہوں تو تحری کر کے حالت اختیار میں ان کا کھانا حلال ہے، لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں حالت اختیار میں بھی ان کو کھانا جائز نہیں ہے، اگرچہ مذبوحہ بکریاں زیادہ ہوں، کیونکہ تحری دلیل ضروری ہے اور الضرورة تنقذ بقدر الضرورة والے فقہی ضابطے کے تحت بوقت ضرورت ہی اس کی طرف رجوع کیا جائے گا اور حالت اختیار میں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس لیے یہاں نہ تو تحری ہوگی اور نہ ہی اس کا کھانا حلال ہوگا۔

ولنا أن الغلبة الخ: ہماری دلیل یہ ہے کہ جس طرح ضرورت اور اضطرار سے اباحت ثابت ہو جاتی ہے اسی طرح غلبہ اور کثرت سے بھی اباحت ثابت ہو جاتی ہے اور اثبات حلت میں غلبہ کو ضرورت کے قائم مقام مان لیا جاتا ہے چنانچہ مسلمانوں کے بازار میں حرام چیزیں بھی کھتی ہیں اور مسروقہ اور مغضوبہ اشیاء بھی ملتی ہیں اس کے باوجود غلبہ اور کثرت کی وجہ سے حلال چیزوں کو حرام نہ

درست اور جائز قرار دیا گیا ہے اور قلیل کا اعتبار ساقط کر دیا گیا ہے۔

وہذا لأن الخ: فرماتے ہیں کہ صورت مسئلہ میں قلیل کا اعتبار ساقط کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قلیل سے احتراز ممکن نہیں ہے اور نہ ہی اس سے بچنے کی سکت اور طاقت ہے اب اگر ہم قلیل کو بدر اور معاف نہیں قرار دیں گے تو حرج لازم آئے گا حالانکہ شریعت میں حرج دور کر دیا گیا ہے اس لیے دفع حرج کے پیش نظر یہاں بھی قلیل کا اعتبار ساقط کر دیا گیا ہے، جیسے دفع حرج ہی کے پیش نظر قلیل نجاست اور قلیل انکشاف کا اعتبار ساقط کر دیا گیا ہے، اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی قلیل کو معاف قرار دے دیا گیا ہے۔

بخلاف ما إذا كانا الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مذکورہ اور مردار بکریاں آدھی آدھی ہوں یا مردار بکریاں زیادہ ہوں اور حالت حال اختیار ہو تو یہاں حلت اور اباحت ثابت نہیں ہوگی، کیونکہ یہاں نہ تو ضرورت ہے اور نہ ہی ضرورت کے قائم مقام یعنی کثرت اور غلبہ ہے اور بدون ضرورت اباحت ثابت نہیں ہوتی، اس لیے ان صورتوں میں حلت اور اباحت ثابت نہیں ہوگی۔ فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

مفتی عبدالحکیم قاسمی دستوری

الحمد للہ آج مورخہ ۴ ربیع الثانی، ۱۴۳۰ھ مطابق یکم اپریل ۲۰۰۹ء بروز بدھ نماز ظہر احسن الہدایہ کی یہ جلد اختتام پذیر ہوئی۔ رب کریم سے دعا ہے کہ احسن کی دیگر جلدوں کی طرح اسے بھی قبولت عامہ تامہ سے نوازیں اور شارح کے والد محترم جناب محمد حنیف صاحب مرحوم کے لیے اسے ذخیرہ آخرت بنائیں جو حال ہی میں اس دار فانی سے رخصت ہوئے ہیں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ، وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ،
وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ

